مسیحی

جلد ۷ نمبر ۱ — جنوری ۱۹۰۲ء

یہ رسالہ ہر مہینہ کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شائع ہوتا ہے۔ اِس کا کسی خاص کلیسیا یا مشن سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور اِس لیئے تمام مسیحیوں کی بلا لحاظ فرقہ بندی قلمی اور مالی امداد کا حقدار ہے۔ قیمت دو روپیہ سالیانہ۔ لیکن جو دیسی مسیحی پہلی سہ ماہی میں قیمت ادا کر دیں اور رعایت کے لیے درخواست کریں ان سے ایک روپیہ آٹھ آنہ لیے جائیں گے۔

جملہ خط و کتابت بنام ایم ایل رلیا رام وکیل امرتسر ہونی چاہیئے

مقاصد

۱:۔ مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کرنا + ۲:۔ کتاب مقدس کی تلاوت اور دُعا کے لیئے تحریک + ۳:۔ مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کر کے مسیحی یگانگت کو قائم کرنا اور پھیلانا + ۴:۔ نامی مسیحی کارندوں کی سرگزشتیں چھاپنا + ۵:۔ جہاں تک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا اظہار کرنا +

فہرست مضامین جنوری ۱۹۰۲ء

تازہ خبریں

35960

اِس نمبر سے مسیحی کی تقطیع بڑھائی گئی ہے - یوں ڈیوڑھے سے کچھ زیادہ مضامین کی گنجائش ہوگی - سرورق پر جو قیمت کا اشتہار درج ہے اسکو غور سے پڑھیئے + پنجاب ریلیجس بک سوسائیٹی کی طرف سے ترقی نامی ایک ماہوا رسالہ جاری کیا گیا ہے - نہایت عمدہ اور سستا اخبار ہے - نمونہ کی کاپی ضرور منگوائیے + آنریبل کنور سر ہرنام سنگھ کے - سی - آئی - ای نے ہندوستانی مسیحیوں کی تعلیم کے لیے پچاس ہزار روپیہ مرحمت فرمایا - اسکے سود سے غریب مسیحی لڑکوں کو وظیفہ دیئے جائینگے + لاہور کے ہندوستانی مسیحیوں نے ایک جلسے میں یہ تجویز منظور کی کہ شاہ ایڈورڈ کی تخت نشینی کی تقریب پر ہندوستان کے مسیحیوں کی طرف سے مبارکباد کا ایڈریس پیش کیا جاوے + کنور ہرنام سنگھ بالقابہ اِس تقریب پر شامل ہونے کی امید رکھتے ہیں + بقول نور افشاں جھنگ بار میں ایک مسیحی بستی کا نام سرکاری طور پر ینگسن آباد رکھا گیا ہے اور چرچ مشنری سوسائٹی اسکی نمبردار مقرر کی گئی ہے - اِتنی بڑی سوسائٹی اور ایک معمولی گاؤں کی نمبرداری - ڈپٹی کمشنری یا لاٹ صاحبی زیادہ موزوں ہوتی! ماہ رواں میں امرتسر چرچ مشن سکول کی جوبلی (پچاسویں سالگرہ) منائی گئی + لاٹ صاحب نے فرمایا کہ مشن اسکول امرتسر کے لئے برکت کا باعث ہے - تعلیم کے لحاظ سے شاید ایسا ہو - مسیحی اثر کے پہلو سے تو نہیں - نارمن صاحب کے وقت میں تھا + تجویز ہے کہ پنجاب سی - ایم - ایس آفس سے مرحوم منیجر مسٹر وسٹ کی یادگار میں امرتسر کے گرجا میں ایک لوح نصب کیا جاوے چندہ پادری آئرلینڈ جونس لاہور کے پاس بھیجنا چاہیئے + مولوی ڈاکٹر عماد الدین صاحب کی یادگار میں بھی لاہور کے کتھیڈرل اور امرتسر کے گرجا میں لوح نصب ہونگے - نیز امرتسر کے گرجا میں نیا گھنٹہ لگایا جاوے گا - پادری میکنزی صاحب (امرتسر) چندہ جمع کر رہے ہیں + سیالکوٹ کے پادری بالنٹین صاحب جو اپنے کارندوں کے لیے مسیحی کی ستر کاپیاں منگواتے ہیں - تحریر کرتے ہیں کہ "مسیحی مجھکو بہت عزیز ہے - میرے کارندے اسکو بڑی خوشی سے پڑھتے اور اِس کے مطالعہ سے بڑا فائدہ اٹھاتے ہیں" + ہندوستانی مسیحیوں کی نمائش صنعت و حرفت بتاریخ ۲۲ - ۲۴ - ۲۵ فروری بمقام الہ آباد منعقد ہوگی - نمائش کے لیے کل اشیاء دسویں فروری تک سکریٹری کمیٹی نمائش کے پاس پہنچ جانی چاہیئے - اِس موقعہ پر انڈین کرسچن اسوسی ایشن کی طرف سے اُن مسیحی طالب علموں کو انعام بھی دیے جائیں گے جو الہ آباد یونیورسٹی کے امتحانوں میں کامیاب ہوئے - لکھنؤ کے کمشنر نمائش کی افتتاح کرینگے اور لاٹ صاحب انعام تقسیم کریں گے - جو اصحاب نمائش دیکھنے کو جانا چاہیں ان کو اودھ روہیلکھنڈ ریلوے پر

واقعات اور رائیں

ساتویں جلد کا آغاز - اِس سال کے پہلے نمبر سے اِس رسالہ کی ساتویں جلد شروع ہوتی ہے۔ سال گذشتہ میں مطبع کی بدانتظامی کی وجہ سے چند ماہ تک رسالہ وقت پر نہ نکل سکا۔ اب سنے سال سے نیا انتظام کیا گیا ہے اور ہر طرح سے کوشش کی جائے گی کہ عین الوقت کو مدنظر رکھا جائے۔ عموماً ایسے رسالہ کے مضامین پیشتر کے نہیں ہوتے جو جلد باسی ہو جائیں۔ اِسلئے امید ہے کہ اگر آیندہ ایسی تاخیر ہو تو ناظرین گھبرا نہیں اُٹھیں گے۔ حسب معمول سابق ہم اپنے مسیحی ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ جن جن اصحاب کا بقایا واجب الادا ہو وہ مہربانی کرکے اپنا حساب بیباق کریں۔ اور آیندہ چندہ پیشگی ارسال فرما کر مینیجر کو ممنون فرمائیں۔ ہمیں مجبوراً پیشگی چندہ پر زور دینا پڑتا ہے۔ جو صاحبان اول سہ ماہی میں اپنا زرچندہ ادا کر کے رعایت کی درخواست کریں اُنسے ڈیڑھ باقیوں سے ۲ وصول کیا جائیگا۔ کاش ہم کو سال کے شروع میں اِس قسم کے تقاضا کی ضرورت نہ پڑتی۔ امید ہے کہ ہمارے معزز مسیحی ناظرین کی خوش معاملگی اِس سال میں ہم کو بل بھیجنے اور یاد دہانی کی خدمت سے سبکدوش کریگی۔ آیندہ کل خط و کتابت متعلق اخبار مسٹر ایم۔ ایل رلیا رام بی ایل امرتسر کے نام ہونی چاہیئے۔ مسیحی پریس لاہور سے کچھ تعلق نہیں رہا ہے ؎ آں قدح بشکست آں ساقی نماند؎

مختلف کلیسیاؤں کا الحاق اور اتحاد - بیسویں صدی کا آغاز انجیل کی ترقی کے لحاظ سے نہایت نیک شگون کے ساتھ ہوا ہے۔ جدھر دیکھو چرچوں کے اختلاف مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ماہ مئی گذشتہ میں ملک جرمنی میں ۲۳ مشنوں کے ۴۷ ممبروں نے ایک مجلس منعقد کی جو ہر چار سال کے بعد ہوا کرتی ہے۔ اور برادرانہ نہایت مفید مضامین پر غور کی۔ اُس سے اگلے مہینے میں انگلستان کے بائبل ہاؤس میں بیس مختلف سوسائٹیوں کے شرکا جمع ہوئے اور شستہ ہی انتظام کے متعلق مختلف امور کی نسبت بحث کی گئی۔ اُسی ماہ میں ملک اٹلی کی مختلف کلیسیاؤں میں اتحاد اور اتفاق قایم کرنے کی غرض سے ایک میٹنگ منعقد ہوئی۔ علی ہذالقیاس چین میں اور خصوصاً جاپان میں اِس اتفاق اور اتحاد پر بڑا زور دیا جا رہا ہے۔ پندرہ سال کا عرصہ گزرا کہ جاپان کی تمام پریسبٹیرین کلیسیائیں ملکر ایک بن گئیں اور اب وہی کوشش ماہ گذشتہ میں الہ آباد میں کی گئی جہاں تیرہ پریسبٹیرین فرقوں کے قریب پچاس وکیل جمع ہوئے اور ایک عام عقایدنامہ پر اتفاق کر کے تمام ہندوستان کی ایک عام پریسبٹیرین کلیسیا بنائی گئی۔ اِسی قسم کی کوشش ملک میکسیکو میں کی جا رہی ہے۔ ہمیں اِن تمام مجالس اور کونسلوں میں خدا کا ہاتھ نظر آ رہا ہے۔ اور

اِس میں کچھ شک نہیں کہ اگر کلیساؤں میں اتفاق ہو اور جہاں جہاں چرچوں کی حدود نہایت خفیف بلکہ موہوم ہیں۔ اگر انکو معدوم کیا جائے تو غیر مسیحیوں کے سامنے سے مسیحی مشنوں کی پھوٹ کا ایک بڑا بھاری پتھر ہٹایا جائیگا۔ برسات کے موسم میں بارش ہونے سے پیشتر اِدھر اُدھر سے بدلیاں جمع ہوکر ایک بڑی گھٹا بن جاتی ہے جو ملک کو سیراب کرتی ہے۔ کیا ہم خدا سے اِس صدی میں ایسی قسم کی امید نہ رکھیں کہ وہ اِن مختلف کلیساؤں سے دنیا کو بڑی برکت دیگا۔ اور شاید رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں وہ دن آئیگا کہ نہ پرسبٹیرین اور نہ اینگلیکن بلکہ دونوں کے مجموعہ سے ایک نئی صورت کی ہندوستانی کلیسیا پیدا ہوگی ❖

نور کے فرزند۔ اِس نور کے لفظ میں تمام مسیحی صفات اور فرائض شامل ہیں۔ مسیحی لوگ دنیا کی تاریکی کو منور کرنے والے ہیں۔ نور کے فرزند یعنی قدم کے ساتھ سیدھے نشان کی طرف چلے جاتے ہیں۔ تاریکی میں چلنے والے بڑے خوف اور اندیشہ کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں۔ نور کے فرزند راست رو اور دیانتدار اور ہر ایک کام برملا کرنے والے ہوتے ہیں۔ تاریکی کے فرزند اپنے کاموں کو چھپانا پسند کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی نگاہ سے اور خدا سے بلکہ اپنے نورِ قلب سے اپنے آپ کو بچاکر اندھیرے میں رہنا چاہتے ہیں۔ نور کے فرزند دن کی روشنی کام میں لاتے۔ اور اپنی محنت سے بنی آدم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ پھر وہ حلیم اور خاکسار ہوتے ہیں۔ سورج بھی اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتا۔ وہ اپنی روشنی سے خدا کی خلقت کے عجائبات کو روشن اور ظاہر کرتا ہے اور خود چھپا رہتا ہے۔ نہ تاریکی میں بلکہ نور کے پردہ میں جیسا کہ خود خدا نور میں رہتا ہے۔ اگر کسی نے فروتنی کو بالانشین دیکھنا ہو تو رات کے وقت چمکدار ستاروں کا ملاحظہ کرے۔ وہ کیسی ترتیب سے لگاتار اپنے اپنے حلقوں میں چکر لگاتے ہیں۔ اِسی طرح نور کے فرزند اپنے کاروبار میں مستعد اور باقاعدہ رہتے ہیں۔ آخر میں نور کے فرزند روشنی کی طرح پاکیزہ ہیں۔ اور اوروں کو پاک کرتے ہیں۔ وہ روشنی کی طرح سب کو خوش کرتے اور بلا امتیاز نیک و بد سب کو پیار کرتے ہیں ❖

ایک عجیب کلیسیا۔ شاید بہت کم مسیحی واقف ہونگے کہ تبت لداخ کے برفانی علاقہ میں چند مشنری صاحبان رہتے ہیں جو موریوین مشن سے متعلق ہیں۔ اِس کلیسیا کے آغاز کا نویں صدی مسیحی تک پتا چلتا ہے۔ آگ اور خون میں سے بارہا گزر کر اس کا خلوص اِس درجہ کا ہو گیا ہے کہ آج کوئی مسیحی قوم ایمان کی سادگی اور مشنری روح میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جفاکشی اور بُردباری میں اِس فرقہ کے مشنری نمونہ اور ضرب المثل ہیں قطب شمالی کے گردنواح کے برفانی ممالک میں اور صحرا کی جلتی ریت میں اور دشوار گزار اور سخت علاقوں میں جہاں زندگی کی ضروریات بمشکل دستیاب ہو سکتی ہیں غرض جہاں اَور اقوام کے مشنری بہت کم رہ سکتے ہیں یہ بندگانِ خدا مسیح کا جھنڈا گاڑنے کے لیے نکل جاتے ہیں۔ اِس کلیسیا کے خاص تین اصول ہیں۔ یعنے ہر ایک ایماندار کا کام ہے مسیح کی

گواہی دینا۔ جہاں مسیح کی خدمت کی ضرورت ہے وہیں اپنا وطن ہے۔ مسیح کی خاطر مطلق خود نثاری یا خود فراموشی ہر ایک کی صلیب ہے۔ اٹھارہویں صدی میں جب ممالک یورپ میں ہر قسم کی بیدینی اور بد اخلاقی کا طوفان زوروں پر تھا تو اسی چھوٹی سی کلیسیا میں انجیل کی صحیح تعلیم اور زندہ و تاثیر موجود تھی۔ مشنری خدمت کا شوق جو اس کلیسیا کے ممبروں میں پایا جاتا ہے کہیں اور موجود نہیں۔ ایک سوسائٹی صرف مسیحیوں میں کام کرنیوالی ہے جسکے شرکا یوروپ کے بہت سے ملکوں میں موجود ہیں۔ وہ ادھر اُدھر کلیسیاؤں میں کلام سُناتے اور دعا و وعظ کرتے اور خانہ بخانہ پھر کر مسیحی زندگی کو تازہ کرتے ہیں۔ ۱۸۶۲ء میں اس سوسائٹی کے متعلق ایک سو بیس مشنری متعین تھے۔ اور کل ممبروں کی تعداد ۸۰۰۰۰ تھی۔ اُنیسویں صدی کے اختتام پر اس کلیسیا کے شرکا کی تعداد اپنے ملک میں ۹۶۸۷۷ اور دیگر ممالک میں ۹۵۳۲۴ تھی۔ یعنے کل میزان ۱۹۲۲۰۱ تھی۔ ان میں سے ۲۹۷ مشنری غیر ممالک میں ہیں۔ اس حساب سے ۲۴۲ (اشخاص ربانی کے) شرکا پیچھے ایک آدمی مشنری ہے۔ اگر یہی جوش اور مسیحی ممالک میں ہوتا تو بجائے دس ہزار کے اسوقت سات لاکھ مشنری دنیا میں موجود ہوتے ۞

بشپ ولڈن صاحب اور برہمو سماج — ناظرین کو معلوم ہوگا کہ کچھ عرصہ سے بشپ ولڈن صاحب اور برہمو سماج کے پادری پرتاپ چندر موزومدار کے درمیان کھلی چٹھیوں کا سلسلہ چل رہا ہے۔ افسوس ہے کہ بشپ صاحب موصوف کو علالت طبع کی وجہ سے آخر مستعفی ہونا پڑا۔ مگر ان کا دل ہندوستان میں ہے۔ آپ اپنی آخری چٹھی میں فرماتے ہیں کہ جو نکتہ چینی میرے اقوال و افعال پر سینہ صافی سے کی جاتی ہے میں اسکو برا نہیں مانتا بلکہ پسند کرتا ہوں۔ میں ہندوستانی تعلیم یافتہ اصحاب سے ملتجی ہوں کہ جب میرے الفاظ پر رائے زنی کرنا چاہیں تو میری اپنی ہی تقریر کے الفاظ کو لیا کریں نہ کہ اس تقریر کے اختصار یا خلاصہ کے الفاظ کو۔ میرے تین پاؤ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کی تقریر کا خلاصہ کسی اخبار کی ۲۰ یا ۳۰ سطور میں درج کرنے سے میرے خیالات کا صحیح اور پورا نقشہ کیونکر کھینچا جا سکتا ہے۔ ایک اور امر کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے۔ جو ہندوستانی چھپنے والے اخبارات کو گوش ہوش سے سُنکر یاد رکھنا ضرور ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں مذہب یا اخلاق کی نسبت کچھ بولتا ہوں تو کبھی گورنمنٹ کی طرف سے ہو کر نہیں بولتا بلکہ مسیح کے نام سے بولتا ہوں۔ اُسی کے مذہب کے رو سے جو کچھ ہندوستان کے باشندوں کے لیے مفید معلوم ہوتا ہے میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اسکے درست یا نادرست ہونے کا فیصلہ آپ یا دیگر اشخاص کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کے مسیحی ہونے کی نسبت تو آپ مختلف اوقات پر اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔ مگر اس چٹھی میں ایک اور پہلو پر آپ نے زور دیا ہے۔ آپ

لکھتے ہیں کہ میرے دل میں اس امر کا بڑا زبردست یقین ہے کہ خدا نے ہندوستان کو ایسے اعلیٰ مقاصد کے لئے مقرر کیا ہے جو پیشتر اسکو کبھی نصیب نہوئے تھے۔ میں اُسوقت کا شوق سے منتظر ہوں کہ جب وہ دماغی اور روحانی امور میں دُنیا کی پیشوا اقوام میں بہرہ ور ہوگا۔ جب وہ اپنی بندشوں کو جن سے وہ مدتوں سے جکڑا ہوا ہے توڑ کر آزادی حاصل کریگا تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ہندوستانی خیال علم الٰہیات کو کسقدر مدد دیگا۔ بلا ریب میں قایل ہوں کہ ہندوستان کو کبھی یہ۔ تب حاصل نہوگا جبتک کہ وہ مسیحی مذہب کے مسایل اور عمل کو پورے طور پر اختیار نکرلے۔ یہ میرا ایک مرغوب خیال ہے کہ اگر برہمو سماج تصریحاً مسیحی سوسائٹی ہوتا تو وہ ہندیہ مسیحیت کا مرکز بنجاتا۔

افسوس ہے کہ اس دلچسپ خط میں سے اَور زیادہ اقتباس کی گنجایش نہیں رہی مگر ایک اَور خیال پیش کیے بغیر اسکو ختم نہیں کر سکتے۔ آپ آیندہ ہندوستانی کلیسیا کی نسبت فرماتے ہیں کہ مَیں یہ توقع نہیں رکھتا کہ ہندوستان کی مسیحیت مغربی مسیحیت کا محض دہرا دیا نقشہ ہوگی۔ میری امید ہے کہ ہندوستان میں ایک دیسی مسیحی چرچ بنے گا جسکی بنیاد ابدی اور بے تبدیل مسیحی صداقت پر ہوگی مگر جو اپنی وضع اور طریق میں مشرقی طرز زندگی کے مناسب حال ہوگا۔"

مشن کی ملازمت

آئے دن ہندوستانی کلیسیا کو یاد دلایا جاتا ہے کہ تعلیم یافتہ مسیحی نوجوان مشن کی ملازمت اختیار نہیں کرتے۔ اور سرکاری عہدوں کے پیچھے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی مسیحی خود انکاری سے محض ناواقف ہیں۔ ہم اپنی کوتاہیوں کو خود جانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ جو شکایت ہماری نسبت کی جاتی اس میں بہت کچھ راستی ہے۔ مگر ایک مشکل یہ ہے کہ جب مشنری صاحبان دیسی مسیحیوں کو اس قسم کی نصیحت کرنے لگتے ہیں تو اُس میں ہمیشہ اپنے ساتھ مقابلہ کر کے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ جن میں عیب جوئی کا جزو شامل ہوتا ہے۔ اگر ہم اس قسم کی تحریروں کے لئے بدنام ہیں تو مشنری صاحبان بھی بالکل بے گناہ نہیں ہیں۔ اسوقت خصوصاً ماہ گذشتہ کے پنجاب مشن نیوز میں ایک گمنام راقم کی طعن آمیز تحریر ہمارے سامنے موجود ہے۔ جس پر چند سطور لکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ع کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم ٭

پیشتر اسکے کہ ہم راقم مضمون کے چند خیالات کو پرکھیں کہ ہم دیسی مسیحیوں کو کیوں معرض طعن بنایا جاتا اور ہم سے کیا طلب کیا جاتا ہے ہم بطور نتیجہ کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ راقم کوئی انگریز مشنری ہے۔ جس نے ہرچند اپنے آپکو پس پردہ چھپانے کی کوشش کی ہے مگر جمع متکلم کا صیغہ آپ سے آسانی پکڑوا دیتا ہے۔ چنانچہ ہماری کلیسیا کی حالت پر افسوس کرنے کے بعد بڑی دلسوزی سے یہ کہنا کہ "برسوں کی محنت کے بعد کیا یہی منفعت ہمکو حاصل ہوئی ہے"؟ سوائے ایک مشنری کے کسی اَور کے مُنھ سے نکلتا اگر کفر نہیں تو اسکو ناموزوں ضرور کہیں گے ٭

راقم موصوف کو اندیشہ ہے کہ کہیں ہندوستانی کلیسیا اُس مرض میں مبتلا ہو جائے جس کو چربی چھا جانے کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعد اسکے آپ فرماتے ہیں کہ "ہم گذشتہ مردم شماری میں ہندوستانی مسیحیوں کی تعدادی ترقی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ہندوستانی مسیحیوں کو وقتاً فوقتاً اعلیٰ سرکاری عہدوں پر ممتاز ہوتے دیکھنا ہمارے لئے مسرت کا باعث ہے۔ مگر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیسی مسیحی زیادہ خود انکاری کرنے کو تیار ہیں۔ جب تک مشن میں ہندوستانی کارندے اُن لوگوں میں سے بھرتی کئے جاتے ہیں جن کو مشن کی ملازمت اختیار کرنے سے (دنیوی لحاظ سے) سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور کچھ نقصان اُٹھانا نہیں پڑتا تو ہم بمشکل امید کر سکتے ہیں کہ ہندوستانی کلیسیا مجموعی طور پر دینداری کے کسی اعلیٰ معراج تک پہنچ سکے گی"۔ اس اقتباس میں ایک ایسے نقطہ پر انگلی رکھی گئی ہے جو فی الحقیقت ہماری کلیسیا کا کمزور مقام ہے۔ ہم نے اب تک خود انکاری کرنا سیکھا ہی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ روحانی طور پر ہماری حالت ایسی پست اور ہلکے درجہ کی ہے۔ ہم ابتک روٹیوں اور مچھلیوں کے پیچھے بھاگے جاتے ہیں شروع سال میں یہ مضمون ہمارے لئے غور طلب ہے کہ ہم نے ابتک کیا خود انکاری کی ہے اور اس سال میں اور کیا کچھ کرنے کو تیار ہیں۔

اس سے آگے راقم ایک سوال پیش کرتا ہے کہ "کیا یہ سچ ہے کہ ہندوستانی کلیسیا اپنے سب سے لائق بچوں کو خدا کی خدمت کے لئے دیتی ہے یا کیا وہ اب تک مشن کی ملازمت کا سرکاری نوکری کے ساتھ مقابلہ کرکے موخر الذکر کے اظہر من الشمس دنیوی فواید کو دیکھتی اور جو کچھ سب سے اچھا ہے۔ اُسکی نذر کرتی اور پسماندہ جو باقی بچ سکا خدا کے حوالہ کرتی ہے؟" یہ سچ ہے کہ کلیسیا اپنے فرزندوں کو سرکاری ملازمت کی طرف جانے دیتی ہے۔ کیونکہ اُس میں بظاہر بہت سے دنیوی فوائد ہیں مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نالائق اور نکھٹوؤں کو مشن کے حوالہ کر دیتی ہے۔ اگر دیسی کلیسیا کے حالات پر غور کی جائے تو صاف ثابت ہوگا کہ جو لوگ اب مشن میں کام کر رہے ہیں۔ وہ باستثنائے معدودے چند غیر مسیحیوں میں سے نو مرید ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیسی مسیحی اِس تعریف کے مستحق بھی نہیں ہیں کہ وہ اپنے نکھٹوؤں کو مشن کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اسوقت ہم انکا ذکر نہیں کرتے جنھوں نے مشنریوں کو اپنا مائی باپ بنا لیا ہے۔ اِس کی نسبت ہم آگے چلکر کچھ اَور کہنا چاہتے ہیں۔ مگر جس طور سے سرکاری نوکری کا اِس فقرہ میں ذکر کیا گیا ہے کیا اُس سے معلوم نہیں ہوتا کہ راقم اُس نوکری کو مشن کے مقابلہ میں بیدینی یا دنیاداری سمجھتا ہے۔ کیا فی الحقیقت سرکاری نوکری ایسی ہی قابل طعن ہے۔ اگر ہے تو تعجب ہے کہ راقم دیسی مسیحیوں کو گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہوتے دیکھکر کیونکر خوشی منا سکتا ہوگا۔ شاید ہمکو یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ سرکاری ملازم اِس مُلک میں کیونکر مسیحی دین کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں۔ بہت ہی نظائر گزرے ایام کی ہمارے سامنے روشن حروف میں منقش ہیں۔ اور بفضلِ خدا اسوقت بھی ایسے سرکاری ملازم مسیحی موجود ہیں جنکی زندگی بہت سے خادمانِ دین کو شرمندہ

کرنے والی ہے۔ اور جو اپنی خفیہ تاثیر اور با موقعہ کلام سے اکثر مشن کے ملازموں سے کہیں بڑھ کر انجیل کی خدمت کر رہے ہیں ۔

راقم "مشن کی ملازمت" کو "مسیح کی ملازمت" کے نام سے نامزد کرنا بہتر سمجھتا ہے۔ چنانچہ اسکے فقرہ میں یوں رقمطراز ہے کہ "یقیناً ہمارے اکثر دیسی بھائیوں کو یہ سمجھ لینا باقی ہے کہ مسیح کی خدمت (ہم مشن کی ملازمت کا قابل اعتراض نام آزادی دیتے ہیں) خواہ مدرسہ میں کی جائے خواہ شفاخانہ سے متعلق ہو یا فقط وعظ منادی کا کام ہو **کوئی پیشہ نہیں بلکہ بلاہٹ ہے**۔ اور سرکاری ملازمت کے ساتھ اسکا مقابلہ کرنا نامعقول بات ہے"۔ ہم پوچھتے ہیں کہ نام بدلنے سے ہوگا کیا؟ جو طریق مشن کی ملازمت کا مروج ہو گیا ہے اسکا نام خواہ مسیح کی خدمت رکھو خواہ اور کوئی لفظ اسکے لیئے وضع کرو۔ اصلی بات تو وہی رہیگی۔ دیسی کلیسیا اگر مشن کو بھی ایک محکمہ سمجھتی ہے تو اس میں اسکا چنداں قصور نہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ مشن میں بھی سرکاری محکموں کی طرح تنخواہ اور الاؤنس کے جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ وہی رخصت اور تبدیلیوں کے احکام اور منظوریاں ہوا کرتی ہیں۔ وہی بجٹ اور بلوں اور چیکوں کا حساب پڑتال ہوتا ہے۔ وہی خط و کتابت اور روزنامچوں اور رپورٹوں کے بکھیڑے رہتے ہیں۔ وہی "پرائیویٹ اور کونفی ڈنشل" احکام چھوٹی چھوٹی باتوں میں جاری ہوا کرتے ہیں تو مشن کو محکمہ اور اسکی نوکری کو مشن کی ملازمت نہ کہا جائے تو اور کونسا لفظ اس ساری کارروائی کو ادا کریگا۔ اگر یہ محکمہ نہیں تو کیا محکمہ کے سر پر سرخاب کا پر ہوا کرتا ہے۔ اگر مسیح کی خدمت یا ملازمت کا ہمارے لیے تجویز کیا جاوے تو خود خداوند کے الفاظ اسکی نسبت خوب طلب ہیں جو گویا اسکا قطعی فیصلہ ہے۔ یوحنا ۱۵ : ۱۵ میں وہ یوں فرماتا ہے کہ "اب سے میں تمہیں غلام نہ کہونگا۔ کیونکہ غلام نہیں جانتا کہ اسکا مالک کیا کرتا ہے بلکہ تمہیں میں نے دوست کہا ہے اسلیئے کہ جو باتیں میں نے اپنے باپ سے سنیں وہ سب تم کو بتا دیں"۔ مسیح نے کبھی کوئی بات "پرائیویٹ اور کونفی ڈنشل" نہ رکھی۔ کاش اس مبارک خدمت کو بطور بلاہٹ کے ہم پر ظاہر کیا جاتا تاکہ ہم اسکا نام مشن کی ملازمت نہ رکھتے ۔

یہاں راقم کے دل میں کھٹک ہوئی کہ اس قسم کا الزام دیسیوں پر لگانے سے مشنری بھی نہیں بچ سکے اور فوراً اس پر یہ بڑھا دیا کہ "ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ سب یوروپین مشنری خواہ مرد خواہ عورت اس بات کو (یعنی یہ کہ مسیح کی خدمت کوئی پیشہ نہیں بلکہ بلاہٹ ہے) محسوس کرتے ہیں۔ مگر یقیناً اکثر اسکو سمجھتے ہیں ہم اسکی بابت اپنے دیسی بھائیوں کے ساتھ بحث نہیں کر سکتے کیونکہ انکے لیئے یہ سمجھنا ناممکن ہے کہ انگریز آدمی اپنے ملک کو چھوڑ کر آنے میں کیا نقصان اٹھاتا ہے۔ مگر اس امر کا کوئی انکار نہیں کریگا کہ انگلستان کی کلیسیا نے مسیح کی بادشاہی دنیا میں پھیلانے کی خاطر بڑے بڑے نقصان اٹھائے ہیں"۔ ہاں ہمیں یقین ہے کہ خدا نے اس قوم کو اپنے وطن اور خویش و اقربا کو چھوڑ کر انجیل کے دنیا میں پھیلانے کا شوق اور توفیق د

طاقت عطا کی ہے۔ اور اسکے لیئے ہم خدا کا شکر کرتے ہیں۔ جو مشنری صاحبان اِس ملک میں آتے ہیں ہم بعض کی نسبت جانتے ہیں کہ انھوں نے مسیح کی خاطر کیا کچھ چھوڑنا گوارا کیا ہے۔ باقیوں کی نسبت ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ یا تو ہم اُنکے حالات سے پورے پورے طور پر واقف نہیں۔ اور یا اُن لوگوں نے جو انگلستان سے ہو آتے ہیں ہم کو بہکا دیا ہے۔ بہرصورت ہم کو جہاں تک اپنے مشنریوں کی خود انکاری معلوم ہوئی ہے ہم اُنکی تعریف کرتے ہیں۔ مگر کیا اچھا ہوتا اگر وہ بار بار اپنے منہ سے خود اپنی خود انکاری کی تعریف نکرتے۔ موسیٰ کو معلوم نہ تھا کہ خدا کی حضوری میں رہنے سے اُسکا چہرہ چمکتا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ خیرات کر کے تُرہی بجانے والے اور خود انکاری کر کے اُسکا چرچا کرنے والے میں کیا فرق ہے ؟

آگے چلکر راقم دیسی کلیسیا کی اِس افسوسناک حالت پر غم کھاتا ہے اور اپنے دلی خیالات کا اظہار اِن الفاظ میں کرتا ہے "جب یہ سُنا جاتا ہے کہ ہمارے سب سے عمدہ دیسی مسیحی جو پیشوا اور ہمارے عزیز و معزز اشخاص ہیں اپنے بیٹوں کو اِس (یعنے مشن کی) ملازمت میں داخل ہونے سے باز رکھتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کو مشن کے ملازموں کے ساتھ شادی کرنے سے اس وجہ سے روکتے ہیں کہ انکو دنیوی ترقی کی کوئی امید نہیں تو دل بُجھ جاتا ہے اور یہ سوال اندر سے نکلتا ہے کہ اتنے سال کی محنت کے بعد کیا یہی منفعت ہم کو حاصل ہوئی ہے"؟ اِس پر اُلٹا سوال ہو سکتا ہے کہ اگر لایق اور معزز دیسی مسیحی اپنے بچوں کو مشن کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنے دیتے تو یہ کس کا قصور ہے؟ کیا یہ وہی مرد ہیں جنھوں نے مسیح کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا (ہندوستان میں مسیحی ہونے سے جو کچھ نقصان اُٹھانا پڑتا ہے اُسکو مشنری صاحبان بخوبی نہیں سمجھ سکتے) جب اُن اول نو مریدوں نے مسیح کی انجیل کی خاطر ہر قسم کے دنیوی تعلقات کو منقطع کیا۔ اور صلیب اُٹھا کر اپنے خداوند کی پیروی کی تو کیا وجہ ہے کہ اب وہی لوگ (بقول راقم) اپنی اولاد کو مشن کی نوکری سے روکتے ہیں۔ کیا اب خدا کے کلام کی تاثیر بدل گئی یا مشن کے انتظام میں کوئی ایسی بات ہے جو داخل ہونے والوں کو روکتی ہے۔ ضرور اس کل کا کوئی پُرزا بگڑا ہوا ہوگا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مشن میں کوئی قواعد یا ضوابط نہیں۔ ہرگز نہیں سب کچھ ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ مگر ہمارے خیال میں جو بات دیسی مسیحیوں کو مشن میں داخل ہونے سے روکتی ہے **وہ شخصی حکومت** ہے۔ وہ حاکم اور محکوم کا ناپسندیدہ تعلق ہے۔ دیسی مسیحی مشن کی ملازمت کو دیسی ریاستوں کی ملازمت کی طرح سمجھتے ہیں۔ جہاں سب انتظام ہے لیکن اگر بیگناہ کے سر پر کوئی ناگہانی آفت ٹوٹ پڑے تو نہ داد ہے نہ فریاد۔ ہماری بدقسمتی سے انگلستان ایک ہاتھ میں انجیل اور دوسرے میں تلوار لیکر ہمارے ملک میں آیا۔ اب ہمارا چرچ ہے تو شاہی چرچ اور ہمارے لیئے چوپانی عصا ہے تو مطلق اور مرصع۔ خیر یہ نازک مضمون ہے اور ہم اس پر

زیادہ بحث کرنا فضول اور گستاخی سمجھتے ہیں۔ مگر کیا یہ امر واقعی ہے کہ مسیحی لوگ اپنے بیٹوں کو مشن میں ملازمت نہیں کرنے دیتے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مسیحی نوجوان اِس خدمت کے لیئے اپنی بلاہٹ ہی نہ سمجھتے ہوں۔ محبت اِس امر کی متقاضی ہے کہ یہ بھی فرض کر لیا جاوے اور دیسی مسیحیوں کی نسبت بدگمانی نہ کی جاوے ٭

اندیشہ ہے کہ ہم اپنی گنجایش کی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اِسلیئے راقم موصوف کے اِس سوال پر دو چار الفاظ کہکر ختم کرینگے - آپ پوچھتے ہیں کہ "وہ دن کب آئیگا جب ہمارے ہندوستانی بھائی یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد اور دنیوی ترقی اور کامیابی کی امید کے مقابل سب کچھ خوشی سے ترک کر کے مسیح کی خدمت اختیار کرینگے الخ"۔ اِسکے جواب کا مشنری پہلو تو یہ ہے کہ جب چرچ کی جگہ خالص انجیل کی تعلیم ہمکو دیجائیگی۔ جب حاکم و محکوم کا غلامانہ تعلق مفقود ہو جائیگا جب ہمارا زور و زر کا سہارا توڑا جائیگا - جب مشنری صاحبان یوحنا اصطباغی کی طرح اپنے کلام و کام سے ظاہر کرینگے کہ "وہ بڑھے اور میں گھٹوں"۔ دیسی کلیسیا کی طرف سے اِس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم میں مسیح صورت پکڑیگا - جب ہمارے دل ہم کو کلام کی خدمت پر مجبور کرینگے جب خدا کی بلاہٹ ہمارے کانوں میں سنائی دیگی - راقم کا یہ فرمانا بالکل راست ہے کہ جب ہندوستانی کلیسیا مقدس پولس کے اُن الفاظ کو جو رومیوں ۱۲: ۱ میں مندرج ہیں بخوبی ذہن نشین کرلے گی اور لفظی طور پر اپنے تئیں خدا کے لیئے زندہ قربانی ہونے کیلیئے نذر کر دیگی تب وہ فی الحقیقت زندہ ہوگی

وقت کی تیز رفتار

مندرجہ ذیل چند سطور ڈاکٹر ٹامس چامرس صاحب کی ایک وعظ میں سے ترجمہ کی گئی ہیں - جو ۱۹ نشلہ میں ایک جہاز ڈوبنے کے موقعہ پر بیشمار جماعت کے روبرو سنائی گئی تھی - اگرچہ دنیا کی ناپایداری کوئی نیا خیال نہیں مگر شروع سال میں ناظرین اِس تحریر کو اعلیٰ مسیحی خیالات کے لیئے بطور زینہ کے کام میں لاسکتے ہیں - ایڈیٹر

گزشتہ پشت کے لوگ کہاں ہیں - وہ بھی ہماری طرح دنیا کے دھندوں کے پیچھے حیران و سرگردان تھے - وہ کاروبار میں ہمہ تن مصروف اور مستغرق تھے - وہ ملکی یا منافع کی تجاویز پر جاندادہ تھے - اولوالعزمی کی چکاچوند کرنے والی آب و تاب نے اُنکو گمراہ کر رکھا تھا - وہ قیاسی خوشیوں اور عیش میں محو تھے - کہاں ہیں وہ لوگ جنھوں نے چند سال گزرے کہ اِس محفل کو رچایا اور رونق دی تھی - کہاں ہیں وہ کاشتکار جو اُسی زمین پر بود و باش کرتے تھے جہاں تم اَب آباد ہو - کہاں ہیں وہ غریب محنتی لوگ جو اُنہی مکانات

میں رہتے تھے - جن میں اب تم بستے ہو - کہاں ہیں وہ وعظ جو دینداری کا سبق سکھاتے اور دنیا کی ناپائیداری کا چرچا کیا کرتے تھے - اُن کا بسیرا تنگ و تاریک قبر میں ہے - اس سرزمین میں جو فراموشی کا ملک اور شہر خموشاں ہے - روئے زمین پر کوئی اُن کو یاد نہیں کرتا - خود اُن کی اولاد نے اپنے صفحۂ دل سے اُن کو مٹا دیا ہے - اُنکے ہاتھوں کی کاریگری پر کائی جمی ہوئی ہے یا زمانہ کے ہاتھ نے اسکو خاک میں ملا دیا ہے - ان ہی بزرگوں کی اولاد ہم لوگ ہیں اور ہماری قسمت میں بھی وہی انجام لکھا ہے جو انکا ہو چکا ہے - ہماری زندگی کا وقت دنیا کی تواریخ کے بحر میں ایک قطرہ ہے - وہ سایہ کی پرواز ہے - بطلان کا خواب - ٹوٹتے ہوئے تارے کی تیز جھلک - ایسا پھول جو بادسموم کے ہلکے سے جھونکے سے مرجھا جاتا ہے - ایسا فسانہ جسکا نشان حافظہ کے صفحہ پر سے معدوم ہو جاتا ہے - ہاں وہ ایسا دن ہے جس پر شب دراز کی خاموشی تاریکی کی طرح چھا جائے گی - چند سال اور گزر ہیں گے - اور پھر ہمارا بستر بھی سرد گور میں ہوگا اور ہمارے مزار پر ہری گھاس کا پردہ ہوگا - ہماری آیندہ پشتیں ہماری قبروں پر چلیں پھریں گی - ہمارے فرزند ہمارے لیئے چند روز تک نوحہ وزاری کرینگے - چند ماہ تک ہمارا چرچا اُن کی زبان پر ہوگا - وہ چند سال تک ہمکو یاد رکھیں گے - اور پھر وہ وقت آئیگا کہ روئے زمین پر سے ہمارا نام و نشان مٹ جائیگا اور کوئی ہمارا ذکر تک کرنے والا نہ ہوگا - یہ ایک نہایت مؤثر خیال ہے کہ ایک سو سال کے بعد یہ چمن یوں ہی رہیگا - ان الفاظ کا مُنہ سے نکالنا آسان مگر اُن کی منزلت کا قیاس دل میں جمانا کیسا دشوار ہے - ایک سو سال کے بعد! - ایک صدی کا عرصہ بڑی تیزی کے ساتھ اور یقیناً گزر جائیگا - آج کا دن ختم ہوگا اور ایسے بہت سے دن ملکر موسموں کا انقلاب ہوگا - پھر ایک کے بعد دوسرے سال کی آمد ہوگی - آخر اسی طرح سے سو سال گزر جائینگے - وقت کے ان چھوٹے چھوٹے حصوں کو جمع کر کے اُس قعر کو بھرا جائیگا جو ہمارے قیاس میں نہایت عمیق اور بے حد ہے - ایک صدی بیت جائیگی - اور بہت سی پُشتیں خاک میں مل چکی ہونگی - ہر ایک زندہ مخلوق جو اسوقت روئے زمین پر چلتا پھرتا ہے معدوم ہو چکا ہوگا - وہ نونہال جو آج اپنی ماں کی چھاتیوں سے دودھ پیتا ہے - اس عرصہ کے منقضی ہونے پر شاید اپنے نواسوں اور پڑپوتوں کے حافظہ میں اپنا نشان باقی چھوڑ جائیگا - جو لوگ اسوقت نظر آ رہے ہیں کوئی اُنکے نام سے واقف نہ ہوگا - اُن کا گوشت کیڑے کھا جائینگے - اور اُنکے بدن حشرات الارض کا طعمہ ہو جائیں گے اُنکے تابوت کے تختوں کا نشان مفقود ہو جائیگا - اور اُنکی بوسیدہ ہڈیوں کی خاک اور نئی قبروں کی مٹی بنے گی - کیا فی الحقیقت سب چیزوں کا یہی انجام ہے - کیا انسان کا خاتمہ یہی ہے - کیا یہی اُسکی دوڑ دھوپ کا ماحصل ہے - کیا قبر کے اُس پار ان ہولناک تصورات کو زایل کرنے کا کوئی سامان نہیں - کیا ہم ابد تک خاک میں سوتے رہیں گے ✦

میں تیار ہوں

ایک اور سال کے خاتمہ پر کتنے مسیحی ہیں جو پولس رسول کے ہمزبان ہو کر کہہ سکتے ہیں کہ "میں تیار ہوں" میں کسی حالت میں کیوں نہ ہوں۔ تندرست اور زندہ ہوں یا بستر مرگ پر پڑا ہوں خطرہ کی حالت میں ہوں یا سلامتی کی۔ رنج و راحت میں۔ انجیل کی خدمت میں مصروف ہوں یا اُسکے لیئے ایذا اُٹھا رہا ہوں۔ مسیح کی خاطر دنیا کی حدوں تک جاؤں یا قید میں۔ ہر حالت میں یہ کہہ سکوں کہ "میں تیار ہوں"۔ ہر ایک مسیحی کو چاہیئے کہ ان الفاظ کو اپنے لوح دل پر نقش کر لے۔ تقدیس پانے کے یہی معنی ہیں۔ مسیح کے حکموں کی بجاآوری یہی ہے۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ جہاں مسیح ہمیں بھیجے ہم وہیں جائیں۔ یہ محض طبیعت کی حالت یا دل کا جوش یا خیر سگالی نہیں اسکا مفہوم یہ ہے کہ ہم خود نیک بنیں اور نیکی کریں۔ ہاں سچے دل سے مستعد ہو۔ وفادار رہو۔ سچے راست اور صادق ہو۔ دلاوری کرو۔ مسیح پر ایمان رکھو۔ اُس سے لگے رہو۔ اپنی خدمت اسکے جلال کے لیئے کرو۔ اپنی آنکھیں اپنے مبارک مالک کی طرف اُٹھاؤ۔ اور اُسکے روئے مبارک کے دیکھتے ہی کہو کہ اے مالک میں تیار ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ تو کونسی خدمت مجھے دینے پر ہے۔ تیری خدمت کروں یا تیری خاطر ایذا اُٹھاؤں۔ جیتا رہوں یا تیری خاطر جان دوں۔ جو کچھ ہو میں تیار ہوں۔ میں تیار ہوں کہ تیرے نام کی خبر دوں یا تیری خاطر ایذا اُٹھاؤں۔ اور تیرے لیئے جیوں۔ ہاں میں تیار ہوں۔

ایک بزرگ وِنڈل فلپس صاحب کا ذکر ہے کہ ایک دن کسی نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی اپنے آپ کو خدا کے حضور تصدق کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں جب میں چودہ برس کا تھا میں نے اِس مضمون کا ایک وعظ سُنا کہ "تم خدا کے ہو"۔ میں نے گھر جا کر اپنے کمرہ کا دروازہ بند کیا اور گھٹنوں پر گر کر عرض کیا کہ "اے خدا میں تیرا ہوں"۔ جو تیرا ہے اُسے تو لے۔ میں صرف یہی منت کرتا ہوں کہ جو بات درست ہے اُسکے کرنے میں کسی قسم کا تامل نہ کروں اور جو کوئی بات بُری ہو اُسکے کرنے کا مجھے خیال تک نہ ہو"۔ فلپس صاحب نے کہا کہ "اُس رات سے میرے ساتھ یوں ہی ہوا ہے"۔ کاش کہ اِس نئے سال میں ہر ایک مسیحی کا یہی تجربہ ہو۔ اور جب ہم یوں آپ کو خدا کی نذر کریں تو خدا کرے کہ اس کا روح پاک ہم پر اپنی بڑی قدرت میں بکثرت نازل ہو اور ہم سب اِس نئے سال میں سچی غیرت اور روح کی مستعدی پائیں ٭

اے ہمارے باپ ہمیں توفیق دے کہ اپنی مرضی۔ دل اور طاقت کو بالکل تیری نذر کر دیں۔ تو پھر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی جو تیرے لیئے کیا جائے بڑا مبارک اور شریف ٹھہرے گا ٭

داؤد

چوپان - زبور نویس اور بادشاہ

از

پادری ایف بی مائر صاحب

دیباچہ

داؤد کی حیات نہایت دلکش اور اُسکی سیرت بڑی عبرت بخش ہے - نہ صرف اُن مقدسین کے لئے جنکے خیالات کا اظہار اُسکے لاثانی مزامیر میں پایا جاتا ہے بلکہ تمام اشخاص کے لیئے - کیونکہ ان میں اِنسانی تجربہ اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر ہے - اور اُن میں ایسی سخاوت اور شجاعت کا بیان ہے جنکے ہر زمانہ میں ہر قسم کے لوگ مدّاح و ثناخوان رہے ہیں +

اِس رسالہ میں داؤد کی حیات کے ہر ایک حصّہ کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے - پر اِن امور کا بیان وضاحت کے ساتھ ہوا ہے کہ جنسے چوپان لڑکا شاہ بلند اقبال بن گیا - اِنہی منزلوں میں اسکی سیرت پختہ ہوئی - اِسکے سب سے شیریں زبور اس وقت لکھے گئے اور اُسنے وہ وہ عجیب تجربے حاصل کیئے کہ جنسے وہ عام انسانی فطرت کو ایسی خوبی سے سمجھتا اور اسکا اظہار کرتا تھا +

دُنیا کا خوش الحان گویّا - اِنسانی رشتہ کے اعتبار سے مسیح کا بزرگ - ایک شاہی خاندان کا بانی - ایک نبی جو روح القدس سے ملہم تھا - اور اس کا نمونہ اور پیشرو جو گو اسکا بیٹا پر اسکا خداوند بھی تھا - اور ایک ایسا مرد کہ جس سے خدا خوش تھا - اور جس نے خداوند کی نگاہ میں نکوکاری کی اور جب تک جیتا رہا خداوند کے کسی حکم سے مُنھ نہ موڑا مگر اوریاہ حتّی کی جورو کے مقدمہ میں اِس بزرگ کو زمانہ کے آخر تک ہر ایک محبت اور عزت کے الفاظ سے یاد کریگا +

پہلا باب

بھیڑ سالہ

۱سموئیل ۱۶: ۱

داؤد کی چڑھتی جوانی کے کارناموں اور ضدی اور خود شاہ ساؤل کے رشک کئے جانیکے بیان میں کیسا تفاوت پایا جاتا ہے ساؤل کے سے زرّین موقعے شاید ہی کسی اور کو نصیب ہوئے ہوں - خدا نے اسکو اعلیٰ

درجہ کی لیاقتیں بخشی تھیں۔ شکل صورت سے بھلا اور خود نیچر کا عزیز۔ وہ اِس قابل تھا کہ تواریخ میں اسکا نام ہمیشہ تک مشہور رہتا۔ اسکے پہلے کام یعنی یبیش جلعاد کی فتح سے اسکے احباب کی بڑی سی بڑی امیدیں بے وجہ معلوم نہ ہوتیں۔ لیکن اُسکے عروج اور اقبال مندی کے روز روشن پر ادبار و مایوسی کی شب تاریک جلد چھا آئی۔ اِسکا سموئیل کے آنے سے پہلے ہی قربانی چڑھانے میں بے صبری دکھانا۔ اسکا یونتن کے مار ڈالنے کے منصوبے باندھنا۔ عمالیق کی نسبت صاف صاف حکام کی خلاف ورزی کرنا۔ یہ سب باتیں اِس امر کا ثبوت تھیں کہ وہ خدا کے نائب ہونے کے لائق نہ تھا اور اسلیئے اِسی قابل تھا کہ بادشاہی سے جدا کیا جائے ۔

اسکی برطرفی کا آخری اشتہار جلجال میں دیا گیا۔ کنعان میں داخل ہوتے وقت اِسی جگہ اسرائیل نے یشوع کے کہنے پر نامختونی کی ملامت کو دور کیا۔ یہ جگہ اُس شرط کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ جس سے خدا انسانی وسیلوں سے کام لے سکتا ہے۔ لیکن ساؤل نے کسی خود تمیزی کا اظہار نہ کیا۔ اُسکی ضد نہ ٹوٹی اور اُسنے اپنے جسم کی خواہشوں پر قابو نہ پایا۔ داؤد اپنے باپ کی بھیڑوں کی رکھوالی کرتے وقت بلایا گیا تو ساؤل اپنے باپ کے گم شدہ گدھوں کی تلاش کرتے ہوئے۔ اور اسکی طبیعت میں بہت کچھ گدھے کی صفات پائی جاتی تھیں جن پر اُس نے قابو پانے کی کوشش نہ کی۔ ساؤل نے خداوند کے سخن کو رد کیا اور خداوند نے اسکو بادشاہی سے مردود ۔

جلجال سے ساؤل تو اپنے گھر کو ساؤلی جبعہ میں جو بنیمین کی پہاڑیوں پر واقع ہے چڑھ گیا اور سموئیل جنوب کی طرف راما کو گیا کیونکہ اسکا گھر وہیں تھا۔ وہاں اُس نے بیس سال تک اسرائیل کی عدالت کی تھی اور وہاں وہ لوگوں کی نظروں میں باپ اور کاہن سے پیارا اور صاحب عزت تھا اور گھر گھر مرد خدا کے نام سے مشہور تھا (۷ : ۱۷+۹:۶--۱۰-۱۲) وہیں وہ ساؤل پر ماتم کرتا رہا تھا۔ کوئی بڑا آدمی بغیر تنبیہ پائے بحر ہلاکت میں غرق نہیں ہوتا اور نہ کوئی ایسا بھی ہے کہ جس پر کوئی نہ کوئی ہمدردی کے آنسو نہ بہائے۔ لیکن آلہی ارادہ اِس امر کی انتظار نہیں کرتا کہ یہ ہمدردی کے آنسو پونچھے جائیں۔ نہ ہمیں یہ واجب ہی ہے کہ مرحوم و مدفون گذشتہ کی قبر کے پاس جسکو خدا کا روح بھی چھوڑ گیا ہے کھڑے رہیں۔ لیکن جب وہ اپنی قدرت کا منظر بنیمین کی پہاڑیوں سے اُٹھا کر بیت لحم کی خوشگوار سرزمین میں لیجاتا اور ہمیں یسی کے ہاں لاتا ہے تو ہم بھی اُٹھ اُسکے ساتھ ساتھ ہولیں ۔

خدا اور انسان کی خدمت کے لیے بڑے بڑے عہدوں پر چُنے جانیکے دو پہلو۔ آلہی انسانی ہیں۔ خدا کا چُننا اور انسان کا محنت و جاں فشانی کرنا۔ آسمان پر سے طلبی کا آنا اور اُسکا زمین پر سے

جواب دیا جاتا ہے۔ اسلئے ہم کو ان باتوں پر غور کرنا چاہیئے۔ اوّل - خدا میں داؤد کی اصل - دوم تیس کا تنا یعنی وہ مقامی حالات جن سے جوان پر اثر ہوا۔ سوم - ایک شریف زندگی کا آغاز۔

اوّل - داؤد کی اصل - یسعیاہ کی پیشین گوئی میں ایک بار اور مکاشفہ کی کتاب میں دو دفعہ ہمارے خداوند کو داؤد کی اصل کہا گیا ہے "یہوداہ کے فرقے کا ببر جو داؤد کی اصل ہے اس کتاب اور اسکی ساتوں مہروں کے کھولنے کے لئے غالب آیا"۔ اور پھر خداوند نے مکاشفہ میں خود فرمایا کہ میں یسوع داؤد کی اصل و نسل اور صبح کا چمکتا ہوا ستارہ ہوں"۔

اس سے ہمیں ایک پرانی جڑ کا خیال پیدا ہوتا ہے جو زمین کے تلے دور تک چھپی ہوئی اور جسکی شاخیں درختے باہر دور تک پھیلے ہوں - داؤد کی سیرت ابن اللہ کی زندگی سے نکل پیشتر اس سے کہ اُسنے انسانی جسم اختیار کیا اور وہ اُسکا نمونہ بھی تھا۔ یسوع داؤد کا بیٹا تھا اور تاہم ایک معنی میں وہ اُس کا بزرگ اور مورث اعلیٰ بھی تھا۔ یسوع ناصری داؤد کا خدا وند اور اُسکا بیٹا بھی ہے۔ (متی ۲۲: ۴۵-۴۲)۔

داؤد کے چنے جانے کی نسبت چار باتوں کا اظہار ہے۔ آخری سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے۔

خداوند نے ایک شخص اپنے دل خواہ کو طلب کیا ہے (۱ سموئیل ۱۳: ۱۴) کسی کو اس دن یا گھڑی کا پتہ نہیں جب خدا برگزیدہ ظروف اور بیش قیمت موتیوں کی تلاش میں اسکے پاس سے گزرے۔ جب ہمیں خیال تک نہ ہو روز مرّہ کی معمولی باتوں میں خدا ہمیں آزماتا اور پرکھتا ہے کہ بڑے بڑے کاموں میں ہم وفادار و دیانت دار رہیں گے یا نہیں - چاہیئے کہ ہم ہمیشہ مستعد رہیں۔ ہماری کمریں بندھی رہیں۔ ہمارے چراغ جلتے رہیں اور ہمارے چال چلن درست کیے ہوئے اور صاف ہوں۔

میں نے اپنے بندے داؤد کو پایا (زبور ۸۹: ۲۰)

لوقا پندرہ باب میں جو تین دفعہ پایا (نیا ترجمہ مل گیا) کا لفظ آیا ہے اور جس خوشی کا اظہار اُس میں پایا جاتا ہے ویسی ہی خوشی اس آواز سے ٹپکتی ہے۔ سموئیل کے اُسے بُلا بھیجنے سے کہیں پیشتر داؤد پایا گیا تھا۔ یہ کون سی جگہ یا کس گھڑی تھی؟ کیا علی الصباح ہی جبکہ نوجوان گڈریا اپنی بھیڑوں کو چراگاہوں کی طرف لیجاتا تھا یا فوراً اُن چڑھے جب اُس نے دلیرانہ ایمان کے جوش میں ایک بیلے کو شیر کے منہ سے چھڑایا۔ جس حال میں کہ وہ اپنی بھیڑوں کی رکھوالی کرتا تھا تو چوپانی زبور (۲۳ زبور) کا خیال پہلے پہل اسکے دل میں پیدا ہوا۔ یا رات کے وقت جب اُسنے آسمانوں کو خدا کا جلال ظاہر کرتے سُنا؟ - اور کیا اس نے مالک کی طلبی کا خوشی سے دل ہی دل میں جواب نہ دیا ہاں جیسے مسیح کے شاگردوں نے اُس وقت دیا تھا جب خداوند نے اُن کو اپنے جالوں کی مرمت کرتے پاکر فرمایا تھا کہ میرے پیچھے آؤ۔

اُس نے اپنے بندے داؤد کو برگزیدہ کیا (زبور ۷۸: ۷۰) لوگوں نے ساؤل کو چنا پر خداوند

ے داؤد کو۔ یوں وہ دلاور ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ خدا کا ارادہ میرے پیچھے ہے۔ پیچھے سب اور
بعد میں ساؤل اسکے تابوت پر چڑھ گیا یا میکائیل نے اسکے ناچنے پر اُسکو طعن کیا تو اس خیال
سے وہ مضبوط اور قائم رہا کہ میں خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہوں۔ جب ہم خدا کی برگزیدگی کی چٹان پر
کھڑے ہوں اور اُسکو یہ کہتے سنیں کہ "یہ میرا نام ظاہر کرنے کا میرا چنا ہوا وسیلہ ہے"۔ تو ہم کو اپنی جگہ
سے کوئی ہلا نہیں سکتا ✦

خداوند نے اُسکو اپنے لوگوں کا پیشوا مقرر کیا (۱ سموئیل ۱۳: ۱۴) رتبہ اور عہدہ صرف انسانی
نوازش یا انسانی محنت ہی سے نہیں ملتے۔ یہ خداوند کی طرف سے ہیں۔ وہی تخت سے اُتارتا اور وہی
تخت پر بٹھاتا ہے۔ ساؤل نے سو سو جتن مارے اور داؤد کی بیخکنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا لیکن
اُسکی دن گھٹتی قوت کے کھنڈرات میں سے داؤد کا اختیار ایسے ظاہر ہوا۔ جیسے بادلوں کی گھنگور
گھٹا سے سورج نکل آئے۔ کیونکہ یہ خدا کی مرضی تھی۔ خدا کی خدمت کے آپکو لائق بناؤ۔ وفادار ہو۔
وہ تم کو خدمت پر ابھی مامور کریگا۔ ترقی نہ مشرق سے آتی ہے نہ مغرب سے بلکہ اوپر سے۔

میں نے اپنے لیئے بادشاہ ٹھہرایا ہے (۱ سموئیل ۱۶: ۱) بس اس سے سب بھید کھل جاتے
ہیں۔ الٰہی سامان ہر ایک ضرورت کو پورا کرتا۔ ہر ایک فکر کو مٹاتا ہے۔ ہم کو اس قسم کی فکر کرنا واجب
نہیں کہ ہائے ہمارے ملک یا کلیسیا کا حال کیا ہوگا۔ خدا نے تمام ضرورتوں اور تکلیفوں کا سامان کیا
ہے۔ کسی ایسی بیراہ جگہ میں جسکا ہم کو خیال تک نہ ہو۔ کسی گڈریے کی جھونپڑی یا کاریگر کی دوکان
میں خدا نے اپنا ہتھیار تیار کر کے رکھا ہے۔ تیر ابھی تک ترکش میں چھپا ہے یا شاید ہاتھ ہی میں ہے
لیکن ٹھیک اُسی وقت کہ جب وہ اپنے ہدف پر جا لگے گا وہ چلایا جائیگا۔

قدم یسی کا تھا۔ اب ہم ذرا اُن امور پر غور کریں جنسے داؤد کی سیرت کی پختگی پر اثر پڑا۔ اسکا خاندان اس چھوٹی بکاؤ میں
رہتا تھا جہاں وہ رئیس بوعز واب کا گلاب لایا۔ شاید فلسطی چھاونی کے سبب جو اس قصبہ میں تعین تھی
وہ بوسیدہ ہو گیا تھا۔ اسکے گلے میں گنتی کی بھیڑیں تھیں اور جو ہر یسی نے اپنے جنگی بیٹوں کو
بھیجا وہ کچھ بہت نہ تھا۔ اُس نے بڑی جان جوکھوں سے آٹھ لڑکوں اور دو لڑکیوں کے خاندان کی
پرورش کی ✦

داؤد اپنے باپ کا کہیں ذکر نہیں کرتا لیکن دو دفعہ اپنی ماں کو خداوند کی بندی کے نام سے
یاد کرتا ہے۔ اُسی سے اُس نے شاعرانہ مذاق۔ زود رنج مزاج اور روحانیت حاصل کی۔ باپ کے
نزدیک تو وہ محض ایک لڑکا تھا جو بھیڑوں کی رکھوالی کرتا تھا۔ اور وہ اس لایق نہ تھا کہ مذہبی جلسے
میں بلایا جاتا۔ لیکن اپنی ماں کا وہ دلارا تھا اور غالباً یہ زبور جنسے زمانہ بھر نے تسلی پائی ہے پہلے پہل
اُسی نے سُنے۔ دونوں کی اُس نے پسرانہ محبت سے خبرداری کی اور جب ساؤل کی ایذا رسانیوں

طوفانوں میں اُسکے باعث اِن کا بھی سلامتی سے رہنا دشوار معلوم ہوا تو اس نے اِن کو شاہ موآب کی حفاظت میں کر دیا +

انبیا زادوں کے اُن مدرسوں سے بھی اِس جوان کو فائدہ ہوا ہوگا جو سموئیل نے اسرائیل میں شریعت کے علم قائم رکھنے کے لیے اپنی دانشمندی اور دور اندیشی سے جاری کیے تھے۔ ان پر روح القدس کی قدرت بکثرت نازل تھی اور وہ اسرائیل کے حق میں بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔ اِن مدرسوں کے طالب علم بیت لحم کو اکثر جاتے تھے اور اُس نوجوان بے ریا گڈریے پر اُن کی باتوں کا بہت اثر ہوا۔ اِن ہی سے اِسنے اپنے گیتوں کو راگ اور سُر میں لگایا۔ اور اپنی بربط لیکر وہ اُنکے ساتھ ہو لیتا تھا۔ اور ان ہی سے اِسنے کلام اللہ کی قدر کرنی سیکھی +

لیکن نیچر (فطرت) اسکی دایہ رفیق اور استاد تھی۔ یروشلم کے جنوب میں اُس سڑک پر جو حبرون کو جاتی ہے بیت اللحم چھ میل کے فاصلہ پر۔ بحر روم کی سطح سے دو ہزار فٹ بلند سلسلہ کوہی کے نشیب میں واقع ہے۔ اس کے دونو طرف گہری وادی ہے۔ مشرق کی طرف کچھہ فاصلہ پر یہ دونو وادیاں باہم ملتی اور بحر مُردار کی طرف جاتی ہیں۔ پہاڑیوں کی اُترائی میں کھجور۔ زیتون اور انگور بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور وادیوں میں بڑی زرخیز فصل اُگتی ہے۔ روت نے میں سٹے چُنے تھے اور اِسی سے اس جگہ کا نام بیت النان پڑ گیا۔ بیت لحم کے اِردگرد جو دلدل ہیں وہ کوئی ایسے خوبصورت نہیں۔ لیکن جنگل سال مضبوط۔ ہاں ایسے ہیں کہ انسان کی سیرت کو خوب مضبوط کر دیتے ہیں۔ یہاں چوپان اکثر اپنے گلے رکھتے ہیں۔ یہیں داؤد نے اول اول نیچر کی خوبصورتی اور چوپانی خدمات کا علم حاصل کیا جو اسکے بعد کی زندگی اور نظموں سے ظاہر ہے۔ ٹھیک جیسے رنگ سے رنگساز کے ہاتھ رنگے رہتے ہیں +

اُسکی جوانی کے مکتب اور معلم ایسے تھے۔ لیکن سب سے بڑھکر اثر اُسکے دل پر روح القدس کا ہوا جو اسکے جوان دل پر جنبش کرتا تھا۔ اسے سکھاتا تحریک دلاتا اور اسکی سیرت کی گویا صیقل کرتا تھا۔ نیچر اور مکاشفہ کی کتاب کو اُس پر روشن کرتا اور اسکے دل میں خدا کی طرف سے ایسا ایمان اور بھروسہ ڈالتا تھا جیسے بے زبان جانور اُس پر بھروسہ رکھتے تھے جیسے روحانی عالم ویسے ہی جسمانی عالم میں بھی وہ مدتوں بعد کہہ سکتا تھا کہ ۔

جب میں پوشیدگی میں بنایا گیا تو میری ماہیت تجھ سے چھپی نہ تھی اور اسفل میں میرے جسم کے اعضا عجیب طرح سے بنائے گئے +

سوم - ایک شریف زندگی کا آغاز - وہ اپنے بڑے بھائی الیاب کا سا قوی ہیکل نہ تھا کہ جس سے بوڑھے نبی پر ایسا اثر ہوا - لیکن وہ مضبوط اور دلیر تھا۔ اِسکے قدم ہرن کے سے سبک رفتار تھے - وہ دیواروں پر سے کود جاتا اور لشکروں کو پیچھے چھوڑ جاتا تھا - فولادی کمان کو وہ اپنے مضبوط

بازوؤں سے دو ٹکڑے کر دیتا تھا۔ اسکی گوپھن کا نشانہ بھوُے سے بھی بے خطا نہ جاتا تھا جسم کا تو اتنا بلکا کہ زرہ بکتر پہن نہ سکتا تھا لیکن مضبوط ایسا کہ شیر یا ریچھ کو پھاڑ دیتا تھا۔ اسکے چہرے سے صحت ٹپکتی تھی۔ اپنے سیاہ فام رفیقوں کے مقابلے میں اسکی نیلی آنکھیں اور اس کی سفید رنگت بڑی سہاونی معلوم دیتی تھی۔ اُس میں شاعرانہ نازک خیالی کے ساتھ بڑی ہمت و شجاعت بھی پائی جاتی تھی۔ اسکا لباس سادہ اور ایک معمولی چوغہ تھا اور گوپھن اور عصا اسکے اسلحۂ جنگ تھے۔

اسکے جو زبور انہی دنوں میں لکھے گئے اِن سے اس کا حالِ دل خوب ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ غم و فکر اور لڑائی جھگڑے کے خیالوں سے مبرا ہیں۔ اِن میں سے آٹھواں۔ انیسواں۔ تیئیسواں اور انتیسواں ہیں۔ اِن میں اِس امر کا تعجب پایا جاتا ہے کہ یہوواہ انسان کا فکر کرے اور اسکے ساتھ ہی اِس بات کا بھی پورا پورا یقین ہے کہ وہ میرا چوپان ہے۔ آسمانوں کی ہیئت سے اسپر بڑا گہرا اثر ہوا تاہم اُس کو اِس بات کا بھی یقین تھا کہ خدا کے فرمان بھی الٰہی ہیں۔ پنہانی کمزوریوں اور عمد کے گناہوں سے خائف اور ستایش کے اُس راگ میں شریک ہونے کا فکرمند تھا جو نیچر کے سرود خانہ سے آتا ہے لیکن ساتھ ہی اُسکو اِس امر کا یقین بھی تھا کہ میری روح میں ایسے ایسے جذبات اور حسات ہیں جنہیں میں حصہ لے نہیں سکتا اور جنکے ہونے سے اپنی روح کا سردار کاہن اور سرود خواں ٹھہرا تھا لیکن ان کا ذکر ہم پھر کریں گے۔

آہ۔ بے ریا مبارک لڑکے! تجھے کچھ بھی خبر نہیں کہ تیرے مرتے دم تیرے بلند اقبال بیٹے سلیمان کے تخت سلطنت پر جلوس فرمانے پر شادیانوں کی آواز تیرے کانوں میں آئیگی۔ تجھے اِس امر کا تو خواب و خیال بھی نہیں کہ تیری یہ پاک طبیعت ایک دن ایسے سخت دھبے سے داغدار ہوگی۔ لیکن تیرا خدا تجھ سے محبت رکھتا ہے اور جب ہم تیری عجیب حیات کے صفحوں کو اُلٹائیں تو تو ہمیں کئی کار آمد سبق سکھائیگا۔ ہاں جب ہم تجھے شاعر۔ مغنی۔ سپاہی۔ جلاوطن اور بادشاہ کی حیثیت میں دیکھیں اور ان حالتوں کے بیان کرنے کے بعد اُس روشنی میں پڑھیں جو تیرے اِس عظیم الشان بیٹے کے رُخِ انور سے نکلتی ہے جو جسم کے اعتبار سے داؤد کی نسل سے پیدا ہوا لیکن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب خدا کا بیٹا قرار دیا گیا۔

گھر میں دینداری۔ ان دنوں اِس امر کی ضرورت ہے کہ ہمارے گھرانے میں دینداری سچائی اور پارسائی پائی جائے ایک نوجوان پادری نے مجھ پاس آکر شکایت کی کہ کیا کروں میری بیوی کے ساتھ نبھتی نہیں میں نے اسے صلاح دی کہ بھئی انجیل کی خدمت سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اگر کسی شخص کی اپنے گھرانے ہی سے نہیں نبھتی تو اُس کو یہ نہیں چاہئے کہ پلپٹ پر کھڑا ہو کر اوروں کو نصیحت دے۔

مسیح کے شخصی دوست

پہلا باب

یسوع کا پیشرو

انڈویتی تصویروں میں دونو یوحنا مسیح کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک داہنے اور دوسرا بائیں ہاتھ۔ ہر بات میں یہ دونو ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ بپتسمہ دینے والا تو جنگل کا رہنے والا ایک تند آدمی تھا اور رسول اعلےٰ درجہ کی رُوحانی لطافت اور حلیم مزاجی کا نمونہ۔ یوحنا بپتسمہ دینے والا پرانے عہد کی پیشگوئیوں کا ایک کھلا ہوا پھول تھا تو یوحنا رسول نیئے عہد کی خوشخبری کا پکا ہوا پھل۔ تواریخ میں بھی وہ اسی طرح مسیح کے دائیں بائیں ظاہر ہوتے ہیں ایک تو اُس کے آگے آگے اُس کی راہ تیار کرتا ہے۔ دوسرا اُسکے پیچھے آکر اس کی رسالت کا مطلب ظاہر کرتا ہے۔ یسوع میں ہو کر اُن کا آپس میں میل ہوا۔ دونو اس کے دوست تھے۔ غالبا بپتسمہ پانے کے دن تک یسوع کی بپتسمہ دینے والے سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اسمیں کچھ تعجب نہیں۔ بچپن میں اُن کو ایک دوسرے کے قریب رہنے کا اتفاق نہ ہوا۔ علاوہ ازیں وہ چھوٹی عمر میں ہی جنگل میں رہنے کو چلا گیا۔ ممکن ہے کہ وہ کبھی یسوع کو ملنے نہ آیا ہو۔ اور یسوع بھی کبھی اس کو ملنے نہ گیا ہو +

تاہم اُن کی مائیں آپس میں نزدیکی رشتہ دار تھیں۔ چاروں انجیلوں کے شروع میں ہی ان دونو کی پیدائش کا حال بڑی خوبی سے اکٹھا دیا گیا ہے۔ جبرائیل ہی نے دونو مبارک عورتوں کو بارک بادودی۔ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ یہ دونو بچپنے میں اکٹھے رہتے۔ اگر یہ اکٹھے پرورش پاتے تو نہ معلوم ان کی سیرتوں پر کیا کچھ اثر ہوتا۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی تند سخت اور لوگوں سے الگ رہنے والی طبیعت مسیح کی حلیم مزاجی پر کیا اثر کرتی اور مسیح کی خوش طبعی شیریں مزاجی اور محبت والی طبیعت یوحنا کے مزاج اور سیرت پر کیا اثر ڈالتی +

آخر کو جب ان دونو کی باہم ملاقات ہوئی تو یوحنا پر ایک عجیب اثر ہوا۔ مسیح کے چہرے ہی میں کچھ ایسی بات تھی۔ جسے اِس جنگل کے دلیر منادی پر بھی خوف سا چھا گیا۔ یوحنا اُس نیوالے کا منتظر

اور جیتیم براہ تھا جس کا وہ پیشرو تھا۔ ایک دن مسیح نے آکر اسے بپتسمہ پانے کی درخواست کی۔ یوحنا نے اب تک کسی کو بپتسمہ دینے میں تامل نہ کیا تھا۔ کیونکہ جو کوئی اس کے پاس آتا اس کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور معافی پانے کی ضرورت تھی۔ لیکن اس شخص کے چہرہ پر جواب اس کے سامنے بپتسمہ لینے کو کھڑا تھا۔ ولی قدسیت کا ایسا نور چمکتا تھا کہ اس سے یوحنا دہشت زدہ سا ہو گیا۔ "میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں" مگر یسوع نے جواب میں اسے کہا کہ "اب تو ہونے ہی دے"۔ اس رتوعہ سے یوحنا کی دہشت اور بھی بڑھ گئی ہوگی۔ یسوع نے اوپر کو آنکھیں اُٹھا کر دُعا کی اور آسمان کھل گیا اور رُوح قدس کے سر پر ایک سفید کبوتر آٹھہرا۔ روایت ہے کہ اس نور سے یردن کی ساری وادی روشن ہو گئی اور خدا کی آواز بھی یہ کہتی سنائی دی کہ یہ یسوع میرا پیارا بیٹا ہے +

یوحنا کے ساتھ یسوع کی دوستی کا آغاز یوں ہوا۔ یہ ایک عجیب موقعہ تھا۔ صدیوں سے مسیح کے آنے کی پیشگوئیاں ہو رہی تھیں اور اب یوحنا نے اُس کو دیکھا۔ اس نے اس کو بپتسمہ دیکر اس کا کار منصبی اس کے سپرد کیا۔ اسی لئے یوحنا پیغمبروں میں سب سے بڑا ہے۔ اس نے اس مسیح کو دیکھا جس کی اس کے متقدمین نے صرف پیشگوئی کی تھی۔ مسیح کی اس ملاقات سے یوحنا کی تند طبیعت بہت کچھ نرم ہو گئی ہوگی۔ مسیح اور اس کے پیشرو کی باہمی دوستی دیر تک نہ رہی لیکن وہ مضبوط اور سچی تھی۔ بہت موقعوں پر اس کی سچائی اور مضبوطی پرکھی گئی۔

یوحنا کی منادی اور لوگوں کے اُس پاس آنے کی خبر یروشلم تک پہنچی۔ اور سنہدرین نے چند آدمی بیابان کو بھیجے کہ یوحنا سے دریافت کریں کہ تُو کون ہیں۔ ان کا یہ خیال تھا کہ شاید یہی مسیح نہ ہو۔ "کیا تُو الیاس ہے"؟ "کیا تو وہ نبی ہے"؟ "نہیں۔ تو پھر تُو کون ہے؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں۔ تُو اپنی نسبت کیا کہتا ہے"؟

اس سے یوحنا کو موقعہ ملا کہ سب سے اعلےٰ عزت کا دعویدار ہوتا۔ اس کو یہ کہنے کا موقعہ تھا کہ ہاں میں ہی مسیح ہوں یا چپکا رہتا۔ اور ان کے اس خیال کو قائم رہنے دیتا۔ اور چونکہ اُن دنوں لوگوں کا یہ عام خیال تھا کہ مسیح ایک دُنیاوی بادشاہت قائم کرنے کو آتا ہے۔ وہ اس کو تخت پر بٹھانے کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ صداقت اور مسیح کا ایسا وفادار تھا کہ اس کو کیسی ہی آزمائش کیوں نہ ہوئی ہو۔ اس نے اس موقعہ کو بالکل جانے دیا اور یہی جواب دیا کہ "میں ایک آواز ہوں"۔ محض ایک آواز۔ اس عجز و انکسار سے اس نے اپنی حقیقی عظمت کا اظہار کیا سچ۔ ایک آواز ہی بڑے بڑے کام کر سکتی ہے وہ ایسے الفاظ بول سکتی ہے جنکی گونج چار دانگ عالم میں پھیل جائے۔ اور ایک عالم کی برکت کا وسیلہ ہوں۔ لوگوں کو کام کرنے کی

تحریک دلائے۔ غمزدوں کو تسلی۔ ناامیدوں کو اُمید اور مایوس کو ہمت دے۔ اگر کوئی شخص محض ایک آواز ہو۔ اور اگر اس آواز میں سچائی، محبت اور زندگی ہو تو اُس کی خدمت بڑی بااثر اور کارگر ہوگی +

بائبل کا زیادہ حصہ ایک آواز کا سا ہے جو گزرے وقتوں کی گہرائی میں سے آتی ہے۔ ہم اُن سب مقدسین کے نام سے بھی آگاہ نہیں۔ جنہوں نے روح القدس کی تحریک سے یہ عجیب باتیں قلمبند کیں۔ بہت سے شیریں زبوروں کے لکھنے والوں کا ہم کو پتہ نہیں۔ لیکن اِس باعث سے اِن کی قدر کچھ کم نہیں۔ نہ اُن کے تسلی بخش اثر میں کچھ فرق آتا ہے۔ گو وہ محض آواز ہیں۔ ایک ایسی آواز ہونا بھی بڑی بات ہے کہ جس کو مرد و زن بخوشی سنیں اور جس کے الفاظ سرچشمہ اپنا عمدہ اثر ڈالیں +

یوحنا کا اپنی نسبت یُوں کہنا اُس کی فروتنی پر دال ہے۔ وہ دُنیاوی عزت و شان کا خواہاں نہ تھا۔ اس کو لوگوں کی مدح و ثنا کی پرواہ نہ تھی۔ ایسی عزت کی بطالت سے وہ آگاہ تھا۔ اُس کی یہی آرزو تھی کہ میں محض ایک آواز ہوں۔ اور دنیا کو وہ خوشخبری سناؤں جس کے سُنانے کو میں آیا ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ میں ایک خاص پیغام دینے کو آیا ہوں اور اُس کو اپنی خدمت کی بجا آوری کا فکر تھا۔ اس کو اس امر کی تو چنداں پرواہ نہ تھی کہ میری عزت اور حیثیت کیا ہے لیکن اس کو اس بات کی فکر تھی کہ میں اپنے پیغام کو درستی سے سُناؤں۔

ہم میں سے ہر ایک کو خدا کی طرف سے کچھ نہ کچھ پیغام ملا ہے کہ لوگوں کو سُنائیں۔ ہم اِس دُنیا میں ایک خاص مطلب اور کام کے لئے آئے ہیں۔ اور خدا اور انسان کے لئے ایک خاص خدمت ہمارے سپرد ہوئی ہے۔ اس امر کا کچھ مضایقہ نہیں کہ ہمارا نام لوگوں میں مشہور ہو کہ نہیں۔ ہم عزت اور ناموری پائیں یا لوگ ہم کو نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھیں بشرطیکہ لوگ ہمارا پیغام سُن لیں۔ اور اس کا اثر ان کی زندگیوں میں ظاہر ہو۔ یُوحنا ایک لایق اور وفادار آواز تھا اور سچائی اور خدا کی بادشاہت کے لئے اس کی آواز صاف اور پُرزور تھی۔ اُس کا کام بادشاہ کے آگے آگے چل کر اُسکے آنے کی خبر دینا اور لوگوں سے یہ کہنا تھا کہ اُسکے آنیکے لئے راہ تیار کرو۔ اُسنے اپنی اس خدمت کو خوب انجام دیا اور بادشاہ کے آنے پر یوحنا کا یہ کام پورا ہوا۔

بھیجے ہوؤں نے اس سے یہ بھی پوچھا کہ اگر تُو نہ مسیح ہے اور نہ ایلیاہ تو بپتسمہ کیوں دیتا ہے۔ یُوحنا نے پھر اپنے دوست کی عزت کی اور یُوں جواب دیا کہ "میں تو پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں پر تمہارے درمیان ایک کھڑا ہے۔ جس کو تم نہیں جانتے یہ وہی ہے جو میرے بعد آکر بھی مجھ سے زور آور ٹھہرا۔ میں اِس کی جُوتیاں اُٹھانے کے بھی لائق نہیں"۔ یوحنا نے مسیح کے

ساتھ دوستی رکھنے کا دُنیا کو نمونہ دیا ہے۔

یہ بات کیسی افسوسناک ہے کہ مسیح کے اکثر پیرو یہ سبق نہیں سیکھتے۔ وہ اونچی جگہوں کی تلاش میں رہتے ہیں کہ لوگوں میں بزرگی پائیں۔ اور ہر ایک کی زبان پر اُنہیں کا ذکر ہو۔ مسیح کے نزدیک وہی لوگ بزرگی پاتے ہیں جو اپنی خودی کو بھول جاتے ہیں۔ تاکہ مسیح عزّت پائے۔

یُوحنّا نے کہا کہ میں اپنے دوست کی جُوتیاں اُٹھانے کے بھی لائق نہیں کیونکہ یہ میرا دوست نہایت عظیم الشّان اور شاہ بلند اقبال اور ہر طرح سے بزرگی اور عزت کے لائق ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ یہ اکرام تو صرف ظاہری ہے لیکن تمہارے درمیان ایک ایسا شخص ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ اس کو دلوں تک پہنچنے کی قدرت حاصل ہے۔ کاش کہ مسیح کا ہر ایک پیرو اس امر کی پہچان پائے کہ مسیح کی خدمت میں میرا کیا تعلق ہے۔ یُوحنّا نے مسیح کے حق میں اُس کی آزمائش کے بعد پھر گواہی دی۔ ایک نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر اُس نے کہا کہ "دیکھو خدا کا برّہ۔ جو جہان کے گناہ اُٹھا لے جاتا ہے"۔ یُوں یوحنّا نے اپنے دوست کی بڑی عزّت کی۔ ہاں اُس مسیح کی جو دُنیا کے گناہ اور غم و رنج کا اٹھانے والا تھا۔ شاید یوحنّا کو ابھی تک یہ علم نہ تھا کہ مسیح جہان کے واسطے صلیب پر اپنی جان دیگا۔ تاہم کسی نہ کسی طرح اس کو یہ خیال تھا کہ مسیح اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے بچائیگا اور اسلئے ان لوگوں کے سامنے جو وہاں کھڑے تھے۔ اُس نے یہ گواہی دی کہ یہ خدا کا بیٹا ہے اور یُوں اپنے دوست کی اَور بھی عزّت کی +

اس سے دوسرے دن بعد یوحنّا نے اپنے دو شاگردوں سے کہا کہ دیکھو خدا کا برّہ اور پھر اُن سے ہدایت کی کہ میری پیروی چھوڑ کر مسیح کے پیچھے ہو لو۔ یہ اس کی شریف دوستی کا ایک اَور ثبوت ہے۔ اُس نے خود اپنے شاگردوں سے کہا کہ نئے مالک کے پیچھے ہو لیں۔ ایسا کرنا سہل نہیں اپنے دوستوں کو دوسرے کی خدمت کے لئے دیدینا بڑے حوصلہ کا کام ہے۔

یوحنّا کی دوستی اور وفاداری کا ایک اَور ثبوت ہے۔ یوحنّا کے شاگرد مسیح کی دن بڑھتی ترقی اور شہرت پر رشک کھاتے تھے۔ جو بھیڑ کہ پہلے یُوحنّا کے پیچھے آتی تھی۔ اب وہ اُس کے پیچھے ہو لی۔ وہ یُوحنّا سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اور یہ امر ان کی یاد میں ابھی تازہ تھا کہ مسیح کے کام شروع کرنے سے پیشتر اور بعد میں بھی کیونکر یوحنّا نے اُس کے حق میں گواہی دی۔ اور لوگوں کی توجہ اس کی طرف کھینچی۔ اسلئے ان کے نزدیک یہ بات مناسب معلوم نہ ہوتی تھی کہ مسیح اپنے دوست اور مددگار کو نقصان پہنچا کر آپ عزت پائے۔ اگر یوحنّا ایسا شریف اور یسوع کا وفادار دوست نہ ہوتا تو اپنے شاگردوں کی ایسی باتوں سے ضرور مسیح کے ساتھ اس کی دوستی میں خلل آجاتا۔ اکثر لوگ ایسی خوشامد آمیز تسلّی سے لاعلاج نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ ایسے کم اندیشوں کی جھوٹی

ہمدردی سے رشک کی چنگاری بھڑک کر شعلہ ہوجاتی ہے +

لیکن یوحنا کے جواب میں بڑی شرافت پائی جاتی ہے۔ ہر دلعزیزی نے اُسے بگاڑ نہیں دیا۔ ایسے شخص بہت کم ہیں جو بڑی بڑی کامیابیاں اور اقبالمندی پاکر بھی حلیم اور نرم مزاج بنے رہیں۔ شہرت اور ہر دلعزیزی جاتے رہنے کا وقت اس سے بھی بڑھ کر سیرت کا امتحان ہے۔ خصوصاً جب کوئی اور یہ ہر دلعزیزی پاتا ہو۔ ایسی حالت میں بہت کم شخص اپنی شیریں مزاجی کو قائم رکھتے بلکہ اُلٹے تلخ مزاج ہوجاتے ہیں +

یوحنا ان دونو کسوٹیوں پر پورا اترا۔ ہر دلعزیزی سے وہ مغرور نہ ہوا۔ اُس کے جاتے رہنے سے اس کا مزاج تلخ نہ ہوا۔ ہر حالت میں وہ حلیم اور شیریں مزاج بنا رہا۔ اس کا بھید یہ تھا کہ وہ اپنی رسالت میں وفادار رہا۔ اس نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ "انسان کچھ پا نہیں سکتا جب تک اس کو آسمان سے نہ دیا جائے"۔ جو عزت اور رُعب اُس کو لوگوں پر حاصل تھا وہ اُس کو آسمان سے دیا گیا تھا۔ اب وہ عزت اس سے چھین کر مسیح کو دی گئی ۔ جو کچھ خدا کی طرف سے ہو وہ درست تھا اور اس میں گلہ کرنا واجب نہ تھا۔

پھر یوحنا نے اپنے دوستوں کو صاف صاف یاد دلایا کہ میں مسیح نہیں ہوں بلکہ اُس کا پیشرو۔ اس نے مسیح کے ساتھ اپنا تعلق بڑے مؤثر طور سے ظاہر کیا۔ یسوع دولہا لیکن یوحنا صرف دولہا کا دوست تھا جو دولہا کی عزت سے خوش ہوتا ہے واجب ہی تھا کہ دولہا عزت پائے اور اُسکا دوست پیچھے کو ہٹ جائے دولہا دولہا ہی کی پکار ہو اور اس کا دوست فراموش کیا جائے۔ مسیح کے عزت و شہرت پانے پر یوحنا نے خوشی کرنے سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ خود ایسی شہرت پانے کے بعد لوگوں کی یاد سے جاتا رہا۔ "ضرور ہے کہ وہ بڑھے اور میں گھٹوں"۔ یوحنا کا کام تو پورا ہو گیا اور مسیح کا کام ابھی شروع ہوا تھا یوحنا اس بات کو سمجھتا تھا۔ اور اپنے دوست کی ایسی وفاداری اور دلدادگی سے جسکی کہیں اور نظیر نہیں ملتی اس نے اپنے دوست کے عزت و شہرت پانے پر خوشی کا اظہار کیا۔ حالانکہ اس سے اُس کی اپنی عزت کم ہو رہی تھی +

ہمیشہ کے لئے یہ شریف زندگی کا نمونہ ہے۔ رشک سے انسانی دوستی میں خلل آجاتا ہے کسی دوسرے کی عزت وشان کے لئے جب وہ ہماری ہی جگہ لے رہا ہو وفاداری سے کام کرنا مشکل ہے۔ دوستی کا تو کیا ذکر ہر کہیں رشک مطعون اور خدا کے ناپسند ہے۔ مسیح کے ساتھ دوستی میں بھی ہم کو محتاط رہنا چاہئے۔ کہ کہیں خودی ہماری دوستی میں نہ آجائے۔ اسی کی عزت اور بادشاہت کی ترقی کا فکر رکھنا اور اپنا خیال نہ کرنا چاہئے۔

مسیح کے ساتھ یوحنا کی دوستی کا تو اتنا بیان ہولیا۔ پر ہم دیکھتے ہیں کہ کئی موقعوں پر مسیح

نے بھی یوحنا کے لئے بڑی گہری دوستی کا اظہار کیا۔ یوحنا کا قید ہونا ایک بڑا دردانگیز واقعہ ہے یہ اُس کی صداقت کی دیانتداری سے منادی کرنے کا باعث تھا۔ بلحاظ ان تمام واقعات کے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اپنی قید کی تنہائی میں اُس کے دل میں یہ شک گزرا ہو۔ کہ آیا یسوع سچ مچ مسیح ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس دردانگیز وقت میں بھی یوحنا یسوع کا وفادار دوست رہا۔ جب اس کے دل میں شبہ پیدا ہوا تو اُس نے براہ راست یسوع سے پچھوا بھیجا کاش کہ وہ سب جن کے دل میں روحانی باتوں کی نسبت شک و شبہ پیدا ہو۔ ایسا ہی کریں تو اس کا ہر حالت میں نتیجہ اچھا ہو۔ کیونکہ مسیح شکی دلوں کو ہر حالت میں تسلی دینا جانتا ہے۔

یوحنا کے بھیجے ہوؤں کی واپسی پر یسوع نے وہ پُرزور کلمات فرمائے جن سے اس کی اپنے پیشرو سے حقیقی دوستی ظاہر ہوتی ہے۔ یوحنا کے شک لانے سے مالک کے دل سے اس کی جگہ جاتی نہ رہی۔ یسُوع جانتا تھا کہ یوحنا کے سوال پوچھنے سے میرے شاگرد اس کو کچھ نظر حقارت سے دیکھینگے۔ اسلئے یوحنا کے بھیجے ہوؤں کے جاتے ہی اُس نے یوحنا کی تعریف شروع کی۔ دوست کی غیر حاضری میں اس کی تعریف کرنا دوستی کا ثبوت ہے۔ اکثر ظاہری دوستیاں اس کسوٹی پر پوری نہیں اُتریں گی۔ یوحنا کے شک لانے پر یسوع نے ملامت کی ایک بات بھی نہ کہی۔ بلکہ اُس کی حد درجہ کی تعریف کی۔ اُس نے اُس کی مضبوطی اور اُس کے قائم رہنے کا ذکر کیا۔ یوحنا سرکنڈا نہ تھا جو ہوا کے جھونکوں سے ہلے۔ نہ وہ کوئی خود پسند اپنے راحت و آرام کا طالب تھا۔ وہ ہر قسم کی خود انکاری اور مصیبتوں کی برداشت کے لئے ہر وقت تیار تھا۔ یسوع نے یوحنا کی ان صفات پر یہ صفت ایزاد کی کہ اس دُنیا میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہُوا۔ بے شک یہ سچی تعریف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یسوع نے اپنے اس دوست سے جو راستبازی کی خاطر دُکھ اُٹھا رہا تھا۔ دوستی کا حق پورا کیا۔

ایک اور واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسُوع یوحنا سے کیسی محبت کرتا تھا۔ یوحنا کی موت کے بعد یُوں ہوا کہ اُس مرحوم نبی کے دوست قید خانہ میں جمع ہوئے اور اپنے اُستاد کے بے سر بدن کو لے جا کر بڑے غم اور عزت سے دفنایا۔ پھر اُنہوں نے جا کر یسوع کو اس ماجرے کی خبر دی۔ انجیل میں یوں لکھا ہے کہ یہ سُنتے ہی یسُوع کشتی میں بیٹھ کر اکیلا ویرانہ میں چلا گیا۔ اپنے دوست کی افسوسناک موت کی خبر سُن کر اُسے ایسا رنج ہُوا کہ اُس نے تنہائی پسند کی۔ یہودیوں نے اس کو لعزر کی قبر پر روتے دیکھ کر کہا کہ دیکھو وہ اُسے کیسا پیار کرتا تھا۔ یوحنا کی موت کی خبر کے پانے پر یسوع کے رونے کا کوئی ذکر نہیں لیکن وہ فوراً لوگوں سے جُدا ہو گیا تاکہ اکیلا ہو اور کوئی اس کے رنج کو نہ دیکھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اکیلے ہو کر وہ رویا۔

وہ یوحنا کو پیار کرتا تھا اور اُس کی موت پر متاسف ہُوا۔
یسوع اور یوحنا کی دوستی کا بیان بڑا دلکش ہے۔ یوحنا کی وفاداری اور صدقدلی سے یسوع کو بڑی تسلی ملی ہوگی۔ اور یوحنا کے لئے مسیح کی دوستی بڑی خوشی کا وسیلہ ہوئی ہوگی +
یوحنا کے دردانگیز بیان پڑھنے سے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی موت بے وقت ہوئی۔ جب اُس نے اپنی خدمت شروع کی تو کامیابی کی ہر صورت تھی۔ کچھ مدت تک وہ بڑے زور سے منادی کرتا رہا۔ اور ہزاروں اُس کی سُننے کو آتے تھے۔ پھر اُس کی شہرت کم ہونے لگی اور تھوڑی دیر بعد وہ زندان میں ڈالا گیا۔ اور پھر بڑی بے رحمی سے مارا گیا +
دل کہتا ہے کہ کیا یہ تھوڑی سی خدمت اِس لائق ہے کہ انسان پیدا ہو اور اتنی تکلیفیں اُٹھا کر اس کے لئے تیار ہو۔ اس سوال کا ہم یہی جواب دے سکتے ہیں کہ یوحنا اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ وہ دُنیا میں صرف ایک کام کرنے کے لئے خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا تاکہ مسیح کے لئے راہ تیار کرے۔ مسیح کے آنے پر یوحنا کا کام پُورا ہُوا۔ وہ مسیح کا دوست ہو کر بہشت میں داخل ہوا۔ اور دوسرے عالم میں شاید اب بھی اپنے خداوند کی خدمت میں لگا ہے +

روحانی زندگی کے اسرار

افسیوں کے خط کا مطالعہ

دیباچہ

کتب بائبل خصوصاً افسیوں کے خط میں بعض خاص الفاظ پائے جاتے ہیں جو راگ کے نوٹوں کی طرح بار بار آتے ہیں۔ اِن الفاظ سے اُن کتابوں کی خاصیت ایسے طور پر واضح ہوتی ہے کہ ہم اُن کو گویا اُن کی کلید کہہ سکتے ہیں۔ بائبل پڑھنے کا ایک نہائت دلچسپ اور مفید طریق یہ ہے کہ اس امر کو مدنظر رکھ کے اُس کا مطالعہ کیا جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ناظرین کے ساتھ اس طریق پر افسیوں کے خط کا مطالعہ کریں۔
افسیوں کے خط میں خصوصاً اندرونی زندگی کا ذکر ہے۔ اور اُس کے کلیدی الفاظ اندرونی زندگی کی کلید ہیں۔ اور جوں جوں وہ ہماری زندگی کے رگ و ریشہ میں بُنے جائیں دوں دوں ہمیں وہ رحمدلی اور طاقت اور وہ علم اور شراکت حاصل ہوگی جن کے باعث یہ خط ہر زمانہ کی کلیسیا کا دل عزیز رہا ہے۔

ان اوراق میں اِن عجیب الفاظ کی پوری پوری توضیح نہیں کی گئی۔ تاہم اتنا کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کان کیسی سرخیز ہے اور کس طریق سے ہم ان کی بیش بہا معدنیات کو اپنے روزانہ استعمال میں لاسکتے ہیں۔

ایف بی مائر

پہلا باب

باپ

افسیوں ۱: ۲- ہمیں فضل اور اطمینان دونوں درکار ہیں فضل تاکہ ضرورت کے وقت ہماری مدد کرے۔ اطمینان تاکہ ہمارے دل اور خیال کو محفوظ رکھے۔ ایک تو نیلگون آسمان کی طرح ہمارے اوپر چھایا رہے کہ جس کے آفتاب کی خوش کن روشنی اور ہوا کی تازگی اور بارش کی زندگی بخش تاثیر ہمیں ملتی رہے۔ اور دوسرا گہرے سمندر کی خاموشی اور اُس کی ہموار سطح کی مانند۔ لیکن تاوقتیکہ ہم خدا کو اپنا باپ نہ مانیں یہ برکتیں ہمیں حاصل ہو نہیں سکتیں۔ اگر تم اس کو اپنا باپ نہیں مانتے تو فرزندوں کے سے استحقاق سے تم اس کی دولت میں سے حصہ مانگ نہیں سکتے اور تم اُس عجیب اطمینان سے بھی محروم رہتے ہو۔ جو ایک بچے کو اپنے باپ کی گود میں ملتا ہے اپنے دلوں کو کھول دو۔ تاکہ لیپالک ہونے کی روح کبوتر کی طرح اُن پر اُتر آئے۔ اور ابا یعنی اے باپ کے پکارنے سے اس امر کی گواہی دیں کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ اور اگر فرزند تو اسکے فضل اور اطمینان میں شریک۔

افسیوں ۱: ۳- مسیح کی زندگی بھی ایسی ہی تھی۔ اس کی انسانی زندگی میں فضل اور اطمینان کسی کی کمی نہ تھی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ باپ کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ اُس نے نہ کوئی ایسی بات کہی اور نہ کوئی رحمت کا ایسا کام کیا جس کا حکم اسے باپ سے نہ ملا ہو۔ اس نے ایک پتھر کو بھی روٹی بنانے سے انکار کیا۔ کیونکہ اس کو اس امر کا ایسا پورا یقین تھا کہ میرا باپ مجھ کو کبھی بھولنے کا نہیں۔ بلکہ جانتا ہے کہ میرے جسم کے لئے کیا کچھ درکار ہے۔ اور وہ اُس کو خود مہیا کر دیتا ہے ہر بات میں اس کے باپ کی طرف دیکھنے سے اس کے ایمان کا پتہ ملتا ہے۔ اُس کے اور باپ کے مابین جُدائی یا غلط فہمی کے بادل کا کبھی سایہ تک نہ چھایا۔ کیونکہ باپ نے کبھی اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی اکیلا نہ چھوڑا۔ ہاں اُس وقت بھی نہیں جب وہ صلیب پر سے پکارا کہ اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے۔ اور باپ اُس کو کیسے چھوڑ سکتا تھا جب

مسیح ہمیشہ وہی کچھ کرتا تھا جو اُسے پسند ہو؛ ہر حالت میں اقبالمندی ہو یا ادبار اُس کا یہی تکیہ کلام تھا کہ "اے باپ ہاں ہی"

ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ سے ایسے ہی کہنا سیکھیں۔ جو تعلق اس کا باپ کے ساتھ تھا وہی تو ہمارا ہو نہیں سکتا۔ اس میں تو برابر بڑا فرق رہیگا تاہم کئی باتیں عام ہیں۔ جیسا اُس نے خود فرمایا وہ باپ کو ہم پر ظاہر کرنا چاہتا ہے (متی ۱۱: ۲۷) وہ آرزومند ہے کہ روح القدس کے وسیلے اپنی بیٹے ہونے کی روح ہم میں پیدا کرے اور ہمیں یہ توفیق دے کہ اُس کے باپ کو اپنا باپ اور اُس کے خدا کو اپنا خدا مانیں۔ اُس کے روح کی درد اِس خوشی کے سوا کسی اَور طور سے دُور نہیں ہوتی۔ کہ اس کے برگزیدے اِس کے باپ کے نام اور اُس کی صفات کو ایسا جانیں اور اس میں ایسے قائم رہیں کہ جس محبت سے باپ نے اُس کو پیار کیا۔ اُس کا مبارک تجربہ بھی اُن کو حاصل ہو جب اُس کا یہ منشا ہم میں پورا ہو جائے تو پھر ہمارے آرام۔ الیم سے بدل جائینگے اور ہمارے دل اطمینان سے بھر جائینگے۔ کیونکہ ہمارے باپ نے ہمارے پیالوں کو باہم ملایا۔ ہماری راہوں کو تیار کیا۔ ہماری زندگی کے کام کو مقرر کیا اور ہمارے دلوں کو یہ مژدہ سنایا کہ مسیح میں ہوکر ہم سے وہ خوش ہے۔

افسیوں ۱: ۱۷۔ ہمارا باپ جلال کا باپ ہے۔ کیا ہم نے کبھی اپنے رشتہ کی عظمت پر بخوبی غور کیا کیا اکثر یوں نہیں ہوتا کہ ہم خدا کے خیال سے ایسے مانوس ہو جاتے ہیں۔ کہ اُس کی خاصیت کی عظمت و شان کو بخوبی خیال میں نہیں لاتے۔ اور نہ اُن خاص فواید کو ذہن نشین کرتے ہیں جو اُن لوگوں کو ملینگے جو اس کو اپنا باپ مانتے ہیں؛ جو کچھ وہ مسیح کے حق میں تھا وہی کچھ وہ ہمارے حق میں بھی ہونے کو راضی ہے۔ اور وہ راضی ہے کہ اپنی ساری دولت ہمارے ایمان کے سپرد کردے۔ اے آزمائی ستائی اور برکھی ہوئی روح ذرا سوچ کہ خدا تجھ سے محبت رکھتا اور تیری حفاظت کرتا ہے۔ ایسے کہ کسی باپ نے اپنے اس بچہ سے بھی نہ کی ہوگی۔ جو اس کی نوجوان اور عزیز از جان بیوی نے مرتے دم اُس کے سپرد کیا ہو۔ اس امر کی بھی ذرا سوچ کر کہ جلال کے باپ ہونے کی وجہ سے اس کی دولت کیسی بے پایاں ہے۔ تمام عالموں کے باشندے۔ تمام کروں کے عالم۔ تمام زمانوں کے کرّہ اُس کے فرمان کے منتظر ہیں۔ خاطر جمع ہو اور اس پر بھروسہ رکھ! انسان اور چیزیں تجھ پر کوئی اختیار رکھ نہیں سکتیں۔ جب تک کہ اُن کو اوپر سے دیا نہ جائے اُن کی طاقت باپ کی حفاظت کے قابو میں ہے۔ ایک خاص حد ہے۔ جس کے آگے وہ جا نہیں سکتے۔ اور اُن کے ذریعہ باپ تم کو جلال میں لارہا ہے۔ کاش کہ وہ تم کو حکمت اور مکاشفہ کی روح بخشے اور تمہارے دل کی آنکھیں روشن کرے تاکہ تم اس کو جانو!

[افسیوں ۲: ۱۸]- باپ کے پاس رسائی- جب ہم بخوبی سمجھ لیں کہ خدا اچھا سا باپ ہے- تو دُعا ایک نئی رنگت اختیار کر لیتی ہے- مانا کہ یہ ہمیشہ روح کے وسیلے اور روح القدس کی وساطت سے ہوتا ہے لیکن انجام تو یہی ہے کہ باپ کے پاس ہماری رسائی ہو- ضرورت یا تکلیف کے وقت بچہ کا پہلا خیال ماں باپ کی طرف ہوتا ہے- ننھی ننھی آنکھیں اور پاؤں اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے وہ اسی کی طرف پھرتا ہے جو آرام اور نور کا سرچشمہ ہے- پس جب ہم کو باپ کی جیسے وہ مسیح میں ظاہر ہوا ہے پہچان مل جائے تو ہمارے دل اکثر اُس کی طرف رجوع ہونگے- باپ کے دل کے بارہ دروازہ ہیں- تاکہ اس کے فرزند خواہ کسی حالت میں ہوں ہر صورت میں کوئی نہ کوئی دروازہ ان کے نزدیک ہو- بیشک ایسے وقت بھی ہونگے- جب ہم بڑی سوچ سمجھ اور تیاری کے ساتھ اس کے حضور سربسجود ہونگے- لیکن ایسے موقعے بکثرت ہونگے- کہ جب اچانک کسی خیال یا آنسو یا کسی حسرت یا شوق یا باہی اشارہ یا نگاہ پُرمحبت سے ہماری اُس پاس رسائی ہوگی کیسے تعجب کی بات ہے کہ باپ کے پاس رسائی پانے کے ایسے عجیب موقعوں سے ہم اتنا کم فائدہ اُٹھاتے ہیں ❖

[افسیوں ۳: ۱۴-۱۵]- جب ہم اس امر کو بخوبی سمجھ لیں کہ خدا ہمارا باپ ہے تو تب ہی ہم اپنے اس زمینی رشتہ کی بھی بخوبی قدر کر سکتے ہیں- جیسے ہیکل اور اُس کی چوکھٹیں- ڈوریاں اور پردے آسمان پر کی چیزوں کے نمونہ تھے- ویسے ہی چاہیئے کہ سبھی گھرانے ایسے ہوں کہ اُس محبت کو ظاہر کریں- جس کا کسی ایک انسانی رشتہ سے اظہار نہیں ہوتا بلکہ جو باپ- ماں- بھائی- بہن- خاوند اور بیوی سبھوں کی محبت کا مجموعہ ہے- بہتر سے بہتر گھرانے کی پیار اور اتحاد کی زندگی ایک مدہم روشنی کی سی ہے- اور تاہم وہ اس محبت کا نمونہ اور ایما ہے جو خدا ہم سے رکھتا ہے- کیا تم نے ایک مبارک خاندان میں پرورش پائی- جس کی اب تمہیں صرف یاد ہی یاد رہ گئی ہے- ان ایام گذشتہ کی یاد سے دل میں حسرت پیدا ہونے نہ دو- بلکہ یہ امر محسوس کرنے کی کوشش کرو کہ یہی باتیں اور برکتیں تم کو خدا کے ساتھ اپنے تعلق میں اس وقت بھی ملتی ہیں- اور تم جن کو اپنی خاندانی زندگی میں کوئی ایسی راحت نصیب ہوئی کہ جس کو تم اب یاد کرنے کی پرواہ بھی کرو یقین جانو- کہ بہتر سے بہتر راحت و آرام جو کسی شخص کو نصیب ہوا اُس کا پاسنگ بھی نہیں جو خدا کے اس تعلق میں تمہارا حصہ ہے-

افسیوں ۴: ۵-۶- اس کے ہمارے باپ ہونیکے سبب ہم آپس میں بھائی اور بہن ہیں ایک ہی والدین کی اولاد ہونے سے مختلف طبیعتوں اور مذاق کے آدمیوں کے درمیان بھی ایک یگانگت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے- مختلف طبیعتوں میں اتفاق و اتحاد ہونے سے سارے

گھرانے کی زندگی ایک خوشنما رنگت اختیار کرتی ہے۔ ساری دُنیا میں زندگی کے اِس کھیل سے بڑھ کر کوئی اور چیز دلکش نہیں کہ جب گھرانے میں بچہ اور نوجوان طالب علم۔ خوش مزاج لڑکا۔ اور سنجیدہ مزاج ماہ جبیں لڑکی آپس میں کھیلیں کودیں۔ یہ بھی آسمانی چیزوں کا نمونہ ہے۔ چونکہ اُن سب کا جو مسیح میں ہیں ایک ہی خدا اور باپ ہے۔ وہ سب اُس میں ہو کر ایک ہیں افسیوں ۵: ۲۰۔ سب باتوں میں ہمیشہ خدا باپ کے شکرگزار رہو۔ ایک بزرگ خاتون سے میں واقف ہوں جو لفظی طور پر اس حکم کو مانتی ہے۔ جب اُس کے خاوند کے کارخانہ کو آگ لگ گئی اور جب اُس کے بچے ایسی مہلک بیماری میں مُبتلا ہوئے کہ اُن کے جینے کی اُمید نہ رہی اور جب اُس پر اَور بڑی بڑی مصیبتیں آئیں تو وہ اکیلے اپنے کمرہ میں جاکر خدا کا شکر کرتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ ابھی تک میرا باپ ہے اور مجھ سے ایسی محبت رکھتا ہے کہ مجھے وہی کچھ دیگا جو سب سے عمدہ ہو۔ اور کہ وہ مجھ سے ایسی محبت رکھتا ہے کہ وہ راضی ہے کہ اتنی تکلیف پہنچا کر مجھے برکت دے۔ بسا اوقات سب باتوں میں خدا کا شکر بجا لائیگا۔ ہمارے دلوں میں خیال نہیں آتا لیکن ہم ایسا کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری نظر صرف مشیت ایزدی پر لگی نہ رہے بلکہ اُس کے پیچھے خُدا کو دیکھنے کی کوشش بھی کریں۔ محض عندوق کے تختوں کو ہی دیکھتے نہ رہیں بلکہ اُس کے اندر محبت کی بخشش کی تلاش کریں۔ گو بادی النظر میں ہم مایوس اور غمگین ہوں۔ لیکن جو کچھ باپ ہمیں بھیجتا ہے وہ سب سے عمدہ ہی ہوگا۔ اُس پر ایمان رکھو اور تم اُس کا تجربہ پاؤگے۔

افسیوں ۲ : ۲۳۔ اور یُوں ہم باپ کی تسلّی پائینگے۔ وہی تسلّی جو اُس کی اپنی پُرشان نیچر میں پائی جاتی ہے۔ ہاں وہ تسلّی جو انسانی دلوں کے تجربہ میں محبت اور ایمان کے ساتھ پیوستہ ہے خداوند یسوع مسیح کی تسلّی۔ مضطرب اور بے آرام دلوں میں ایسی درآئیگی جیسے لُو سے جھلسی اور تپتی ہوئی زمین پر شام کی سرد ہوا اُتر آتی ہے۔

ہم دعا مانگتے۔ خُدا کام کرتا ہے

جو کچھ تم چاہو گے میں وہی کرونگا۔ یُوحنا ۱۴ : ۱۴۔ یہ ایک عجیب وعدہ ہے۔

مسیح نے دعا کرنے والے فرزندوں کو بڑے بیش قیمت وعدے دیتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب ہم مانگیں اور پائیں تو ہماری خوشی پوری ہوگی (یوحنا ۱۶ : ۲۴) اور اگر ہم اپنی درخواستیں خدا کے سامنے پیش کریں تو خُدا کا اطمینان جو سمجھ سے بالکل باہر ہے ہمارے دلوں کو یسوع مسیح میں بالکل محفوظ رکھیگا۔ (فلپیوں ۴ : ۷) اور جو کوئی اس سے مانگتا ہے ہرگز محروم نہ رہیگا

اور جو کوئی اُس کے دروازہ پر کھٹکھٹاتا ہے۔ اُس کے واسطے ضرور کھولا جائیگا۔ (متی ۷: ۷، ۸)
اس کی یہ صداقت کیسی شفقت آمیز ہے کہ جب ہم مانگیں وہ ہمیں دیتا ہے۔ اس کے کلام میں یہ
بار بار آیا ہے "مانگو تو تمہیں دیا جائیگا" "جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا ہے"۔ "تمہارا آسمانی باپ اپنے
مانگنے والوں کو اچھی چیزیں ضرور ہی دیگا"۔ لیکن چودھویں آیت میں ایک عجیب اور لاثانی وعدہ
ملتا ہے کہ نہ صرف جو کچھ ہم مانگتے ہیں خدا دیتا ہی ہے بلکہ

جب ہم دعا مانگتے ہیں تو خدا کام کرتا ہے

خداوند عالم کا ازلی خدا گویا ایک قادر مطلق کارندہ کی طرح کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ "اے میرے بچے اگر تم صرف دعا کرو تو میں کام کرونگا۔ اگر تم صرف مانگنے میں مشغول رہو تو کرنے کا ذمہ میں اٹھاتا ہوں"۔ ہمارے مانگنے پر وہ نہ صرف بخشتا بلکہ کام بھی کرتا ہے۔ ہماری دعاؤں سے نہ صرف اُس کی فیاضی تحریک پاتی۔ بلکہ اُس کی قدرت کاملہ عمل میں آتی ہے۔ اِس لئے جب ہم دعا کی پوشیدگی کی کوٹھری میں داخل ہوں تو کسی اَور خیال سے ہمارے دل میں شفاعت کے لئے تحریک پیدا نہ ہوگی اور نہ ہی اس گناہ آلود دُنیا کے لئے ہم خدا سے منت و سماجت کرنے والے ٹھہرینگے۔ بجز اسکے کہ ہم بار بار اپنی جان کو یہ عجیب صداقت سُناتے رہیں کہ جب میں دُعا مانگتا ہوں تو جو کچھ میں مانگتا ہوں خدا اسی کو عمل میں لاتا ہے۔

جب کوئی خدا کا فرزند دُعا میں سربسجود ہوتا ہے کہ تاریک ممالک میں انجیل کی روشنی پہنچے تو گو وہ دیکھ نہیں سکتا جیسے وہ دعا کرتا ہے۔ خدا تاریکی کی طاقتوں کو دور کرتا ہے۔ جیسے وہ دعا کرتا خدا اُن رکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ جو انجیل کے پھیلنے کی راہ میں حائل ہیں۔ جیسے وہ دُعا کرتا خدا وہم کی زنجیروں کو ہلکا کرتا ہے۔ جیسے وہ دعا کرتا خدا اپنے فرزندوں کے کیسوں کی گرہیں کھولتا ہے۔ جیسے وہ دُعا کرتا خدا مبشروں کو کھڑا کرتا اور اُن کو پکے ہوئے کھیتوں میں بھیجتا ہے۔ ادھر یہ دُعا کرتا اُدھر خُدا کام کرتا ہے۔ یہ امر واضح طور سے بتایا گیا ہے "خداوند فرماتا ہے کہ میرے کلام کو پرکھو اور دریافت کرو کہ دُنیا کی نسبت میری مرضی کیا ہے"۔ اور اس مرضی کے مطابق دُعا کرو۔ پھر جب تم دُعا کرو کہ خداوند کھیت میں مزدور بھیج۔ تو میں اُن کو بھیجتا ہوں! جیسے تم دعا کرو کہ خداوند رکاوٹوں کو دور کر تو میں اُن کو دور کرتا ہوں! جب تم دعا کرو کہ خداوند لوگوں کے دلوں کو ابھار کہ وہ تیری راہ میں چندہ دیں تو میں اُبھارتا ہوں! جو کچھ تم میرے نام سے چاہو میں وہی کرونگا۔ ہماری ذمہ داری کیسی عظیم۔ ہمارا استحقاق کیسا عجیب۔ ایک قادر مطلق خدا کی قدرت کاملہ تیار بلکہ منتظر ہو کہ اُسکے ایک فرزند کی درخواست پر عمل میں آئے! کہ تمہاری دُعا و منت کی آواز پر جو خدا کی مرضی کے مطابق کی جائے۔ آسمان کے تمام لشکر تاریکی کی

طاقتوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوں۔ وہ فرماتا ہے کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے اور پھر گویا اپنا اختیار ہمارے سپرد کر کے کہتا ہے کہ اے میرے فرزند تم دعا کرو اور میں کام کرتا ہوں تم مانگو اور میں کرتا ہوں۔ جیسے کوئی انجینئر کسی بچے کو اجازت دے کہ ایک بڑی مشین کا منہ کھول کر ایک بڑی قوت کو پیدا کر دے۔ ویسے ہی خدا بھی اپنے کمزور بچوں سے فرماتا ہے۔ "سارا اختیار میرا ہے۔ لیکن یہ تمہیں دیا گیا ہے کہ دعا کے وسیلے اس سے کام لو" تو پھر اگر یہ سچ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ ہمارے سپرد کی گئی ہے تو ہم دعا کے وسیلے سے کام لینے کے لئے ہی ذمہ وار ہیں جیسے کہ ہم کو خود ایسا اختیار حاصل ہو۔ دیکھو یہ کیسے بڑے شرم کی بات ہے کہ ساری دنیا کو ابھی تک انجیل کی خوشخبری نہیں ملی۔ دو ہزار سال کی دیر ہو گئی ہے۔ اور مشکلات کے سامنے ہم کیسے کمزور اور بزدل ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ گو ہم کو خود کرنے کی طاقت نہ تھی۔ تاہم قادر مطلق خدا نے ہمارے ہم خدمت ہو کر بلکہ ہمارے ساتھ جوا کو اٹھا کر فرمایا ہے کہ "اگر تم مانگو تو میں کرونگا"۔ یہ وعدہ ایک قادر مطلق کام کرنے والا کا ہے بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر کے وقت یہ ایک بڑی خوش قسمتی سمجھی جاتی ہے۔ اگر کوئی اعلےٰ درجہ کا مصور اتفاق اپنی خدمات پیش کرے۔ اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے میر عمارت اور عالیشان مصور اور بڑے کاریگر سنگ تراش کی تلاش کی جاتی ہے۔ لیکن ایسا کون ہے جو شخص ہمارے لیے ہر کام کا بیڑا اٹھائے؟ یہ کوئی اناڑی یا کام سیکھنے والا نہیں۔ خود خدا کام کا ذمہ لیتا ہے۔ ساری دنیا کا اعلےٰ درجہ کا کام کرنے والا فرماتا ہے کہ "اگر تم مانگو تو میں کرونگا"۔ اس کی دانشمندی لاثانی۔ اس کی کاریگری ضرب المثل۔ اس کی قوت بے حد اور اس کی دولت بے اندازہ ہے۔ ذرا فکر تو کرو۔ کہ یہ کون ہے جو وعدہ کرتا ہے۔ یہ وہ ہے جس نے مصر کی سرزمین کو نا رنجی سے ملفوف کر دیا۔ وہ جس نے اس کے دریاؤں اور چشموں کے پانی کو لہو سے بدل ڈالا۔ وہ وہ ہے جس نے اسکے پہلوٹھے پر ہاتھ رکھا اور سارے ملک کو آہ و نالہ سے بھر دیا۔ وہی ہے جس نے وہاں کے ضدی بادشاہ کی ہٹ کو توڑ دیا۔ اور اپنے قادر مطلق ہاتھ سے اپنے لوگوں بنی اسرائیل کو باہر نکال لایا۔ وہی جس نے سمندر کو دو حصہ کر دیا اور پانی کی دیوار اپنے لوگوں کے لئے تو جائے پناہ لیکن ان کے پیچھا کرنے والے دشمنوں کے لئے موت کی جگہ بنایا۔ یہ وہی ہے کہ جب اسکے فرزندوں نے پانی کے لئے دعا و منت کی تو ان کی پیاس بجھانے کے لئے کڑوے کنوؤں کو میٹھا بنا دیا۔ اور جب وہ بھوکے ہوئے تو ان کو آسمان پر سے روٹی بھیجی۔ اور جب وہ یریحو کے چوگرد مایوس و دل شکستہ پھر رہے تھے۔ تو اپنی قدرت کے کام سے اس کی دیواروں کو مسمار کر دیا۔ وہی جو آگ کی بھٹی میں اپنے تین فرزندوں کے

ساتھ ساتھ چلتا تھا اور ان کو ایسے محفوظ رکھا کہ اُن کے کپڑوں سے آگ کی بُو تک نہ آئی۔ وہی جس نے طوفان کو تھما دیا۔ جو سمندر پر چلتا تھا۔ دیوؤں کو نکالتا۔ زندوں کو چنگا کرتا اور مردوں کو جلاتا تھا۔ یہ وہی قادر مطلق کام کرنے والا ہے جو فرماتا ہے کہ اگر تم مانگو تو میں تمہارے لئے کرونگا! یہ قدرت کاملہ وہی قدرت کاملہ ہے جس کا کام کرنا میرے دعا کرنیکا منتظر ہے!

ن خدا جس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں سمندر ہے۔ خدا جو کرۂ زمین کو اُس کے محور کے گرد ایسی آسانی سے چلاتا ہے کہ جیسے تم ربر کے گیند کو گھما نہیں سکتے۔ خدا جو ستاروں کو صف میں آراستہ کرتا اور سیاروں کو اُن کی راہوں میں برابر رکھتا ہے۔ سینا۔ اور حوریب کا خدا۔ آسمانوں کے پیدا کرنے والا۔ شیطان پر فتح پانیوالا۔ مُردوں کو جلانے والا۔ یہ وہی خُدا ہے جو تمہیں اور مجھے فرماتا ہے کہ اگر تم مانگو تو میں کروں گا

قدیم زمانہ کا ایک مسیحی تذکرہ

سلسلہ کے لئے دیکھو مسیحی دسمبر ۱۹۰۱ء

یا کم سے کم خود ہی دھوکا کھائے ہوئے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ وہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے اپنی ضروریات بہم پہنچاتے ہیں۔ لیکن اگر غور کرو تو جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتے ہیں اُن کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتا اگر وہ شخصی ملکیت کی پیداوار سے فائدہ نہ اُٹھاتے۔ اور بالفرض اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اُن کی کمائی مشکل سے اُن کی جسمانی ضروریات کو کفایت کریگی اور وہ علم و ہنر کے حصول میں بالکل مشغول نہیں ہو سکتے ✤

"وہ ہماری تہذیب و شائستگی کی خوبیوں کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ اُن کی تمام تعلیم کا میلان اس طرف ہے۔ کہ سوسائٹی کو پھر پہلی وحشیانہ اور صورتی زندگی کی طرف واپس لے جائے۔ وہ نہ تو علم و ہنر کے سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔ نہ اُن اعلےٰ اور شریف قابلیتوں سے بہرہ ور ہیں۔ جو انسان کو دیوتاؤں کے درجہ تک بلند کرتی ہیں۔ اور اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ وہ انہیں بُرا کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں نہ تو مندروں کی ضرورت ہے" بھلا تم ہی بتاؤ۔ ان دونوں باتوں میں سے تم کس کو زیادہ قابل اعتبار رہنا سمجھوگے؟ دیوتاؤں کی مرضی اور انسانی خیال و حکمت کے آثار فضل کو یا ایک مفرد انسان کے کلام پر اندھا دھند اور بے سوچے سمجھے ایمان کو؟

جولیس کے دل پر اس اجنبی کی تقریر نے بہت ہی اثر کیا۔ خاص کر اُس کے آخری الفاظ

ہے۔ نہ صرف اسکا مسیحی ہونے کا ارادہ ٹوٹ گیا بلکہ اُس کے دل میں تعجب پیدا ہونے لگا کہ یہ کیسے ہوا کہ اس نے اپنی تکالیف سے تنگ آکر ایک ایسے بیہودہ اور دیوانہ وار امور کا پابند ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ ابھی ایک اور بات باقی ہے جسکی نسبت وہ ابھی کچھ اور دریافت کرنا چاہتا تھا اور وہ یہ تھی کہ ان ناگوار معاملات سے جن میں وہ گرفتار ہو رہا تھا خلاصی پانے کی کیا صورت ہے۔ اس خیال سے اُس نے مشکلات کو اُس اجنبی کے سامنے بیان کیا اور اس سے صلاح پوچھی اُس کی بات سُن کر وہ کہنے لگا "یہی بات تو تھی جس کی بابت میں خود تمہیں کچھ کہنے کو تھا بھلا اس معاملہ میں میں تمہیں کیا صلاح دوں؟ جہاں تک مجھے معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا راستہ بالکل صاف ہے۔ تمہارے تمام مشکلات کی جڑ انسانی جذبات میں ہے جو کچھ تمہاری ہی ذات کے لئے مخصوص نہیں بلکہ سب آدمیوں میں پائے جاتے ہیں۔ تمہاری خواہشیں تمہاری قوت ارادے سے زیادہ زبردست ہیں۔ اسواسطے انہوں نے تمہیں اپنا غلام کر لیا اور اسی سبب سے تمہیں تکالیف اُٹھانی پڑیں یہ زندگی کے روزمرہ کے سبق ہیں اور تمہیں اُن سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے تم نے بہت سی چیزوں کا ذائقہ چکھا ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ کون کون سی چیز اچھی ہے اور کون کون بُری۔ اب اپنے تجربے سے کام لو۔ اور جہاں تک ہو سکے پُرانی غلطیوں سے بچتے رہو۔ سب سے زیادہ تمہیں اپنے باپ کی عداوت کا رنج ہے۔ یہ عداوت تمہاری موجودہ حالت کے سبب سے ہے۔ اگر یہ حالت تبدیل ہو جائے تو یہ شکر رنجی بھی رفع ہو جائیگی۔ تمہاری تمام مشکلات کی جڑ یہ خود طبعی حالت ہے جس میں تم اس وقت پھنسے ہوئے ہو۔ تم نے عیش جوانی کے خوب مزے اُڑائے۔ یہ بالکل طبعی بات تھی۔ اور اسلئے اُس میں کچھ بُرائی نہیں۔ لیکن عمر گذرتی جاتی ہے۔ اور اب تم نوجوان نہیں بلکہ پورے آدمی ہو۔ اور اب بھی لڑکوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑے رہو۔ اور یہی تمہاری غلطی ہے۔ تمہاری عمر کے آدمی کو مناسب ہے کہ قبیلہ دار ہو اور ہم چشموں میں عزت و عظمت حاصل کرے۔ اب یہ وقت ہے کہ تم اپنے ملک کی خدمت میں مصروف ہو اُس کی بہبودی میں ہر طرح سے سعی کرو۔ تمہارے باپ کی خواہش ہے کہ تم شادی کر لو۔ اور اُس کی صلاح برحق ہے۔ اب تم زندگی کے ایک مرحلے یعنی جوانی کو طے کر چکے اور اب دوسرے میں قدم رکھا ہے۔ یہ تمہاری تکالیف اسی امر کے خلاف ہیں کہ تم ایک حالت سے دوسری حالت میں گذر رہے ہو۔ اب صرف تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ اپنے دل میں خوب تحقیق کر لو کہ ایام جوانی گذر گئے اور اس لئے تمام باتیں جو اس زمانے کے متعلق تھیں۔ انہیں خیرباد کہدو۔ اب تم آدمی بن گئے ہو۔ اور اس لئے جو باتیں اس زمانۂ زندگی کی مناسب ہیں۔ وہی تم کو کرنی چاہئیں۔ شادی کر لو۔ آوارہ مزاجی چھوڑ دو۔ تجارت اور تمدنی امور میں مصروف ہو

علم و ہنر کی تحصیل میں کوشش کرو۔ تب نہ صرف تمہارے اپنے باپ اور دیگر احباب سے صلح ہو جائیگی بلکہ تم کو اطمینان اور خوشی بھی حاصل ہوگی۔ اب تم آدمی کے درجہ کو پہنچ گئے۔ اسلئے مناسب ہے کہ اور گھر بساؤ۔ اس لئے میری صلاح یہ ہے۔ کہ اپنے باپ کی مرضی پر چلو اور شادی کر لو۔ اگر تمہیں تنہائی اور خاموشی کی زندگی زیادہ پسند ہے جس کی تلاش میں تم مسیحیوں میں شامل ہونے کو جا رہے تھے۔ اور زندگی کے کاروبار میں تمہارا دل نہیں لگتا۔ اگر فلسفے کی طرف تمہاری طبیعت کا میلان ہے۔ تو بھی جب تک تم نے زندگی کے حالات کو اپنے ذاتی تجربے سے معلوم نہیں کیا اُس شغل میں مصروف ہونا مناسب نہیں۔ اور اسلئے پہلے تمہیں مناسب ہے کہ خانہ داری اور آزاد شہری کی حیثیت سے ان تمام امُور کا تجربہ کرو۔ اگر اس کے بعد بھی تمہارے دل کو تنہائی کی طرف زیادہ کوشش ہو تو تب تم کہہ سکو گے کہ یہ خواہش فی الحقیقت ایک سچی خواہش ہے۔ اور فقط ایک لحہ بھر کے آنے جانے والے خیالات میں سے نہیں ہے۔ اب جاؤ!"

اب تو جولیس بالکل قائل ہو گیا۔ اور وہ اجنبی کا شکریہ ادا کرکے اپنے گھر کو واپس چلا گیا۔

اس کی ماں اُس کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئی۔ اور اس کے باپ نے بھی جب یہ سنا کہ وہ اُس کی مرضی کی اطاعت کرنے اور شادی کرنے پر رضامند ہے اُس کے گذشتہ قصوروں کو معاف کر دیا۔ اس طور سے باپ بیٹے میں پھر صلح صفائی ہو گئی۔

منور مسیحی۔ ان دنوں بہت تھوڑے منور مسیحی پائے جاتے ہیں۔ اگر ہم میں سے ہر ایک خدا کی روح سے منور ہو جائے تو ہم کلیسیا کو کیسا روشن کر سکتے ہیں۔ رات کے وقت روشن کی ہوئی بتی کیسی بڑی معلوم دیتی ہے۔ بہت مسیحی اپنے پاس بتی رکھے رکھتے ہیں کہ میں اپنا مذہب چھوڑ کر تمہارا طریق کبھی اختیار نہیں کرونگا۔ وہ مذہب کا چرچا تو اکثر کرتے رہتے ہیں پر جس مذہب میں جان نہ ہو وہ آگ کی تصویر کی مانند ہے وہ بناوٹی مسیحی ہیں۔ کیا تم بھی ایسے مسیحی ہو؟ تم آپ ہی اسکا جواب دے سکتے ہو ورنہ تمہارے احباب تو اس کا ٹھیک جواب دے ہی سکتے ہیں۔ یاں ہمیں ایک قصہ یاد آتا ہے ایک سائبان کے نیچے ایک لالٹین ٹنگی تھی۔ ایک دن وہ اپنے آقا کو یہ کہتے سُن کر فخر سے پھولی نہ سمائی کہ نہ معلوم اس لالٹین کے بغیر میں کیا کروں۔ پر اُسکے اندر کی بتی نے یوں کہا بھلا میرے بغیر تم کس کام کی؟ تم خود تو کیا حیثیت رکھتی ہو۔ روشنی دینے والی تو میں ہوں ہم کچھ نہیں جو کچھ ہے مسیح ہے ہمیں چاہیئے کہ اُسکے ساتھ شراکت رکھیں تاکہ مسیح ہمارے دلوں میں سکونت کرے اور ہم میں ہو کر ظاہر ہو۔

میرے پاس دیا سلائی کی ایک ڈبیا ہے جسکے اوپر فاسفر لگا ہوا ہے دن کے وقت وہ سورج کی کرنوں کو اپنے میں کھینچ لیتا ہے اور رات کے اندھیرے میں وہ شعاعیں اسکے باہر نکلتی ہیں۔ اور یوں رات کے وقت وہ روشن رہتی ہے ہم کو بھی ایسے ہی ہونا چاہیئے ہمیں چاہیئے کہ آفتاب صداقت سے ہر دم شعاعیں لیتے رہیں۔ اور پھر اُن کو اوروں پر ظاہر کریں کسی نے ایک نوجوان سے کہا کہ مسیح کی طرف پھرنا چاندنی سا سہانا ہے۔ اسنے جواب میں کہا "بجا فرمایا۔ جیسے چاند سورج سے روشنی لیتا ہے ویسے ہی ہم آفتاب صداقت سے"۔ ہمارے منور ہونے کے بھی یہی معنی ہیں۔

تازہ خبریں

رخصت کیا ہے پر بحث ہوگی + انگلستان میں چھ سو بچے ۱۸۹۹ء میں لیمپوں سے آگ لگ جانے کے باعث فوت ہوئے + شاہ ایڈورڈ کی تخت نشینی کی تقریب پر (۲۶ جون ۱۹۰۲) آرچ بشپ آف کنٹربری اُن کے سر پر تاج رکھیں گے اور ڈاکٹر میکلاگن آرچ بشپ آف یارک (جو پہلے مدراس میں فوجی پادری تھے) ملکہ کے سر پر + ڈاکٹر کسٹ نے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں ان زبانوں کا حال ہے جو انیسویں صدی کے خاتمہ پر مقبوضات انگلشیہ میں بولی جاتی تھیں۔ ان کی تعداد ۲۰۰ ہے یعنی ایشیا میں ۸۵۔ افریقہ میں ۸۵۔ اور اوشینیا میں ۳۰ + وزلین مشن بیسویں صدی کی یادگار میں ایک فنڈ جمع کر رہی ہے ۱۲ دسمبر ۱۹۰۱ تک اس فنڈ کے متعلق ۱۰۵۸۲۵۰ روپیہ وصول ہوا۔ ۲۹ دسمبر کے روز وزلین مشن کے متعلق ۷۷۵ چیپلوں اور سکولوں میں ۸۷۸۸۴ روپیہ جمع ہوا۔ اور ۵۰۴۸۵ روپیہ کا وعدہ ہوا + ابھی سات سو جگہوں سے چندہ کی رپورٹ نہیں آئی + میتھوڈسٹ ٹائمز کا ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ اس اتوار کی دوپہر کو ایک ستر سال کی بڑھیا نے جو کام کرنے سے عاری ہے اور جس کو پیرش کی طرف سے دو روپیہ دس آنہ ہفتہ وار ملتا ہے اور یہی اس کی کل آمدنی ہے مجھے بلا بھیجا اور کہا کہ میں تو گرجا جا نہیں سکتی مہربانی سے یہ میری طرف سے چندہ میں دے دینا اور پانچ روپیہ میرے ہاتھ میں دے دیئے پہلے تو میں نے تامل کیا لیکن اس کے اصرار پر اُس بیوہ کی چھدام چندہ میں ڈال دی + فرانس میں اس وقت تین کروڑ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے یا تو رومن کاتولک عقیدہ کو چھوڑ دیا ہے یا اسکی مخالفت کر رہے ہیں ۔ اڑھائی کروڑ شخص مسیحی دین کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہیں + پشاور سی ایم ایس کے پادری تھوٹس ۳۲ سال کی خدمت کے بعد مستعفی ہوئے اور ولایت میں کام اختیار کر لیا + جیک لنگ نامی ایک سولہ سال کا لڑکا سپرجن صاحب کے گرجا میں وعظ کرتا ہے۔ اور لوگ اسکی طرف کھنچے آتے ہیں۔ سپرجن صاحب نے بھی سولہ سال کی عمر میں ایک جھونپڑی میں پہلے پہل عبادت لی + یوگنڈا میں مسیحی دین کی ترقی حیرت افزا ہے ۔ دس سال گذرے وہاں تین سو مسیحی تھے۔ اس وقت تیس ہزار مسیحی دو ہزار مبشر اور سات سو گرجا ہیں۔ عشاء ربانی لینے والوں کی تعداد دس ہزار ہے جن میں سے ہر پانچ میں سے ایک شخص مسیحی کارندہ ہے + لارڈ رابرٹس انگلستان میں اپیل کر رہے ہیں کہ کیپ ٹاؤن کیتھیڈرل کا ایک حصہ مرحوم سپاہیوں کی یادگار میں تعمیر کیا جائے۔ اُن سپاہیوں نے جو اس وقت ٹرانسوال میں لڑائی کر رہے ہیں ۶۲۱۵ روپیہ چندہ دیا ہے۔ اُن خاتونوں کی یادگار کے لیے بھی جنھوں نے سپاہیوں کی تیمارداری کرتے وقت جان دی۔ ساڑھے چار ہزار روپیہ جمع ہوا ہے + ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں دیسی مسیحیوں کی تعداد ۱۴۸۸۸ ہے + پچھلے دو برس میں چالیس ہزار چینی مسیحی دین کی خاطر شہید ہوئے + بنگال میں دیسی مسیحیوں کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۱۹۲۴۸۴ تھی ۔ ۱۹۰۱ء میں ۲۷۸۳۶۶ + لنڈن میں ایس پی جی مشن کے نئے سکرٹری بشپ منٹگمری کو پندرہ ہزار روپیہ سالیانہ یعنی پہلے سکرٹری سے چھ ہزار روپیہ سالانہ مشاہرہ زیادہ دینے پر بڑی بحث و تکرار ہوئی۔ اس کا فیصلہ یوں ہوا کہ اس مشن کے ایک دوست نے جس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا تین سال تک زائد تنخواہ دینے کا ذمہ لیا + سی ایم ایس تلیگو مشن بمقام مسلی پٹم ۱۸۴۱ء میں قائم ہوا۔ اس وقت

تازہ خبریں

واں تیرہ ہزار مسیحی ہیں + آگرہ میڈیکل مشنری ٹریننگ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر والنٹین ہندوستان میں چالیس برس کام کرنے کے بعد مستعفی ہوئے - ۱۸۸۱ء میں کالج قائم ہوا - لارڈ لارنس کی تحریک پر اس کے قائم کرنے کی تجویز ۱۸۶۲ء میں ہوئی تھی + امرتسر ہوا شن سکول بھی لارڈ لارنس کی تحریک سے قائم ہوا + سیلم کے ڈسٹرکٹ جج کے روبرو پچھلے ماہ اکتوبر میں ایک دلچسپ مقدمہ پیش ہوا - جس کے واقعات یوں ہیں کہ قریباً ۹ برس کا عرصہ ہوا کہ راماسوامی نامی ایک شخص کے گرجا آنے اور مسیحیوں سے ملنے جلنے کے باعث اسکی بیوی نے اسکے ساتھ رہنے سے انکار کیا اور اپنے ایک برس کے بچے کو ساتھ لیکر اپنے والدین کے ہاں جا رہی - خاوند نے اسکو اپنے ہاں لانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانی تین سال ہوئے کہ راماسوامی نے بپتسمہ پایا اور ۱۸۹۹ء میں مدرسہ علم الٰہی میں داخل ہوا - پچھلے سال اس نے اپنے بیٹے کا سرپرست ولی قرار دیے جانے کے لیے جس کی عمر اب آٹھ برس کی ہے - درخواست کی - ماں کی طرف سے عذر کیا گیا - جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ کوئی امر باپ کے خلاف نہیں - کچھ عرصہ ہوا وہ مسیحی ہوا اور اس وقت کیٹیکسٹ کی تیاری کر رہا ہے - ماں کا گذارہ سائل کی اراضی کی پیداوار سے ہوتا ہے جس کی کاشت راماسوامی کا غیر مسیحی بھائی کرتا ہے - لڑکے کی عمر ۹ برس کی ہے اور وہ باپ کے ساتھ رہنے کے قابل ہے - ماں نے لڑکے کی تعلیم کی طرف سے غفلت تو نہیں کی لیکن گاؤں میں رہنے کی بجائے لنڈن مشن کے زیر سایہ آنے سے اس کی بہتری کی بہتر صورت ہے تبدیل مذہب کی نسبت مجھکو یہ امر تسلیم کرنا فرض ہے کہ ایک مذہب ایسا ہی اچھا ہے جیسا دوسرا اور جب جھگڑا باپ اور ماں کے مابین ہو تو باپ کا حق ہے کہ جس مذہب کی چاہے اپنے بیٹے کو تعلیم دے - لڑکے کو ابھی اتنی سمجھ نہیں کہ کس کے ساتھ رہنے میں اس کی بہتری ہے گو وہ قدرتاً ماں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے - ہم راماسوامی کو اسکے نابالغ پسر کی ذات اور جائداد کا ولی اور سربراہ مقرر کرتے ہیں - دستخط لزلی - سی - ملر - ڈسٹرکٹ جج سیلم (درخواست نمبر ۲۵۹ - سنہ ۱۹۰۱ء بصیغہ دیوانی متفرقات) + مدراس نیٹو کرسچن اسوسی ایشن کا ایک جلسہ ۲۸ دسمبر ۱۹۰۱ء کو منعقد ہوا - مضمون "ہندوستانی مسیحیوں کی سوشل ریفارم" پر بحث ہوئی - امور ذیل پر زور دیا گیا (۱) طریق معاشرت کی سادگی جو اہل مشرق کا خاصہ ہے کسی صورت متروک کرنی نہیں چاہئے (۲) ہندوؤں کی ایسی تمام سوشل رسومات جو مذہب پر مبنی ہیں بالکل چھوڑ دینی چاہئیں (۳) مغربی تہذیب کی سراسر پیروی کرنا اچھا نہیں صرف اس تہذیب کی عمدہ عمدہ باتوں کو اختیار کر لینا چاہیئے + ایک اور جلسے میں "ہندوستانی مسیحی اور ان کے ہمسایہ" پر بحث ہوئی - بتایا گیا کہ (۱) انگریز مسیحیوں اور ہندوستان کے غیر مسیحیوں کو باہم ایک دوسرے سے ملانے والی سلک دیسی مسیحی ہیں (۲) دیسی مسیحیوں اور ہندوؤں کے درمیان جو جدائی ہے اس کا سبب مسیحیوں کی ان سے علیحدگی اور جدائی نہیں بلکہ ہندوؤں کا تعصب (۳) مسیحیوں کو لازم ہے کہ اپنے غیر مسیحی بھائیوں کے ساتھ ہمدردی پیدا کریں + مدراس مشنری کانفرنس کی طرف سے تحریک ہو رہی ہے کہ مختلف پروٹسٹنٹ سوسائٹیوں کے متعلق ایک مجلس مبشران قائم کی جائے + سر ولیم میکورتھ ینگ لفٹنٹ گورنر پنجاب ۶ مارچ کو اپنے عہدہ کا چارج دیکر روانہ ولایت ہونگے + کشف الحقایق بمبئی بزیر اڈیٹری بزرگ مولوی حسام الدین صاحب پھر جاری کیا گیا ہے

مسیحی

جلد ۷ نمبر ۲   فروری ۱۹۰۲ء

یہ رسالہ ہر مہینہ کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ اس کا کسی خاص کلیسیا یا مشن سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور اس لئے تمام مسیحیوں کی بلا لحاظ فرقہ بندی قلمی اور مالی امداد کا حقدار ہے۔ قیمت دو روپیہ سالیانہ۔ لیکن جو دیسی مسیحی پہلی سہ ماہی میں قیمت ادا کر دیں اور رعایت کے لئے درخواست کریں ان سے ایک روپیہ آٹھ آنہ لئے جائینگے۔ جملہ خط و کتابت بنام ایم ایل رلیا رام وکیل امرتسر ہونی چاہئے۔

مقاصد

۱۔ مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کرنا + ۲۔ کتاب مقدس کی تلاوت اور دُعا کے لئے تحریک + ۳۔ مسیحی مالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کرکے مسیحی یگانگت کو قائم کرنا اور پھیلانا + ۴۔ نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا + ۵۔ جہاں تک ممکن ہے مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا ظاہر کرنا +

فہرست مضامین فروری ۱۹۰۲ء

مطبوعہ رفاہِ عام سٹیم پرنٹنگ پریس لاہور۔

تازہ خبریں

سی ایم ایس میڈیکل مشن امرتسر کے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ۴۱ ماہ حال کو فرلو پر روانہ ہوئے عام خیال ہے کہ پھر واپس نہیں آئیں گے - پنجاب سی ایم ایس کے مندرجہ ذیل مشنری فرلو چھٹی پر جا رہے ہیں - پادری ہیٹین صاحب - ڈاکٹر نیو - پادری اور مسز کوب مس براؤن - مس کی اور مس ہولسٹ - اکتوبر میں پادری کورڈیل اور پادری اے سی کلارک کے بھی جانے کی خبر ہے - ڈاکٹر نیو کا بھتیجا ڈاکٹر سمر بٹن کلارک ہند میں میڈیکل مشنری ہو کر آ رہا ہے - امرتسر میں سی - ای - زیڈ - ایم ایس کانفرنس بتاریخ ۱۵ تا ۱۹ مارچ منعقد ہوگی - انبالہ کے پادری ڈبلیو جے - کلارک اور سیالکوٹ کے ڈاکٹر ایم بی کارلیسٹن بھی فرلو پر جا رہے ہیں - موخر الذکر کی جگہ پادری ایف او جانسن جزام خانہ کا اہتمام لیں گے - امریکن پریسبٹرین مشن بورڈ کے سکرٹری پادری براؤن ہندوستان میں دورہ کر رہے ہیں جابجا جلسے ہو رہے ہیں - ایسے اصحاب کو دکھانا تو مشن کا تاریک پہلو چاہیئے - نیوزیلینڈ میں مختلف پریسبٹرین مشن آپس میں ملحق اور متحد ہو گئے - چین میں بھی تین مشن یعنی امریکن بورڈ اور ایل ایم ایس اور پریسبٹرین بورڈ الحاق کی تجاویز پر فکر کر رہے ہیں - لاہور فورمن کالج میں بارہ سو طالب علم تعلیم پا چکے ہیں سال گذشتہ میں ۳۵۲ طالب علم اس کالج میں تھے - جن میں سے ۴۰ مسیحی - ۲۳ سکھ - ۱۰۷ محمدی اور ۱۸۴ ہندو تھے - ترن تارن کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۰۱ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں ۱۲۱ بپتسمہ ہوئے - مارچ ۱۹۰۴ء میں برٹش اینڈ فارن بیبل سوسائٹی کی سوویں سالگرہ منائی جائیگی - اسکے لئے ۵۰۰۰ ۳۷ روپیہ جمع کرنے کی تجویز ہے - اسکے علاوہ ۲۵۰۰۰ روپیہ سالیانہ مستقل آمدنی بڑھانے کی کوشش کی جائے گی - ۱۲ جولائی کے دن ہندوستان کے سنڈے سکول کا سالانہ امتحان ہوگا - لنڈن میں ڈاکٹر بارنارڈوز ہوم نامی ایک مکان ہے - جہاں آوارہ اور بے گھر لڑکوں کو پناہ دی جاتی اور اپنی معاش پیدا کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے - اُن کی روحانی حالت کی فکر سب سے مقدم رہتی ہے - یہ ہوم ۳۵ برس سے جاری ہے - اس عرصہ میں ۴۰۰۰ لڑکے لڑکیاں بُری زندگی سے بچائے گئے ہیں - ۵۰۰ کو گھروں میں ملازمت دلوائی گئی اور ۱۲۶۰۰ کینیڈا اور دیگر کالونی ہائے میں بھیجے گئے - دسمبر ۱۹۰۱ء میں اس ہوم میں ۵۴۰۰ بچے تھے - سال گذشتہ میں ۱۲۵۰۰ بچے داخل ہوئے - چین میں جو مشنری اور مسیحی باکسرو نے قتل کیئے - ان کا ہرجانہ لینا مشنری سوسائٹیوں نے منظور نہیں کیا - اس لئے گورنمنٹ چین نے آپ ہی پانچ لاکھ تائیل (چینی سکہ) کی منظوری دی ہے - کہ تائی یان میں ایک یونیورسٹی قائم کی جائے - یونیورسٹی کا کُل اہتمام پادری تمطاؤس رچرڈ کے سپرد ہوا ہے - بشپ کپلسٹن جو ڈاکٹر ولڈن کی جگہ کلکتہ کے بشپ مقرر ہوئے ہیں ۲۴ سال تک سیلون کے بشپ رہے - آپ نے جلسۂ الوداعی میں فرمایا کہ کسی بشپ کو ایسے وفادار اور مدد کرنے والے پادری نصیب نہ ہوئے - کسی پاسٹر کو ایسی پیاری اور قابل اعتبار کلیسیا نہ ملی - لاہور کا اخبار پیوپلز سرونٹ مسیحیوں کی ۱۸۹۱ اور ۱۹۰۱ کی تعداد کا مقابلہ کر کے رقمطراز ہے کہ

نوٹ اور رائیں

خدا ہر بُرائی سے بھلائی نکالتا ہے۔ وہ کونسی آفت ہے جسکو خدا اپنے بندوں کی بہتری کی خاطر کام میں نہیں لاتا۔ گناہ کی ہستی بھی ایک طور سے خدا کی قدسیت کو زیادہ زور سے ظاہر کرتی ہے۔ یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انسان اگر گناہ نہ کرتا تو کیا ہوتا۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ نجات یافتوں کی خوشی میں ایک قسم کا گھاٹا رہ جاتا۔ عالم طبیعات اور دنیا کے تمام معاملات میں یہی قاعدہ نظر آتا ہے۔ مثلاً جنوبی افریقہ کی موجودہ جنگ نے سلطنت انگلستان کے مقبوضات کے اتحاد اور ارتباط کو زیادہ مضبوط اور پائدار کر دیا ہے۔ مشرقی اور مغربی ممالک برطانیہ کے زیر سایہ ہمدردی اور محبت کے ایک محکم رشتہ سے وابستہ اور پیوستہ ہو گئے ہیں۔ ایک کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو دس سر کٹانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کچھ اسی قسم کا وقت مسیحی کے سر پر بھی گذر رہا ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں اندرونی آفات سے بچ نکلنا گو دشوار تھا۔ مگر یہ ناچیز رسالہ اپنی خدمات کو پورا کرنے میں حتی الوسع مستعد رہا۔ اب پریس کے معاملات میں ایسے غلطاں اور پیچاں ہو گیا ہے کہ انتظام درست ہونے میں نہیں آتا۔ چند ماہ سے اپنے مقررہ وقت سے بہت پیچھے نکلنے لگ گیا ہے۔ اسکے کارکن اس تاخیر کے باعث نہایت نادم ہیں۔ وہ تو سمجھتے تھے کہ ع ایسے جینے سے تو مرنا بہتر۔ مگر ہمارے بعض معزز ناظرین نے بذریعہ تحریر یا اثنائے گفتگو میں ایسی ہمدردی اور قدر دانی کے الفاظ فرمائے کہ ہمکو از سر نو کمر ہمت باندھنے کا حوصلہ ہُوا۔ ہم تو سمجھے بیٹھے تھے کہ مخالفت ہی اس رسالہ کا حصہ ہے۔ مگر ہماری موجودہ بدانتظامی نے روشن کر دکھایا ہے کہ اسکے خیر خواہ اور دوست بھی کم نہیں۔ پریس کا اگرچہ ابھی تک خاطر خواہ انتظام نہیں ہُوا۔ مگر امید کی جاتی ہے۔ کہ مسیحی بہت جلد حسب معمول سابق اپنی عین الوقتی کو اختیار کریگا۔ جن اصحاب نے ایسے آڑے وقت پر ہماری حوصلہ افزائی کی ہے ہم اُنکے نہایت شکر گذار ہیں۔ باقی ناظرین سے بھی ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ خریداروں کی تعداد بڑھا کر یا اور جس طرح سے ممکن ہو۔ مسیحی کے کارپردازوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہندوستانی مسیحیوں کی طرف کھلی چٹھی۔ علاقہ مدراس کے شمالی حلقہ کے انسپکٹر مسٹر ڈیمیس جو یونیورسٹی کے فیلو بھی ہیں ہندوستانی مسیحیوں کی طرف ایک کھلی چٹھی میں اُن کو مسیحی خدمت کی طرف تحریک دلاتے ہیں۔ اوّل آپ مسیحی والدین کو آگاہ کرتے ہیں کہ اپنے لڑکوں کو انگلستان میں تعلیم کی خاطر بھیجنا خواہ بظاہر قابل تعریف کیوں نہ ہو خطروں سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض کی صحت اور بعض کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ بعض اپنے ملک کے لوگوں بلکہ رشتہ داروں کو حقیر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ نوجوانوں کو اس صورت میں ولایت کو بھیجنا مفید ہو سکتا ہے۔ جب اُن کی

نگرانی کا قابل اطمینان انتظام کیا جائے اور واپس آنے پر ان کی اعلیٰ لیاقتوں کو ملک کے فائدہ کے لئے کام میں لایا جائے۔ ورنہ محض بے سود ہے۔ بعد اس کے آپ فرماتے ہیں کہ جس شوق کے ساتھ ہم اپنے فرزندوں کو انگلستان میں بھیجتے یا ان کی دنیوی ترقی میں ساعی ہوتے ہیں۔ لازم ہے کہ ہم اُن کو خدا کی خدمت کے لئے بھی وقف اور تیار کریں۔ ہمارے دیسی خادمان دین میں زیادہ عالم اور روحانی اشخاص کی ضرورت ہے۔ یہ نہایت واجب اور مناسب ہے۔ کہ ہم اپنے بچوں میں سے بعض کو جو خدا کی اعلیٰ ترین دنیوی بخشش ہیں اُسی کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ مختلف ممالک میں مسیحی طلبا دنیا میں مشنری بن کر جانے کے لئے تیار ہیں۔ آکسفورڈ مشن میں بعض نہایت جید عالم موجود ہیں جو دنیا کے اعلیٰ ترین مراتب کو حاصل کر سکتے تھے۔ مگر جنہوں نے حد درجہ کی خود نثاری کر کے انجیل کی منادی اختیار کر لی ہے۔ کیا ہم اُن کے نقش قدم پر نہیں چل سکتے۔ ملک ترقی کر رہا ہے۔ اور کلیسیا بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ضرور ہے کہ بلحاظ زمانہ کے لایق اور روحانی مزاج مسیحی نوجوان اس اعلیٰ خدمت کو خود نثاری سے اختیار کریں۔ اس چٹھی میں راقم نے ان وجوہات کو پیش نہیں کیا جو عموماً ہمارے مسیحی نوجوانوں کو مشن کی ملازمت اختیار کرنے میں مانع ہوتے ہیں۔ بلکہ فقط اس خدمت کی ضرورت کو مدنظر رکھا ہے اور دنیوی عزت کو مطعون ٹھہرایا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب مسیحی خدمت کا شوق ہمارے مسیحی جوانوں کو دامنگیر ہوگا۔ تو وہ ہر طرح کی انتظامی اور بیرونی مشکلات کو ہیچ سمجھیں گے۔

خدا کی خاص حضوری کہاں ہے؟۔ پنجاب میں ایک فرقہ موجود ہے جو گرجوں کو یہودی ہیکل کے مشابہ سمجھ کر اُن سے کوسوں بھاگتے ہیں اُن کو یہ جواب دینا آسان ہے۔ کہ خدا اینٹ اور پتھر کی عمارت میں نہیں رہتا بلکہ گرجا محض ایک مکان ہے جو مسیحی جماعت کی ضرورت کے لحاظ سے عبادت کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ کوئی نہیں مانتا کہ اور عمارات سے بڑھ کر اس میں خدا کی خاص حضوری پائی جاتی ہے۔ مگر آخر کیا غور کرنے سے معلوم نہیں ہوتا کہ کلیسیا عملی طور پر اس عمارت کے ایک حصہ کو قدس الاقداس سے کم نہیں مانتی۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو چینسل کے اس پہلو پر نظر دوڑائے جہاں رفاقت اقدس کی میز رکھی ہے۔ اس متبرک "قربانگاہ" کے "اُتر کی طرف" خادم الدین بڑی سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہو کر گویا باری تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا کی حضوری کو اس کی کلیسیا کے درمیان تلاش کرنا چاہیئے۔ مگر بجائے اس کے وہ اس کونے کی طرف روان ہوتا ہے۔ جہاں سے اس کی آواز کچھ ایسی مہیب صورت اختیار کرتی ہے۔ جس کو آسمان کی نسبت پاتال کے ساتھ زیادہ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ مانا کہ رفاقت اقدس ایک نہایت سنجیدہ ساکرمینٹ ہے۔ مگر کیا کلیسیا سے دور بھاگنے کے بغیر اس کو عمل میں لانا ناممکن ہے؟ اگر یہ یہودی ہیکل کی رسوم کو بقایا نہیں تو اور کیا ہے؟

ہندوستانی مسیحیوں میں سوشل اصلاح۔ مدراس نیٹو کرسچن ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس میں اس مضمون پر ایک تحریر پڑھی گئی۔ جس میں مسیحیوں کی بعض اصلاح طلب رسوم کا ذکر

کیا گیا۔ ہندوستانی کلیسیا میں ہر درجہ اور ملت کے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ اس لئے اس جماعت کی رسوم مختلف مقامات پر بعض امور میں اختلاف رکھتی ہیں۔ بلکہ ایک ہی مقام پر مختلف رسوم مروّج ہیں۔ کوئی مجمع ایسا مجموعہ قوانین وضع نہیں کرسکتا۔ جو سارے ملک کے لئے ہدایت نامہ ہو۔ مگر بعض باتیں ہر جگہ قریب قریب یکساں پائی جاتی ہیں۔ راقم مضمون نے ہندوؤں کی بعض رسوم کی تعریف کی جو مغربی اقوام میں نمایاں نہیں ہیں۔ مثلاً بزرگوں کا ادب۔ رشتہ داروں میں برادری کی بندش۔ کفایت شعاری۔ بود و باش اور لباس کی سادگی وغیرہ۔ پھر بعض قبیح رسوم جو مسیحیوں میں جاری ہو گئی ہیں اصلاح طلب ہیں۔ مثلاً بعض اپنی صغیر سن لڑکیوں کی شادی کر دیتے ہیں۔ بعض معمّر اشخاص اپنی بیٹیوں سے بھی چھوٹی لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ بیاہ شادیوں کے معاملہ میں دیسی اور بدیسی رسوم کو ملا لینا بہتر ہے۔ کیونکہ ادھر تو بیہودہ اور فضول اخراجات یا بعض دیسی رسومات ترک کرنے کے قابل ہیں۔ اور ادھر قبل از نکاح آزادی اور مابعد کا ہنی مون وغیرہ قابل تقلید نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس فال نکالنا یا چھوٹائی بڑائی کا خیال رکھنا مسیحی روح کے خلاف ہے۔ بعض یورپین صاحبان دیسی مسیحیوں کے نام کے ساتھ مسٹر یا مسٹرائز کا استعمال دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ یہ ان کی مرضی ہے ورنہ اس میں ہرج کیا ہے۔ راقم کی رائے میں دیسی لباس ہی دیسی مسیحیوں کے لئے موزوں ہے کیونکہ ایک تو سادہ اور آب و ہوا کے مناسب اور دوسرا سستا پڑتا ہے۔ ہمارے غریب بھائی یورپین لوگوں کی دیکھا دیکھی ٹوپی بوٹ کالر کف وغیرہ پر اتنا خرچ کرتے ہیں۔ کہ مقروض ہو جاتے ہیں۔ اور یہی ایک وجہ ہے کہ ہماری کلیسیا اپنے پاؤں پہ کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اپنے اپنے خیال ہیں۔

کلکتہ کی بائبل اور ٹریکٹ سوسائیٹیوں کا سالانہ اجلاس۔ یہ اجلاس ماہ گذشتہ کی ۲۷ تاریخ کو زیر صدارت آنریبل ٹی راؔلی (جو وائسرائے کی کونسل واضع قوانین کے ایک ممبر ہیں) منعقد ہوا۔ قایم مقام سکرٹری کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سنہ ۱۹۱۵ء میں قریب ایک لاکھ دس ہزار جلدیں کتاب مقدس اور اس کے صحایف کی فروخت کی گئیں۔ بمقابلہ قریب ایک لاکھ جلدوں کے جو سال ماسبق میں فروخت ہوئیں۔ بعد چند تقاریر اور معمولی کارروائی کے آنریبل مسٹر راؔلی نے ایک نہایت عمدہ مختصر تقریر کی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کے اعلیٰ افسران مسیحی دین کی ترقی کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بلحاظ سرکاری افسر یا جماعت کے ممبر ہونے کے ہمارا فرض ہے۔ کہ ملکہ وکٹوریہ کے شاہی اعلان کے مطابق ہر ملت کے لوگوں کی مذہبی آزادی کا خیال رکھیں اگر برٹش انڈیا میں کتاب مقدس کی اشاعت کا ہونا لازمی امر ہے تو ضروری ہے کہ اسی طریق پر ہو جو کلیسیا کے ابتدائی ایام میں رومی سلطنت میں مروّج تھا۔ یعنی جو شخص اس سے واقف تھے۔ وہ اسے ناواقفوں تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ ہم بائبل کو بغیر خلاف ورزی کسی قانون کے یا کسی کو ناراض کرنے کے اس صورت سے ہندوستان کے لوگوں کے پیش کر سکتے ہیں۔ کہ یہ وہی کتاب ہے۔ جس میں اُن کو امید اور تسلی کے کلمات مل سکتے ہیں۔ چنانچہ بنی آدم کی بہت سی پشتوں کا یہی تجربہ ہے۔ یہ وہی کتاب ہے۔ جو ان کو ایسے استاد کے قدموں میں لے آئیگی۔ جسکو اسکے مخالفوں نے بھی دانا اور مقدس انسان سمجھا۔ ہم اس دعویٰ کے مؤید اور کئی ایک دلائل پیش کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ

گذری صدی میں یورپ نے مشرقی ممالک کی مذہبی کتب کے مطالعہ میں حدودرجہ کی ترقی کی ہے بہت سے عالموں نے قرآن ۔پران وغیرہ کی تحصیل میں کمال عرقریزی کی ہے ۔اور اب اُن کتابوں کا مضمون ۔روشن ہوگیا ہے ۔اور اُن اقوام نے اپنے علم کے ذریعہ ہندوستان کے باشندوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کردیا ہے ۔اس کے مقابل دوسری جانب کیا حال ہے ۔اگر دریافت کیا جائے کہ ہندوستان کے عالموں نے بائبل کو سمجھنے اور روشن کرنے میں کونسی کوشش کی ہے تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا ۔میں نے بعض یونیورسٹی سے متعلق اصحاب سے اسکی نسبت استفسار کیا ہے ۔اور اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ مضمون کسی امتحان کے لئے مقرر نہیں ہے ۔مگر کیا یہ ضروری ہے کہ ہمارا مطالعہ امتحانوں کی چاردیواری کے اندر مقید ہو ۔ہم تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں کو بائبل کے مطالعہ کی تحریک دلا سکتے ہیں ۔اگر اور نہ ہو تو اسی وجہ سے کہ اس کتاب کے بغیر یورپ کی تہذیب ناممکن ہے ۔ ... ... الخ"

کیا مسیحیوں کو غیر مسیحیوں کے ساتھ مذہبی تعلیم دینی چاہیئے؟ جناب بشپ صاحب مدراس نے اپنے علاقہ کے خادمان دین کے ساتھ ماہ گذشتہ میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں اول روز پنچایتوں اور مقامی کونسلوں کے مقاصد اور ساخت کی نسبت بحث کی گئی دوسرے روز یہ امر زیر بحث تھا ۔کہ مسیحی اور غیر مسیحی طلبا کو انجیل کی تعلیم کیونکر دی جائے ۔اس پر تین صاحبان نے نہایت عمدہ تحریریں پڑھ کر سنائیں ۔بشپ وائٹ ہیڈ صاحب کی رائے میں ان دونوں کو ایک ہی قسم کی مذہبی تعلیم نہیں ملنی چاہیئے ۔کیونکہ غیر مسیحیوں کیلئے مسیحی مذہب کے خلاف اعتراضوں کے جواب اور اس کی صداقت کے ثبوت میں دلائل زیادہ ضروری ہیں حالانکہ مسیحیوں کو روحانی ترقی کی خاطر انجیل سکھائی جانی چاہیئے ۔اس میں کچھ شک نہیں کہ جہاں ایک فی الحقیقت دیندار شخص کام کرتا ہے ۔خواہ طریق تعلیم کا اصول ناقص ہی ہو ۔وہ ضرور فائدہ پہنچائیگا ۔مگر تعلیم کو کارگر ہونے کیلئے یہ لازمی ہے کہ مسیحیوں کو غیر مسیحیوں سے جدا رکھا جائے ۔باقی تقریر کنندوں نے اپنے تجربہ سے بیان کیا کہ مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کو یکجا انجیل سکھانے سے بڑے بڑے عمدہ نتائج نکلے ہیں ۔چنانچہ ایک صاحب نے جو پندرہ سال سے صیغہ تعلیم میں کام کر رہے ہیں یوں فرمایا کہ اس طریق پر انجیل سکھانے سے مسیحی معلم کی ہمت بڑھ جاتی ہے ۔کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس کے طلبا میں اسکے ہمخیال اور ہمدردبھی موجود ہیں مسیحی طلبا ہندو مسلمانوں کے مذہبی تعصبات کے مقابلہ میں اپنے مذہب کی طاقت کو معلوم کرتے ہیں ۔اور باقی ساتھیوں کے درمیان مسیح کی صلیب کے سپاہی ہونے کی ذمہ واری کو محسوس کرتے ہیں ۔بلاشبہ یہ نہایت ضروری ہے کہ اُنکو مدرسہ کی تعلیم کے علاوہ اتوار کے روز یا دیگر ایام میں علیحدہ انجیل کی تعلیم دی جائے ۔اس مجموعی طریق سے غیر مسیحی طلبا کو بھی فائدہ ہوگا ۔کیونکہ اُن کے سامنے مسیحی مذہب کی تاثیر کی زندہ مثالیں موجود ہونگی ۔وہ مسیحیوں کے ساتھ دینی مضامین پر گفتگو کیا کرینگے اور مختلف خیالات کے جوان جو کچھ مدرسہ میں سیکھیں یا سُنیں گے اس کا چرچا کرینگے ۔" تقریر کرنے والوں میں کئی ایک نے اس امر پر زور دیا کہ عموماً انجیل کی تعلیم سرسری طور پر دی جاتی ہے ۔اور غیر مسیحیوں کو مشن کے مدارس میں ملازم رکھنے سے بڑا بھاری نقصان ہُوا ہے ۔

روح القدس

مرقومہ پادری ڈبلیو موپہ صاحب ڈی ڈی

کُل کلیسیا کے احوال سے جو واقف ہیں۔ اُن پر روشن ہوگا کہ نیکایا کے عقیدے کے پڑھنے میں مختلف فرقوں میں ایک فقرہ کا فرق ہوتا ہے۔ یعنی رومی اور انگلستانی کلیسیائیں اور جتنی اور کلیسیائیں ان سے پیدا ہوئی ہیں یا اُن سے شراکت رکھتی ہیں یہ پڑھتی ہیں کہ "روح القدس باپ اور بیٹے سے صادر ہے" اور مشرقی سب کلیسیائیں "اور بیٹے" یہ الفاظ چھوڑ کر اتنا ہی پڑھتی ہیں کہ "روح القدس باپ سے صادر ہے" عقیدہ کے اس فقرہ کی اصلی صورت تو یہی ہے جس میں صرف باپ کا ذکر ہے اور اس سبب سے مشرقین مغربین سے ناراض ہو کر کہتے ہیں کہ انہوں نے کُل کلیسیا کے عام عقیدہ میں فرق ڈالا ہے۔ مگر فی الحقیقت دونو رائیں اپنے اپنے طور پر صحیح ہیں۔ ایک طرح سے تو درست ہے کہ روح القدس صرف باپ ہی سے صادر ہے کیونکہ کُل الوہیت کا اور باقی دونو اقانیم کا بھی منبع اور چشمہ وہی ہے مگر پھر بھی جو کچھ باپ سے ہوتا ہے۔ وہ بغیر بیٹے کے نہیں ہو سکتا اور اس کے علاوہ جب سے بیٹا مجسم ہوا اس وقت سے روح القدس اس سے ایک خاص طرح کا علاقہ رکھتا ہے جو آگے نہ رکھتا تھا یہانتک کہ وہ اب بیٹے کی روح یا مسیح کی روح بخوبی کہلا سکتا ہے۔ لہذا کتاب مقدس میں روح القدس کا جو ذکر ہے وہ دو طرح کا ہے یعنی اسکا وہ حال مذکور ہے جو ازل سے روز پینتیکوست تک تھا اور وہ حال بھی جو روز پینتیکوست سے شروع کر کے اب تک ہے۔ چنانچہ ہم یہاں دونو باتوں کا کچھ کچھ بیان کرتے ہیں لیکن ہمیشہ یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ روح القدس کا ازلی حال روز پینتیکوست میں تمام نہیں ہُوا۔ بلکہ اس کے نئے حال کے ساتھ ہی ساتھ برابر بنا رہتا ہے۔

اوّل (۱) روح القدس حقیقی خدا ہے۔ فرشتے بھی پاک روحیں تو ہیں (زبور ۱۰۴:۴ عبرانیوں ۱:۱۴) اور مقدس آدمیوں کی روحیں بھی موت اور قیامت کے درمیان ویسی

ہی ہیں۔ (عبرانیوں ۱۲: ۲۳) مگر جو رُوح القدس کہلاتا ہے۔ وہ مخلوق نہیں بلکہ خالق کی ذات میں شامل ہے۔ (اعمال ۵: ۳-۴ کو ایک دوسرے سے ملانے سے یہ ثابت ہوگا)

(۲) روح القدس محض خدا کی کوئی قوت یا صفت نہیں بلکہ خدا کی ذات میں ایک علیحدہ اقنوم ہے یعنی جس طرح باپ اور بیٹا جانتے ہیں۔ چاہتے ہیں۔ محبت رکھتے ہیں۔ خوش اور رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بھیجتے ہیں یا بھیجے جاتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ سُنتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ حکومت کرتے ہیں اور ہزاروں اَور کام کرتے ہیں۔ جو خود دان اور خود مختار اشیاء کر سکتے ہیں۔ اُسی طرح رُوح القدس بھی کیا کرتا ہے۔ (یوحنا ۱۴: ۱۶-۱۷ و ۲۶ + ۱۵: ۲۶ + ۱۶: ۷-۸ و ۱۳-۱۴ و ۱۵ سے اور اعمال ۱۳: ۲-۴ سے یہ بات کافی طور پر ثابت ہے) ہاں ایسے مقام تو ہیں جن سے (ثابت) معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ وہ خدا کی محض قوت یا صفت ہے۔ مثلاً متی ۱۲: ۲۸ میں جو خدا کی رُوح کہلاتی ہے۔ وہ لوقا ۱۱: ۲۰ میں خدا کی قدرت (اصل میں اُنگلی) کہلاتی ہے۔ پھر مکاشفات ۱: ۴ اور ۴: ۵ + ۵: ۵-۶ میں خدا کی سات روحیں مذکور ہیں جو واحد اقنوم کی متضاد معلوم ہوسکتی ہیں۔ اور اَور بھی ایسے بہت سے مقام ہیں لیکن اِن سب میں انجیل کی اصل میں رُوح کا جو یونانی لفظ ہے۔ وہ حرف تعریف کے بغیر پایا جاتا ہے اور اِس حال میں البتہ اُسکے معنی کوئی الٰہی صفت یا قوت یا خود رُوح القدس کا کوئی خاص ظہور ہو سکتے ہیں۔ اَور جتنے مقاموں میں یہ لفظ مع حرف تعریف پایا جاتا ہے ان سب میں اِس سے اوپر کی تفصیل کے بموجب ایک اقنوم مراد ہے۔

(۳) تینوں اقانیم میں روح القدس کی یہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ کہ الٰہی کاموں کا انجام دینے والا وُہی ہے۔ ہر کام کا منبع اور گویا ایجاد کرنے والا باپ ہے۔ ہر کام کا وسیلہ جس کے بغیر باپ اُسے نہیں کرسکتا بیٹا ہے۔ اَور ہر کام کو وجود و وقوع میں لاتا ہے وہ روح القدس ہے۔ چنانچہ خالق تو باپ ہے۔ مگر خلقت کا وسیلہ بیٹا ہے (یوحنا ۱: ۳ + کلسیوں ۱: ۱۶-۱۷ + عبرانیوں ۱: ۲ + مکاشفات ۳: ۱۴ کو دیکھو) اَور رُوح القدس مخلوقات کو وقوع میں لایا۔ اَور اُن کی صورت اُسی نے ان کو دی (پیدایش ۱: ۲ + ایوب ۲۶: ۱۳ + ۳۳: ۴ + زبور ۱۰۴: ۳۰) پھر الہام اَور ہدایت اصل میں خدا باپ کی طرف سے آتی ہیں مگر کلام اللہ

بیٹا ہے اور ہادی یعنی کلام پہنچانے والا روح القدس ہے۔ (پیدائش ۴۱:۳۸ + گنتی ۱۱:۲۵ + ۲۷:۱۰ + استثنا ۳۴:۹ + ۲سموئیل ۲۳:۲ + ۱سلاطین ۲۲:۲۴ + ۲۰ - ۲سلاطین ۲:۱۵ + ۱تواریخ ۱۲:۱۸ + ۲تواریخ ۱۵:۱ + نحمیاہ ۹:۲۰ + یسعیاہ ۶۳:۱۱-۱۴ + میکاہ ۳:۸) پھر بگڑے ہوئے انسان کا اصل سدھارنے والا اور بحال کرنے والا باپ ہے۔ مگر اسکا وسیلہ بیٹا ہے اور ہمادر کرنے والا روح القدس ہے۔ (زبور ۵۱:۱۱ + یسعیاہ ۳۲:۱۵ + ۴۴:۳ + ۳۶:۲۷ + ۳۷:۱۴ + یوئیل ۲:۲۸ + زکریاہ ۱۲:۱۰)

دوم (۱) پنتیکوست کے دن سے روح القدس وہی ہے جو مسیح پر اسکے بپتسمہ کے وقت نازل کیا گیا اور موت کے دم تک اس پر نازل رہا۔ (یسعیاہ ۱۱:۲ + ۵۹:۲۱ + ۶۱:۱ + یوحنا ۱:۳۲) اس سبب سے اگرچہ وہ باپ کا موعود ہے۔ (لوقا ۲۴:۴۹ + اعمال ۱:۴ + ۲:۳۳) بلکہ باپ اس کا بخشنے والا اور بھیجنے والا بھی کہلاتا ہے۔ (یوحنا ۱۴:۱۶-۲۶) تو بھی اسکا آنا مسیح کے آسمانی جلال پانے کا جس میں اس کی موت بھی شامل ہے نتیجہ ہے۔ (یوحنا ۷:۳۹ + اعمال ۲:۳۳) اور چونکہ باپ نے اسکو مسیح کے نام سے بھیجا یعنی مسیح کی درخواست سن کر بھیجا (یوحنا ۱۴:۱۶، ۲۶) اس لئے مسیح بھی اسکا بھیجنے والا کہلاتا ہے۔ (یوحنا ۱۵:۲۶ + ۱۶:۷) غرض وہ خاص طور پر مسیح کی روح کہلاتی ہے (اعمال ۸:۲۹ + ۱۶:۷ نیا ترجمہ۔ رومیوں ۸:۹ + ۲کرنتھیوں ۳:۱۷ + گلاتیوں ۴:۶ + ۱پطرس ۱:۱۱) بلکہ ۲کرنتھیوں ۳:۱۷ میں وہ یہاں تک مسیح سے متعلق ٹھہرا کہ یہ ذکر بھی ہوا ہے کہ خداوند روح ہے۔

(۲) روح القدس جو پنتیکوست کے دن نازل ہوا وہ (الف) مسیح کی طرف سے اس طرح آیا کہ اس کا آنا خود مسیح کا روحانی طور پر واپس آنا ٹھہرا۔ مسیح اپنی الوہیت کے اعتبار سے ہر جگہ ہے۔ اور اپنی آدمیت کے رو سے آسمان پر ہے۔ مگر روح القدس یہاں تک اسکی روح ہے کہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی الوہیت اور آدمیت دونو کی صفتیں ظہور پاتی اور کام آتی ہیں۔ چنانچہ اس کا آنا مسیح کا زمین پر پھر آنا اور اس کا رہنا مسیح کا زمین پر پھر رہنا ٹھہرا۔ (یوحنا ۱۴:۱۸-۱۹) بلکہ چونکہ روح القدس ہر جگہ رہتا ہے اس لئے مسیح بھی اس کے وسیلے سے ہر دم ہر جگہ رہ سکتا ہے۔ (متی ۱۸:۲۰ + ۲۸:۲۰) (ب) وہ زمین پر

تو آگر رہتا ہے مگر اس کا فاعلیت مسیح کی کلیسیا سے جو مسیح کا بدن کہلاتا ہے اکثر پابند رہتا ہے یعنی پنتیکوست سے پہلے جو اس کی عام فاعلیت تھی وہ تو بحال رہتی ہے مگر پنتیکوست سے اُسکی جو خاص فاعلیت ہے یعنی وہ جو مسیح سے خاص علاقہ رکھتی ہے وہ کلیسیا سے علیحدہ بہت کم ہوتی ہے۔ ہاں وہ دنیا کو بھی قصوروار ٹھہراتا (یوحنا ۱۶: ۸) مگر کلیسیا میں رہ کر یہ کرتا ہے۔ (یوحنا ۱۵: ۲۶-۲۷) مسیح کی روح گویا وہ زندگی ہے جو مسیح کے بدن یعنی کلیسیا میں بھری رہتی اور جس کے وسیلے وہ اپنے سر یعنی خود مسیح سے وابستہ رہتا ہے۔ (افسیوں ۴: ۴ + ۱ کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)

(۴) روح القدس کے خاص کاموں میں سے یہ ہیں یعنی (الف) مسیح کی طرف دل کو کھینچنا (۱ تھسلنیکیوں ۱: ۵) (ب) مسیح کی باتیں جو باپ کی بھی باتیں ہیں۔ مسیح کے شاگردوں کو بتانا۔ سکھانا اور سمجھانا (یوحنا ۱۶: ۱۳-۱۴-۱۵ + ۱۵: ۲۶ + ۱۴: ۲۶) اور اِس سبب سے وہ حق کی روح بلکہ ایک جگہ میں خود حق (۱ یوحنا ۵: ۷) کہلاتا ہے (ج) اُنکو تقویت دینی (لوقا ۲۴: ۴۹ + اعمال ۱: ۸ + افسیوں ۳: ۱۶ + ۲ تمطاؤس ۱: ۷ + رومیوں ۱۵: ۱۳) (د) اِن کے دل اور چال دونو کو پاک صاف کرنا (رومیوں ۱: ۴ + ۱ کرنتھیوں ۶: ۱۱ + گلاتیوں ۵: ۱۶-۱۸ + ۱ تسلنیکیوں ۴: ۸ + ۲ تھسلنیکیوں ۲: ۱۳ + طیطس ۳: ۵ + ۱ پطرس ۱: ۲) (ہ) اُن کے دل میں محبت خواہ خدا کی خواہ انسان کی پیدا کرنا (رومیوں ۵: ۵ + ۱۵: ۳۰ + کلیسوں ۱: ۸ + ۲ تمطاؤس ۱: ۷) (و) تسلی اطمینان اور خوشی پیدا کرنا۔ (۱ تھسلنیکیوں ۱: ۶ + اعمال ۱۳: ۵۲ + رومیوں ۸: ۱۶) (ز) دعا مانگنے میں مدد اور ایک طرح سے وکالت کرنی۔ (رومیوں ۸: ۲۶ و ۲۷ + افسیوں ۶: ۱۷ + یہودا ۲۰ آیت) (ح) کل کلیسیا کا انتظام کرنا اور اس کے ہر عضو کا خاص کام ٹھہرانا (۱ کرنتھیوں ۱۲: ۵-۱۱) (ط) جنکے دلوں میں وہ بسا ہو اُن کے بدن کو بھی عاقبت میں جلانا اور جلالی کرنا (رومیوں ۸: ۱۱ و ۲۳ + افسیوں ۱: ۱۳-۱۴)

لہٰذا روح سے معمور ہوتے جاؤ (افسیوں ۵: ۱۸)

داؤد
دوسرا باب

اُس دن سے
(۱سموئیل۱۶: ۱۳)

داؤد کی حیات پر ہم خواہ کسی پہلو سے نظر ڈالیں وہ نہایت عجیب ہے۔ ایمان میں ابراہیم اور خدا کے ساتھ لگاتار رفاقت رکھنے میں موسیٰ اور جوش وسرگرمی میں ایلیاہ شاید اُس سے بڑھ کر تھے۔ لیکن ہر پہلو سے من کل الوجوہ جو بخششیں یسیؔ کے بیٹے کو ملیں وہ کسی اور کا حصہ نہ تھیں۔

کسی کی زندگی میں ایسے نشیب و فراز نہیں ملتے۔ چرواہا اور بادشاہ۔ شاعر اور سپاہی۔ کبھی تو لوگوں کا پیشوا اور رفیق اور کبھی یہودیہ کی غاروں میں جلاوطن اور خانہ بدوش۔ یونتن کا پیارا۔ ساؤل کے ہاتھوں ایذا اُٹھانے والا۔ ایک دن تو فلستیوں پر فتح پاتا ہے اور دوسرے دن اُن کے ہمراہ میدان جنگ میں آتا ہے۔ لیکن ہر بات میں معلوم ہوتا تھا کہ اُسکو خدا اور آدمیوں کے نزدیک ایسی قوت حاصل ہے جو اُس کے دل آویز طور وطریق۔ اس کی دلفریب خوبصورتی اس کی جبلی لیاقت یا دل کی روحانیت سے اُسکو مل نہیں سکتی تھی۔ اسکی حیات کے ان تمام پہلوؤں پر فکر کرنے سے بھی اس کی قوت کا راز ظاہر نہیں ہوتا تاوقتیکہ یہ معنی خیز الفاظ ہماری نظروں سے نہ گذریں کہ "خداوند کی رُوح اُس دن سے ہمیشہ داؤد پر اترتی رہی"

اوؔر "اُس دن" کا آغاز اور معمولی دنوں کی طرح ہُوا۔ روشنی کے ہوتے ہی یہ لڑکا گھر سے چل نکلا کہ بھیڑوں کو شبنم سے تر چراگاہوں کو لے جائے۔ وہاں جاکر وہ اپنے کئی فرایض کی بجا آوری میں لگا رہا۔ کمزوروں کو حوصلہ دیتا بیماروں کو شفا۔ ٹوٹے ہوؤں کو باندھتا۔ اور گم شدوں کو ڈھونڈتا تھا۔ یا شاید اُس کے لحن داؤدی سے آب رواں بھی تھم گیا ہوگا۔ اور اڑتے پرند بھی کھڑے ہوگئے ہونگے۔

وہ اپنی چوپانی خدمات میں مصروف تھا کہ ایک قاصد ہانپتا ہانپتا پہنچا۔ اور اُسے خبر دی۔ کہ سموئیل نبی شہر میں آئے ہیں۔ اور جب تک تم نہ آؤ دعوت میں شریک نہیں ہونگے۔ اِس لئے باپ نے تمہیں بلا بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی خوشی سے اُسکی باچھیں کھل گئی ہونگی۔ پہلے وہ کبھی یوں بلایا نہیں گیا تھا۔ ابھی تک اس کا باپ اور بھائی اسکو محض ایک لڑکا سمجھتے تھے جو بھیڑوں کی رکھوالی کرتا تھا۔ اس کے بغیر خاندانی حلقہ

کامل سمجھا جاتا تھا۔ باپ اور بھائی بلا لحاظ اس طفل کے جس نے اُن کے نام کو غیر فانی بنانا تھا اپنے کام کاج اور عیش و عشرت میں لگے رہتے تھے۔ اُس نے بڑے صبر سے ان سب باتوں کی برداشت کی۔ اس کا دل مغرور نہ تھا۔ نہ وہ بلند نظر تھا۔ اور اُن معاملوں اور باتوں میں جو اُس کے لئے نہایت عجوبہ تھیں وہ دخل نہیں دیتا تھا۔ اُس نے اپنے جی کو ٹھنڈا کیا۔ اور اسے قرار کرلیا جیسا کہ دودھ سے چھڑائے ہوئے لڑکے کا۔ تاہم اُسکو اس دریافت سے نہایت خوشی ہوئی کہ سموئیل کی نظروں میں خاندانی حلقہ میرے بغیر کامل نہیں۔ اِس لئے بھیڑوں کو قاصد کی زیر نگرانی چھوڑ کر فوراً گھر کی راہ لی۔

اس کے آنے سے پیشتر سموئیل یسّی اور اُس کے بیٹوں کی تقدیس کر چکا تھا۔ تاکہ وہ اُس ضیافت کے لائق ہوں جس میں دینی اور سوشل دونو اجزا شامل تھے۔ داؤد کو ایسی تقدیس کی ضرورت نہ تھی۔ اِسکی پاک اور بے ریا روح کا تعلق خدا کے ساتھ ٹھیک تھا اور وہ پاکیزگی کے بے داغ جامہ سے ملبس تھا۔ ہمکو ایسے جینا چاہئے کہ اگلی ساعت میں خواہ کچھ واقع ہو ہم اس کے لئے تیار رہیں۔ روح خدا کی شراکت میں رہے۔ جامہ بے داغ ہو۔ کمر بندھی رہے اور چراغ جلتا رہے۔ روزانہ زندگی کے عام فرائض کی بجا آوری اُن خاص کاموں کی بہتر تیاری ہے جو دفعتہً ہمارے سپرد کئے جائیں۔

دوم۔ پہلی تربیت کی یہ تکمیل تھی۔ کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ خدا کی روح اب پہلی بار داؤد پر اُتری۔ ایسا خیال اس واقعہ کی خاص تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ بیبل میں روح القدس کے از سر نو زندگی دینے والے اور مسح کرنے والے فضل کے مابین امتیاز کیا گیا ہے۔ برسوں سے غالباً داؤد کے دل پر یہ تاثیر ہو رہی تھی لیکن اُس دن تک اُس نے روح القدس کے مسح کو جس کا نشان تیل کا مسح ہے اور جو روحانی کام کی کامیابی کے لئے ازحد ضروری ہے۔ محسوس کیا نہیں ہوگا۔

ہمارا خداوند روح سے پیدا ہُوا۔ لیکن تیس برس کی عمر تک جب اپنے پبلک کام کے شروع میں وہ بپتسمہ پاکر دریا سے نکلا وہ خدمت کے لئے مسح نہ کیا گیا۔

اپنے پہلے وعظ میں یسوع اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ "خداوند کی روح مجھ پر ہے اِس لئے اُس نے مجھے مسح کیا" (لوقا ۴: ۱۸) اور پنتیکوست سے پیشتر رسولوں کو روح القدس کے وسیلے نئی زندگی ملی تھی لیکن لوگوں کو خدا کی طرف کھینچ لانے کیلئے قوت پانے کو انہیں بند دروازوں میں انتظار کرنا پڑا۔ ایسے اکثر آدمی ہمارے دیکھنے میں آتے ہیں جو بلا شک خدا کے فرزند ہیں لیکن جن کو اُس کے نام کی گواہی دینے یا اس کے لئے کلام کرنے یا لوگوں کے شک و شبہ دور کرنے کی طاقت حاصل نہیں۔ ان کو کچھ ایسی چیز درکار رہتی جیسے تار کو برقی یا بارود کو دیا سلائی درکار ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ خدا کا روح اُن میں تو ہے لیکن اُن پر اُترا نہیں۔ یہ بھی ہمارے مشاہدہ سے

گذرا ہے کہ ایسے شخص گویا بیدار سے ہو جاتے اور الٰہی مسح کا دعویٰ کرتے اور دفعتہً نئی زبانوں میں بولتے ہیں اور لوگ اُن کے گناہ اور راستبازی اور آنے والی عدالت کے بیان سے حیران کے حیران رہ جاتے ہیں۔

جب تک کہ پہلے سے یہ مبارک اثر دل پر نہ ہو خدمت کے لئے یہ مبارک مسح ہمارا منتقل ہو نہیں سکتا۔ نئی زندگی ہاں خدا کی زندگی درکار ہے۔ غریب مزاجی۔ فروتنی۔ دیانت داری سے فرائض کی بجا آوری۔ معلوم گناہوں سے پاکی اور خدا کے ساتھ ساتھ چلنا ضروری ہے۔ ضرور ہے کہ تقدیس شدہ زندگی کی ساری نذر کی قربانی پر آسمانی شعلہ اُترے۔ اور چونکہ روح القدس سے یہ سب تاثیریں داؤد کے دل پر ہو چکی تھیں وہ اُس خاص مسح کے لئے تیار تھا۔

اے ناظر یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی روزمرّہ کی زندگی میں بھی گو کوئی خاص دلچسپی کی بات واقعہ نہیں ہوتی کسی ایسے ہی تجربے کے لئے تیار کئے جا رہے ہو۔ خدا کی چھوٹی سی چھوٹی تحریک کی فرمانبرداری کرو خواہ وہ تمہیں کام کرنے کو کہے یا ایذا اُٹھانے کو تا کہ تم اس سنہلے لمحہ کے لئے تیار کئے جاؤ جبکہ تمہارا حلیم اور بردبار سر اچانک ممسوح کیا جائیگا۔

سوم۔ یہ مسح سموئیل کے ہاتھ سے عمل میں آیا۔ اس بزرگ سن رسیدہ نبی نے اپنے ملک پر بڑے بڑے احسان کئے تھے لیکن خاص کر اسکو جوانوں کی نہایت فکر تھی۔ مدرسۃ الانبیاء اسی نے قایم کیا تھا۔ ساؤل پر بھی اس کی جوانی میں اس بزرگ کی سیرت کا بہت اثر پڑا اور جب اسکو یہ الٰہی حکم ملا کہ یسّی کے ہاں جا۔ اس کے ایک لڑکے کو ساؤل کا جانشین ہونے کو مسح کرے تو غالباً وہ یسّی کے تن آور لڑکوں سے واقف تھا۔

بھیڑ کو اپنے آگے آگے ہانکتا ہُوا وہ بیت الحم کے لنبے بازار میں داخل ہُوا اور بزرگوں کو دعوت کے لئے بلایا تاکہ حاسد اور وہمی بادشاہ کو شبہ پیدا نہ ہو کیونکہ اگر ساؤل کو اسکے آنے کے اصلی مقصود سے آگاہی ہو جاتی تو اس کی جان لینے میں دریغ نہ کرتا داؤد نے اپنے گاؤں میں پہنچکر ایک عجیب سماں دیکھا۔ اس کا باپ یسّی اور اُس کے ساتوں بھائی غالباً اپنے آبائی مکان میں اُس کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آئے تو سب اکٹھے اس ضیافت کو جائیں جس میں گاؤں کے سب بزرگ مدعو تھے۔ الیاب اور اُسکے رفیق آج کچھ عجیب طور سے سکوت میں تھے۔ کسی اور موقعہ پر تو وہ اپنی بے صبری اور حقارت کا اظہار کرتے لیکن آج تو اُن پر عجیب سنجیدگی چھائی تھی۔ چلنے سے رنگ سرخ۔ شکیل اور سجیلا۔ آنکھوں سے لیاقت ظاہر۔ شاہانہ انداز سے وہ گھر میں ابھی پہنچا ہی تھا کہ خداوند نے سموئیل سے کہا۔ "اُٹھ! اسکو مسح کر کیونکہ یہ وہی ہے"۔ تب سموئیل نے نرسنگا لیکر جو وہ نوب سے اپنے ساتھ لایا تھا تیل اس لڑکے کے سر پر جو حیرت کا پتلا بنا بیٹھا تھا انڈیل دیا۔

قیاس چاہتا ہے کہ حاضرین اِس مسح کی عظمت کو نہ سمجھے ورنہ جب وہ جولیت سے جنگ کرنے کو نکلا تو یسّی اس کے ساتھ ایسے پیش نہ آتا اور الیہو اسکی ذرا عزت کرتا لیکن غالباً داؤد اُسکا مطلب سمجھ گیا۔ مؤرخ یوسفس ہمیں بتاتا ہے کہ نبی نے اس مبارک نشان کا مطلب اس کے کانوں میں بتا دیا۔ کیا اس بزرگ نے اپنے کانپتے ہونٹوں سے اِس جوان کے کانوں میں کہا۔ کہ "تو بادشاہ ہو گا"؟ اور بعد میں یہ لفظ اسکو کیونکر یاد آتے ہوں گے اور اِس سے اُسکو کیسی تحریک ملتی ہوگی۔ اس کا اثر اس کی سیرت پر کیسا اچھا ہُوا ہوگا ہاں اس بڑے عہدہ کی جو اُسکو ملنے والا تھا یہ کیسی تیاری ہوئی ہوگی۔

تیل کا مسح ایک نمونہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں اسکے کوئی روحانی معنی نہ تھے بلکہ وہ اس امر کا ظاہری نشان تھا کہ اس چرواہے لڑکے پر خدا کا روح بکثرت نازل ہُوا تھا۔ یسوع کے لئے تیل نہ تھا بلکہ اس کی جا اس پر کبوتر اُترتا ظاہر ہُوا۔ پنتکوست کے دن رسولوں کے لئے تیل نہ تھا لیکن ہر ایک سر پر سجودیہ آگ کا شعلہ نمودار ہُوا۔ اور اس وقت میں یہ ظاہری نشان اور نمونہ جاتے رہے ہیں۔ جب ہم فروتنی کی شرائط پوری کریں اور ایمان کے وسیلے اس روح کو حاصل کریں جسکا وعدہ ہُوا ہے تو ہم کو مان لینا چاہیئے کہ ہمنے پالیا۔ (گلتیوں ۳: ۱۴)

اس دن داؤد پھر اپنی بھیڑوں پاس آرہا اِسکے بعد وہ اکثر حیرت میں آتا ہوگا۔ کہ اس وعدہ کی تکمیل کی مبارک ساعت کب آئیگی۔ اپنی اِس نویافت طاقت کے ظاہر اور استعمال کرنے کا کب موقعہ ملے گا؟ اسکو ابھی سیکھنا تھا کہ بڑے بڑے کارمردانہ دکھانے سے پیشتر ہمکو صبر اور برداشت سیکھنا لازم ہے۔ بیت الحم کی پہاڑیوں میں ہمکو شیر اور ریچھ کے ساتھ لڑنا ضرور ہے تاکہ ایلا کی وادی میں جولیت کا مقابلہ کرنیکے لئے تیار ہوں۔

چہارم۔ یہ دن رد کئے جانے کا تھا۔ یسّی کے سات بیٹے اس دن نامنظور ہوئے۔ جسم کے لحاظ سے دانا۔ زورآور اور شریف بلائے نہیں گئے۔ بلکہ حسب معمول خدا نے کمزوروں۔ کمینوں اور حقیروں کو چُنا۔ عدد سات کمالیت کا نشان ہے۔ یسّی کے سات بیٹے جسم کی کمالیت کا نشان اور نمونہ ہیں۔ ضرور ہے کہ جسم زمین پر پامال کیا جائے تاکہ وہ خدا کے حضور میں فخر نہ کرے۔ یہ سبق سیکھنا مشکل ہے لیکن اسکا سیکھنا ہے ضرور۔ شاید یہ تمکو گوارا نہیں۔ تو پھر الیہو کی طرح تم یہوداہ کے سردار ہو جاؤ تو ہو جاؤ لیکن تم کبھی خدا کے عزیز نہ ٹھہروگے (۱۔ تواریخ ۲۷: ۱۸)

داؤد کا یوں پوشیدہ طور پر مسح کیا جانا جو تین مسحوں میں سے پہلا ہے۔ مشیت ایزدی میں ہمارے خداوند کے تقدیس پانے کا نمونہ ہے۔ لوگوں کا رد کیا ہُوا۔ اپنے بھائیوں کا حقیر ٹھہرایا ہُوا وہ سلطان الزمان مقرر کیا گیا ہے۔ ابھی تک اسکی نسبت

باپ کے وعدے کے پورے ہونے میں بڑی بڑی رکاوٹیں ہیں لیکن ہر ایک گھٹنہ اُسکے آگے خم ہوگا اور ہر ایک زبان اقرار کرے گی کہ وہ خداوند ہے۔ فی الحال وہ انتظار کر رہا ہے۔ اس وقت کا انتظار کرتا ہے کہ فتح و نصرت عام کا گھنٹہ بجے۔ ہاں اس وقت کا منتظر ہے کہ سلطنت موعودہ کے ہزاروں تاج اس سر مبارک پر رکھے جائیں جس پر کبھی کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔

تیسرا باب

بادشاہ کا اُسکو طلب کرنا

(۱سموئیل ۱۶: ۱۹ - ۱۹)

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ تاقی جولیت کے جنگ سے پیشتر کا ہے جب یہ جوان سپاہی اس ملعون فلسطی کا سر ہاتھ میں لئے شاہ کے حضور حاضر ہُوا تو بادشاہ نے نہ پہچانا کہ یہ وہی مغنی ہے۔ اور اس کے نہ پہچاننے کی وجہ یہی ہوگی کہ شاہ کے حضور گانیکے لئے حاضر ہونے اور اب میدان جنگ میں آنے کے مابین اُسنے قد و قامت میں بڑی ترقی کی اور اُس کی صورت بہت کچھ بدل گئی ہوگی۔ ہم ٹھیک ٹھیک بتا نہیں سکتے کہ یہ وقفہ کتنی درازی کا تھا لیکن اِسی دوران میں وہ جوانی کی منزل سے گذر کر مرد بن گیا۔ اسکا تن قوی اور جسم مضبوط ہوگیا اور اُس کے چہرے پر ایک رونق سی آگئی۔ اگر ہم اس خیال کو تسلیم نہ کریں تو پھر ہم کو اس مشکل کا سامنا پڑتا ہے کہ ساؤل کے درباریوں کی کیسے جُرأت ہوئی کہ ایسے شخص کو اس کے حضور پیش کریں کہ جس کی فتح و نصرت سے وہ رشک کھاتا تھا (۱سموئیل ۱۸: ۹) اور اُس جوان بجانے والے کی ایسی کیفیت کی بھی کیا ضرورت تھی (۱۶: ۱۸) یہ نہ ہی بتا دینا کافی ہوتا کہ ایلا کی وادی میں داؤد نے کیا کچھ جوہر جوانمردی دکھائے تھے۔

مسح پانے کے بعد داؤد پھر اپنی بھیڑوں کی رکھوالی کرنے کو چلا آیا۔ جب ساؤل نے اپنے درباریوں کی صلاح سے اپنا غم غلط کرنے کے لئے داؤد کو بلا بھیجا تو اُس نے یسّی کو یُوں کہلا بھیجا۔ "اپنے بیٹے داؤد کو جو بھیڑ بکریوں پر مقرر ہے مجھ پاس بھیج"۔ اس سے داؤد کی سیرت کی سادگی اور فراست ظاہر ہے کہ وہ بھیڑ سالہ میں پھر واپس آیا کہ اپنی بھیڑوں کی رکھوالی کرے اور اپنے روزانہ فرایض کو دیانت داری سے انجام دے اور اس امر کا منتظر رہے کہ جو کچھ خدا نے سموئیل کی معرفت فرمایا وہ پورا ہو۔ یسوع بھی ہیکل کو چھوڑ کر جہاں اس کو اپنے باپ کے کام کرنے کی رویا ملی تھی۔ اپنے گھر کو چلا گیا کہ اپنے والدین کے تابع رہے۔ اور بڑھئی کے ادنےٰ کام میں لگا رہے۔

داؤد کی نسبت جو اُس کے آشنا و روشناسوں کا خیال تھا وہ ساؤل کے ایک درباری کے اِس بیان سے ظاہر ہے کہ "دیکھ میں نے بیت الحم کے یسّی کا ایک بیٹا دیکھا جو بجانے

میں اُستاد ہے اور بڑا بہادر بھی اور جنگی مرد ہے اور صاحب تمیز اور خوبصورت ہے۔ اور خداوند اُس کے ساتھ ہے" اس کیفیت سے ہم اس جوان کی سیرت بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اوّل - مُغنّی - اُسکی طبیعت شاعروں کی سی نازک خیال تھی - اور وہ ساتھ ہی شیریں مقال بھی تھا - اپنے خیالات کو تقریر اور گیت میں خوب ادا کر سکتا تھا۔ اُسکے زبوروں سے آج تک اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ کن ہری ہری چراگاہوں میں اس کی بھیڑیں دوپہر کیوقت آرام کرتی تھیں - بیت الحم کے نزدیک وہ کس صاف شفاف چشمہ سے پانی پیتی تھیں - کیسی صاف راہوں سے وہ اُن کو لیجاتا تھا اور پہاڑیوں میں اُن کو شیر اور ریچھ کا کیسا خطرہ تھا۔

داؤد نے پہلے پہل زبور لکھے - اُن کی لطافت اور الفاظ کی چستگی - اُن کا غم و رنج اور راحت و آرام دونو تجربوں کا بیان - رُوح پر روشنی اور تاریکی کا ہردم بدلتا اثر - اُنکا نیچر اور دینداری دونوں کا باہمی اختلاط - خدا کے پہلو سے دُنیا اور انسانی زندگی کا بیان - اِن صفات سے جو زبور زمانہ کے مقدسین کے دل عزیز ہیں - وہ اسرائیل کے شیریں زبان مغنّی کی جدت طبع کا نتیجہ ہیں - اس کی اوائل عمر کے زبور جو غم و رنج کے تجربوں سے مبرا تھے آخر تک دنیا میں ایسا اثر کرینگے جیسے اُسوقت داؤد کے بربط . . بجانے سے ساؤل آرام پاتا تھا۔

دوئم - جنگی مرد - ہمت و دلیری کی تعلیم پانے کے لئے اسے بڑے بڑے موقعے ملے۔ فلسطیوں کی سرحد اسکی مولد سے دور نہ تھی - کئی بار فلسطیوں نے بیت الحم کے کنوئیں پر جو دروازہ کے ساتھ تھا قبضہ کر کے پانی پر خراج لگا دیا - بیت الحمیوں کی ان سے اکثر جنگ لگی رہتی تھی - اِن ہنگاموں میں شریک ہونے سے داؤد بڑا بہادر اور جنگی مرد ہو گیا - کبھی کبھی اس کو تن تنہا چوروں اور قزاقوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

وہ خود بتاتا ہے کہ کیسے اسکو شیر اور ریچھ سے خبردار رہنا پڑتا تھا - ان سے وہ ڈرتا تو نہ تھا ان کو مار کر وہ اپنی بھیڑوں کو بچا لیتا تھا - وہ اپنے مضبوط بازوؤں سے فولادی کمان کو توڑ سکتا تھا - جولیت کی تلوار وہ آسانی سے اُٹھا لیتا تھا - وہ اپنے عصا سے جنگلی درندوں کو مار کر بھگا دیتا تھا اور پتھر نشان پر خطا نہ کھاتا تھا - سچ مچ وہ ایک جوان شمشون تھا - لیکن وہ اپنے کارہائے جوانمردی کو اپنی طاقت و قوت سے منسوب کرتا نہ تھا - ایمان کے وسیلہ وہ خدا کی طاقت سے کام لیتا تھا - کیا وہ اس کا خادم نہ تھا جو ایک خاص کام کے لئے مقرر ہُوا تھا اور نامختونوں کے ساتھ جنگ کرنے کو کیا وہ بلایا نہ گیا تھا؟ گو وہ بچہ تھا - تاہم اس نے خدا نے ایسی طاقت قایم کی کہ جس سے دشمن اور انتقام لینے والے کو چُپ کرائے وہ دودھ پیتا بچہ بھی ہو تو کیا - وہ اس لئے پیدا ہُوا تھا - کہ خدا کے ہاتھوں کے کام پر اختیار پائے! سنو وہ کیسے دعویٰ سے کہتا ہے - کہ

"میں تیری کمک سے ایک فوج پر دوڑتا ہوں - میں اپنے خدا کی مدد سے ایک دیوار کود جاتا ہوں - خدا ہی ہے جو میری کمر کو مضبوط باندھتا ہے - وہ میرے پاؤں ہرنیوں کے سے

کرتا ہے۔ وہ میرے ہاتھوں کو جنگ کی تعلیم دیتا ہے۔ تُو نے اُن کو جو مجھ پر چڑھ آئے ہیں میرے نیچے جھکا دیا۔"

ایمان کے وسیلے اس نے بادشاہتوں کو مغلوب کیا۔ شیروں کے منہ بند کئے۔ تلوار کی دھار سے بچ رہا۔ جنگ میں دلاور ہُوا اور دشمن کی فوجوں کو بھگا دیا۔

ستوھد۔ وہ صاحب تمیز تھا۔ داؤد کی حیات سے اس کی فراست ظاہر ہے۔ جیسے وہ اپنے منصوبوں کے پورا کرنے میں تیز تھا ویسے ہی وہ منصوبے باندھنے اور صلاح مشورہ دینے میں صاحب تمیز اور دانشمند بھی تھا۔ وہ آثار زمانہ اور انسانی طبیعت کو خوب پہچانتا اور حکمت عملی خوب جانتا تھا۔ وہ ہر بات کا موقعہ پہچانتا تھا۔ دوستوں سے سیدھا صاف۔ دشمنوں پر فیاض۔ محبت میں صادق۔ خطرہ میں سلیم مزاج۔ تکلیف میں صابر۔ مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت میں دلیر اور بہادر۔ وہ پیدائش ہی سے لوگوں کا پیشوا ہونے کے قابل تھا اور بڑا بیر سلطنت کی فکروں اور میدان کارزار کے فیصلوں میں اُستاد تھا جان جوکھوں اور مشکلوں کے وقت میں بھی وہ جانتا تھا کہ کیا کرنا چاہئے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اس کے خدا پر تکیہ وانحصار کرنے کا نتیجہ تھا۔ اس سے بعض افسوس ناک غلطیاں بھی سرزد ہوئیں اور اُن کی وجہ یہ تھی کہ طیش وغصہ کیوقت اُسنے طبیعت کو قابو میں نہ رکھا اور خدا کی حضوری میں جانے اور کسی نئے کام شروع کرنے سے پیشتر اس سے مشورہ لینے میں تساہل کرتا رہا۔ لیکن اس کی زوح کا وطیرہ اُس کے ایک پیشے وقتوں کے زبور سے ظاہر ہے۔ کہ

"اے میری قوت میں تیرا انتظار کروں گا۔ اے میری قوت میں تیری ستایش گاؤنگا۔"

جب لوگ ایسے زندگی بسر کریں تو یہ لازم ولابد ہے کہ وہ صاحب تمیز اور دانشمند ہوں۔

چھاردہ۔ اس کے حُسن کا جادو۔ وہ داؤد محبوب تھا۔ جہاں کہیں وہ جاتا تھا وہ لوگوں پر اپنا جادو ڈالتا تھا۔ ساؤل بھی اس کے سامنے خوف زدہ سا ہو جاتا تھا۔ شاہی ملازم اس سے اُنس کرتے تھے۔ ساؤل کی بیٹی میکائیل اُس سے محبت رکھتی تھی۔ یونتن کی روح تو گویا اُس کے ساتھ پیوستہ تھی۔ اسرائیل کی عورتیں ساؤل کی فرمانبرداری بھول کر اِس حسین اور بہادر نوجوان کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ تندسپاہی بھی اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالنے کو راضی تھے کہ اس کے لئے بیت الحم کے کنوئیں سے پینے کو پانی لادیں مردوں اور عورتوں پر اُسکو عجیب اقتدار حاصل تھا۔ ماہ جبین ابی گیل خوشی سے اس کے خادموں کے پاؤں دھوتی ہے۔ اکیش اسکو خدا کا فرشتہ ٹھہراتا ہے۔

حاتی اِتی جلاوطنی میں بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اسکو اِبی سلوم پر روتے دیکھ کر

لوگ دیکھ کر شہر میں چلے جاتے ہیں۔ جب وہ بولتا ہے تو اہل یہوداہ کے دل جن کے دل میں مکروفریب تھا اور جو اسکو خیر مقدم کرنا نہ چاہتے تھے پگھل جاتے اور اُس سے ان کو ہمدردی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا اور انسان کا پیارا۔ اس کے دل پر محبت کا اثر بڑا گہرا ہوتا تھا اور اس کی جان کی زمین ایسی زرخیز تھی کہ دنیا کی برکت کے لئے اس پر بکثرت فصل پیدا ہو سکتی تھی لیکن وہ انسان کو سخت سے سخت ایذا پہنچانے کے قابل بھی تھی۔

پنجم۔ خدا اُس کے ساتھ تھا۔ وہ بلا تامل اپنے آپ کو "تیرا خادم" کہتا ہے جو پیمانی اور عہد کے گناہوں میں مبتلا پر ان سے رہائی پانے کا خواہاں ہے۔ وہ خدا کو اپنی چٹان۔ نجات دینے والا۔ چوپان۔ زندگی کے مکان کا مالک اور غم ورنج میں تسلی دینے والا پکارتا ہے۔ تھکاوٹ کے وقت وہ ہریالی چراگاہیں پاتا تھا۔ پیاس میں بہتے پانی۔ پریشانی میں راست رہنمائی۔ خطرے میں سلامتی۔ خدا کا کلام گو وہ اُس کے ایک حصّہ سے ہی آگاہ تھا۔ اُس کے نزدیک کامل۔ راست اور پاکیزہ تھا اور جب وہ اُسکو دہراتا تو اس کی جان تازہ ہوتی۔ اُس کا دل خوشی پاتا۔ اس کی آنکھیں روشن ہوتیں اور وہ اُسکو شہد سے بھی میٹھا معلوم ہوتا تھا۔ وہ خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتا تھا۔ چونکہ وہ اس کے دہنے ہاتھ تھا اسکو جنبش نہ ہوتی تھی اور اس لئے اسکا دل شاد تھا۔

یسوع کے شخصی دوست

۲

یُوحنا رسول۔

محبت سے دنیا گویا نئی زندگی پارہی ہے۔ یہ عظیم تبدیلی خدا کی محبت سے واقع ہورہی ہے۔ مسیح کے دنیا میں آنے سے پیشتر دنیا میں محبت نہ تھی۔ نوع انسان میں محبت ہمیشہ سے چلی تو آتی ہے۔ حُبِّ پدری۔ حُبِّ مادری۔ حُبِّ برادری۔ حُبِّ وطن۔ ہاں صادق پُروفا اور مستقل انسانی دوستوں کے اکثر تذکرہ پائے جاتے ہیں۔ دنیا میں محبت طبعی تو ہمیشہ سے ہے لیکن مسیح کے آنے تک مسیحی محبت نہ تھی۔

یسوع کا مجسّم ہونا دنیا میں خدا کی محبت کا ظاہر کرنا تھا۔ تینتیس برس یسوع دنیا میں رہا اور اپنے ہر قول اور فعل اور اپنی زندگی کے ہر ایک مبارک اثر سے محبت کا اظہار کرتا رہا۔ صلیب پر اس کے دل کے چھد جانے سے اس کی محبت دنیا میں پھیل گئی۔ جیسے مریم کی عطردانی کے کھلنے سے سارا مکان مہک گیا ویسے ہی خدا کی محبت سے جو مسیح کی

زندگی اور موت میں ظاہر ہوئی دنیا معمور ہو رہی ہے۔

یسوع نے اپنی محبت انسانی دلوں میں ڈالی تاکہ ساری دنیا میں اُسکا اشتہار ہو۔ اور اُس سے فوراً ایک عجیب تبدیلی واقع ہوئی۔ پینتیکوست سے بعد کی تواریخ کلیسیا مسیح کے شاگردوں میں ایک ایسی روح کا اظہار کرتی ہے جو دنیا نے کبھی پیشتر دیکھی نہ تھی۔ اُن کی سب چیزیں ساجھی تھیں۔ زور آور کمزوروں کی مدد کرتے تھے۔ اُن میں ایک اتفاق و اتحاد تھا۔ جو یہ آسمان پر کا نمونہ تھا۔ تب سے آج کے دن تک محبت کا خمیر کام کر رہا ہے۔ اس کا اثر زندگی کے تمام صیغوں میں پایا جاتا ہے۔ فن۔ علم ادب موسیقی قوانین۔ تعلیم اور اخلاق میں۔ ہر ایک ہسپتال۔ یتیم خانہ۔ پاگل اور اصلاح خانہ مسیح کی محبت کی تحریک سے قائم ہوا ہے۔ اِس الٰہی محبت کے قوموں میں کام کرنے کا نتیجہ و احصل مسیحی تہذیب ہے۔

مسیح کی محبت کے دنیا میں پھیلانے اور اس کے معانی بتانے میں شاید کسی اور شاگرد نے اتنا کام نہیں کیا جتنا مسیح کے اس پیارے شاگرد نے۔ کلیسیا کے قائم کرنے میں پطرس ایک بڑی طاقت تھا اور پولس میں بھی بڑا مشنری جوش تھا اور اُس نے مسیحیت کی منادی زمین کی حدوں تک کی۔ یہ دو نور رسول اپنی جگہ اور کام میں بڑے تھے۔ لیکن یوحنا نے دنیا کو محبت کی [illegible]ت دینے میں ان دونوں سے بڑھ کر کام کیا ہے۔ اس کا اثر ہر کہیں پایا جاتا ہے۔ سارے شاگردوں میں یارہ وہی یسوع کی مانند ہے۔ اس کا اثر بنی آدم میں آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے۔ [illegible]یحیوں میں محبت کی روح کے بڑھنے۔ بنی آدم کی فلاح و بہبودی کی کوششیں کرنے اور اس خیال کے جگہ پکڑنے سے اس کا اظہار ہو رہا ہے۔ کہ مسیحی قوموں کے مابین جنگ قطعی ترک [illegible]نا اور جھگڑوں کا فیصلہ بذریعہ پنچایت کے ہونا چاہیئے اور کہ تمام بنی نوع عضو یک دیگر اند۔

یسوع اور یوحنا کی اس دوستی کا تذکرہ نہایت دلچسپ ہوگا۔ کیونکہ اِس مقدس دوستی [illegible] یوحنا نے وہ کچھ سیکھا جو اس نے اپنی زندگی اور کلام سے دنیا پر ظاہر کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ [illegible] دوستی کا آغاز کب ہوا۔ ایک دن یوحنا بپتسمہ دینے والا یردن کے کنارے اپنے دو [illegible] شاگردوں کے ہمراہ کھڑا تھا۔ اِن میں سے ایک تو اندریاس تھا اور دوسرا ہم جانتے ہیں کہ یوحنا۔ [illegible]نکہ یوحنا کی انجیل میں جہاں اس واقعہ کا ذکر قلمبند ہے دوسرے شاگرد کا نام دیا نہیں گیا۔ [illegible] دونوں جوانوں نے ابھی تک یسوع کو دیکھا نہ تھا لیکن یوحنا بپتسمہ دینے والا اسکو جانتا تھا جب یسوع وہاں سے گذرا تو اسکی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ "دیکھو خدا کا برہ!"

یہ دو نوجوان یسوع سے بات کرنے کی غرض سے اس کے پیچھے ہو لئے۔ اِن کی آواز پا سنکر [illegible]وع نے پیچھے کو مڑ کر دیکھا۔ اور اُن سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اُنہوں نے دریافت کیا کہ اے [illegible]ستاد تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ "آؤ اور دیکھو۔" اُنہوں نے اسکی دعوت بڑی [illegible] سے قبول کی اور شام تک اُس کے ہاں ٹھہرے رہے۔ اِس مبارک وقت میں جو کچھ گذرا

اس کا بیان درج نہیں گو یہ معلوم کرنا بڑا دلچسپ ہوتا۔ کہ یسوع نے اپنے مہمانوں سے کیا فرمایا
تو بھی ہم کو یقین ہے کہ اس ملاقات سے یوحنا پر بڑا اثر ہوا۔

ہماری زندگی کے اکثر دن کسی خاص واقعہ سے نامدار نہیں۔ ہزاروں دن ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ تاہم عموماً ہر ایک کی زندگی میں دو ایک دن ضرور کسی خاص واقعہ یا بات کے لئے نامدار ہوتے ہیں۔ کسی ایسے شخص سے پہلی ملاقات کے لئے کہ جس سے بعد میں زندگی بھر سابقہ رہے۔ یا اس سے خاص گہری دوستی ہو جائے۔ یا کسی نئی صداقت کے ظاہر ہونے یا کسی ایسے فیصلہ کے لئے کہ جو بڑی برکت کا موجب ہو۔ یہ دن اور دنوں سے جدا اور الگ رہتا ہے۔

یوحنا کو عمر کی درازی نصیب ہوئی۔ لیکن اپنے آخری دن تک وہ اس دن کو یاد کرتا ہوگا۔ جب اس نے یسوع سے پہلی ملاقات کی اور اس کے ساتھ ایسی مبارک دوستی کا آغاز ہوا۔ ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ جیسے پہلی ملاقات میں ہی داؤد یونتن کو جان سا عزیز ہو گیا۔ ویسے ہی پہلی ملاقات میں ہی یوحنا اور یسوع کے مابین وہ مقدس دوستی قایم ہو گئی جو یوحنا کی زندگی کے لئے بڑی بھاری برکت کا موجب ٹھہری۔

یوحنا اپنے آپ کو اکثر اس نام سے لکھتا ہے کہ "وہ شاگرد جسے یسوع پیار کرتا تھا"۔ اس تعریف سے اس کو خداوند کے شخصی دوستوں میں بھی امتیاز ملتا ہے۔ یسوع تمام رسولوں کو پیار کرتا تھا لیکن اس کے تین خاص رسول تھے۔ جو گویا اندرونی حلقہ سے متعلق تھے۔ ان دونوں میں یوحنا سب سے پیارا تھا۔ ہم کو معلوم نہیں کہ یوحنا میں ایسی کونسی صفت تھی۔ کہ جس سے اسکو ایسی عزت ملی۔ غالباً وہ یسوع کا خالہ زاد بھائی تھا۔ کیونکہ اکثروں کا خیال ہے کہ یسوع اور یوحنا کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں۔ لیکن یہ رشتہ داری ان کی اس محبت کی وجہ ہو نہیں سکتی۔ یوحنا میں ضرور کوئی ایسی صفات ہوں گی کہ جن سے وہ یسوع کا ایسا ہمراز دوست ہونے کے قابل ٹھہرا۔

ہم جانتے ہیں کہ یوحنا کے اطوار بڑے دلربا تھے۔ وہ محض ایک مچھوا تھا اور جوانی میں اسکو علم یا تربیت پانے کے موقعے نصیب نہ ہوئے۔ اگر مریم اور سلومی آپس میں بہنیں تھیں تو پھر یسوع اور یوحنا دونو داؤد کی نسل سے ہوئے۔ ایسی شریف شاہی اور بزرگ نسل سے ہونا بھی بڑی بات ہے۔ یوحنا معمولی آدمیوں سے بیشک نرالا تھا۔ ذات سے وہ بڑا ہمدرد اور دوست ہونے کے قابل تھا۔

یوحنا کی تصنیفات کے مطالعہ سے ہمارے سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ اپنی انجیل میں وہ کبھی بھی اپنا ذکر نام لے کر نہیں کرتا تاہم اس کے مطالعہ سے اس کی شیریں مزاجی ظاہر ہے۔ بعض کھیت اور مرغزار بوئے خوشگوار سے مہکے ہوتے ہیں اور ایک بھی پھول نظر نہیں آتا پر غور سے دیکھنے پر چھوٹے چھوٹے پھول لمبے لمبے گھاس میں چھپے ملتے ہیں ہر ایک قوم میں ایسے غریب مزاج شخص ہوتے ہیں کہ جنکے نام سے لوگ واقف نہیں۔ لیکن انکا اثر چاروں طرف پڑتا ہے یوحنا کی انجیل کا بھی یہی حال ہے۔ اسکے لکھنے والے

کا نام کہیں ظاہر نہیں ہوتا لیکن اس کی روح کا اثر ساری کتاب میں پایا جاتا ہے۔

اپنے آپ کو وہ جس پیرایہ میں ظاہر کرتا ہے اس سے اس کی سیرت کا پتہ ملتا ہے۔ مصنف اپنے آپ کو چھپاتا ہے تاکہ یسوع کا نام اور اُسکا جلال روشن ہو۔ اکثر دیندار اپنے خداوند کو بزرگی دیتے وقت بھی اپنا نام روشن حروف میں لکھتے ہیں۔ تو جو کوئی اُستاد کو دیکھے وہ اس کے دوست کو بھی دیکھے۔ یوحنا میں یہ روح بالکل مفقود ہے۔ جب یوحنا بپتسمہ دینے والے سے اسکا نام پوچھا گیا تو اس نے بتانے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں محض ایک آواز ہوں کہ بادشاہ کے آنے کا اعلان کروں۔ ویسے ہی یوحنا رسول بھی اپنا ذکر یوں کرتا ہے کہ میں وہ ہوں جسکو استاد پیار کرتا ہے۔

یاد رہے کہ وہ یہ نہیں کہتا کہ میں وہ شاگرد ہوں جو یسوع کو پیار کرتا ہے۔ اس سے تو فخر پایا جاتا کہ میں اور شاگردوں کی نسبت خداوند کو زیادہ پیار کرتا ہوں۔ بلکہ یہ کہ وہ شاگرد جسکو یسوع پیار کرتا ہے۔ اس امتیاز میں مسیحی سلامتی کا ایک بڑا بھید پایا جاتا ہے۔ ہماری امید اس میں نہیں کہ ہم مسیح کو پیار کرتے ہیں بلکہ اس میں کہ وہ ہمکو پیار کرتا ہے۔ ہماری محبت متلون اور بے ٹھکانا ہے۔ ایک دن تو وہ جوش و خوشی سے شعلہ انگیز ہے اور ہم دعوے کرتے ہیں کہ مسیح کی خاطر ہم جان دینے کو بھی تیار ہیں اور دوسرے ہی روز کسی مایوسی و بے ہمتی کے وقت ہم کو شک پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہم اس سے محبت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر سلامتی ہمارے مسیح سے محبت کرنے پر موقوف ہو تو وہ ویسی ہی متلون ہوگی جیسے ہمارے دل کی حالت۔ لیکن اگر مسیح کی محبت پر ہمارا تکیہ اور انحصار ہو تو کسی قسم کی دنیوی تبدیلی سے ہمارے اطمینان میں فرق نہیں آئیگا

یوحنا کا مزاج اسی لئے بڑا سلیم اور اسکا دل پُر اطمینان تھا۔ وہ غریبی اور فروتنی سے بھی خوش تھا و تکیہ اور بھروسہ کیا جاتا تھا۔ وہ بڑا حلیم مزاج اور روحانی شخص تھا کسی صورت سے وہ کمزور و نامرد نہ تھا۔ جیسا کہ اسکی بعض تصویروں سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال نہ صرف محض غلط بلکہ اہانت کرنیوالا ہے۔ یوحنا بڑا شریف اور صاحب اقتدار تھا۔ اُسکی خاموش طبیعت اور شیریں مزاج کے تلے ایک بڑی جوشیلی روح تھی۔ لیکن وہ مرد محبت تھا۔ اس نے الٰہی اطمینان کے سبق سیکھ لئے تھے اور اپنے آپ پر اس کو قابو حاصل تھا۔

ان باتوں سے اس شخص کی سیرت کا پتہ ملتا ہے جسکو یسوع پیار کرتا تھا اور جسکو اُس نے اپنی گہری دوستی میں لیا۔ جب یسوع اُسکو اوّل اوّل ملا تو یوحنا محض ایک لڑکا تھا۔ یسوع کی صحبت میں ہی اُس نے ترقی کی۔ جس دن یوحنا پہلی دفعہ یسوع کے مکان پر اس کے پاس بیٹھا۔ اسکی باتیں غور سے سنتا تھا اس کی سیرت میں ترقی اور سعادت مندی کے آثار تھے۔ اب یوحنا کی وہ تصویر ہمیں نظر آتی ہے وہ اس وقت کی ہے کہ جب مسیح کی محبت میں وہ نشوونما پا چکا تھا۔ وہ یسوع کی تربیت کا پھل ہے۔ دن بدن اسکی جوان روح خداوند کی ہر ایک تحریک کا جواب دیتی اور نہایت خوبصورت بنتی گئی۔ بلا ریب یوحنا کی صفت کہ جس سے وہ یسوع کا ایسا دوست بننے کے قابل ٹھہرا اس کی صاف دلی تھی۔ جس امر کا یسوع اشارہ بھی کرتا وہ اسکو سمجھتا اور

اُسکو عمل میں لاتا بھی تھا۔

اِس تین سال کی دوستی کا بیان بڑا ہی دلچسپ ہوتا لیکن اسکا بہت ہی تھوڑا ذکر قلمبند کیا گیا ہے۔ پہلی ملاقات سے چند مہینہ بعد سمندر کے کنارے ان کی ملاقات ہُوئی۔ بعض وجوہات سے یوحنا اور اُس کے رفیقوں نے مچھلیاں پکڑنے کا کام پھر اختیار کر لیا تھا۔ علی الصباح یسوع نے آکر گیا دیکھا۔ کہ رات بھر کی بے پھل محنت کے بعد وہ بڑے مایوس اور شکستہ دل سے ہو رہے ہیں۔ اِس پر اس نے حوصلہ دیکر کہا کہ گہرے پانی میں جاکر فلاں جگہ پھر جال ڈالو۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن کا جال مچھلیوں سے پُر ہو گیا۔ اِس اُلٰہی قدرت کے اظہار سے مچھوؤں پر بڑا اثر ہُوا۔ پھر یسوع نے انہیں کہا۔ کہ میرے پیچھے آؤ اور میں تمکو آدمیوں کا مچھوا بناؤں گا۔ اور وہ اپنی کشتی چھوڑ کر فوراً مسیح کے پیچھے ہو لئے۔

اب یوحنا سب کچھ چھوڑ کر مسیح کے ساتھ ہو لیا وہ شب و روز اُسی کے پاس رہتا اور ہر کہیں اس کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ وہ اس کے مدرسہ میں تھا اور بڑا تیز فہم طالب علم تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اُسے ایک اور بلاہٹ آئی۔ یسوع نے اپنے بارہ رسول چُنے اور اُن میں یہ پیارا شاگرد بھی تھا۔ اِس انتخاب اور بلاہٹ سے اسکو مسیح کی اور بھی قربت حاصل ہُوئی۔ اب ہر دم مسیح کے ساتھ ساتھ رہنے سے اس کی سیرت کی تبدیلی اور بھی جلد واقع ہونے لگی۔

یوحنا اور اس کے بھائی یعقوب دونو کو ایک عجیب لقب دیا گیا ہے یسوع نے انکو بوانرگس یعنی ابن رعد کا نام دیا۔ اس نام دینے سے یسوع کی ضرور کوئی خاص مراد ہوگی۔ شاید رعد سے ہمت وکام کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی کہ یوحنا کی روح میں آگ کا سا جوش تھا۔ یوحنا کی تصنیفات سے تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُسکی بابت یہ بات ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ وہ ایسا مرد محبت معلوم ہوتا ہے کہ ہم سمجھ نہیں سکتے۔ کہ کوئی متضاد صفت بھی اس میں ہو سکتی ہے۔ لیکن اِس امر کی شہادت ہمارے پاس ہے کہ ذات سے وہ بڑا جوشیلا تھا۔ لیکن اس جوش پر اسکو قابو حاصل تھا۔ یوحنا کی سیرت کا اندازہ ہم اسکی تصنیفات سے لگاتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ بڑھاپے میں لکھی گئیں جب محبت کے سبق وہ بخوبی سیکھ چکا تھا جوانی میں وہ بڑا تیز مزاج اور جوشیلا تھا۔ یسوع کی زیر تربیت اُس نے اپنے مزاج پر پورا پورا قابو پایا۔ اس تیز مزاجی کی مثال ایک مشہور واقعہ سے ملتی ہے کسی گاؤں کے لوگوں نے خداوند کو قبول کرنے سے انکار کیا اور یوحنا اور اس کے بھائی نے چاہا کہ آسمان سے آگ نازل کروا کر اُن کو تباہ کر ڈالیں لیکن یسوع نے ان کو یاد دلایا کہ میں دنیا میں لوگوں کو تباہ کرنے نہیں بلکہ اُن کے بچانے کو آیا ہُوں۔

ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ اُس کے رسول محبت بننے سے پیشتر خداوند کو کتنی دفعہ اُسے یہ سبق سکھانا پڑا۔ مقدس پولس نے اپنے بڑھاپے میں کہا۔ کہ میں نے یہ سیکھا ہے۔ کہ خواہ کسی حالت میں ہوں۔ اسی میں خوش رہوں۔ یہ واقعہ ہماری تسلی کا موجب ہے کہ وہ ہمیشہ یوں کہنے کے قابل نہ تھا اور کہ اُسکو بھی یہ سبق ایسے ہی سیکھنا پڑا جیسے ہمیں سیکھنا پڑتا ہے۔ اس امر سے بھی ہمکو تسلی

ملتی ہے۔ کہ یوحنا کو بھی محبت و حلیمی کا سبق سیکھنا پڑا۔ اور یہ سبق سہل نہ تھا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یسوع کی دوستی کے وسیلے یوحنا نے یہ شیریں مزاجی اور محبت کرنے والی طبیعت پائی۔ سعدی کے یہ اشعار کیسے معنی خیز ہیں۔ کہ

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم۔
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلاویز تو مستم۔
بگفتا۔ من گلے ناچیز بودم — و لیکن مدتے با گل نشستم۔
جمال ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم!

یوحنا کو یسوع کے ساتھ دلی قربت حاصل تھی۔ اور اس حلیم دل کی محبت نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ اور اس کی صورت بدل دی۔ جو شخص محبت کا یہ سبق سیکھنا چاہے وہ اس راز کو سمجھ لے۔ یسوع میں قایم رہنے سے یسوع بھی ہم میں قایم رہتا ہے۔ اور اس کے ہم میں قایم رہنے سے ہم اس کی صورت پر ڈھلتے جاتے ہیں۔ یسوع کے محبِ خاص ہونے کے باعث یوحنا کو بڑے بڑے مبارک تجربے نصیب ہوئے۔ اس کی صورت بدلنے کا وہ شاہد تھا جب ایک ساعت کے لئے مسیح کا اصلی جلال اُس کے جسم کے جامہ میں سے ظاہر ہُوا۔ اس رویا کو یوحنا کبھی نہ بھولا۔ اس کا اثر اس کے دل پر بڑا گہرا ہُوا۔ جب یسوع نے گتسمنی میں ابتدا اٹھائی تو واں بھی یہ یسوع کے نزدیک تھا اور محبت سے اُسکو تسلی دیتا تھا۔

اِس آخری تجربہ سے اشارہ ملتا ہے کہ یسوع اور یوحنا کی دوستی کس قسم کی تھی۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ یہ دوستی یوحنا کے لئے بڑی برکت اور راحت کا موجب تھی اور اِس سے اُس کی ساری سیرت بدل گئی۔ لیکن یہ دوستی یسوع کے لئے کیا تھی؟ اِس کے لئے بھی یہ ضرور باعث راحت تھی۔ اسکا دل بھی محبت و ہمدردی کا خواہاں تھا۔ گتسمنی کے دُکھ کا سب سے بڑا غم آمیز جزو یسوع کی مایوسی تھا کہ جب وہ محبت کا بھوکا تسلی اور قوت پانے کی امید سے اپنے تین چنے ہُوئے شاگردوں کے پاس آیا اور اُن کو سوتے پایا۔

آخری عشاء کے وقت یوحنا کی تصویر یسوع کی چھاتی پر تکیہ کئے جو ظاہر ہے۔ وہی اکثر ہمارے ذہن میں رہتی ہے۔ یہ جگہ بھروسہ اور اعتبار کی ہے۔ وہی لوگ چھاتی پر سر رکھ سکتے ہیں جنکو باہمی اُنس اور محبت ہو۔ دل کے نزدیک یہ محبت کی جگہ ہے۔ ہاں یہ جگہ سلامتی کی ہے۔ کیونکہ وہ ابدی بازوؤں کی آغوش میں ہے اور اِس پناہ میں اس کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ جس رات یوحنا یسوع کی چھاتی پر تکیہ کئے بیٹھا تھا۔ وہ دنیا میں سب سے تاریک رات گذری ہے۔ تمام غمزدہ ایمانداروں کے لئے تسلی کی جگہ یہی ہے۔ اور اس چھاتی پر ابھی آرام کی جگہ ہے۔ یوحنا یسوع کی چھاتی پر تکیہ کئے تھا۔ ہاں کمزوری زور پر اور ناتوانی قادرِ مطلق کی مدد پر تکیہ کئے تھی۔ ہمیں بھی سیکھنا چاہیئے۔ کہ اپنا سارا بوجھ مسیح پر ڈال دیں اور اُسی پر تکیہ کریں۔ مسیحی ایمان کا یہ استحقاق اور نصیب ہے۔

ایک موقعہ پر تو یوحنا اپنی معمولی فروتنی کو بھول بیٹھا۔ نئی بادشاہت میں سب سے اعلیٰ جگہ پانے کے لئے اس نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر درخواست کی۔ یہ صرف ایک شہادت اس امر کی ہے کہ یوحنا بھی ہمارا سا مزاج رکھتا تھا۔ یسوع کو ان شاگردوں پر ترس سا آیا۔ اور ان کو بڑی حلیمی سے کہا کہ "تم نہیں جانتے کہ کیا مانگتے ہو" پھر اُس نے اُن کو سمجھایا۔ کہ بڑی جگہیں محنت و مشقت اور خدمت و تکلیف اُٹھانے سے ملتی ہیں۔ آخری عمر میں یوحنا نے خداوند کے ان الفاظ کا مفہوم سمجھا۔ اُس نے مسیح کے نزدیک ترین جگہ پائی۔ لیکن کسی دنیوی تخت کے زینہ پر نہیں۔ یہ نزدیکی محبت کی تھی اور اس کے زینہ فروتنی۔ خود فراموشی اور خدمت تھے۔

آخری منظروں میں یوحنا کے ساتھ ٹھہرنے سے یسوع کو بڑی تسلی ہوئی ہوگی۔ اگر وہ اور رسولوں کے ہمراہ باغ سے ایک دم کے لئے بھاگ گیا۔ تو وہ فوراً واپس ہوا۔ کیونکہ وہ خداوند کی آخری عدالت کے وقت اس کے ساتھ تھا۔ اور پھر صلیب پر سے یسوع نے دیکھا کہ اس کے عزیز دوستوں کا ایک گروہ بہ دل شکستہ پیچھے دیکھ رہا ہے اور ان میں یوحنا بھی تھا۔ یسوع نے جب اپنی ماں کو یوحنا کے سپرد کیا اور اسے اسکو اپنے ہاں لے جاتے دیکھا تو اس کے دل سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ دوستی کا یہ ایک اعلیٰ اظہار تھا۔ کہ اس نے اپنے تمام دوستوں میں سے یوحنا کو چنا۔ کہ اِس "عورتوں میں مبارک" خاتون کو پناہ دینے کا مقدس نصیب پائے۔

یسوع اور یوحنا کی اس دلکش دوستی کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہر ایک مسیحی کے لئے اپنی اپنی جگہ کیا کچھ ممکن ہے۔ ہر ایک مسیحی کے لئے مقدس یوحنا بن جانا تو ممکن نہیں۔ لیکن یسوع کے ساتھ خالص گہری محبت رکھنا ہر ایک مسیحی کا استحقاق اور نصیب ہے۔ اور جو کوئی اس دوستی کے زمرہ میں داخل ہوگا وہ اپنے دوست کی صورت پر ڈھلتا جائے گا۔

روحانی زندگی کے اسرار

دوسرا باب

باپ کی دولت

افسیوں کا خط خدا کی نیچر کی دولت سے معمور ہے۔ اس میں اس گیت کی توضیح کی گئی ہے جو صدیاں پیشتر ایک مغنی خوش الحان نے گایا "تو اے خداوند بھلا ہے اور بخشنے والا اور تیری رحمت اُن سب پر جو تجھے پکارتے ہیں وافر ہے۔" رسول کے طریق بیان سے ظاہر ہے۔ کہ اُن بخششوں کا جو خدا نجات کے وارثوں کو دینے پر راضی ہے شمہ بیان کرنے کے لئے بھی انسانی زبان کیسی قاصر ہے۔

نیچر میں ہم خدا کی سخاوت و کشادہ دلی سے سب آگاہ ہیں۔ گل و گلزار۔ نیستان و کوہسا

سے اس کی بے انتہا قدرت کا اندازہ ملتا ہے۔ یہ سب باتیں تو ساری دنیا کے آگے روشن ہیں۔ پر جیسے دولتمند اپنے خاص زر و جواہر صرف عزیزوں اور دوستوں کو ہی دکھاتے اور عام نظر سے اسکو چھپائے رکھتے ہیں ویسے ہی خدا نے بھی اپنے ان بندوں کے لئے جو اسکو پیار کرتے ہیں۔ ایسی ایسی چیزیں تیار رکھی ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھیں۔ نہ کانوں نے سنیں اور نہ انسان کو اُنکا خیال تک آیا۔ خدا کے دل میں معافی۔ رحمت۔ شفقت اور فضل کی ایسی دولت ہے کہ جس کی نسبت آسمانی حلقوں کے بڑے بڑے مقدسوں اور زمین پر کے بڑے بڑے گنہگاروں کو کچھ بھی خبر نہیں۔ گو انہوں نے معافی اور رحمت خود کتنی ہی پائی کیوں نہ ہو۔ بے انتہا اور ابدی کے ماپنے کا ہمارے پاس کوئی معیار نہیں۔ اور خدا بے انتہائی کے حلقہ ہی میں رہتا اور محبت کرتا ہے۔ خدا کے فضل کی دولت سے رسول کا مطلب یہی ہے۔

افسیوں ۱: ۷ — اُس کے فضل کی دولت کے موافق ہم قصوروں کی معافی پاتے ہیں۔ لفظ "قصور" سے مراد وہ غفلتیں۔ گناہ اور بے وقوفیاں ہیں جو اُن بزرگوں کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہیں جو خدا کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ "اے ہمارے باپ"۔ خداوند کی دعا میں جو ان قصوروں سے معافی پانے کی دعا اور روزی روٹی کے لئے درخواست کے مابین لفظ اور آیا ہے۔ اِس سے یہ ظاہر ہے کہ جتنی بار ہم روٹی کے لئے التجا کریں اتنی ہی دفعہ معافی کے لئے دعا بھی کریں۔ اور ہمارا باپ اپنے فضل کی دولت کے موافق ہمکو اسی وقت کلیہ طور پر معافی دیتا ہے۔ وہ تو معاف کرنے کو تیار بیٹھا ہے۔ گمراہ اور ضدی پر جو اُس سے منہ موڑتے ہیں اُسے ترس آتا ہے۔ ان کے گناہوں پر وہ متاسف ہوتا اور متاسف زیادہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اس حالت میں نہیں آنے کے۔ جس میں اس کا معافی بخش فضل اُن کو ملے۔

جیسے سمندر پہاڑیوں سے آٹکراتا ہے۔ جب تک کہ چھید کرکے در نہ آئے اور جب تک اُسکو جگہ مل نہ لے اُسے چین نہیں آتا۔ یُوں ہی خدا کی محبت بے صبری سے ہمارے دلوں کے باہر انتظار کرتی ہے۔ کہ ہم اقرار اور توبہ سے دروازہ کھول دیں۔ پھر خدا معافی بخشتا ہے۔ جزوی یا تنگدلی سے نہیں بلکہ شاہانہ طور پر پوری پوری۔ اُسکی معافی اُس کے لائق ہے۔ اسکے جلالی وجود کی دولت ہاں اُس کے فضل کی دولت کے موافق۔ وہ معافی سے بھی کچھ بڑھ کر دیتا ہے۔ وہ "پھر یاد نہیں کرتا"۔ ہاں اس سے بھی کچھ بڑھ کر۔ وہ خوشی کے گھنٹے بجا کر کہتا ہے "آؤ خوشی کریں"۔ وہ اِس سے بھی کچھ بڑھکر کرتا ہے۔ ہمارے گناہوں کے داغوں پر وہ موتی جڑ دیتا ہے۔ جہاں پہلے گناہ تھا واں اب فضل بکثرت ہوجاتا ہے اور یہ سب اس خون کے وسیلے سے جس سے یہ رحمت کی دولت ہمیں ملتی ہے۔

افسیوں ۱: ۱۸ — خدا اپنے جلال کی دولت کے ساتھ ہم میں رہتا ہے۔ اُس کے مقدس اُسکی میراث اِس طور سے نہیں ہیں کہ ان میں اپنی کچھ خوبی ہے۔ بلکہ ان کی خوبی خدا میں ہے "خدا میری روح کا بخرہ ہے"۔ صداقت کا ایک پہلو ہے۔ لیکن "خدا کا حصہ اس کے لوگ ہیں یعقوب اس

کی پائی ہُوئی میراث ہے"۔ دوسرا پہلو ویسا ہی ضروری ہے۔ ہم خدا کی بنجر کو اپنی ملکیت سمجھ کر اُس پر بود و باش اختیار کرتے۔ اس کی بکثرت فصل پر گذارہ کرتے اور اس کی زرخیز کانوں کو کھودتے ہیں اور خدا ہم پر ایسے قبضہ کرتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی اس جائداد پر قبضہ کرے جو مدتوں سے بنجر اور بے پھل پڑی ہو۔

اور اس اجاڑ اراضی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس دریافت سے کیسی خوشی کی صدا گونجتی ہے کہ اس پر ایک ایسے شخص کا قبضہ ہو گیا ہے جو اس میں کافی دوائی کھاد ڈالنے کی توفیق رکھتا ہے حتیٰ کہ کانٹوں اور جھاڑیوں کی جگہ اناج اور پھول پیدا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ اِن سطور کے ناظرین میں سے کوئی غمزدہ یوں کہتا ہو کہ "اوہ میں ہی وہ بنجر کانٹوں والی زمین ہُوں"۔ اے غمزدہ! سر اوپر کو اُٹھا کر خوشی کر۔ کیونکہ خداوند تجھ میں رہنے کو آیا ہے۔ اور کبھی تجھ کو نہ چھوڑے گا۔ اور وہ تیرے لئے بڑی بڑی باتیں کرے گا۔ جو کچھ وہ حکم کرتا ہے۔ وہ پیدا بھی کر دیگا جو کچھ وہ باہر نکالے گا اس کی جگہ پھر بھی دیگا۔ وہ تجھ کو دولت پر دولت سے مالا مال کریگا وہ اپنے دل میں رہنے کے جلال کی دولت سے تجھکو آگاہ کرے گا۔ اور جب تک کہ تیری زندگی کا نگان محبت اور ستائش میں اُسکو واپس نہ ملے وہ تجھ کو چھوڑنے کا نہیں۔ اس کا ذکر چودھویں باب میں وضاحت کے ساتھ کیا جائیگا۔

افسیوں ۲: ۴-۸ — ہم خدا کی دولت کی یادگار ہیں۔ اُسکے فضل کی بے انتہا دولت کا کیا یہ زبردست ثبوت نہیں کہ جب ہم گناہوں اور خطاؤں میں لعزر کی طرح مُردہ تھے تو وہ ہم سے محبت کرتا تھا۔ کہ اس نے نہ ٹوٹنے والی یگانگت کی زنجیروں سے ہمکو اپنے بیٹے کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور کہ اُسکے جی اُٹھنے اور اُس کی فتح اور اس کے تخت کا ہمکو شریک بنا دیا اور کہ ہم غریب گنہگار خدا کے اندرونی حلقہ میں دخل پائیں۔

لفظ "کثرت" کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں تک ہمارے خیال پہنچ سکیں اُس سے بھی آگے۔ اپنے خیالوں کو جتنا دور چاہو دوڑاؤ پھر بھی کچھ نہ کچھ اس سے ورے رہیگا۔ انکو ستاروں سے بھی اوپر لے جاؤ پھر بھی کچھ نہ کچھ ان سے اوپر رہے گا۔ اُن کو نیچے لے جاؤ پھر بھی کچھ نہ کچھ اس سے بھی نیچے رہے گا۔ خدا کے فضل کی بے انتہا دولت ہیں۔

"آسمان خدا کا جلال بیان کرتے اور فضا اس کی دستکاری دکھاتی ہے"۔ لیکن مقدسوں کے رتبہ اور سیرت کا جلال بمقابلہ اس خواری کے جس میں سے وہ اُٹھائے گئے ہیں الٰہی فضل کی دولت کا ایک بڑا نشان سمجھا جائیگا بہ نسبت اس کے کہ آسمانوں کا جلال اسکی کاریگری کی دولت کا اظہار ہے۔

افسیوں ۳: ۸ — خدا کی دولت سب کے لئے ہے اِس خط کا خاص مقصد اور کلیسیوں کے خط کا بھی یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کی بخشش سب کے لئے عام ہے۔ یہ صرف یہودیوں کے لئے نہیں بلکہ غیر قوموں کیلئے بھی ہے۔ اس کا حکم تھا کہ غیر قوموں میں مسیح کی بے قیاس دولت کی منادی کی جائے۔ یہ کان کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ اِس میں اوپر آسمان کی قیمتی چیزیں اور نیچے زمین

گی - آفتاب کے پھل اور زمین کی معموری اور سمندروں کے موتی اور ریت کے چھپے خزانہ اور یہ سب اُن سب کے لئے ہیں جو اس پر ایمان لائیں -

افسیوں ۳ : ۱۶ — اپنے باپ کی دولت کے موافق ہم زورآور ہو سکتے ہیں - ہم میں سے ایسا کون ہے - جو زورآور ہونا نہیں چاہتا خواہ کام کرنے یا دُکھ اُٹھانے کو کمزور ٹہنی کہتی ہے - کہ میں زورآور ہوتی تو میں پھلوں سے باروَر ہوتی" بچہ کہتا ہے - کہ مجھے زورآور ہو لینے دو تو کام میں ماں کا ہاتھ بٹاؤں" بیمار کہتا ہے - کہ کاش ! میں پھر زورآور ہوؤں باغوں کی سیر کروں اور تاریک گھرانوں میں روشنی پہنچاؤں" - لیکن مسیحی کہتا ہے - کہ میں زورآور ہوؤں تاکہ میں نہ تھکوں اور ہمت نہ ہاروں - مالک کی کشتی کو گہراؤ میں ڈالوں یا اسکی فصل کے سنہلے سِٹے جمع کروں" - کون شخص اس کی خاطر زورآور ہونا نہ چاہے گا - جو تخت پر سے برہ کی صورت میں بولتا ہے -

اُس کے روح کے ہمارے اندر آنے سے خدا کی قوت ہماری ہو جاتی ہے - ناظر ! میں تمہاری منت کرتا ہوں کہ اپنی کمزوری اور بے بسی کے وقت میں حسب ضرورت اس قوت کو اپنے لئے لو لیکن یاد رکھو کہ یہ صرف کمزوری میں کامل ہوتا اور ناتوانوں میں تکمیل پاتا ہے"

ایک کہانی

(مرقومہ مِس گورے)

ایک بڑے بادشاہ کا ذکر ہے - کہ اس نے ایک عجیب اعلان مشتہر کیا - کہ ایک خاص روز مقررہ پر خاص و عام میں سے جو چاہے دربار میں آ کر اُس کی ملاقات کرے اور شاہی توشہ خانہ سے سروپا پائے - گمان غالب تو یہ تھا کہ ساری دنیا ٹوٹ کر شاہ عالی جاہ کی ملاقات کو آئے گی - لیکن اکثر لوگ کسی نہ کسی وجہ سے شاہ کے سلام کو نہ آئے - تاہم کئی لوگ وقت مقررہ پر دربار میں حاضر ہوئے اور ہر ایک کو سروپا ملا -

سب سے پیچھے ایک لڑکا عجب الطرفین لیکن جسم سے لولا لکڑی کے سہارے افتاں و خیزاں آیا - اسکو دیکھتے ہی شاہ جہاں پناہ نے محبت بھری آواز سے اسکو خوش آمدید کہا - اور چھاتی سے لگا کر پاس بٹھایا اور یوں فرمایا -

اے میرے بیٹے ! میں نے سب سے عمدہ اور گراں بہا تحفہ تیرے لئے رکھا ہوا ہے - لے اسے پہن اور اسکو خبرداری سے رکھ - یہ کہکر اُس نے لڑکے کے گلے میں ایک سونے کی زنجیر ڈال دی - ایک چھوٹی سی خوبصورت صلیب اس زنجیر میں آویزاں تھی - اور اس پر یہ ایک لفظ کندہ تھا محبت پھر اس کو بوسہ دیکر رخصت کیا - حیران و شادمان لڑکا گھر واپس ہوا - اس نے ابھی کمرے میں

پانوں ہی رکھا تھا کہ اس کے بھائی جو وہاں جمع تھے بولے "کہو خدا بخش تم اتنی دیر کہاں رہے؟"
"میں شاہ جہاں پناہ کے دربار میں گیا تھا۔ کہ اُن کی موعودہ بخشش پاؤں"
کیسی نادانی! تجھے شاہی دربار میں جانے کی ہمت کیسے آئی؟ دیوانہ تو نہیں ہو گیا۔ دروازہ میں سے دھکیا یا گیا ہوگا۔ اس کی جہالت کو تو ذرا خیال میں لاؤ" اور یہ کہ کر سب بھائی ہنس دئے اور اُسکو ٹھٹھوں میں اُڑانے لگے۔
خدا بخش بالکل خاموش رہا۔ اپنے بھائیوں کی ہنسی ٹھٹھے کا وہ عادی ہو گیا تھا۔ اور گو اُسے بُرا تو لگتا تھا پر وہ صبر سے برداشت کر لیتا تھا۔
شاید اب تم یہ معلوم کرنا چاہو گے کہ لوگوں نے اِن انعام و اکرام سے کیا کام لیا۔ بعض نے تو اپنی بخشش سے ہسپتال بنا دیئے۔ بعض نے گرجا تعمیر کئے۔ بعض نے مشنری کام کے لئے چندہ دیا بعض نے اپنی آسایش اور آرام پر سارا روپیہ لگا دیا۔ اور بعض نے احباب کی خاطر تواضع میں۔
خدا بخش نے ایسی کوئی بات نہ کی اُسکی چھوٹی سی صلیب کُرتے کے نیچے دل کے ساتھ چھپی رہی۔ لیکن روز بروز وہ اُن لوگوں کے ساتھ پایا جاتا تھا جو محبت یا آرام یا دوستی کے حاجتمند تھے۔ تنہا و بے مونس ۔غمزدہ ۔حقیر اور راندہ ۔غریب اور محتاج اس کے عزیز دوست تھے۔ وہ ان کو اپنی صلیب دکھا دکھا کر بتاتا تھا کہ شاہ سلامت کیسے نیک نہاد اور غنی ہیں۔ اور انہوں نے مجھ پر کیسی شفقت فرمائی ہے۔ جتنا زیادہ ان کا ذکر خیر کرتا اتنی ہی ان کی طرف سے اس کے دل میں محبت بڑھتی تھی۔ اور جو کوئی اس کی صلیب دیکھتا اور اُسکے منہ سے شاہ عالی جاہ کی صفات سنتا۔ اُن سے محبت کرنے لگتا اور اُن کے دیدار کا مشتاق ہو جاتا تھا۔ اُدھر اس کے بھائی اس کا ٹھٹھا کرتے اور اُسے دیوانہ بناتے تھے آخر کار یہ کہ کر انہوں نے اسکو گھر سے نکال دیا۔ کہ تو اُن عام لوگوں کی صحبت ہی کے لایق ہے۔ اور ہمارے گھر میں تیرا گذارہ نہیں۔
کچھ عرصہ کے بعد ایسا ہُوا۔ کہ جب خدا بخش بوڑھا ہو گیا تھا کہ بادشاہ نے ایک اور اعلان دیا اُن تمام لوگوں کے نام جو اُس سے محبت رکھتے تھے دعوت دی گئی۔ کہ اُس کے محل میں آکر ایک جلسہ میں فخر شمولیت حاصل کریں۔ جو شخص بادشاہ سے محبت نہیں رکھتا تھا اُسکو آنے کی اجازت نہ تھی اور اگر کسی نے جرأت بھی کی تو دروازہ پر ہی اسکو جھولے کا مرض ہو جائیگا۔ اور وہ آگے بڑھ نہ سکے گا۔
سینکڑوں نے اُس دعوت نامہ کو قبول کیا۔ اور خدا بخش بھی ان میں تھا۔ شاہی دربار میں پہنچتے ہی بیمار چنگے ہو گئے۔ کمزوروں نے توانائی پائی۔ اور ننگوں غریبوں کو عمدہ سے عمدہ پوشاکیں پہنائی گئیں۔
جب شاہ سلامت دربار میں تشریف لائے تو ہر ایک آنکھ اُن ہی پر لگی تھی۔ سیدھے خدا بخش کے پاس جا کر آپ نے فرمایا "شاباش! تو نے اس انعام کا جو میں نے تجھے دیا اچھا استعمال کیا۔ دیکھ! میرے سب مہمان اسی سبب سے یہاں حاضر ہیں۔ وہ میرے محل میں ہمیشہ تک میرے ساتھ رہینگے اور تو میرے ساتھ میرے تخت پر بیٹھے گا اور ان کا بادشاہ ہوگا۔"

ادیب

پہلا باب

سیرت

زندگی میں بہت کچھ کامیابی سیرت اور چال چلن پر موقوف ہے۔
لیکن سیرت کیا ہے اور چال چلن سے ہماری کیا مراد ہے؟ جب ہم کہیں کہ فلاں شخص بدمعاش یا شریف اور بھلا مانس ہے۔ یا یہ کہ اس شخص کا چال چلن پسند نہیں۔ تو ہماری اس سے کیا مراد ہوتی ہے۔ سیرت اور چال چلن سے ہماری مراد انسان کی حقیقی حالت سے ہے۔ اس امر کو نظر انداز کر کے کہ اس کا کام کیسا ہے۔ اسکو کیسی شہرت حاصل ہے۔ اور اس کی نسبت دنیا کی رائے کیا ہے۔ وہ اصل میں کیسا آدمی ہے۔ ہاں خدا کی نظروں میں جس کے آگے سب کے دل کھلے ہیں۔ اور جسے ساری مرادیں معلوم اور جس سے کوئی بھید چھپا نہیں۔ اُسے کیا رتبہ حاصل ہے۔

انگلستان کے ایک مشہور شاعر برنس کا ذکر ہے۔ کہ ایک دن وہ شہر اڈنبرا میں ایک بڑے مہذب اور تربیت یافتہ امیر کے ہمراہ جا رہا تھا۔ کہ اُسے ایک گنوار کسان سیدھا سادھا لباس پہنے ملا۔ اُسے یہ بڑے شوق سے لپک کر ملا۔ اس امیر نے بڑی حیرانی ظاہر کی کہ اس درجہ کا شاعر ایسے گنوار کے ساتھ گفتگو کرنے سے آپ کو نیچ کرتا ہے۔ اس پر شاعر نے کہا۔ ارے بیوقوف یہ لباس۔ ہاں کسان کی ٹوپی یا اس کا جامہ نہ تھا کہ جس سے میں نے گفتگو کی۔ بلکہ مرد اندرونی۔ اس شخص کی کلاہ کہنہ کے تلے ایک ایسا سر اور اس کے پھٹے کپڑوں کے نیچے ایک ایسا دل ہے جو تمہارے جیسے ہزاروں کے دل و دماغ سے بہتر ہے۔ جس چیز کو شاعر نے مرد اندرونی کہا اور جسکو بیبل باطنی انسانیت بتاتی ہے وہ انسان کی سیرت اور اُس کا چال چلن ہے۔ ہاں! جو کچھ انسان سچ مچ ہے۔ سیرت کی نسبت پانچ باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

اوّل۔ سیرت بڑھتی ہے۔ جیسے انسان باہر میں بڑھتا ہے۔ ویسے ہی مرد اندرونی بھی ترقی پاتا ہے۔ دن بدن یا تو خوبصورتی یا بدصورتی میں بڑھتا جاتا ہے۔ کوئی شخص دفعتہً اپنی موجودہ حالت کو خواہ وہ بھلی ہو یا بُری نہیں پہنچ گیا۔ موسم سرما میں سرد ملکوں میں گھروں کے دامن میں برف کی قلمیں بنتی نظر آتی ہیں۔ یہ قطرہ قطرہ بنتی بنتی ایک فٹ لمبی بن جاتی ہے۔ اگر پانی صاف ہو تو برف کی قلم صاف نظر آتی اور سورج میں چمکتی ہے۔ اگر پانی گدلا ہو تو برف گدلی نظر آتی اور اُس کی خوبصورتی بگڑ جاتی ہے۔ ہماری سیرتیں بھی اسی طرح بڑھتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خیال اور عادات اپنی تاثیر کرتے ہیں۔ اگر یہ خیال اور عادات صاف اور درست ہوں تو سیرت بھی پسندیدہ ہو گی اور ہمارا نور دوسروں پر چمکے گا۔ لیکن اگر وہ ناپاک اور بُرے ہوں تو سیرت بدصورت اور مکروہ نظر آئے گی۔

قصص و فسانہ میں آیا ہے۔ کہ کیونکر راتوں رات بڑے بڑے عالیشان محل تعمیر ہو جاتے تھے۔
لیکن یہ فسانہ بمقابلہ اُن تبدیلیوں کے جو انسان میں ہر دم واقع ہوتی رہتی ہیں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا
شب و روز۔ موسم گرما ہو یا سرما۔ ہماری زندگیوں کے بیرونی پردے کے پیچھے ایک عمارت تعمیر ہو رہی
ہے۔ اسکی منزلیں چپ چاپ صورت پکڑ رہی ہیں۔ نیک تاثیر پر ایمان ایزاد ہو رہا ہے۔ ایمان پر علم۔
علم پر برادرانہ شفقت۔ اور برادرانہ شفقت پر محبت و اُلفت۔ یا خود غرضی پر کمینہ پن ظاہر ہو رہی
ہے۔ اور کمینہ پن پر ہوا و حرص اور ناپاکی۔ حسد اور نفرت کے ردّے اُٹھ رہے ہیں۔ ایک بے ڈھنگی
کریہ منظر عمارت ہم میں قایم ہو رہی ہے۔ اور جب ہماری بیرونی زندگی کا پردہ اُٹھا لیا جائے گا۔ تو
ہماری یہ اصلی صورت ظاہر ہو جائے گی۔

دوم۔ سیرت۔ شہرت اور واقعات پر موقوف نہیں۔ دنیا کی نظر میں شاید کوئی شخص
بڑا امیر اور صاحب عزت۔ لیکن بلحاظ اپنی سیرت کے بدبخت۔ یہ حال ہو۔ انجیل میں ایک شخص کا
ذکر ہے جو دنیا کی نظروں میں بڑا عالیجاہ لیکن خدا کے نزدیک بڑا بیوقوف تھا۔ ایسے کسی شخص ہمارے دیکھنے میں آئے
ہیں جنکی لوگ بڑی عزت کرتے ہیں۔ چاروں طرف سے انکی مدح کے آوازوں کی گونج آ رہی ہے۔ لیکن ذرا گھر
تک اُنکے ہمراہ ہو لو تو انکو پرلے درجے کے کمینہ۔ فرومایہ پاؤ گے۔ انکی اصلی اندرونی حالت یہ ہے ہم کسی شخص کا اندازہ
اُسکے مال و اسباب یا ظاہری شکل و صورت سے لگا نہیں سکتے۔

ڈیوک آف ولنگٹن نے ایک دفعہ خوب کہا۔ کہ یہ وردی دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اِسے اُتار لو۔
تو کئی خوش شکل جوان بزدل نکلیں گے۔ حالانکہ یہ وردی پہن کر بزدل بھی بہادروں میں شامل
ہو جاتے ہیں۔ ہمیں وردی اور اصل مرد میں تمیز کرنی چاہئے۔ لیکن اِس میں اکثر غلطی کرتے ہیں
کچھ حد تک تو ہم انسان کی حالت کا اندازہ اس کی ظاہری صورت سے لگا سکتے ہیں۔ سخت ہاتھ
مشقت و محنت کی زندگی کا پتہ دیتے ہیں۔ اور پُرشکن پیشانی سوچ و فکر کا۔ دوسرے لفظوں
میں انسان کی سکونت سے اسکا اندازہ لگانا جائز و مناسب ہے۔ اگر گھر کی باڑیں ٹوٹی ہوں
راستے خس و خاشاک سے پُر ہوں۔ پھولوں کے تختوں میں کانٹے بھرے ہوں تو ہم یقیناً کہ سکتے
ہیں۔ کہ اس گھر کے مکین سُست۔ فضول خرچ اور شاید بدپرہیز بھی ہیں۔ روشن آنکھوں۔
مستقل قدم اور کشادہ پیشانی سے دل کی پاکیزگی کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن ہم اپنے فیصلے میں اکثر
دھوکا کھا سکتے ہیں۔ مثلاً ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص ظاہر میں تو بڑا سرد مزاج اور آئین و رسوم
کا پابند معلوم ہو۔ لیکن اس کا دل بڑا پُر محبت اور جوشیلا ہو۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ظاہر میں تو
ایک شخص بڑا سخت مزاج معلوم ہو۔ لیکن اس کا دل ایسے ایسے محبت بھرے خیالات سے بھرا
ہے۔ جسے وہ ادا نہیں کر سکتا۔ مدتوں تک لوگوں کے ساتھ رہنے سے ہم اُن کی اصلی طبیعت سے
آگاہی پاتے ہیں۔ اور یہ دریافت ہمیں اکثر حیرت میں ڈالتی ہے۔

سوم۔ سیرت ہمیشہ چھپی نہیں رہتی۔ اس دنیا میں اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ ہم اپنے
لئے تو ایک طرح کے لیکن دنیا کو دکھانے کیلئے اور قسم کے اصول رکھ سکتے ہیں۔ اصلیت میں تو وہ

کچھ اور۔ لیکن سوسائٹی میں اور قسم کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیرت تو اُن کی کچھ اور ہوتی ہے۔ لیکن شہرت کچھ اور۔ ہوتے تو وہ پرلے درجہ کے مغرور ہیں۔ لیکن اپنی مغروری کو ایسے طور پر چھپا لیتے۔ کہ فروتن مزاج ہونے کی شہرت پاتے ہیں۔ ہوتے تو جھوٹے ہیں۔ لیکن ہمیشہ سچ بولنے کے لئے مشہور ہیں۔ بدچلن ناپاک ہو کر پاک دامن ہونیکی شہرت پاتے ہیں۔ لیکن ایک نہ ایک دن اُن کی اصلی حالت ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ جس امر کو وہ پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اور چھپ نہیں سکتا۔ جو پردہ لوگ اپنے منہ پر ڈال لیتے ہیں۔ وہ کھسک جاتا اور اصلی چہرہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ (۱) وقت گذرنے سے سیرت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی بزدل شخص فوج میں بھرتی ہو جائے تو وہ اپنے تئیں بڑا بہادر اور زور آور ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن ایک دن ایسا آئے گا۔ جب اس شخص کی اصلی حالت ظاہر ہو جائیگی۔ اور لوگ اس سے ویسا ہی سلوک کرینگے۔ جس کا وہ سزاوار ہے۔ یا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی جوان عرصہ تک دفتر میں بددیانتی کرتا رہے اور اُسکو ظاہر ہونے نہ دے۔ لیکن ایسے وقت ہیں کہ اُسے ذرا بھی اندیشہ نہ ہو۔ اُس کی بددیانتی ظاہر ہو جاتی اور وہ رسوا ہوتا ہے۔ (۲) غم و رنج سے بھی اصلی سیرت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اِس سے بڑھ کر کسی اور طریق سے انسان کی اصلی حالت کا پتہ نہیں لگتا۔ کہ وہ زندگی کے غم و فکر کی برداشت کیسے کرتا ہے۔ امن و امان کے وقت جب جھنڈا اپنے ستون پر بندھا ہوا اور ہوا بالکل چلتی نہ ہو تو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ کہ اس پر کس کا نشان نقش ہے۔ لیکن آندھی سے جب جھنڈا چاروں طرف لہلہائے تو اس کا نقش صاف صاف نظر آتا ہے۔ یوں ہی جب انسان پر غم و رنج کا طوفان چڑھ آئے تو اُس کی سیرت کا اصلی نقش ظاہر ہو جاتا ہے۔

موسم گرما میں سڑک کے کنارے سے اکثر وہ مکان نظر نہیں آتے جو درختوں سے چھپے ہوں۔ لیکن موسم سرما میں جب پتے مرجھا جائیں۔ اور درخت بالکل عریاں رہ جائیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مکان کس قسم کے ہیں۔ آیا وہ عالیشان ایوان ہیں یا سادہ جھونپڑیاں۔ یوں ہی زندگی کے موسم سرما میں پتے گر جاتے تو انسان اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ زندگی کے پردے پیچھے اس میں کس قسم کی سیرت قایم ہو رہی ہے۔ (۳) اگر وقت اور غم و رنج سے انسانی سیرت ظاہر نہ ہو تو ابدیت میں تو ضرور ہو جائیگی۔ اس وقت ہم ویسے ظاہر نہ ہونگے۔ جیسے اب لوگوں کے سامنے نظر آتے ہیں۔ بلکہ اپنی اصلی حالت میں یسوع ہماری عدالت کرنے والا ہوگا۔ غور و فکر کرنا کہ یسوع کی زندگی میں یہ کیسی پر اثر بات تھی کہ اُسکی پرکھنے والی نگاہ انسان کے دل تک ہاں اُس کی پوشیدہ آرزوؤں اور خیالات تک جا پہنچتی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ کہ انسان میں کیا ہے۔ جب وہ ہیکل میں بیٹھا تھا۔ تو ایک غریب عورت اس کے پاس سے گذری۔ اس کے لباس سے ہی ظاہر تھا۔ کہ وہ مفلس اور نادار ہے۔ اس نے چپکے سے اپنی نذر صندوق میں ڈال دی۔ یسوع کی نگاہ اس کی ظاہری صورت سے بھی پرے گئی۔ ہاں اُس کے

چھوٹے سے صدقہ سے بھی گذر کر اس کی سیرت اور نیت تک جا پہنچی۔ "اُس نے ان سب سے زیادہ دیا"۔ ہر قسم کے لوگ اُس کے گرد فراہم تھے۔ فریسی اپنی ظاہری داری میں۔ فقیہہ اپنے شکی خیالات میں۔ سامری اپنی روایتوں میں مغرور۔ لیکن اس کی نظر ظاہری نمائش سے ہمیشہ پرے گئی۔ سامری نیک اور مہربان تھا۔ گو لوگ اُسے خدا پرست سمجھتے نہ تھے۔ منزلی خود غرض اور پست حال تھا۔ گو سب اُسے خدا پرست جان کر اس کی عزت کرتے تھے۔ محصول لینے والا خدا کا فرزند تھا۔ گو کوئی اس سے کلام نہ کرتا تھا۔ یسوع نے اُن لوگوں کے فیصلے کو اُلٹ دیا۔ آخر کار یونہی ہوگا۔ ہماری عدالت ہماری اصلی حالت کے مطابق ہوگی

چہارم۔ صرف سیرت ہی قایم رہیگی۔ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ سب پیچھے چھوڑ جائیگا۔ لیکن جو کچھ انسان خود ہے۔ وہ اُسے اپنے ہمراہ لے جائیگا۔ روایت ہے۔ کہ جب سکندر اعظم بستر مرگ پر پڑا تھا۔ تو اس نے حکم دیا۔ کہ میرے ہاتھ کفن سے باہر رکھے جائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو۔ کہ گو میں دنیا کا فاتح ہوں۔ اپنے ہمراہ کچھ لے جا نہیں سکا۔ صلاح دین اعظم نے اپنا آخری دم چھوڑنے سے پیشتر اپنے پیشرو کو جو تمام لڑائیوں میں اس کے آگے آگے جھنڈا لے جاتا تھا۔ حکم دیا کہ ایک تیرے کے سرے سے میرا کفن باندھ کر یہ اشتہار دے دینا۔ کہ صلاح دین اعظم کی تمام بزرگی و شوکت سے اب یہی باقی رہ گیا ہے۔ یونہی ہر زمانے میں لوگوں نے محسوس کیا ہے۔ کہ موت انہیں عریاں کر دیتی اور وہ اپنی تحصیلات سے کچھ بھی اپنے ہمراہ نہیں لے جا سکتے۔ لیکن جو کچھ ہم خود ہیں وہ اپنے ہمراہ لیتے جائیں گے۔ جو کچھ زمانے نے بھلا یا بُرا ہمیں بنایا ہے ہمارے ہمراہ جائیگا۔ ہم اپنے میں ایسے خزانے جمع کر سکتے ہیں جنہیں نہ زنگ لگتا۔ نہ مورچہ کھاتا اور جنہیں چور رسیدہ دے نہیں سکتے۔ یادداشت کے عالی شان خزانے۔ تربیت یافتہ قوتوں کے گنج۔ قابلیتیں اور پاک و پُر محبت دل ایسے خزانے ہیں۔ کہ جنہیں انسان اس اگلی دنیا میں اپنے میں اور اپنے ہمراہ لے جا سکتا ہے۔

ہم صرف اپنے کاشتکار ہیں۔ اگر ہم اپنے تئیں جمع کریں اور بڑھیں تو خراج دینے کے دن تک ہم اچھا خزانہ جمع کر سکتے ہیں۔

تمام زر و جواہر جو انسان جمع کرے وہ مرتے وقت اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتا۔ لیکن ہر ایک اچھا کام۔ جو اس نے کیا ہو۔ اس کی روح میں جڑ پکڑ لیتا ہے۔ اور اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔

پنجم۔ سب سے اعلٰی سیرت جو انسان حاصل کر سکتا وہ مسیحی سیرت ہے۔ (۱) مسیح ایک عمدہ سیرت کا بخشنے والا ہے۔ یسوع سے ایسے پیوند ہو جانا جیسے شاخ درخت سے پیوند ہوتی۔ ممکن ہے۔ اور جب ہم ایسے پیوند ہو جائیں تو اس کی زندگی ہم میں آجاتی ہے۔ ہماری سیرت میں ایک تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ باطنی انسانیت ہم میں نئی زندگی پاتی۔ پرانی چیزیں گذر جاتی اور سب چیزیں نئی ہو جاتی ہیں۔ مقدس پولس کی زندگی سے ہمیں اس امر کی عمدہ مثال

ملتی ہے۔ کہ کیونکر یسوع پاس آنے سے ہماری سیرتیں بدل جاتی ہیں۔ وہ بالکل مختلف شخص بن گیا۔ اس نے ایک نئی اندرونی زندگی پالی۔ اس کی تمام سیرت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ جو زندگی وہ جسم میں جیتا تھا۔ وہ ابن اللہ میں ایمان کی زندگی بن گئی۔ اور اس کا تجربہ بہتوں کا تجربہ رہا ہے۔ سب سے اعلیٰ اور شریف سیرت کا منبع یسوع ہے (۲) یسوع ایک شریف زندگی کا ہدف اور مطمح بھی ہے۔ انسانیت کا سچا نمونہ اس میں پایا جاتا ہے۔

ذیل کی مثال پر غور کرو۔ ہندوستان میں ہندوستانی روپے۔ انگلستان میں انگریزی اور امریکہ میں واں کے روپے سے ہم سفر کرتے ہیں۔ جس ملک میں ہم جائیں۔ ہم واں کے روپے کا اندازہ مختلف پاتے ہیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں کوئی کھوٹا یا ہلکا روپیہ ملے۔ لیکن روپے کا معیار تو وہی ہے۔ مسیحی کا ہدف تمام عمر اور تمام جگہوں میں ایک ہی ہے۔ ہاں! یسوع کی زندگی کا مستقل پائدار ہدف۔ سب سے بہتر شخص وہی ہیں۔ جو اسکے نزدیک ترین ہیں اور جو اس کے نزدیک ترین آتے ہیں۔ ہم وہی ہیں جو زندگی کے عملی کاروبار کو خوب سر انجام دیتے ہیں۔

یہ زیور اچھے ہیں۔

(از تہذیب نسواں)

ایک لڑکی نے یہ پوچھا اپنی اماں جان سے   آپ زیور کی کریں تعریف مجھ انجان سے۔
کون سے زیور ہیں اچھے یہ جتا دیجے مجھے   اور جو بے زیب ہیں وہ بھی بتا دیجے مجھے۔
تاکہ اچھے اور بُرے میں مجھ کو بھی ہو امتیاز   اور مجھ پر آپ کی برکت سے کھل جائے یہ راز۔
یوں کہا اماں نے لڑکی سے کہ اے بیٹی میری   گوش دل سے بات سن لو زیوروں کی تم ذری
جو کہ زیور سب میں اچھے ہیں بتا دوں گی وہی   جو بُرے زیور ہیں میں ان کی بتادوں گی بدی
سیم و زر کے زیوروں کو لوگ کہتے ہیں بھلا   پر نہ میری جان ہونا تم کبھی ان پر فدا۔
سونے چاندی کی چمک بس دیکھنے کی بات ہے   چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے
تمکو لازم ہے کرو مرغوب ایسے زیورات   دین و دنیا کی بھلائی جس سے ایجاں آئے ہات
سر پہ جھومر عقل کا رکھنا تم اے بیٹی مدام۔   چلتے ہیں جسکے ذریعے سے ہی سب انساں کے کام
بالیاں ہوں کان میں ایجان گوش ہوش کی   اور نصیحت لاکھ تیرے جھمکوں میں ہووے بھری
اور آویزے نصائح ہوں۔ کہ دل آویز ہوں۔   اگر کرے ان پر عمل تیرے نصیبے تیز ہوں۔
کان کے پتے دیا کرتے ہیں کانوں کو عذاب   کان میں رکھو نصیحت دیں جو اوراق کتاب۔
کہہ کیا آئیں گے گر تیرے گلے میں نقش ہوں۔   خوبیاں علم و ہنر کی دل پہ تیرے نقش ہوں۔
اور زیور گر گلے کے کچھ تجھے درکار ہوں۔   نیکیاں پیاری میری تیرے گلے کا ہار ہوں۔

قوت بازو کا حاصل تجھکو بازو بند ہو۔ کامیابی سے سدا تو خرّم و خورسند ہو۔
ہیں جو کچھ بازو کے زیور سمجھے سب بیکار ہیں ہمنیں بازو کی اَے بیٹی تمہیں درکار ہیں۔
ہاتھ کے زیور سے پیاری دستکاری خوب ہے دستکاری وہ ہنر ہے سب کو جو مرغوب ہے
دستکاری ہے وہ زیور جو نہ کھویا جائے گا۔ وقت مشکل بھی مری جاں کام یہ آجائے گا۔
کیا کروگی اے میری جاں زیور خلخال کو پھینک دینا چاہئے بیٹی بس اس جنجال کو۔
سب سے اچھا پاؤں کا زیور میری بیٹی ہے یہ۔ تم رہو ثابت قدم ہر وقت راہ نیک پہ
سیم و زر کا پاؤں میں زیور نہ ہو تو ڈر نہیں۔ راستی سے پاؤں پھسلے گر نہ میری جاں کہیں

اپنی اماں کی یہ باتیں سُن کے لڑکی خوش ہوئی
پاس ایڈیٹر کے یہ اس نے نظم لکھ کر بھیجدی

مسیح کے طریق پر انجیل
کی
منادی

جب مسٹر ما ہیر کلکتہ میں تھے۔ تو آپ نے مسیحی مذہب کی اشاعت کے لئے مسیح کے طریق کو پیش کیا اور فرمایا کہ اگر میں ایک جوان مشنری ہوتا تو حتی المقدور

"بارہ رسولوں کو تیار کرتا۔ اپنی روح ان میں پھونک دیتا اُن کے ساتھ بود و باش کرتا اور اُن کے ساتھ مل کر خدمت کرتا اور پھر انہیں اِدھر اُدھر روانہ کر دیتا۔"

اِس کام کے لئے پورے تقدس۔ وسیع ایمان۔ بڑی حکمت۔ صحیح امتیاز اور پختہ تجربہ کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر ان صفات کا مجموعہ دستیاب ہو سکے اور بارہ کارندے اس طور پر تیار کئے جائیں تو انجیل کی مبارک خدمت نہایت مؤثر ہوگی۔ وسطی زمانوں میں مشنوں کا یہی طریق تھا۔ یعنی بارہ اشخاص مل کر ایک خاص علاقہ میں منادی کے لئے جمع ہو جاتے اور ایک کو اپنا سرگروہ مقرر کر لیتے تھے۔ پھر کسی دور کے علاقہ میں جاکر اُس کے زیر حکم مختلف حلقوں میں نکل جاتے تھے۔ اِس طور پر سارے علاقہ کا محاصرہ کر لیتے اور گاہ بگاہ صلاح مشورہ اور کام کے حالات ایک دوسرے کو سنانے کی خاطر جمع ہو جایا کرتے تھے۔

تازہ خبریں

* پچیس لاکھ کوئی تھوڑی تعداد نہیں اور اب کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ہندوستان میں مسیحی مشن ناکام رہا ہے۔ غیر مسیحیوں کی تعداد کے مقابلہ میں شاید پچیس لاکھ سمندر میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ایک آدھ صدی گذرنے دو اور دیکھنا کہ یہ قطرہ کتنا بڑھ جاتا ہے۔ لوگوں کے یوں مسیحی ہونے میں ہم مشیت ایزدی کی قدرت کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔ جن لوگوں کو انسانی غرور نے صد درجہ کا نیچ اور حقیر ٹھہرایا تھا۔ وہ اب اپنی انسانی حالت کی سطح تک اٹھ رہے ہیں۔ اِس سے ایک دن یہ صداقت ثابت ہوگی کہ خدا کی بادشاہت میں پچھلے پہلے ہوں گے۔ انسان کا سب سے بڑا مقصود یہی ہے۔ کہ خدا سے میل کرے۔ آہستہ آہستہ مگر یقینی طور پر گری ہوئی انسانیت خدا سے میل پا رہی ہے۔ اور یہ لوگوں کے مسیحی ہونے سے صاف ظاہر ہے۔ کوئی انسانی ہاتھ الٰہی مرضی کو روک نہیں سکتا۔ اگر خود غرضی سے ہم اپنے کسی بھائی سے اُسکو اپنے برابر کا درجہ دیکر میل نہ رکھیں تو یاد رکھو کہ عجیب طور پر وہ ہم سے بدرجہا افضل ٹھہرے گا۔" ہم آماہ حال کو لارڈ ڈفرن ۷۶ برس کی عمر میں اس دارناپائدار سے چل دیئے۔ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۶ء تک نائب وزیر ہند اور پھر نائب وزیر جنگ رہے۔ ۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۸ء تک گورنر جنرل کینیڈا۔ پھر سینٹ پیٹرزبرگ۔ قسطنطنیہ اور پیرس میں سفیر انگلشیہ۔ ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۸ء تک گورنر جنرل ہند۔ پھر روم اور پیرس میں سفیر انگلشیہ۔ آپ اعلیٰ درجہ کے عالم اور مصنف اور مدبر سلطنت تھے۔ آخری دنوں میں بہت غم و رنج دیکھنا پڑا۔ جنوبی افریقہ کے جنگ میں آپ کا ایک ہی بیٹا مارا گیا۔ اور مالی طور پر آپ کو بہت خسارہ ہوا۔ میکسیکو میں ایک عالی شان گرجا ہے۔ یہاں پہلے ایک مندر تھا۔ جہاں ہر سال بارہ ہزار انسان قربانی چڑھائے جاتے تھے۔ چرچ مشنری گلینر کا ایک نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ سی ایم ایس کو اس سال کے خرچ کیلئے ۱۲۰۰۰۰۰ روپیہ درکار ہے۔ اور ہمارے مسیحی انگلستان نے سال گذشتہ میں ۲۴۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ منشیات میں خرچ کیا ۲۴۰۰۰۰۰۰۰/۲۰ = ۱۲۰۰۰۰۰۰۔ اِس رقم کے ۱/۲۰ سے مشنری سوسائٹی کا کام چل سکتا ہے۔ بہت سال گذرے کہ ملک امریکہ کے ایک ضلع میں ایک عجیب طبعی واقعہ ہوا۔ وہاں ہوا میں کوئی ایسی غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی۔ کہ یکایک آسمان تاریک ہوگیا۔ اُس وقت وہاں کی مجلس واضع قوانین کا اجلاس ہو رہا تھا۔ بعض ممبران نے سمجھا کہ بس قیامت کا دن آپہنچا۔ چاروں طرف شور مچ گیا۔ کہ قیامت آگئی چلو اپنے اپنے مکان پر چل کر تیار ہوں۔ ممبروں میں ایک بزرگ خادم الدین بھی موجود تھا۔ اُس نے کھڑے ہوکر کہا۔ کہ بھائیو ممکن ہے کہ یہ قیامت ہی ہو۔ اور شاید خداوند آجائے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ جب وہ آئے تو مجھے اپنے فرایض ادا کرتا پائے۔ میری تجویز ہے کہ چراغ جلا کر اپنا کام کرتے جائیں۔ ہر ایک مسیحی بیشک کچھ نہ کچھ پھل لاتا ہے۔ مگر وہی کثرت سے میوہ لاتے ہیں۔ جو نہ فقط گاہ بگاہ بلکہ ہمیشہ مسیح میں رہتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ مسیح تیس گنا سے کم پھل کا ذکر نہیں کرتا۔ (متی ۱۳: ۱۸) جو ہتھیار ایک ہی شخص کے استعمال کے لئے بنا ہے۔ اگر اُسکو دو شخص پکڑے رکھیں۔ تو ایک بھی اُسکو بخوبی کام میں نہیں لا سکتا۔ لیکن اگر ایک چھوڑ دے تو دوسرا اسکو حسب مرضی استعمال کر سکتا ہے اِسی طرح اگر کوئی مسیحی سراسر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ تو وہ اسکو اپنی مرضی کے مطابق کام میں لا سکتا ہے لیکن اگر وہ کچھ اپنے تئیں اپنے ہاتھ میں پکڑے رہتا ہے۔ تو اُسکی خدمت ایسی مقبول نہیں ہو سکتی جس پر خدا کثرت سے

بہت دیتا ہے۔ چونکہ کاغذ کی تقطیع بڑھانے سے قیمت ڈیڑھ روپیہ سے دو روپیہ کی گئی ہے۔ اور جن اصحاب نے نئے اشتہار قیمت کے ملاحظہ کرنے سے پیشتر ڈیڑھ روپیہ ہی بھیجا ہے۔ امید ہے وہ باقی ۸ ر بھی ارسال فرمائیں گے۔ مینیجر کی درخواست ہے کہ اگر کسی صاحب کا نام یا پتہ ٹھیک ٹھیک تحریر نہ کیا جاتا ہو تو مہربانی سے اطلاع دیں۔ تبدیل مقام کی اطلاع دینی بھی ضرور ہے۔ جالندھر ایم بی سکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر بیمن جو دہلی کو ایک انگریز کی جگہ تبدیل ہوئے افواہ ہے۔ کہ مسٹر کارن کی جگہ امرتسر ایم بی کالج کے پرنسپل مقرر ہوں گے۔ اور پانسو ماہوار پائیں گے۔ یہ سرکاری ملازمت ہی ہو نہ کہ ایسی عزت اور ذمہ واری کی جگہ جو مشن میں ۲۵ سال کی خدمت کے بعد نالائق کا فتویٰ ہی ملتا ہے۔ غالباً ۳۱ مارچ کو لاہور مہاں سنگھ باغ میں ایک مسیحی میلہ فراہم ہوگا۔ مسیحی خاتونیں سودا بیچیں گی کھیل تماشے بھی ہونگے۔ مسیحیوں کو میل جول کا اچھا موقعہ ہے۔ مفصل کیفیت کیلئے مسٹر ایس ایل دیا رام بی اے مہاں سنگھ باغ لاہور سے خط و کتابت کرنی چاہئے۔ سال گذشتہ اس میلہ کو بڑی کامیابی ہوئی جس کے لئے مسٹر موصوف بڑی تعریف کے مستحق ہیں۔ پروفیسر ولنگر ایم اے ایل ایل بی بمبئی سی ایم ایس سکول کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ آپ ولسن کالج میں پروفیسر تھے۔ لیکن کچھ ان بن ہو گئی۔ اور آپنے استعفا دے دیا۔ اور اپنا ایک مدرسہ کھول لیا جس میں بڑی کامیابی ہوئی۔ آپ بمبئی انڈین کرسچن ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ اور جسٹس آو دی پیس بھی ہیں۔ منشی غلام قادر سابق مینیجر مسیحی پریس لاہور رفاہ عام پریس لاہور کے مینیجر مقرر ہوئے رفاہ عام کی یہ خوش قسمتی ہے۔ کہ اس کو ایک مسیحی اور تجربہ کار مینیجر ملا۔

انگلستان کی خالصہ پریونین کی سنٹرل سکریٹری ایک ... کے خط میں لکھتی ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپکو یہ سن کر افسوس ہوگا۔ کہ خالصہ پریونین ٹوٹ گئی ہے۔ لیکن میری دانست میں وہ خدا کے نزدیک ...

ویسٹ ... امتحان طبابت میں کامیاب ہوئے۔

رسید زر

چندہ جو یکم جنوری ۱۹۰۲ء سے اخیر فروری ۱۹۰۲ء تک وصول ہوا۔

(۱) پادری ڈبلیو ایف کوب	۱۹۰۱ء	۰-۸-۱
(۲) " احسان اللہ	"	۰-۸-۱
(۳) " غلام مسیح	"	۰-۸-۱
(۴) " احمد شاہ	"	۰-۰-۳
(۵) بابو آئی الیاس	"	۰-۱۲-۰
(۶) بابو جی تامس	"	۰-۱۲-۰
(۷) رائے میا داس	۱۹۰۰-۱۹۰۱-۱۹۰۲	۰-۰-۵
(۸) " " علیہ		۰-۰-۵
(۹) پادری ڈی ایل پیٹل	۱۹۰۲ء	۰-۸-۱
(۱۰) " ودھاوا مل	"	۰-۸-۱
(۱۱) بابو مولاداد	"	۰-۸-۱
(۱۲) بابو برکت مسیح	"	۰-۸-۱
(۱۳) بابو محمد حسین	"	۰-۸-۱
(۱۴) مسٹر جے سی لاس	"	۰-۰-۱۰
(۱۵) پادری حاکم سنگھ	"	۰-۸-۱
(۱۶) " تامس ہاول	"	۰-۸-۱
(۱۷) " جے علاء الدین	"	۰-۸-۱
(۱۸) مسٹر اے کے مکرجی	"	۰-۰-۲
(۱۹) ڈاکٹر اے جے نذیر اللہ	"	۰-۸-۱
(۲۰) مسٹر بی اے شرف برائے ریڈنگ روم		۰-۸-۱
(۲۱) قاضی خیر اللہ	۱۹۰۲	۰-۸-۱
(۲۲) مس ڈکسن	"	۰-۸-۱
(۲۳) پادری جے کرنلس	۱۹۰۱	۰-۸-۱
(۲۴) منشی کریم بخش		۰-۸-۱

۰-۸-۴۲

جلد ۵ نمبر ۳ — **مسیحی** — مارچ ۱۹۰۲ء

مسیحی

ہندوستانی کلیسیا کا یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ دیسی کلیسیا کی دینی اور سوشیل حالت پر آزادانہ بحث کرنیکے علاوہ اِس میں انگلستان اور امریکہ کے مستند اور علامۂ دہر مصنفوں کی تصنیفات کے ترجمے دیئے جاتے ہیں۔ فی الحال مائر صاحب کی دو کتابیں حیات داؤد اور افسیوں کے خط کا مطالعہ۔ مر صاحب کی مسیح کے شخصی دوست اور ایک اَور مصنف کا رسالہ ادیب اور مراقبات سلسلہ وار شایع ہو رہے ہیں۔ اِسکے مقاصد مختصراً مفصلہ ذیل ہیں:-

مقاصد

۱- مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کرنا + ۲:- کتاب مقدس کی تلاوت اور دُعا کے لئے تحریک + ۳:- مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کر کے مسیحی یگانگت کو قایم کرنا اور پھیلانا + ۴:- نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا + ۵:- جہاں تک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا ظاہر کرنا +

قیمت دو روپیہ سالیانہ محصولڈاک معاف۔ جملہ خط و کتابت اِس پتہ پر ہونی چاہیئے۔
مسٹر ایم ایل رلیا رام بی اے ایل ایل بی وکیل امرتسر

فہرست مضامین مارچ ۱۹۰۲ء

مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پرنٹنگ پریس لاہور

[illegible]

تازہ خبریں

[illegible]

[illegible] مسٹر پونا یا پالی ایم اے پروفیسر امرت سر مشن کالج یکم اپریل سے مستعفی ہوئے۔ مسٹر ایڈورڈز نے کالج کی جماعتیں لے لی گئیں ان کی جگہ پادری میکویلیوٹ ولایت والوں نے انجیل کی تعلیم دینے کو بھیجا ہے تو ارتیخ کا مضمون پڑھائیں گے۔ بابو باز دیو سنگھ جنہوں نے بڑی دیانتداری سے ۳۵ سال خدمت کی عالم پیری میں برطرف کئے گئے۔ اچھی قدردانی ہوئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب (خدمت ۴۱ سال) اور مدرس فارسی (خدمت قریب ۴۰ سال) اور ہیڈ ماسٹر لوئر پرائمری (خدمت قریب ۳۰ سال) بھی ایسی ہی قدردانی کے مستحق ہیں۔ اخبار تحفہ سرحد بنوں میں رجس کے مالک ڈاکٹر ٹی ایل پینل ایک انگریز مشنری ہیں) ایک مظلوم" استفسار کرتا ہے کہ کسی مشن میں انصاف ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اگر ہوتا ہے تو کس مشن میں؟ جواب ڈاکٹر پینل کی خدمت میں بھیجنا چاہئے۔ مس اے ایف رائٹ اور مس کے سی رائیٹ کے اکثر احباب کو سن کر افسوس ہوگا کہ ان کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ آپ سی ای ذیڈ ایم ایس کی وایس پریذیڈنٹ تھیں اور ممالک غیر کے مشنوں میں بڑی دلچسپی لیتی تھیں۔ آگرہ سی ایم ایس گرلس سکول کا بنیادی پتھر لیڈی لاٹوش نے رکھا۔ مس رائٹ اس سکول کی پرنسپل ہیں۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی کے نئے اسسٹنٹ سکرٹری مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ ایل چرچ لاہور میں پہنچے۔ علیگڈھ میں اسوقت مسز لاسن کی زیر نگرانی ۱۲۰۰ یتیم لڑکے لڑکیاں اور بیوائیں ہیں۔ انکا خرچ پانچ ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ کلکتہ میں مسز ایڈالی کے زیر اہتمام دوسو سے کچھ اوپر لڑکیاں اور بیوائیں ہیں۔ عمارات وغیرہ کے علاوہ ان کا خرچ تین ہزار روپیہ ماہواری ہے۔ بمقام ڈھونڈ مسٹر اور مسز نارٹن کے یتیم خانہ میں ۴۰۰ لڑکے ہیں۔ جن کا ماہوار خرچ دو ہزار روپیہ ہے۔ کھدگاؤں (متصل پونا) میں دو ہزار بیوائیں پنڈتہ رامابائی کی زیر نگرانی ہیں۔ ان کا ماہوار خرچ بارہ ہزار روپیہ ہے۔ یوں چار جگہوں میں چار ہزار یتیم اور بیوائیں تین لاکھ روپیہ سالانہ خرچ سے پرورش پاتے ہیں۔ بنارس کے سنٹرل ہندو کالج میگزین نے ۲۳ ایسے خریداروں کے نام شایع کئے ہیں جنہوں نے رسالہ مذکور بذریعہ ویلیو پے ایبل پوسٹ لینے سے یا یوں کہو کہ قیمت دینے سے انکار کیا۔ مسیحی کے بھی چند ایسے خریدار ہیں کہ رسالہ اگر ذرا بھی دیر میں نکلے تو دوہائی مچا دیتے ہیں لیکن اگر قیمت کا بل بھیجو تو انکا پتہ نہیں ملتا۔ انگلستان میں سات ہزار کیوریٹ ایسے ہیں جنکی آمدنی ۱۲۲ روپیہ ماہوار سے کم ہے۔ ہندوستان کے نئے ڈائرکٹر جنرل تعلیم کو انگلستان میں ۱۸۷ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی اب اٹھارہ سو ماہوار ملے گی۔ جنگ جنوبی افریقہ کے سبب مکتی فوج کی آمدنی میں پچھلے دو سال میں ۱۵۰۰۰ روپیہ کی کمی رہی۔ جنگ جنوبی افریقہ شروع ہونے سے پہلے جرمن ہرمنس برگ اور برلن سوسائٹی کے متعلق ٹرانسوال میں ۲۷ مشن اور پچاس ہزار کی دیسی مسیحی جماعت تھی۔ لنڈن مشنری سوسائٹی کی آمدن میں بھی ۸۲۵۰۰ روپیہ کی اس سال کمی رہی۔ پادری آئی ڈی شہباد لکھتے ہیں۔ میں مسیحی کو قدرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اسکی ترقی کا خواہاں ہوں۔" مسٹر ڈیوڈ کشن چند۔ بڑی دلی شکر گذاری سے میں اعتراف کرتا ہوں کہ تھوڑے ہیں میں نے مسیحی کو اپنا رفیق اور بڑا مددگار اور مفید پایا۔

نوٹ اور رائیں

مشنری سوسائیٹیوں کا باہمی اتحاد - چرچوں کا اتحاد گو بظاہر ضروری اور آسان معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس میں بعض ایسی مشکلات ہیں۔ جنکو کما حقہ یوروپ اور امریکہ کی کلیسیائیں ہی سمجھ سکتی ہیں۔ جہاں تک ہمکو تجربہ ہے ہمارے ہندوستانی بھائیوں کا چرچ وہی ہے جہاں روٹی کا ٹکڑا میسر ہو۔ چرچ آف انگلینڈ والے کا تنخواہ ملتی رہی تو پورا چرچ مین ہے اور جب جواب مل گیا تو نماز کی کتاب اور بشپوں کو صلواتیں سنانی شروع کردیں۔ مگر جن ممالک میں ان چرچوں کا آغاز ہوا وہیں کے لوگ جانتے ہیں کہ ان موجودہ فرقوں کے قایم ہونے میں کس قدر معرکے اور جھگڑے ہو چکے ہیں۔ البتہ بعض چرچ ایسے ہیں کہ جن کے اصول قریب قریب یکساں ہیں فقط منتظم سوسائٹی میں فرق ہے۔ ایسے چرچوں کا مل جانا قرین قیاس ہے۔ مگر دور کے دو چرچوں کو اتحاد کے بندھن میں پیوستہ کرنا چنداں آسان بات نہیں تو بھی ممکن ہے کہ ایسے فرقے آپس میں صلح صفائی اور اتفاق سے مل کر کام کریں۔ باوجود اس اتحاد کے ایک عملی مشکل رونما ہوتی ہے کہ نو مریدوں کو کس چرچ میں تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت کرنی چاہیے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ نو مریدوں کو بپتسمہ کے بعد ہی کلیسیا آپ قایم کرنے کی اجازت دی جائے۔ کلیسیاؤں کے تجربہ کار مدبر کہا کرتے ہیں کہ ہندوستانی کلیسیا کو یوروپ اور امریکہ کے چرچوں میں سے کسی کا ہو بہو نقش نہیں ہونا چاہیے بلکہ بلحاظ ملکی حالات کے اسکو روح القدس کی ہدایت سے اپنا رخ آپ اختیار کرنے دینا چاہیے۔ اس اصول سے امید کی جاتی ہے کہ عالمگیر مسیحی برادری قایم ہو جائے گی۔ مگر کیا یہ ناممکن ہے کہ مسیحی اصول ایک ہی ہوں اور انتظام میں اختلاف ہو۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ باوجود خفیف اختلافات کے اتحاد ممکن ہے۔ اور لاہور کے سابق پادری گرے صاحب ایک نادر مضمون میں رائے زن ہیں۔ کہ جب تک مختلف کلیسیائیں باوجود اختلافات کے باہمی اتحاد اور اتفاق کو مدنظر رکھتی ہیں تو جس قدر کوئی کلیسیا اپنے اندرونی معاملات (مثلاً نو مریدوں کا ایک دوسرے اور مشنریوں سے ساتھ تعلق) کا احسن طور پر انتظام کرے گی تو اتنی قدر وہ عام اتحاد کی طرف قدم بڑھائیگی۔ .... شاید کوئی سوسائٹی بھی کامل نہیں ہے مگر جو مشنری اس سوسائٹی کے متعلق کام شروع کرتا ہے جس کے ساتھ اسکو سب سے زیادہ اتفاق ہے اور جو وفاداری سے اسکے انتظام کے تابع رہتا ہے اور ساتھ ہی اور سوسائٹیوں کے شرکاء کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتا ہے ایسا شخص حقیقی آزادی اور اتحاد کے قایم کرنے میں سب سے زیادہ مددگار ہوگا۔

الوداعی ایڈریس - ایک معزز دیسی مسیحی صاحب رقمطراز ہیں کہ بعض باتیں جو روحانی ترقی کے سدِ راہ ہیں ان پر آپ کی رائے لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لہذا باادب التماس ہے کہ آپ ان الوداعی ایڈریسوں کی نسبت جو مشنری صاحبان کے پیش کئے جاتے ہیں اپنے خیال سے مطلع فرمائیں۔ جس شخص کا دل خود گواہی دیتا ہے کہ میں نے اس کام کو پورا کیا ہے جسکو خدا نے مجھے دیا تھا وہ کسی ایسے سرٹیفکیٹ کا محتاج

نہیں جو گن گن کر اس کی خوبیوں کو روشن کرے۔ تعجب نہیں کہ جن مشنری صاحبان نے دن بھر کی دھوپ اور گرمی برداشت کی ہے وہ اپنے کارناموں کی فہرست کو سننا پسند کرتے ہوں گے اور شاید ہم دیسیوں کی دل آزاری کے خیال سے ہمارے ایسے ایڈریس کی مخالفت کرنا خلاف تہذیب سمجھتے ہوں۔ میں ایسے موقعوں کے لئے ایک تجویز پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں جو ہر چند نرالی معلوم ہوگی مگر رسولوں کے زمانہ میں مروج تھی۔ رسول پولس جب افسس کے بزرگوں سے جدا ہونے کو تھا تو اس نے ایک نہایت مؤثر نصیحت اپنے روحانی فرزندوں کو کی۔ کیا مشنری صاحبان بھی ہمارے بزرگ نہیں جنکے وسیلے ہم نے مسیح کی پہچان حاصل کی۔ اگر وہ اپنے الوداعی جلسوں میں بجائے ایڈریس قبول کرنے کے چند کلمات نصیحت آمیز اپنے روحانی بچوں کو سنایا کریں تو زیادہ مفید ہوگا۔ میں جدائی کے رنج کے اظہار کا مخالف نہیں۔ افسس کے بزرگ پولس رسول کے الوداعی جلسہ پر روتے تھے۔ میرا مدعا یہ ہے کہ ایسے وقت پر ایسے ایڈریس پیش کرنا جن میں مشنری صاحبان کی خوبیاں گن گن کر سنائی جاتی ہیں خواہ وہ کیسی ہی بے مبالغہ کیوں نہ ہوں کیا اس مزاج کے مطابق نہیں جو جسمانی ہے"۔ بدقسمتی سے ہمیں ایسے ایڈریس سننے کا اتفاق بھی ہوا ہے جو توصیفی اور خوشامدانہ الفاظ کا مجموعہ تھے۔ فی الحقیقت ایسے ایڈریس قابلِ اعتراض اور ترک کرنے کے لایق ہیں۔ ایک بات ہم اکثر بھول جاتے ہیں کہ مشنری صاحبان بھی آخر انسان ہی ہیں۔ اور ہر انسان میں اپنی تعریف کے کلمات سننے کا کم وبیش شوق طبعی ہے۔ اگر الوداعی جلسوں میں کلیسیا کے شرکا اُس فیض کے لئے جو مشنری صاحبان کی ذات سے حاصل ہُوا ہے شکر گذاری مناسب الفاظ میں ادا کریں تو عیب کی بات نہیں۔ کیونکہ موجودہ شکر گذاری کا اظہار آیندہ مہربانیوں کا انتظار ہے۔ بہرصورت خواہ اس قسم کے ایڈریس پیش کئے جائیں یا نہ کئے جائیں یہ نہایت عمدہ تجویز ہے کہ مشنری صاحبان اس جدائی کے موقعہ کو مؤثر نصائح سنانے کے کام میں لائیں۔

دینی خدمت کا سوال ہم نے ماہ گذشتہ میں دیسی مسیحیوں کی طرف ایک کھلی چٹھی کا مختصر ذکر کیا تھا جس میں راقم نے افسوس ظاہر کیا تھا کہ دیسی مسیحیوں کی اولاد دینی خدمت اختیار نہیں کرتی بلکہ دنیوی عزت کی طرف زیادہ راغب ہے۔ اس پر مدراسی ہمعصر کے ایک نامہ نگار نے یوں رائے زنی کی ہے کہ میں نے تمام گذشتہ اور موجودہ مشہور ہندوستانی خادمان دین کے ایسے لڑکوں کی فہرست تیار کرنے کی کوشش کی ہے جو خداوند کی خدمت میں شریک ہوئے ہیں۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اُن کی تعداد صفر ہے۔ سب لایق لڑکے سرکاری یا اَور قسم کی نوکری کر رہے ہیں۔ بعض نکتہ چین اس پر غم کرینگے مگر میرے لئے خوشی کا موجب ہے۔ ہندوستانی کلیسیا کو دینی خدمت میں داخل ہونے کے لئے جلدبازی کرنا نہیں چاہیئے۔ کلیسیا ہنوز کمزور ہے اور ترقی اور طاقت کی محتاج ہے۔ مغربی کلیسیا کو پندرہ صدیوں کے بعد غیر مسیحیوں کے پاس مشنری بھیجنے کا خیال آیا۔ کیا انیسویں صدی مشنوں کی صدی نہیں کہلاتی؟ اور اِس صدی کے بھی آخری حصہ میں مشنریوں کی تعداد میں ترقی ہوئی ہے۔ ہندوستانی کلیسیا کو چاہیئے کہ دوڑنے سے پیشتر چلنا اور چلنے سے پیشتر جم کر بیٹھنا سیکھے ہمیں چاہیے کہ اپنی کلیسیاؤں میں مستقل تازگی کے طریق اختیار کریں۔ ہمیں تبدیل شدہ اور سرگرم مردوں اور عورتوں

کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے بچوں میں حقیقی جوش اور ارادہ ہی نہ ہو تو ہم اُن کو خدا کے خادم بننے کیلئے مجبور نہیں کر سکتے۔ اوّل بنیاد گہری اور پختہ ہونی ضرور ہے۔ پھر ایک اَور بات قابل لحاظ ہے کہ مغربی ملکوں میں زیادہ نوجوان اس خدمت کے لئے تیار ہیں کیونکہ اُن ممالک کے لوگ اُن کی پرورش کے قابل ہیں۔ مگر ہمارے جوانوں کو کیا امید ہے۔ کیا وہ ایک اجنبی سوسائٹی میں جنبوئی بنکر رہیں گے۔ یہ قدرتی اور احسن طریق نہیں ہے۔ اوّل چرچ کی ترقی کے بہت سے مرحلے طے کرکے ہندوستانی مسیحی اس خدمت کی ذمہ داری کو اٹھانا سیکھیں گے۔ اِسی کھلی چٹھی پر ریمارک کرتے ہوئے ایک مدراسی مشنری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تعلیم یافتہ دیسی مسیحی دینی خدمت اختیار نہیں کرتے تو اس میں ہمارا بھی قصور ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک ہم اپنے ہندوستانی کارندوں کو بے تکلف قبول کرنے اور اُن کے ساتھ دوستوں اور بھائیوں کی طرح (نہ محض اُن کے ہادی بنکر) برتاؤ کرنے کے لئے تیار نہیں تب تک ہمیں توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان مسیحی اِس خدمت کے لئے آئیں گے"۔ پھر یہ کہ "ہم مشنریوں نے ایسے اشخاص کو مقرر کیا ہے جنکو کبھی خدا کے کلام کی منادی کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے تھی اور اِس طرح ہمنے گویا کیٹیکسٹ کے کام کو مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کی نگاہ میں حقیر بنا دیا ہے۔ اس لئے اب ہمیں اپنے تعلیم یافتہ ہندوستانی بھائیوں کو اپنے ہمسر ظاہر کرنے سے اس خدمت کے بلند پایہ کو ظاہر کرنا چاہئے"۔ آخر میں آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ "کیا یہ واقعی امر نہیں ہے کہ ہم کیٹیکسٹوں کو اکثر اپنے باورچی سے بہت زیادہ تنخواہ نہیں دیتے۔ ہمارے لئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ نصیحت کرنا نہایت آسان ہے کہ دنیوی فوائد کا خیال چھوڑ کر تھوڑی تنخواہ پر مسیح کا کام کریں۔ مگر جب ہم مشنری لوگ بڑے بڑے مشاہرے پاتے اَور ہر قسم کی آسایش میں زندگی بسر کرتے ہیں تو ہماری نصیحت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ جن اشخاص کو ہم دینی خدمت کے لئے بُلاتے ہیں ہمارے آسودہ حالات سے واقف ہیں اور وہ اسی وجہ سے حیران ہوتے ہیں کہ ہمارے معلم ہمکو کیوں آرام کی نوکریوں کو ترک کرنے کی ہدایت کرتے ہیں"۔ اسی قسم کے اَور بہت سے کلمات آپ نے فرمائے جو اگر کوئی ہندوستانی مسیحی کہے تو مجرم اور کفرانِ نعمت قرار دیا جاتا ہے۔

کلکتہ میں منادی کے جلسے۔ ماہ گذشتہ کی ۱۵ سے ۲ ماہ حال تک ہندوستان کے دارالخلافہ میں مختلف مشنوں کے شرکا ایک بڑے پُرجوش انجیلی معرکہ میں مصروف رہے ہیں۔ انجیل کی منادی تو کلکتہ میں مدت سے ہُوا کرتی ہے۔ مگر ایسے پرزور شہر کو ہلا دینے والے جلسے شاید بیشتر نہ ہوئے ہونگے۔ جب خدا ایک ملک میں اپنے بندوں کی سعی وکوششوں پر کثرت سے برکت نازل کرتا ہے تو اَور ملکوں کے مسیحی بھی اس نمونہ کی تقلید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ملک جاپان میں پہلے پہل منادی کے پھل نظر نہ آتے تھے مگر جب سے وہاں کے مسیحیوں نے بالاتفاق جوش سے کام شروع کیا ہے خدا نے اس ملک کو عجیب برکت دی ہے اور کلکتہ میں بھی وہی خدا ہے جس کا کلام بڑے زور سے غیر مسیحیوں کو سنایا گیا ہے۔ قریب بچیس مختلف مقامات میں منادی کا انتظام کیا گیا تھا۔ لوگ

بڑے غور سے خالص انجیل کی تعلیم کو کھڑے سنا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی لوگ اگر فقط مسیح کو پیش کیا کریں تو سننے والوں کی کمی نہ ہوگی۔ ۲۳ فروری اتوار کے روز ایک نگرکیرتان (پروسیشن) مرتب کیا گیا جس میں لوگانے بجانے والوں کی جماعتیں تھیں جن کے سروں پر جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ تعداد اس مجمع کی ماسوائے اُن کے جو رستہ میں شامل ہوتے گئے قریب ساڑھے چار سو تھی۔ کلکتہ ایسے شہر میں یہ کوئی بڑا بھاری جمع نہ تھا مگر تو بھی بہت سے لوگوں پر ظاہر ہوا ہوگا کہ مسیحیوں کی ایک معقول جماعت اُس شہر میں موجود ہے۔ علاوہ منادی کے ہزارہا رسالے اور ہینڈبل تقسیم کئے گئے۔ اگر کہیں مخالفت کا اظہار ہوا تو وہ سکولوں کے طلبا کی طرف سے تھا جسکو جلد فرو کیا گیا۔ یہ ہمارے مدارس کی تعلیم اور انتظام کے حق میں قابل اطمینان شہادت نہیں ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ خدا ایسے ہی مخالفت کرنے والوں میں سے کئی ایک کو اپنی طرف کھینچ لائے گا۔ سردست کوئی فائدہ ان جلسوں کا نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے کہ بعض اپنے گناہوں سے قائل ہو کر گھر کو گئے ہوں گے۔ ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بڑے بڑے شہروں میں انجیل کی تعلیم کی کمی نہیں۔ جو بات ازحد ضرور ہے وہ مسیحی زندگی اور مسیحیوں کے چال وچلن اور بود و باش میں مسیح کی صورت کا نقش ہے۔ خود مسیحیوں کو ان جلسوں سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ تیاری کی عبادات اور دعاؤں میں روح القدس کی طاقت محسوس ہوتی تھی۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ نظر آتا ہے کہ مختلف مشنوں کے ممبر انجیل کی خدمت کیلئے کیونکر متفق ہو کر کام کر سکتے ہیں۔ اتفاق میں زور ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ ان انجیلی جلسوں سے ضرور خدا کا جلال ظاہر ہوگا۔

ہندوستانی مسیحیوں کی دستکاریوں کی نمائش جس نمائش کا اشتہار کچھ عرصہ سے مسیحی اخبارات میں مشتہر ہو رہا تھا وہ ماہ گذشتہ کی ۲۲ سے ۲۴ تک لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ نمائش کو کمشنر صاحب نے بموجودگی بہت سے دیگر سرکاری عہدہ داران و رؤسا، و پادری صاحبان شروع کیا۔ سکرٹری صاحب نے جو رپورٹ موقعہ پر سنائی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسری نمائش ہے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں کانپور میں ہوئی تھی۔ اور غالباً اسی کی دیکھا دیکھی مدراس کی نیٹو کرسچن ایسوسی ایشن بھی ایک ایسی ہی نمائش کی تجویز کر رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "بعض کا خیال ہے کہ مشن بے فائدہ اس قدر روپیہ دستکاری کے کارخانوں پر صرف کرتی ہے۔ لیکن یہ محض غلطی کی بات ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ ایک بھاری ذریعہ نومریدوں کی سیلف سپورٹ اور مشن کی سبکدوشی کا ہے۔" جو اشیاء نمائش کے لئے بھیجی گئیں اُن کی تعداد ایک ہزار سے کچھ ادھر تھی۔ جن میں پنجاب کا حصہ فقط چھیالیس اشیاء کا تھا۔ کئی ایک بچوں نے بھی دستکاری کے نمونے پیش کئے۔ چنانچہ سب سے چھوٹے کی عمر نو برس کی تھی۔ ایک لڑکی نے بتیس چیزیں پیش کیں اور کئی انعام حاصل کئے۔ شام کے وقت جناب لفٹنٹ گورنر بہادر اور لیڈی لاٹوش نے مستحق دستکاری کنندوں کو انعامات تقسیم کئے۔ ہم اس فہرست میں اپنے فخر پنجاب ڈپٹی آتھم صاحب مرحوم کی صاحبزادی مس ایل آر آتھم صاحبہ کے نقاشی کے لئے طلائی تمغہ حاصل کرنے سے نہایت خوش ہوئے ہیں۔ اس نمائش کے حسن انتظام کے لئے اضلاع شمالی و مغربی کی انڈین کرسچن ایسوسی ایشن تعریف کی مستحق ہے اور ہم اُن کی کامیابی کے لئے مبارکباد دیتے ہیں۔

ہماری نیٹو چرچ کونسل

مندرجہ بالا عنوان کا ایک مضمون ماہ گذشتہ کے چرچ مشنری سوسائٹی کے ماہوار رسالہ میں ہم نے نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ اسکو مدراس نیٹو چرچ کونسل کے موجودہ دیسی پریذیڈنٹ پادری کلارک صاحب بی اے نے تحریر کیا تھا اور اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اس علاقہ میں اس کونسل کو پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ چونکہ ہمارے پنجاب میں چرچ کونسل کی حالت دگرگوں ہے ہم چاہتے ہیں کہ مدراس کی کامیابی کے مقابلہ میں اپنی ناکامیابی کی وجوہات دریافت کرنے کی کوشش کریں۔ راقم مضمون فرماتے ہیں کہ

"جو حالات مدراس نیٹو چرچ کونسل کے میں نے خود ملاحظہ کئے ہیں اور جو اور چرچ کونسل کے حالات سننے میں آئے ہیں اُن سے بے خوف کہ سکتا ہوں کہ ہمارے علاقہ میں جو تجربہ کیا گیا ہے اُس میں پوری پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ مدراس کی نیٹو چرچ کونسل کا آغاز ۱۸۶۷ء میں ہوا اور آج پانچ خادمان دین اور پندرہ ڈیلیگیٹ اسکی ساخت میں شامل ہیں۔ خاص شہر مدراس میں اس کونسل کے زیر اہتمام چار بڑی کلیسائیں اور بیرونی علاقہ میں چھ چھوٹی کلیسائیں موجود ہیں۔ جنکے شرکا کی مجموعی تعداد ۲۳۴۹ ہے جن میں سے ۱۰۵۴ اعشائے ربانی میں شامل ہونے والے ہیں۔ انیس۱۹ مدارس ہیں از انجملہ ایک ہائی سکول ہے۔ اور بیاسی۸۲ دینی کارندے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا چیرمین پادری ڈبلیو۔ ٹی ستیا نادھن بی ڈی تھا جو ۱۸۷۷ء میں اس ذمہ واری کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ اس چوبیس سال کے عرصہ میں اس کونسل کے چیرمین اور سکرٹری ہندوستانی مسیحی ہوتے رہے ہیں۔ مدراس نیٹو چرچ کونسل سے متعلق یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس کے تمام عہدہ دار اور شرکا ہندوستانی مسیحی ہیں۔ اور جو کچھ کام سی ایم ایس کے متعلق مدراس کے دیسی مسیحیوں میں ہو رہا ہے۔

وہ اسی کونسل کے اختیار میں ہے۔ مدراس میں اس سوسائٹی کے چند مشنری صاحبان ہیں مگر سوائے پادری سیل صاحب کے جو کارسپانڈنگ کمیٹی کے سکرٹری ہونے کی حیثیت سے اس کونسل کے ممبر بھی ہیں باقی صاحبان اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے اور نہ چرچ کونسل کی تجاویز میں انکو کوئی دخل ہے۔ اور خود سیل صاحب بھی بمشکل کبھی کونسل کے اجلاس میں تشریف لاتے ہیں کیونکہ اندیشہ ہے کہ انکی موجودگی سے باقی ممبروں پر کسی قسم کا دباؤ نہ پڑ جائے۔ کارسپانڈنگ کمیٹی کو اختیار حاصل ہے کہ کونسل کی جس کارروائی کو چاہے نامنظور کرے۔ مگر گذشتہ چوبیس سال کے عرصہ میں اسکو فقط دو مرتبہ اپنے اختیارات کو کام میں لانا پڑا ہے۔ سی ایم ایس کی نیٹو چرچ کونسل کو اگر کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے تو اس کی وجہ محض یہی ہے کہ پیرنٹ اور کارسپانڈنگ کمیٹی نے اپنے دیسی خادمانِ دین اور کونسل کے لئے ممبران پر پورا پورا اعتماد کیا ہے۔ گذشتہ تینتیس سال کے عرصہ میں سی ایم ایس نیٹو چرچ کونسل نے ہر طرح سے ترقی کی ہے۔ چنانچہ اُس وقت اس کے متعلق سب کلیسیاؤں میں ملا کر فقط چار سو اشخاص تھے اب اُن کی تعداد دو ہزار تین سو انچاس[2349] ہے۔ اسی عرصہ میں چندہ تین سو روپیہ سالانہ سے پانچ ہزار تک پہنچ گیا ہے۔ علاوہ گرجوں وغیرہ کے اخراجات ادا کرنے کے پندرہ ہزار روپیہ سوسائٹی کی صدسالہ فنڈ کے لئے جمع کیا گیا ہے اور ایک میموریل ہال زیر تعمیر ہے۔ ۱۸۹۸ء سے نیٹو چرچ کونسل نے پیرنٹ سوسائٹی سے اپنے گرجوں اور کلیسیاؤں کے لئے ہر قسم کا گرانٹ لینا بند کر دیا ہے۔ اور اپنے پاسٹروں اور کلیسیاؤں کے اخراجات کا انتظام کلّی طور پر کونسل کے ذمہ ہے۔ علاوہ اس کے کونسل ابھی کلیسیاؤں کے چندہ سے تعلیم اور منادی کے کام میں بہت کچھ امداد دیتی ہے۔ اور امید واثق ہے کہ کچھ عرصہ میں یہ دونو کام بھی چرچ کونسل اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر خود کرے گی۔"

ہم نے اس مضمون کا بہت سا حصہ اقتباس کر دیا ہے تاکہ ناظرین پر بخوبی واضح ہو جائے کہ مدراس چرچ کونسل کی کامیابی کا کیا راز ہے اور اس کی موجودہ حالت

کی خاطر خواہ ہے۔ اب خواہ مخواہ یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ چرچ مشنری سوسائٹی نے ایک ہی قواعد اپنے تمام علاقہ جات کے لئے مرتب کر رکھے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ علاقہ پنجاب اس چرچ کونسل کے تجربہ میں پیچھے رہ گیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہاں نیٹو چرچ کونسل کا تجربہ ہی نہیں کیا گیا۔ اول تو مسیحیوں کی تعداد نہایت کم اور پھر شروع ہی سے ایک انگریز مشنری چیرمین مقرر ہوا۔ اور وہ بھی ایسا جیسا کہ ایسے شخص کہ چرچ کونسل کی ہستی وعدم اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی۔ اُس کی زبان کا ایک لفظ ساری دیسی کلیسیا سے سرتسلیم خم کرا سکتا تھا اور اُس کی رائے ہماری کونسل کا آئین تھا۔ یہ ہم بطور الزام یا عیب جوئی کے نہیں کہہ رہے بلکہ واقعی امور ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جو کچھ کیا گیا نہایت نیک نیتی سے کیا گیا۔ مگر اسکا نتیجہ جو ہوا سو چھپا نہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جب دیسی ممبروں کی رائے ایک معاملہ میں مدت تک چیرمین کی رائے کے خلاف رہی تو ایک بیدھڑک ممبر نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں لیکن اگر آپکو اپنی ہی مرضی کو پورا کرنا منظور ہے تو بڑے کے کھلونے کی طرح ہمکو دبا کر چوں کرا لیجئے۔ چیرمین کے علاوہ ہماری "نیٹو" چرچ کونسل میں کچھ عرصہ تک ایک انگریز سکرٹری اور دوسرا خزانچی بھی رہا ہے۔ کونسل تو ایک بڑی شاندار جماعت ٹھہری ہماری چرچ کمیٹیوں کے چیرمین بھی انگریز صاحبان ہی ہوتے رہے ہیں اور اب بھی کم وبیش ہیں۔

کوئی شخص یہ جواب دے سکتا ہے کہ مدراس میں ستیانادھن ایک لایق شخص دستیاب ہو گیا اس لئے اس علاقہ کی چرچ کونسل کا چیرمین دیسی مقرر کیا گیا۔ مگر پنجاب میں کوئی آدمی ایسا قابل نہیں مل سکا جو چرچ کونسل کے سر پر اس ممتاز عہدے پر مقرر ہو سکے۔ یہ عجیب بات ہے کہ قریب بیس سال تک پنجاب کی کلیسیا میں ایک آدمی بھی نہ ہو جو عقل کی بات کر سکے۔ کیا یہ وہی پنجاب نہیں جس میں گورو نانک جیسے آدمی نے فرقہ جاری کر دیا اور گورو گوبند سنگھ نے ایک جنگی فرقہ کو قایم کیا۔ کیا یہ خواندہ نہیں اُن میں ایک خداداد لیاقت عوام کو اپنے پیچھے اُڑا لے چلنے کی

موجود تھی۔ اور ہمارا ملک اب بھی ایسے اشخاص سے خالی نہیں۔ جو کچھ چرچ بننے کیلئے درکار ہے وہ چنداں علمی لیاقت نہیں وہ انتظام اور پیشوائی کا مادہ ہے جو ممکن ہے کہ بالقوہ ایک شخص میں موجود ہو مگر اسکو نمایاں ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ بہترین طریق اس مادہ کو ظہور میں لانے کا یہ ہے کہ دیسیوں پر اعتبار کرکے ذمہ واری کے عہدے اُنکو دیئے جائیں اور پھر جو بات ناممکن معلوم ہوتی ہے رفتہ رفتہ ممکن بلکہ آسان ہو جائیگی۔ چنانچہ مدراس نیٹو چرچ کونسل کی کامیابی سے بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ اور انجیل کی تعلیم بھی یہی ہے کہ تمہارے ایمان کے مطابق تمکو سب کچھ دیا جائے گا۔

پھر ایک اور بے ضابطگی بھی شروع ہی سے ہمارے یہاں عمل میں لائی گئی یعنی ہر ایک دیسی مناد کو اس کونسل کا ممبر سمجھا جاتا تھا۔ اس کارروائی سے چرچ کونسل ایک عجب چوں چوں کا مربہ بن گئی۔ اور لطف یہ کہ اس بھاری جماعت میں سے کوئی شخص کونسل کی تجاویز پر عمل درآمد کرنے کے لئے اپنے آپ کو ذمہ وار نہ سمجھتا تھا۔ اب اگر اُن ایام کی چرچ کونسل کی یاد کسی کے حافظہ میں باقی ہے تو یہی ہے کہ سال بھر میں ایک عمدہ موقعہ مُلاقاتوں کا نکل آتا تھا جب مرغن ضیافتیں اُڑتی تھیں اور کچھ آپ بیتی اور کچھ جگ بیتی سُن سُنا کر دل کو ہلکا کیا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ سے اس معاملہ میں اصلاح کی گئی ہے۔ مگر ایسی اصلاح آخری وقت میں گنگا جل منہ میں ڈالنے سے بہتر نہیں۔

اِسوقت ہماری نیٹو چرچ کونسل کا کیا حال ہے۔ تجویز ہو رہی ہے کہ اُسکو کانفرنس کی تابع کیا جائے۔ دو ایک لائق دیسی اصحاب کو کانفرنس کا ممبر مقرر کرکے کونسل کو خیرباد کہا جائے۔ اسکو خواہ الحاق کہو خواہ کوئی اور نام اِسکے لئے تجویز کرو اصلی مدعا یہ ہے کہ نیٹو چرچ کونسل ترازو میں تولی گئی اور ہلکی پائی گئی اور اب اُسکے ایام کا حساب ہو چکا اور اب اسکا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اب پھر وہی زمانہ کلیسیا میں جاری ہونے کو ہے جو کونسل سے پیشتر تھا۔ بزرگ پادری کلارک صاحب کی رُوح اس تجویز کو کس نگاہ سے دیکھتی ہوگی۔ افسوس ہے کہ قریب چوتھائی صدی کے بعد چرچ کونسل کا تجربہ پنجاب میں ناکامیاب نکلا۔ اور اب اُس کی خوشی کا معراج فنافی الکانفرنس ہو جاتا ہے یہی وہ نروان ہے جسکی طرف ہماری چرچ کونسل اپنی موہوم رفتار میں اُڑی جا رہی ہے۔ع

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا۔

داؤد

چوتھا باب

تاریکی

(۱ سموئیل ۱۷: ۱۱)

ساؤل اور داؤد کی سیرت کا مقابلہ مؤرخ وضاحت کے ساتھ کرتا ہے۔ شاہ اسرائیل نے جلد بازی سے سموئیل کے آنے سے پیشتر ہی اس میں قربانی چڑھا کر خدا کی نافرمانی کی راہ میں پہلا قدم اٹھایا۔ پھر یونتن کے شہد چکھنے پر اس نے بڑی ناراضگی کا اظہار کیا۔ (۱ سموئیل ۱۴ باب) اس کی آخری نافرمانی یہوواہ کے صریح حکم کی خلاف ورزی کر کے اگاگ کو زندہ رکھنا اور لوٹ کی عمدہ عمدہ اشیاء کو اپنے تصرف میں لانا تھا۔ پھر اس نے خداوند کے سخن کو رد کیا اور خدا نے بھی اسکو چھوڑ دیا کہ جو چاہے کرے۔

اس وقت سے وہ ادبار اور شکست کے گڑھے میں گرتا گیا یہاں تک کہ جلبوعہ میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ نافرمان دل پر سے خدا اپنی حفاظت کرنے والی قوت کو اٹھا لیتا ہے اور چونکہ اس میں قادر مطلق خدا کا روح سکونت نہیں کرتا وہاں بری روحیں آ بستی ہیں اور اس کا ایسا حال ہوتا ہے کہ جس کا نقشہ یسعیاہ نبی نے ادوم کی تباہی کا حال قلمبند کرتے وقت دیا ہے۔ (یسعیاہ ۳۴: ۱۱-۱۵)

ساؤل کے دل کی یہ حالت تھی۔ چونکہ اسکو یاد خدا نہ رہی خدا نے بھی اسکو اس کے دل کی بری حالت میں چھوڑ دیا۔

ہم اس وقت ساؤل کی اس تاریک زندگی پر کچھ غور کریں گے کہ اس سے اس نوجوان گڈریا کی سیرت ظاہر ہوتی ہے۔

اول۔ خدا کے روح نے اس کو چھوڑ دیا۔ ایک مشہور انگریزی شاعر براؤننگ اس کی حالت کا دردناک سماں یوں باندھتا ہے کہ ایک درمیانی تاریک خیمہ میں ساؤل چپ چاپ بیٹھا ہے۔ کئی دنوں تک متفکر پہرہ داروں کے کانوں میں وہاں سے کسی قسم کی آواز نہیں آتی۔ ہر طرف تاریکی چھا رہی ہے۔ اندر ساؤل خیمہ کے ستون سے تکیہ لگائے بت سا بنا بیٹھا ہے۔ نہ کسی سے کلام کرتا ہے نہ ہلتا ہے۔ نہ اس کو کھانے پینے کی اشتہا رہی ہے۔ بربط کے اثر سے وہ کچھ چونک سا اٹھتا ہے لیکن پھر وہی سکوت

شاہی عہدہ کے لئے اس کو خدا کی روح ملی تھی اور وہ روح اب اس سے جدا ہو گئی۔ یہ روح اس کو دل اور مزاج کی تبدیلی کے لئے نہیں بلکہ اس جلیل القدر عہدہ کے لئے ملی تھی (۱ سموئیل ۱۰: ۱۰ + ۱۱: ۶)

اپنی ضد اور نافرمانبرداری کے باعث ساؤل نے یہ برکت کھو دی اور وہ آدمی معمولی اشخاص سا ہو گیا۔

نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں کوئی اس حالت کا اندازہ لگا سکتا ہے جو خدا کے ہم سے جدا ہونے سے ہوتی ہے۔ اس سے بدن اور روح دونوں تباہ ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا کے ساتھ ہونے سے ہی بھلائی کی اور نیک خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ نظام شمسی میں سے سورج نکال لیا جائے تو سیارے کیسے اپنی اپنی

راہ سے ہٹ کر ایک دوسرے سے پڑے ٹکرائیں اور یوں سب کے سب تباہ ہو جائیں۔ یوں ہی خدا کی حضوری کے جاتے رہنے سے روح کی ہر ایک طاقت بغاوت میں اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور وہ نعرہ کیسا درد انگیز ہوگا جب انسان اپنی اصلی تباہ حالی کو پہچان کر ساؤل کا ہمزبان ہو کر کہے کہ

ہائے میں نہایت مصیبت میں ہوں کیونکہ خدا نے مجھ کو چھوڑ دیا اور میرے آہ و نالہ کا جواب نہیں دیتا۔ کہیں ہم بھی تو یوں خدا کے رُوح کو آزما کر اُس کو ناراض تو نہیں کر رہے۔ خبردار کہیں خدا کے دیر کرنے سے بے صبر نہ ہو جانا اور الٰہی حکم کی نافرمانی نہ کرنا۔ آج کے دن اپنی رُوح کی سلامتی کی باتوں کو جان رکھو مبادا وہ ہمیشہ کے لئے پھر تیری نظروں سے چھپ جائیں۔

داؤد کی حالت اِس سے کیسی مختلف تھی۔ خداوند اس کے ساتھ تھا۔ اس کے ایمان کی صاف اور روشن آنکھیں خدائے حیّ کو ایسا صاف دیکھتی تھیں جیسے وہ اپنی ظاہری آنکھوں سے فلستی پہلوان کو ہر صبح اسرائیلی لشکر کے سامنے گذرتے دیکھتا تھا۔ کیا اُسی خدا نے اسکو شیر اور ریچھ کے پنجے سے چھڑایا نہ تھا؟ اور کیا دربار کے تزک و احتشام یا میدان کارزار کے کشت و خون میں خدا اس کے نزدیک ویسا ہی حقیقی نہ تھا؟ ہاں اس خوبصورت جوان کے سر پر الٰہی برکت کی اوس اتری تھی اور اُن صاف نیلی آنکھوں میں سے اندرونی ہیکل کا نور چمکتا تھا۔ خدا کا روح محض اس کی خدمت کے لئے ہی عطا نہ ہوا تھا بلکہ اسکی روح اور دل میں الٰہی حضوری ہمیشہ متمکن رہتی تھی۔

دوئم۔ ایک شریر روح خدا کی طرف سے اسکو ستاتی تھی۔ ظاہر میں تو ایسا خیال پیدا ہوتا ہے کہ بھلی اور بُری دونو قسم کی روحیں یہوواہ کے حضور میں رہتی ہیں۔ اس کے مُنہ سے بات نکالتے ہی کوئی بُری رُوح فوراً اس کی بات پوری کرنے کو چل نکلتی ہے۔ میکایاہ بھی اخی اب کی دیوانگی کے تاریک وقت میں کچھ ایسا ہی ذکر کرتا ہے (۱ سلاطین ۲۲: ۱۹-۲۳) یہ طرز کلام بالکل غیر معمولی ہے۔ یوں کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کے سخن کو رد کر دیں وہ اُن پر بُری روحوں کو آنے دیتا ہے۔ جیسے نعش پر گدھ آ اکٹھے ہوتے ہیں۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا اپنے ہر ایک مخلوق سے ہمیشہ بہتر سے بہتر کام لینا چاہتا ہے لیکن ہم اس کی ہر ایک بھلائی سے بُرائی نکال سکتے ہیں۔ سورج کی پیدا کرنے والی گرمی اور زندگی بخش بارش سے زہر کا کام لے سکتے اور اُن پھولوں سے جو اس کے ہاتھ سے گریں گرم لوہے کا جو بدن کو جلا ڈالتا ہے۔

کبھی شک نہ کرنا کہ خدا بھلا ہے اور کہ وہ نیک اور حلیم رُوحوں کو بھیجتا ہے کہ انسان کو بُرے منصوبوں سے باز رکھیں اور اس کو زندگی کی روشنی میں پہنچا دیں۔ لیکن جب ہم ہی خدا کے خلاف ہو جائیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارا دشمن ہو کر ہمارے خلاف لڑتا ہے۔ حالانکہ اصل بات تو یہ ہے کہ پہلے تو ہم الٰہی برکت کے چشمہ کے ساتھ ساتھ جاتے تھے اب اُسکے مقابل مشکل سے اور خطرہ کی حالت میں چلتے ہیں۔ خود رائے اور نافرمان بردار کے ساتھ خدا بھی خود رائی سے پیش آتا ہے اور اسکے فرشتے۔ تمیز۔ شکرگذاری۔ گذشتہ برکتوں کی یاد۔ اور اپنے فرائض کا خیال جن کا منصب انسان کو بڑھانا اور بچانا ہے وہی اُس کے دشمن جان ہو کر اُس کی ترقی کے سدِّ راہ ٹھہرتے ہیں۔ شب تاریک

میں جبکہ ہم دوست اور دشمن کے مابین امتیاز نہیں کر سکتے وہ ہم سے - یا سچ پوچھو تو ہم اُن سے جنگ کرتے ہیں - جب یہوداہ نے آخرکار اپنے خداوند کو پکڑوانے کا منصوبہ باندھ لیا تو یسوع کے پندونصائح سے ہی اس کا دل سخت ہو گیا اور اُس کی قسمت پر مُہر لگ گئی -

برخلاف اس کے خدا کا رُوح ہمیشہ داؤد کی مدد کرتا رہا - نادیدنی خدا کی رفاقت میں وہ چلتا اور جیتا تھا - آسمانی تاثیریں اُس پر اپنا عمدہ اثر ڈالتی تھیں اور اُن سے اس کے دل میں محبت اور ایمان پیدا ہوتا تھا -

سوم - ساؤل کا بگاڑ - اس واقعہ سے کہ بربط کے بجنے سے ساؤل کی بیماری دُور ہو جاتی تھی یہ ظاہر ہے کہ خدا سے رشتہ ٹھیک نہ رکھنے کے باعث عالم کے ساتھ بھی اس کو مطابقت نہ تھی کیونکہ جس دائرہ کا مرکز خدا ہے اُسکا محیط عالم ہے - علم موسیقی کی تعریف محال ہے - اس کی اعلیٰ اور دلکش لہریں گناہ آلودگی سے بچی رہی ہیں اور اس لئے یہ گویا ابدیت کی گونج ہے - یہ روشنی اور جلال کی لہروں کی بھیجی ہے جو ہمارے گناہوں تک اُچھالتی آتی ہیں - ہاں کروں کی باہمی مطابقت اور نظام کامل کا نشان - اس لئے علم موسیقی کامل زندگی اور آسمانی اطمینان کا قدرتی اظہار ہے - وہاں بربط نواز اپنی بربط بجاتے ہیں - وہاں نجات یافتہ جلالی روحیں نئے نئے گیت گاتی ہیں - وہاں مقدسین ہم آواز گیتوں سے خدا کی ماہیت اور نظام عالم کے ساتھ اپنی یکدلی کا اظہار کرتے ہیں - کامل ذہن جو صرف خدا کی مرضی ... زندہ اور زندگی کے ساتھ ... اتحاد رکھنے ہی سے ملتی ہے تمام چیزوں کو پہلو بہ پہلو گاتے سُنتی ہے - اور اس مقدس گیت میں شامل ہونے کو مجبور ہوتی ہے -

ساؤل کو یہ مبارک تجربہ حاصل نہ تھا - وہ خدا سے دُور تھا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے دل اور زندگی میں بگاڑ پیدا ہو گیا - راگ سے اس کے دل میں اپنی پہلی بہتر حالت کی یاد آتی تھی اور تھوڑی دیر کے لئے اس کی روح کے بےسُر اور بگڑے ہوئے اجزا دور ہو جاتے تھے لیکن دلکش راگ کے بعد پھر وہی وہ پھر غلبہ پا لیتے تھے - ہمیشہ یُوں ہی ہوتا ہے - اگر تم کفارہ کو دل سے نہ مانتے ہو اور یسوع کے وسیلہ تمہارا خدا سے میل نہ ہُوا ہو تو اپنے بُرے کاموں اور اصلی مزاج کے سبب تم خدا سے دشمنی رکھتے ہو - اور اس لئے تمہارے اور عالم کے درمیان کسی قسم کی مطابقت ہو نہیں سکتی - فن - علم موسیقی فرائض روزمرہ سوسائٹی کی گردش - رسُوم دینی ہم پر ویسا ہی اثر رکھ سکتی ہیں جو داؤد کی بربط کا ساؤل پر ہوتا تھا یعنی کچھ دیر کے لئے اردگرد کی چیزوں سے مطابقت اور دلی اطمینان حاصل ہو جائے لیکن یہ حالت دم ایک دم کی ہے جب یہ اثر جاتا رہے تو وہی پہلی گھبراہٹ اور بےچینی ہم پر غالب آ جاتی ہے -

داؤد کے نزدیک بربط اس سلامتی کا نشان ہے جو خدا کے ساتھ میل رکھنے سے پیدا ہوتی ہے

لئے سب چیزیں اس کے لئے تھیں اور ہر ایک سے اس کو نادیدنی اور ابدی دنیا کی مطابقت ظاہر ۳
- اور چونکہ اس کو خود خدا اور عالم سے میل حاصل تھا وہ اوروں کو تسلی اور اطمینان دے سکتا ہوتی
یہ سے ظاہر ہے کہ کیوں علم موسیقی کو ہر زمانہ میں روح کی گھبراہٹ دور کرنے کا اثر حاصل رہا تھا
یشع نے بھی اپنے دل کی بےچینی دور کرنے کے لئے ایک مغنّی کو بلا بھیجا - بقول سینیقا - غنا غورث تھے

پناہ. دِل ملنے کو بربط بجایا کرتا تھا۔ فلپس پنجم شاہ سپین کا رنج وغم فرینی نیلی کے گیتوں سے دُور ہو جاتا تھا۔ اِس لئے ساؤل کے خادموں نے بجا عرض کی کہ ایک کامل بجانے والے کی تلاش کی جائے اور جو اثر داؤد کو اُس پر حاصل تھا اس سے ظاہر ہے کہ ہم بھی بے چین مصیبت زدہ لوگوں پر کیسا اثر ڈال سکتے ہیں۔ یقین ضرور ہے کہ خدا نے جو اس میل کی شرط مقرر کی ہے ہم اس کو قبول کریں۔ چاہیئے کہ ہم صلیب کے سایہ تلے کھڑے رہیں جب تک کہ یہ پورا امن پا نہ لیں کیونکہ گناہ کے بگاڑ سے بچنے کا یہی علاج ہے۔ اور لوگوں کو بھی یہ علاج بتائیں۔ تاکہ خدا سے ہمارا میل ہو اور اُس سلامتی کا بھید پائیں جس کا ذکر مسیح نے صلیب پانے سے پہلی رات اور اپنے جی اُٹھنے کے دن کیا۔

چہارم۔ اگر کسی کا تعلق خدا کے ساتھ ٹھیک نہ ہو تو وہ ایمان بھی پا نہیں سکتا کیونکہ یہ رُوح کی تندرستی کا نشان ہے۔ اِس لئے جب جاتی جولیت ایلا کی وادی میں اسرائیلی لشکر کا مسخرہ اُڑاتا تھا تو ساؤل نہایت خوف زدہ ہو گیا۔ وہ شجاعت اب کہاں جاتی رہی جس سے اوّل اوّل لوگ اس کی مدح کرتے اور اس سے محبت رکھتے تھے ہاں وہ شجاعت جس نے جبیش جلعاد کو بچا لیا اور جو جدھر وہ جاتا اسرائیل کے دشمنوں کو نادم کرتی تھی؟ وہ اب باقی رہی تھی جیسے اندر سے سڑے ہوئے پھل کی ظاہری خوبصورتی جاتی رہتی ہے اور جیسے پُر طوفان سمندر سے پہاڑیوں کا دلکش عکس دُور ہو جاتا ہے۔ اچھے وقتوں میں تو وہ اپنے لوگوں کا رہبر اور دلاور ہو جاتا۔ ہے لیکن اب اپنے خیمہ میں پڑا ڈرتا تھا۔ داؤد کو کوئی ایسا خوف دامنگیر نہ تھا۔ اُس کی روح خدا سے معمور تھی۔ خداوند اس کی روشنی اور نجات تھا اب اس کو کس کا ڈر؟ وہ اس کی زندگی کی قوت تھا اس کو کس سے دہشت؟ وہ خدا کے خیمہ میں ہمکن تھا اور قادرِ مطلق کے سایہ تلے رہتا تھا۔ اس جوان کے ہاتھوں میں جس نے پتھر چلایا ذرا بے استقلالی نہ تھی نہ اس کے دل میں کپکپی۔ ایمان میں مضبوط تھا کیونکہ اس کا جوان دل پاک اور صاف اور راست تھا اور یہوواہ کے ساتھ اس کو زندہ رفاقت حاصل تھی۔

مسیح کے شخصی دوست

۳

پطرس

نئے عہدنامہ میں شمعون کا ذکر اوّل اوّل اس موقعہ پر آتا ہے جب یردن کے کنارے اُس کی یسوع کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اُس کا بھائی اُسکو وہاں لایا تھا۔ وہیں ایک ایسی دوستی پیدا ہوگئی جو نہ صرف شمعون کے لئے ہی نہایت ضروری اور مفید بلکہ ساری دنیا کے لئے بڑی بھاری برکت کا موجب ٹھہری۔

یسوع نے بڑے غور اور دلچسپی کی نظروں سے اس پر نگاہ کی۔ اس کی نگاہ اس کی جان تک جا پہنچی اور اُس نے شمعون کی سیرت کو پڑھ لیا۔ نہ صرف اس کی اُس وقت کی حالت کو پہچان لیا بلکہ یہ بھی کہ فضل کی تاثیر سے وہ کیا کچھ بن سکتا اور کیا کچھ انجام دے سکتا ہے۔ اُس نے اُس کو ایک نیا نام دیا اور یسوع نے اس پر نگاہ کر کے کہا کہ "تو شمعون ہے تو کیفا یعنی پتھر (پطرس) کہلائیگا"۔

یورپ کے ایک مشہور عجائب گھر میں رمبراند نامی ایک مصور کی دو تصویریں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں۔ ایک تو اس کی پہلی کوشش کا نتیجہ ہے جو بالکل ناقص اور ادھوری ہے۔ دوسری ایک اعلیٰ درجہ کی تصویر آپ اپنی نظیر ہے۔ یوں ہی ان دو ناموں شمعون اور پطرس میں اوّل تو ہمکو ایک سیدھا سادھا مچھوا ملتا ہے کہ جس پر ابھی یسوع کا اثر نہ پڑا تھا۔ اور دوم ہم کو اس کی اس وقت کی حالت نظر آتی ہے کہ جب یسوع کی دوستی سے اس کا دل محبت والا اور اس کی زندگی بار آور ہو گئی تھی۔ جبکہ یسوع کی تعلیم سے اس نے دانشمندی حاصل کر لی اور اس کے دل میں بڑی بڑی مقدس تحریکیں اور آرزوئیں پیدا ہو چکی تھیں ہاں جبکہ جنگ و ناکامی۔ توبہ و معافی۔ غم و رنج کے تجربے اس پر اپنا اثر کر چکے تھے۔

"تو شمعون ہے" اُس وقت اس کا یہ نام تھا۔ "تو کیفا کہلائے گا"۔ یہ اُس کی آیندہ حالت کی طرف اشارہ ہے۔ سیرت یا رتبہ کی تبدیلی ظاہر کرنے کے لئے نام بھی اکثر بدل دیا جاتا ہے۔ ابرام کو جب وعدہ دیا گیا تو اس کا نام بھی ابراہیم یعنی "قوموں کا باپ" سے بدل دیا گیا۔ یعقوب کو کہ جس کے نام کے معنی دھوکا اور فریب دینے والا ہے۔ خدا کے ساتھ کشتی کرنے۔ اسکی پرانی انسانیت کے شکست پانے اور ایمان اور اعتقاد سے غالب آنے پر اسرائیل یعنی خدا کے ساتھ شہزادہ کا نام دیا گیا۔ شمعون نے یسوع کے پاس آنے اور اس کے ساتھ دوستی پیدا کرنے پر ایک نیا نام پایا۔ "تو کیفا کہلائے گا"۔

اِس سے یہ مراد نہیں کہ شمعون کی سیرت اُسی وقت بدل گئی اور اُس کو وہ صفات حاصل ہو گئیں جو اس کے نام سے ظاہر ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یسوع نے پہچان لیا کہ یہ شخص کیسی مضبوطی۔ توانائی اور استقلال۔ جن کا نشان پتھر ہے۔ حاصل کر سکتا ہے۔ اور کہ فضل کے اس میں تکمیل پانے پر اس کی سیرت ایسی ہوگی۔ یہ نیا نام اس حالت کی پیشین گوئی تھا جو یسوع کے اثر سے اس کو حاصل ہوئی۔ ابھی تو وہ صرف شمعون ہے۔ جلدباز۔ جوشیلا۔ خود اعتماد اور گھمنڈی اور اسلئے کمزور اور بے استقلال۔

اس شخص کی تبدیلی حال شمعون کے کیفا میں تبدیل کرنے کے چند طریق اور وسائل پر ہم غور کرینگے۔ تین برس کی دوستی کے بعد یہ شخص اپنی خدمت کے لئے تیار ہوا۔ یہ طریق سہل نہ تھا۔ شمعون کو بہت سے مشکل سبق سیکھنے پڑے۔ ضرور تھا کہ خود اعتمادی فروتنی سے بدل جائے۔ تیز مزاجی کو چھوڑ کر وہ اپنے آپ پر قابو پائے۔ تکبر کی جگہ اوروں کی عزت کرے۔ بے پروائی کی جا فکرمند ہو۔ جلدبازی چھوڑ کر دانشمند اور کمزوری چھوڑ کر زور آور بنے۔ یہ ساری سرگذشت ان الفاظ میں ملفوف تھی کہ "تو

کیفا یعنی پتھر کہلانے لگا۔"

یردن کے کنارے اس دوستی کا آغاز ہُوا۔ دوستی سے ساری زندگی اور اس کے مقاصد اور انجام بدل جاتے ہیں۔ ہم کبھی کہہ نہیں سکتے کہ کسی کے ساتھ اتفاقیہ ملاقات کا نتیجہ بھی کیا ہوگا۔ لیکن یسوع کے ساتھ دوستی کے پیدا ہونے سے بہتری کے بڑے بڑے موقعے ملتے ہیں۔ نئے نام کے پانے سے شمعون کے دل میں زندگی کے معانی کا نیا خیال پیدا ہو گیا ہوگا۔ اُس کی رُوح کو نئی رویا ملی ہوگی اور اس کے دل میں نئی نئی آرزوئیں پیدا ہوئی ہونگی۔ اُس وقت سے زندگی اس کو پہلے سے عزیز اور گراں قدر معلوم دیتی ہوگی۔ اس کو ایسی ایسی امیدیں پیدا ہو گئیں جن کا اس کو خواب و خیال تک نہ تھا اگر کسی کی زندگی میں یسوع کو یہ جگہ مل جائے تو یہی ہوتا ہے۔ سیرت کا ایک نیا خیال دل میں پیدا ہوجاتا ہے۔ ہمارا مطمح اور ہدف ہی اَور ہوجاتا اور ایک ایسی رویا ملتی ہے جس سے زندگی کے تمام خیالات بدل جاتے ہیں۔ مسیح کی دوستی بڑی تحریک دلانے والی ہے۔

کچھ مہینوں بعد شمعون کو ایک بُلاہٹ ملی اور اب یسوع کے ساتھ اُس کو گہرا اور دائمی تعلق حاصل ہُوا۔ یہ واقعہ دریائے گلیل پر ہُوا۔ شمعون اور اُس کے رفیق مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ ساری رات محنت کرنے پر بھی اُن کو کچھ نہ ملا تھا۔ صبح کے وقت یسوع نے شمعون کی کشتی سے ممبر (پلپٹ) کا کام لیا اور بھیڑ کو جو کنارے پر کھڑی تھی وعظ و تلقین کرتا رہا۔ پھر اس نے اہل کشتی سے کہا کہ گہرے میں لے چلو اور تم شکار کے لئے اپنے جال ڈالو۔ شمعون نے کہا یہ تو محض تضیع اوقات ہے تاہم اس نے خداوند کا حکم مانا اور مچھلیوں کا غول گھِر آیا۔

اِس معجزے سے شمعون کے دل پر بڑا اثر ہُوا اور اس نے محسوس کیا کہ میں الٰہی حضوری میں ہُوں اور اُس کو اپنے گناہوں اور نالائقی کا خیال ستانے لگا اور اس نے یسوع کے پاؤں میں گر کر کہا "اَے خداوند میرے پاس سے جا اِس لئے کہ میں گنہگار ہُوں۔" لیکن یسوع نے اُس کو تسلی دے کر کہا کہ "خوف نہ کر۔" اور پھر فرمایا کہ "اب سے تو آدمیوں کا شکار کیا کرے گا۔" شمعون کا ماہی گیری کا کام تو ختم ہُوا۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر مسیح کے پیچھے ہولیا اور پورے طور پر اس کا شاگرد بنا۔ یسوع کے ساتھ اُس کی دوستی مضبوط اور گہری ہوتی گئی۔ اُس نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا اور یسوع کے ساتھ مفلسی اور بے وطنی اختیار کی۔

مسیح کے گھرانے میں رہنے سے شمعون نے اپنے خداوند کی زندگی کا ہر ایک پہلو دیکھا۔ خلوت یا جلوت میں جو کچھ خداوند فرماتا شمعون سنتا تھا اور جس جس امر سے خداوند کی سیرت۔ مزاج اور طبیعت کا اظہار ہوتا تھا وہ شمعون کے مشاہدہ سے گذرتا تھا۔ اِس امر کا اندازہ لگانا بالکل ناممکن ہے کہ ان سب باتوں سے شمعون کی زندگی پر کیا کچھ اثر ہُوا۔ وہ ہمیشہ مسیح کی سیرت میں نئی نئی چیزیں دیکھتا اُس کے لبوں سے نئی نئی باتیں سنتا اور اُس کی زندگی سے نئے نئے سبق سیکھتا تھا۔ ہر مردِ نیک کی صحبت میں ہر دم رہنے سے ضرور اچھا اثر ہوتا ہے۔ یسوع کے ساتھ ایسی دوستی کے تعلق میں رہنا ایک مقدس نصیب ہے اور اس سے شمعون پر جو کچھ اثر ہُوا ہم اُس کا اندازہ لگا نہیں سکتے۔

رسالت کی بُلاہٹ کے پانے پر شمعون پر بڑا اثر ہُوا ہوگا۔ وہ نہ صرف بارہوں میں شامل ہی تھا بلکہ اس کا نام سب میں اوّل تھا۔ اس کا نام ہمیشہ پہلے دیا جاتا ہے۔ وہ ان سب میں ممتاز اور اُن کا رہبر ہونے کو تھا اور اُن میں اس کو اوّل جگہ حاصل تھی۔ کوئی راست دل شخص ایسی عزت پانے پر مغرور اور متکبر نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اور بھی فروتن مزاج ہوتا ہے کیونکہ اس امتیاز سے اسکی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مرد نیک اس امر کی پہچان سے کچھ خوف زدہ سا ہو جاتا ہے کہ خدا مجھے دنیا میں جگہ اور کام کرنے کو دیتا اور اوروں کو برکت دینے کے لئے مجھ سے کام لے رہا ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنی اعلیٰ بلاہٹ کے لائق چال چلے۔ اس کو ایک قسم کی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ مقدس خدمت کے لئے خدا نے اُسے الگ کیا ہے۔

ایک اور واقعہ سے شمعون پر بڑا اثر ہُوا اور وہ اس امر کی پہچان تھی کہ یسوع المسیح ہے۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ اس صداقت کا انکشاف اُس کے دل پر کیسے ہُوا لیکن یہ یقین اس کے دل میں اب مضبوط ہو گیا کہ وہ اس کے اظہار سے باز رہ نہ سکا۔ وہ قیصریہ فلپی کے علاقے میں تھے۔ یسوع اپنے بارہ شاگردوں کو دُعا کے لئے الگ ویرانہ میں لے گیا تھا۔ وہاں اس نے ان سے دو سنجیدہ سوال پوچھے۔ اوّل تو اُس نے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟ کہ میں کون ہوں؟ جواب سے ظاہر تھا کہ اس کی نسبت لوگوں کے مختلف خیال تھے اور اُن میں سے کوئی بھی ٹھیک نہ تھا۔ پھر اس نے اُن بارہوں سے کہا کہ تم مجھے کیا کہتے ہو؟ شمعون نے جواب میں کہا کہ "تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے"۔ یہ اقرار بڑا جامع تھا۔ ہاں وہ اس امر کا اظہار تھا کہ یسوع مسیح ہے اور کہ وہ الٰہی وجود ہاں زندہ خدا کا بیٹا ہے۔

شمعون کا یہ عجیب اقرار اس کی زندگی میں ایک بڑا نامدار موقعہ ہے۔ یسوع نے شمعون کے حق میں کلمہ دعائیہ کہا اور پھر پیشین گوئی کی کہ "تو پطرس ہے"۔ اور اُس کا نیا نام لیا جو اب اس پر صادق بھی ٹھہرتا تھا کیونکہ شمعون کی پرانی انسانیت مر رہی تھی اور وہ نئی انسانیت اختیار کر رہا تھا۔ "تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنی کلیسیا بناؤں گا"۔ اس سے شمعون کی آیندہ حالت اور بھی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ یہ گویا خداوند کے اُس بیان کی توضیح تھا کہ "تو کیفا کہلائے گا"۔ تمام رسولوں کا گویا وکیل ہو کر پطرس نے مسیح کا اقرار کیا اور یوں خداوند سے عزت پائی۔

لیکن مسیح کی پہچان اس نے ابھی تک پوری پوری پائی نہ تھی۔ شمعون یہ تو مانتا تھا کہ یسوع المسیح ہے لیکن مسیح کی نسبت اس کا خیال ابھی تک دنیوی تھا۔ اس لئے اس وقت سے یسوع نے اپنی رسالت کی بابت رسولوں کو تعلیم دینی شروع کی کہ مجھے ضرور ہے کہ بہت دُکھ اُٹھاؤں اور قتل کیا جاؤں۔ اس پر شمعون نے بڑی غلطی کی جو اپنے خداوند کو صلیب سے روکنے کی کوشش کی اور بڑے زور سے کہا کہ "اے خداوند خدا نہ کرے۔ یہ تجھ پر ہرگز نہیں ہونے کا"۔ فوراً اس کا یہ سخت جواب ملا کہ "اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو جا تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے"۔ شمعون کو ایک نیا سبق سیکھنا تھا۔ مسیح کے مردوں میں سے جی اُٹھنے اور روح القدس کے آنے تک اس نے یہ سبق

کما حقہ نہ سیکھا کہ رُوحانی زندگی میں رُتبہ کا پیمانہ خود فراموشی کی خدمت کا پیمانہ ہے۔
اس سے ہمیں محبت اور دوستی کا ایک بڑا سبق ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ جن شخصوں سے ہم بڑی محبت رکھتے ہوں اُن کے لئے ہم شیطان کا کام دیں۔ اور یہ یوں ہوتا ہے کہ ہم ان کو محنت ومشقت، خدمت اور پُرخطر رسالت سے جس کے لئے خدا اُن کا بُلا رہا ہو باز رکھنے کی ترغیب دیں۔ ہمکو لازم ہے کہ بڑی احتیاط اور اپنی محبت پر قابو رکھیں تاکہ کہیں اپنے دوستوں کے لئے راہ آسان کرنے کی غرض سے اُن کو اس راہ سے پھیر نہ دیں جو خدا نے اُن کے لئے تیار کی ہے۔
یوں شمعون کو سبق پر سبق سیکھنا پڑا اور ہر ایک کا ماحصل فروتنی تھا۔ یوں ہم آخری شب اور اس کی افسوسناک افتاد تک پہنچتے ہیں۔ پطرس کا انکار ایک سخت مایوسی تھا۔ جیسے پطرس نے خود کہا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ناممکن بات تھی۔ وہ شیر سا بہادر تھا۔ اس کی محبت یسوع کے ساتھ حقیقی اور صادق تھی۔ اُس نے پتھر کا نام پایا تھا۔ تین سال تک وہ یسوع سے تعلیم پاتا رہا اور رسولوں میں اُس کو خاص عزت اور دلعزیزی حاصل تھی۔ اس کو اس خطرہ کی پیشتر سے آگاہی بھی تھی۔ تاہم باایں ہمہ وجوہ یہ شاگردوں میں بہادر اور عزیز۔ یہ مرد چٹان۔ بڑی بے عزتی سے گرا اور گرا بھی ایسے وقت کہ جب چاہیئے تھا کہ اپنے مالک کی محبت سے وہ بڑا دلیر اور وفادار ہوتا۔ مسیح کی محبت کرنے والی حلیمی نے اُس کو بچایا۔ خداوند نے جب پطرس کا انکار سُن کر اُس پر نگاہ کی تو اس کے دل میں کیسا درد پیدا ہُوا ہوگا۔
اس محبت کی نگاہ کے بعد پطرس باہر جاکر زار زار رویا۔ آخر کار اُسے خداوند کا فرمایا یاد آیا اور اُسے معلوم ہوتا تھا کہ بس میری معافی کا وقت گذر چکا۔ لیکن یسوع کے دل میں تو اُس کو وہی جگہ حاصل تھی اور وہ ایک نیا مخلوق ہوکر اپنی اس خواری میں سے اُٹھا۔
پطرس کی تربیت میں اس کا یہ انکار کرنا ایک بڑی ضروری جگہ رکھتا ہے۔ اُس آخری رات تک شمعون کی سیرت میں ایک بڑا دھبہ تھا۔ خود اعتمادی اس کی کمزوری کا ایک بڑا جزو تھی۔ شاید اس عیب کے دور کرنے کا سوائے اس کے کوئی اور طریق نہ تھا کہ اسکو گرنے کی اجازت دی جاتی۔ کم از کم ہمکو اتنا تو معلوم ہے کہ انکار کے اس تلخ تجربہ اور پھر توبہ کرنے سے پطرس کی کمزوری جاتی رہی۔ توبہ سے وہ نیا مخلوق بن گیا۔ آخر کار وہ گناہ کی قید سے رہا ہُوا۔ اس نے "رجتی" کا سبق سیکھ لیا تھا۔ پھر اُس کے لئے خداوند کا انکار کرنا ممکن نہ تھا۔ کچھ دیر بعد دل پر کھنے والے سوال کے تین دفعہ دہرانے پر وہ بحال اور خدمت پر پھر لگایا گیا۔ "میرے برّے چرا۔ میری بھیڑوں کی گلہ بانی کر"۔ یہ مقصد پورا ہُوا اس نئے انسان کی رویا سچ نکلی۔ شمعون کیفا بن گیا۔ یہ طریق بڑا لمبا اور گراں تھا لیکن ضرورت سے زیادہ لمبا اور گراں نہ تھا۔ پتھر گھس رہا تو بُت تیار ہو رہا تھا۔
شاید تم کہو کہ شمعون کو پطرس بننے میں بڑی قیمت دینی پڑی۔ شاید تم پوچھو کہ کیا یہ اس قابل تھا کہ اتنی قیمت دی جاتی اور کیا پطرس کے لئے یہی بہتر نہ ہوتا کہ وہ مچھوے کا مچھوا بنا رہتا۔ تو پھر وہ محض ایک مچھوا بنا رہتا اور اپنی مقررہ عمر تک اپنے ہمسائیوں کے ساتھ رہ کر سمندر کے کنارے

دفنایا جاتا۔ اب بھی اس کی زندگی افلاس اور محنت و خدمت کی تھی۔ اس میں وہ مضبوط۔ چٹان سی انسانیت پیدا کرنے میں بڑی محنت اور دقت اُٹھانی پڑی۔ لیکن آج کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اس قابل نہ تھا؟ پطرس کی یہ اعلیٰ درجہ کی مسیحی آدمیت ہیں صدیوں سے دنیا کے سامنے ایک ایسی سیرت کا نمونہ رہی ہے جس کی تخمیل ہر ایک مسیحی کو کرنی چاہیئے۔ ایک ایسی زندگی جس کے اثر سے لاکھوں کو اعلیٰ اعلیٰ تحریکیں، ہدایتیں ملی ہیں۔ جو قیمت سیرت کی اس شرافت اور اس مقدس تاثیر کی توسیع کے لئے دی گئی کیا کچھ زیادہ تھی؟

لیکن ذرا اپنی تو کہو؟ ہم کو بھی اس خوبصورتی اور طاقت کا پانا مشکل ہے جو خداوند نے ہمارے لئے مقرر کی ہے۔ شاید ہم کو نقصان۔ امتحان۔ آزمائش اور غم کے تجربوں میں سے گذرنا ضرور ہو۔ زندگی کے بڑے بڑے سبق لینے ہوتے ہیں اور ایک دن میں سیکھے نہیں جاتے۔ نہ ان کا سیکھنا ہی سہل ہے۔ لیکن کتنی ہی قیمت دینی کیوں نہ پڑے زندگی اس قابل ہے کہ ہم یہ سبق سیکھیں۔ سونا اس قابل ہے کہ پاک و صاف ہونے کے لئے وہ آگ میں ڈالا جائے ہیرا اس قابل ہے کہ اپنی چمک اور شان پانے کے لئے کاٹا اور تیار کیا جائے۔ زندگی اس قابل ہے کہ خداوند کی شبیہ کے اس میں پیدا کرنے اور خدمت کے لائق کرنے کے لئے جتنی تربیت اور سختی ضرور ہو وہ اس کی وہ برداشت کرے۔ کہتے ہیں کہ شاعر جو کچھ اپنی جگر سوز نظموں میں ہم کو سکھاتے ہیں ان کا تجربہ وہ مصیبتوں میں پاتے ہیں۔ اگر ایک ہی مصرعہ بڑی بڑی تحریکیں دلائے اور دنیا کی برکت کا موجب ہو تو اس کے لکھنے میں جتنی قیمت دی گئی ہو وہ تھوڑی ہے۔ تیئیسویں زبور کے لکھنے کے لئے داؤد کو بہت کچھ مصیبت اُٹھانی پڑی لیکن اب اس کا خیال نہیں کہ اس زبور کے لئے اسکو بہت قیمت دینی پڑی۔

رُوحانی زندگی کے اِسرار

۳

"مسیح میں"

اسفنج جب سمندر میں بنتا ہے تو وہ پانی میں اور پانی اس میں ہوتا ہے۔ خداوند اور اسکے جیبوں کو بھی یہی رشتہ حاصل ہے۔ ہر ایک مومن کے دل میں خداوند ایسے ہوتا ہے جیسے انگور میں رس اور بدن میں روح رواں۔ لیکن ایک اور گہرے اور مقدس معنی میں ہر ایک ایماندار مسیح میں ہے۔ اس عجیب صداقت کے دونو پہلوؤں کا اس خط میں ذکر ہے۔ ہم چند حوالوں پر غور کریں۔

اوّل۔ باپ کے ارادے کے مطابق ہم مسیح میں ہیں۔ پولس رسول پر خدا کی چھپی باتوں کا۔ جو زمانہ اور نوع انسان سے چھپی تھیں۔ انکشاف ہونا بڑا حیرت خیز

افسیوں ۱: ۳۔ ۴ و ۹ و ۱۱

اور تعجب انگیز امر ہے۔ رسول بتاتا ہے کہ خدا کے ارادے میں ہمارا مسیح کے ساتھ تعلق رکھنا کل یا پرسوں کی بات نہیں بلکہ ازل سے ہے۔

دنیا کی بنیادیں ایک دن میں رکھی نہ گئیں ازل سے ہاں بیشتر ازیں کہ دنیا یا جہان نے صورت پکڑی خدا نے ہمکو مسیح میں چن لیا۔ اول اُس نے مسیح کو چُنا اور پھر ان سب بندوں کو جو زمانہ کے آخر تک اس کی طرف رجوع کر کے زندہ ایمان میں اس کے شریک ہوں گے۔

اگر کوئی عالم طبقات ارض زمین گہری کھودنے پر ایسے حیوانات کے نقش پا کے ساتھ جنکا اب دنیا میں نشان تک باقی نہیں۔ قدیمی چٹانوں پر اپنا نام کھدا ہوا پائے تو یہ دریافت کیسی حیرت انگیز ہوگی۔ اس کا وہاں کیسے نقش ہوگیا؟ ضرور خالق کے ہاتھ نے کندہ کیا ہوگا۔ اس سے دل میں کیسی دہشت سی پیدا ہو جائے۔ لیکن یہاں ہمکو اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز واقعہ ملتا ہے۔ پیشتر اسکے کہ دنیا کے کیمیاخانہ میں سنگ سنبلی اور یاقوت بنے ہمارے نام بزرگ سردار کاہن کے بکتر پر کندہ کئے گئے۔

جس حال میں کہ وہ چشمہ جس میں سے ہو کر ہم نے اپنے وطن مالوفہ کو پہنچنا ہے ازل سے باپ کے دل سے جاری ہے تو کیا اس امر کا شک ہو سکتا ہے کہ آخر کو ہم پاک اور بے داغ پائے نہ جائیں گے؟ اس خیال ہی سے ہم کو تسلی ہونی چاہئے کہ جس خدا نے ازل ہی سے یہ باتیں ٹھہرائیں اب تک اسی ارادے کے مطابق سب کام سر انجام دیتا ہے۔

لیکن اس بھید کے ظاہر ہونے سے اس ازلی ارادے کی عظمت کم نہیں ہو جاتی۔

افسیون ۲: ۱۰ "ہم یسوع مسیح میں خلق کئے گئے"۔ یہ خدا کے ازلی ارادے میں تھا کہ یسوع مسیح سر ہو اور نجات یافتہ اس کا بدن ٹھہریں۔ انسانی صورت اختیار کرنے سے پیشتر وہ خدا کے ارادے اور خیال میں بنائے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ نئی خلقت خدا کے ارادہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ اس کی کتاب میں مسیح کے تمام ممبروں کے نام لکھے جا چکے تھے جس حال میں کہ ان میں سے کسی نے اس دنیا میں صورت اختیار نہ کی تھی۔

مسیح کی موت میں بھی ہم اس کے شریک تھے جب قصوروں کے سبب مُردہ ہی تھے تو

افسیوں ۲: ۶ ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ کیا۔ اس میں ہو کر ہم قبر میں گاڑے گئے اور اسکے ساتھ جلائے گئے اور آسمانی مکانوں میں خدا کی گود میں بیٹھنے کے لئے بھاگے اور اس میں ہو کر قادر مطلق کے دہنے ہاتھ بیٹھے اور اب تک وہاں بیٹھے ہیں۔

افسیوں ۳: ۹-۱۱ وقت خدا کے خیالوں اور ارادوں کو پورا کرتا ہے۔ جیسے دنیا کی پیدائش میں خدا کا ارادہ ظاہر ہوا ویسے ہی کلیسیا کے قایم ہونے اور اس کے ترقی پانے میں خدا کا ارادہ ظاہر ہے۔ ہم کو صرف اسی امر کی ایک جھلک مل جانے سے بڑی مدد ملتی ہے۔ کہ الٰہی ارادہ کا رُخ کس طرف ہے۔ اگر کوئی سیاح بلند جگہ سے کسی اجنبی ملک کی راہ دریافت کر سکے تو وہ دنیا پر کیسا احسان کرتا ہے۔ یہ مکاشفہ کیسا بیش قیمت ہے کہ جس سے وہ تاریکی

دور ہو جاتی ہے جو ہماری فانی زندگی کے چوگرد چھائی ہے۔ اور یہ بھید سب پر انکشاف ہو جاتا ہے۔

دوم۔ مسیح میں نجات کی برکت ملتی ہے۔ مقدس اور مفید زندگی بسر کرنے کے لئے ہم کو جن جن برکتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب یسوع میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے ان سب کو پانے کے لئے ضرور ہے کہ ہم زندہ ایمان کے وسیلے مسیح میں رہیں۔ ہاں جیسے بچہ کو لازم ہے کہ اگر باپ سے پرورش پانا چاہے تو باپ کے گھر میں رہے۔ خدا اپنے توشہ خانہ کی چابی اپنے انہیں بندوں کو دے کر یہ فرماتا ہے کہ جاؤ جو چاہو لو۔ جو مسیح میں قائم رہتے اور اس زندگی کے معانی سمجھتے ہیں جو مسیح کے ساتھ خدا میں چھپی ہے۔

(افسیوں ۱: ۳، ۶، ۷، ۱۲، ۱۳)

باپ کے فضل کی ان عجیب برکتوں کا حساب کون لگا سکتا ہے؟ لیکن یہ سب اس بیٹے کے وسیلے مفت دی جاتی ہیں جس کے وسیلے ہم اس کے منظور نظر ٹھہرے ہیں۔ اس نجات کو کون سمجھ سکتا ہے جو ہمارے گناہوں کی معافی سے شروع ہوتی اور تخت تیلم کے پاس جا ختم ہوتی ہے۔ لیکن یہ صرف اس میں ہو کر اور اس کے خون کے وسیلے ملتی ہے۔ اس روح کی مہر کے بھی ہم کیسے احسان مند ہیں کہ جس سے ہمارے نرم دلوں پر نجات دہندہ کا پیارا پیارا چہرہ نقش ہو جاتا اور وہ اس کے آنے تک محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن یہ مہر صرف انہیں پر کی جائیگی جو اس میں ہیں۔ سب چیزیں ہماری ہیں بشرطیکہ ہم مسیح میں ہوں۔

سوم۔ مسیح میں قائم رہنا ہماری زندگی اور روز کا تجربہ ہو۔ خدا کا یہ ارادہ ہے کہ مومنین ہمیشہ مسیح میں ایسے قائم رہیں جیسے بغیر ہوا ہیں۔ جینے کے ہم جی نہیں سکتے۔ جو سنہلی حدیں اس کی محبت اور زندگی اور روشنی نے قائم کی ہیں کبھی ان سے باہر نہ جائیں اور اس میں ایسے قائم رہیں جیسے جڑ زمین میں۔ اور نیو چٹان میں۔ ہمیشہ اس کی محبت میں قائم۔ کیونکہ قول اور فعل سے کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ ہم ہمیشہ اس کی زندگی میں قائم ہیں۔ کیونکہ اپنا ہر ایک کام اس کے قوانین زندگی کے مطابق کرتے ہیں۔ اس کی روشنی میں ہیں کیونکہ اس کی نورانی پاکیزگی اور لاثانی دانشمندی سے منور اور شرابور ہیں۔ اوہ! یسوع مسیح میں ہمیشہ وفادار پائے جانا اور زبور نویس کے ہمزبان ہو کر یہ کہنے کی توفیق پانا کیسا مبارک ہے کہ "تیرے بغیر میری بھلائی نہیں"۔ (زبور ۱۶: ۲)

(افسیوں ۱: ۱، ۳: ۱۷)

پھر کسی وقت خدا کے پاس دلیری سے رسائی پانا آسان ہوگا کیونکہ ہمکو یہ امید ہوگی کہ جو کچھ ہم مانگتے ہیں اس کی مرضی کے مطابق ہے۔ پھر ہم اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس سچائی کے مطابق جو یسوع میں ہے اسی کی تعلیم پائیں گے اور یہ سیکھیں گے کہ کس طرح پرانی انسانیت کو اتار کر نئی انسانیت کو پہن لیں۔ پھر سب باتوں میں خداوند یسوع مسیح کے نام سے خدا باپ کے شکرگذار رہنا مشکل نہ ہوگا۔ پھر ہمارے دل آسمانی خوشی سے ہمیشہ شاد رہیں گے۔ پھر ہم کبھی کمزور نہ ہوں گے کیونکہ اس کی قدرت کلی سے ہماری

(افسیوں ۲: ۱۸
۴: ۲۱
۵: ۲۰
۶: ۱۰)

سب احتیاجیں پوری ہونگی - خدا کا روح - ہاں وہ مسیح جو اس کی طرف سے کیا گیا ہمیں سب باتیں سکھاتا ہے بالخصوص مسیح میں قایم رہنا - (۱ یوحنا ۲: ۲۷)

چہارم - مسیح ہماری یگانگت کا مرکز ہے - یہ صاف ظاہر ہے کہ جیسے خدا نے شروع کیا وہ اس کو تکمیل تک پہنچائے گا - اس نے ہم کو مسیح میں چننے سے شروع کیا - وہ اس کا انجام اس طرح کرے گا کہ مسیح میں سب چیزوں کا مجموعہ ہو جائے خواہ وہ آسمان کی ہوں - خواہ زمین کی - (افسیوں ۱: ۱۰)

آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

ساری خلقت کا معراج حضرت انسان ہے اور سارے زمانوں کی تواریخ کا مجموعہ ہمارے خداوند ہاں مرزا الٰہی میں ہوگا -

یہ یگانگت واقعی ترقی پا رہا ہے - بھیڑیں اطراف کوہ میں جمع ہو رہی ہیں کہ اپنے ایک ہی گڈریا کی زیر نگرانی ایک گلہ ہو کر کھڑی ہوں - جو دُور تھے وہ بھی نزدیک آ رہے ہیں - مخالف اب میل پا رہے ہیں - کیونکہ درمیانی دیوار گر گئی ہے وہ جو ایک دوسرے سے اجنبی اور غیر تھے اب پہچان رہے ہیں کہ اصل میں تو ہم ایک ہی بدن کے عضو، ایک ہی وعدے کے شریک اور ایک ہی وراثت کے حصہ دار ہیں - مختلف کلیسیاؤں میں سے وہ ایک کلیسیا تعمیر ہو رہی ہے جس کو مسیح نے اپنے خون سے خریدا - کئی عمارتوں کے کھنڈرات میں سے ایک ہیکل اٹھ رہی ہے - (افسیوں ۲: ۱۲ - ۱۵ اور ۲: ۲۱ - ۲۲)

ادیب

۲

زندگی میں کامیابی

کامیابی کا لفظ ہم اکثر سنتے رہتے ہیں - زندگی شروع کرتے وقت ہر ایک کے دل میں سب سے بڑی آرزو اور خواہش یہی ہوتی ہے کہ میں کامیاب ہوؤں - ایک دوست دوسرے سے تیسرے کی نسبت ہمیشہ یہی پوچھتا ہے کیا اُسے کامیابی ہوئی -

زندگی میں کامیابی پانے سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعریف شاید یوں ہو سکے کہ یہ دنیا میں حتی الوسع خوشی کا پانا ہے -

اِس امر کا اندازہ کرنے کے لئے کہ کامیابی کیا ہے - دو باتیں دلنشین رکھنی چاہئیں -

(۱) جو زندگیاں بعضوں کے نزدیک کامیاب ہیں وہ اصلی معنوں میں ناکام گنی جاتی ہیں - اکثروں کا خیال ہے کہ کامیابی روزی کمانے یا قابلیت پانے یا دولت جمع کرنے پر مشتمل ہے -

لیکن ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ سب باتیں میسّر ہوں اور پھر بھی وہ کامیاب نہ ہو۔ اگر وہ اپنی صحت کو بگاڑ کر دولت جمع کرے یا بددیانتی اور فریب سے اُسے پائے تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ اس نے کامیابی پائی۔ حقیقی خوشی اُسے نصیب نہیں ہوتی۔ اگر کوئی آدمی اپنے آپ کو کھو کر ساری دنیا کو حاصل کرے تو وہ کامیابی نہیں پاتا۔ زندگی میں حقیقی کامیابی تب ہی ملتی ہے جب دنیا کی نیکی اور اسباب کا ایک معقول حصہ جسمانی۔ دماغی یا اخلاقی قوت کو نقصان کئے بغیر میسّر ہو۔

۳۔ جو زندگیاں بعضوں کے نزدیک ناکام ہیں وہ اعلیٰ اور اصلی معنی میں کامیاب ہوتی ہیں۔

ایک پہلو سے تو ہمارے مبارک خداوند کی زندگی ناکامی کی زندگی تھی وہ افلاس اور ناداری میں گذری۔ دُنیا ہی میں ختم ہوئی اُسکے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا دیکھتے ہیں۔ لوگ اُسے استہزا کرتے اور اُس کے سر پر تھوکتے ہیں۔ لیکن یسوع کبھی بھی ایسا کامیاب نہ تھا۔ جیسے صلیب پر لٹکنے کے وقت۔ وہ اپنا کام ختم کر چکا ہاں اُس نے اپنے رُوح کی تلخی دیکھی اور تسلی پائی۔

ملٹن نے اپنی مشہور کتاب پیراڈائس لاسٹ کا معاوضہ صرف دو سو روپیہ پایا۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ملٹن ناکام رہا۔

اَے تواریخ بتا زندگی کے فاتح کون ہیں؟ اپنے طویل دفتر کو کھول اور بتا کہ کیا یہ وہ شخص ہیں۔ جن کو دنیا فاتح لکھتی اور جو کچھ عرصے تئے ظاہر میں کامیابی پاتے ہیں؟ کیا شہید کامیاب تھے یا شہنشاہ نیرو؟ سپارٹن جو اتھرموپلی کی لڑائی میں گرے یا فارسی یا قسرکس ہسقراط یا اُسکے قاضی؟ پلاطوس یا مسیح؟ ظاہر میں جو بعض کو ناکامی معلوم ہوتی اصل میں وہی کامیابی ہے۔ بعض امور سے بلا وساطت زندگی میں کامیابی ملتی ہے۔

اوّل محنت۔ سخت محنت کے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی۔ کامیابی تو کیا ہم اپنی روزی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ زمانہ بڑا مقابلہ کا ہے اور جو شخص سخت محنت نہ کرے گا وہ دنیا کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گا۔ جیسا سلیمان کے دنوں میں ویسے ہی اب بھی۔ یہ سچ ہے کہ محنتی کا ہاتھ دولت پیدا کرتا ہے۔

(الف) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بغیر محنت کے ہما۔ گذارا چل سکتا ہے کیونکہ ہمیں ذاتی طور سے قابلیت اور تیز فہمی ملی ہے۔ اور یہ تیز فہمی اور لیاقت۔ محنت کی جگہ لے سکتی ہے۔ یہاں خرگوش اور کچھوے کی حکایت صادق ٹھہرتی ہے۔ دونوں اپنی دوڑ میں اکٹھے روانہ ہوئے۔ خرگوش کو اپنی تیزی کا گھمنڈ تھا اور اس لئے وہ ایک طرف کو ہو کر سو رہا۔ لیکن کچھوا برابر رینگتا رینگتا بڑھا گیا اور انعام لے گیا۔ متواتر لگاتار محنت کرنے سے انسان ایسی راہوں سے گذر جاتا ہے جہاں محض لیاقت ناکام رہتی ہے۔ تواریخ سے ظاہر ہے کہ بڑے سے بڑے عالی دماغ بھی اپنے قوا کے بڑھانے میں ہمیشہ ساعی رہے۔ سب سے لائق اور سمجھدار شخص وہی ہیں جو بڑے محنتی اور مستقل مزاج تھے۔ سخت محنت کرنے والوں کے سوا کسی نے بڑا نام نہیں پایا۔

(ب) بعض کا خیال ہے کہ کامیابی محض نصیب کی بات ہے جس پر انکا اپنا کوئی اختیار نہیں

زمانہ ان کے مساعد ہو تو محنت کرنیکی کیا ضرورت اور اگر مخالف ہو تو محنت کرنے سے کیا فائدہ۔ لیکن اصل بات تو یوں ہے کہ تعات کے مخلوق ہونے کی بجائے انسان خود واقعات اور اپنی قسمت کا معما ہے۔ ایک ہی مصالحہ سے ایک شخص تو محل اور دوسرا جھونپڑی بناتا ہے اینٹیں اور گارا گارا اور اینٹیں ہی بنے رہتے ہیں جب تک کہ معمار ان کو صورت میں نہ لائے۔ ایک ہی واقعات سے ایک شخص تو عالیشان ایوان کھڑا کرتا ہے حالانکہ دوسرا سست اور ناقابل ہمیشہ کھنڈرات ہیں رہتا ہے۔ واقعات مشکل سے کسی مضبوط شخص پر غالب آتے ہیں۔

مشاہیر زمانہ نے طرح طرح کی مشکلوں اور رکاوٹوں کا سامنا کر کے فتح و کامیابی پائی۔ ملٹن نے اپنی پیراڈائیس لاسٹ اندھاپے اور غریبی میں لکھی۔ لوتھر کو اصلاح کرنے سے پیشتر ایک ہزار برس کی بدعت اور ایک متکبر فرقہ پادریاں اور سلطنت جرمنی کے زور کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لینیاس جو علم نباتات میں اُستاد گذرا ہے ایسا مفلس تھا۔ کہ اُسے اپنی جوتی کی مرمت کاغذ سے کرنی پڑتی تھی اور اکثر اپنا کھانا بھی دوستوں سے مانگنا پڑتا تھا۔ کولمبس کو کہ جس نے امریکہ دریافت کیا۔ سلطنت جینوا۔ پرتگال۔ وینس۔ فرانس۔ انگلستان اور سپین کی تین چھوٹی کشتیوں اور ایک سو بیس آدمیوں کے لئے ازحد لجاجت اور سماجت کرنی پڑی۔ ہیو ملر جو مضامین ارضی میں اپنے زمانے کا اُستاد گذرا ہے ایک معمار کا شاگرد تھا اور کان میں کام کرتے کرتے پتھروں کی ماہیت دریافت کی۔ جارج اسٹیفنسن لوکوموٹو انجن کا موجد کانوں میں ایک معمولی کام کرنے والا مزدور تھا۔ جیمس واٹ دُخانی انجن کا موجد ایک غریب دائم المریض لڑکا تھا اور مدرسے جانے کے قابل نہ تھا۔ جان کیلون جس کے پلہ کا علم الہیات کی تفسیر و تشریح کرنے والا نہیں ہُوا زندگی بھر بیماریوں سے اذیت میں رہا۔ بھلا کسی عمدہ یا بڑے کام کا مساعد زمانہ کب ہُوا۔ الّا اُسی صورت میں کہ محنت اور مصمم ارادے نے زمانہ اور واقعات پر فتح پائی۔

(ج) گو زمانہ مساعد معلوم کیوں نہ ہو کامیابی کے لئے محنت لازمی و لابُدی ہے۔ گو یہ مثل سچ بھی کیوں نہ ہو کہ ہم اپنے منہ میں چاندی کے چمچے لئے پیدا ہوتے ہیں تاہم کام کے بغیر ہمارا گذارا نہیں۔ اگر ہم محنت نہ کریں تو زندگی ایک بار ہو جائے گی۔ کام سے ہم زندگی میں مصروف اور خوش رہتے ہیں۔ ہر طرح کے بیماری بخش خیالات اس سے کافور ہو جاتے اور رُوح کی تمام حرکات اس سے ہموزن اور ہم پلہ رہتی ہیں۔

اگر ہم زندگی میں کامیابی پانا چاہیں تو سخت محنت لازم ہے۔ دیکھنا کہیں شریف خانون یا جنٹلمین کے خیال ہی میں بیکار بیٹھے نہ رہ جانا۔ بیکار زندگی مصیبتوں کی زندگی ہے۔ اس کے سوا یہ کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا نے محنت سے بڑی بڑی برکتوں کے وعدے کئے ہیں۔ لیکن سُستی سے اُس نے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا۔ خدا خود کام کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے فرزند بھی کام کریں۔

دوئم۔ مقصد اور مدعا۔ بھلا اگر کوئی شخص دوڑ میں خوب دوڑے یہاں تک کہ اُس کی

پیشانی سے پسینہ بہ اُٹھے اور اُس کی ہر ایک نس سے کام لیا جائے لیکن وہ راہ راست پر دوڑتا نہ ہو اور نشان سے پرے ہی پرے جاتا ہو تو اُس کی محنت سے کیا حاصل۔ محنت و مشقت سے بھی ہمیں کچھ فائدہ نہیں ہونے کا جب تک کہ ہمارا کوئی خاص مدّعا و مقصد نہ ہو۔ دنیا بے مقصد لوگوں سے بھری ہے اور ایسے لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ جن لوگوں نے بڑی بڑی کامیابیاں پائیں انہوں نے اپنی راہ کو پہلے ہی سے چُن لیا اور اُس پر قایم رہے۔

(الف) زندگی میں اپنے مدّعا و مقصد کے فیصلہ کرنے میں پہنچنے کی پسند بڑی ضروری ہے اکثر لوگوں کی ناکامی کی وجہ ایک ایسے کام کا اختیار کرنا ہے۔ جس کے وہ اہل یا لایق نہیں۔ اگر کسی مربع شگاف میں گول چیز ڈالی جائے تو وہ ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ پیشے یا کام کی پسند میں خاص خاص قواعد کا مرتب کرنا بڑا مشکل ہے۔ بعض کو تو وہی کام اختیار کرنا پڑتا ہے جو موقعہ ان کے پیش کرے۔ و بعض کو ایسی چھوٹی عمر میں کام شروع کرنا پڑتا ہے کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم کس کام کے لئے احسن طور پر قابل ہیں اور اپنی مرضی کے بجائے دوسروں کی مرضی کے مطابق کام اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ہم یہاں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ حتی الوسع وہی کام اختیار کرنا چاہیئے جو ہماری حسب حالت و رمیلان طبع کے مطابق ہو۔ ایک دانشمند صلاح کار نے ایک جوان شخص کو جو اُس سے اپنے کام کی بابت مشورہ کرنے آیا۔ یہ صلاح دی کہ اپنی طبیعت کے دستہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ ہر ایک شخص کو خاص خاص لیاقتیں ملی ہیں اور حتی المقدور ان کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اوائل زندگی میں عموماً صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم خاص طور پر کس کام کے قابل ہیں۔ بچے کے مذاق اور رمیلان طبع سے پتہ ملتا ہے کہ بڑا ہو کر وہ کیا کام اختیار کرے گا۔ فرگسن کا لکڑی ہی میں گھڑی کو کندہ کرنا اور اُس کے معمولی سادہ پُرزے بنانا۔ فریڈے کا ایک معمولی بوتل سے تو... بجلی کا نکالنا۔ کلاڈے لورین کا نانبائی کی دوکان میں کوئلے سے دیواروں پر تصویریں کھینچنا۔ ... کا مٹی سے چھوٹے چھوٹے بُت بنانا۔ کنٹری کا اپنے اُستاد کے سر کو لکڑی میں تراشنا۔ ... امر کے مضبوط اور بدیہی نشان تھے کہ یہ لڑکے بڑے ہو کر کیا کچھ کارنمایاں انجام ... گے۔

(ب) جس امر کا تم ارادہ کرو اس پر جمے رہو۔ "میں یہی ایک بات کرتا ہوں" ایک ایسا اصول ہے کہ جس کی پیروی ہمیں ہمیشہ لازم ہے۔ یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ ہم ایک بات کو بخوبی تمام سر انجام دیں۔ بہ نسبت اس کے کہ کئی باتوں کو ادھورا رہنے دیں۔ ہاں یہ بہتر تو ہے کہ ہماری کمان میں بہت سی ڈوریاں چڑھی رہیں لیکن یہ نہایت ہی بہتر ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسی کمان اور ڈوری ہو جس سے تیر بے خطا برابر اپنے نشانہ پر جا لگا کرے۔ جو پتھر ہمیشہ لڑھکتا رہے اُس پر کبھی کائی نہیں جمتی۔ جو شخص ہمیشہ اپنے رنگ بدلتا رہے اور کبھی ایک بات پر دیر تک قایم نہ رہے اس کا انجام برا ہوتا ہے۔

(ج) جتنا اعلیٰ ہمارا مقصد ہو اتنی ہی زیادہ ہماری قابلیت بھی ہوگی۔ جتنا شریف ہمارا ہدف

اور مضبوط ہو۔ اتنی ہی شریف ہماری کامیابی بھی ہوگی۔ ظاہر میں تو شاید یہ امر نقیض معلوم ہو لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ کوئی شخص کسی نشان کو نہیں پہنچا۔ جب تک کہ وہیں سے شروع نہ کرے۔ کسی شخص نے کبھی فتح نہیں پائی جب تک کہ اُس نے ساتھ ہی جنگ بھی شروع نہ کی ہو۔ کوئی شخص کسی کام میں کامیاب نہیں ہوا جب تک کہ اُس نے پہلے اس کام کو اپنے دل میں ختم نہ کر لیا ہو۔ جب ہم زندگی میں قدم آگے بڑھائیں تو ہمیں مصمم ارادہ باندھ لینا چاہیے کہ ہم زندگی کا کیا بنانا چاہتے ہیں۔ غور و فکر کے بعد ارادہ کر لو اور پھر اس کے لئے محنت کرو۔

سوم۔ اخلاقی سیرت۔ اِس کے کئی جزو ہیں۔ مثلاً دیانتداری۔ سچائی۔ مستقل مزاجی اور پرہیزگاری۔ دیانت داری سب سے عمدہ حکمت عملی ہے۔ یہ ایک ایسا زرنیاد ری کا معقولہ ہے جو انسانی تجربہ کا اظہار کرتا ہے۔ چھوٹے سے سوراخ سے بڑے بڑے جہاز غرق ہو جاتے ہیں۔ ستار کی ایک تار بگڑ جانے سے سارا نغمہ بگڑ جاتا ہے۔ اخلاقی سیرت میں ایک نقص کے آجانے سے ساری زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ مصرعہ

گرچہ ہوں کتنے ہی اوصاف حمیدہ ہم میں ایک ہی عیب گنوا دیتا ہے سب کو دم میں

سب سے بے امید تباہ حال شخص جو سوسائٹی کے آب شور پر اِدھر سے اُدھر اچھلتے پھرتے ہیں وہی شخص ہیں جو سیرت اخلاقی کے نہ ہونے سے ناکام رہے ہوں ایسے ہزاروں شخص ... بڑی بڑی توقع تھی لیکن ان سے کچھ بن نہ آیا۔ کیمبرج کے ایک مشہور پروفیسر کا ذکر ہے کہ وہ ... طالب علموں کی تصویریں رکھا کرتا تھا۔ ان کو اُس نے دو قسموں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک ... گندوں کی ٹوکری کا نام دیا تھا۔ یہ اُن لڑکوں کی تصویریں تھیں جو ناکام رہے تھے گو ... سے بڑی توقع تھی۔ ان لڑکوں میں سے اکثروں کی ناکامی کی وجہ سیرت اخلاقی کا نہ ہونا تھا ... میں سے اکثر شراب نوشی میں پڑ گئے بعض عیش و عشرت اور دیگر خرابیوں میں مبتلا ہوئے ... اصول نہایت لازمی و لابدی ہیں کئی باتیں انسان کو ترقی کرنے سے روکتی ہیں ... قابلیت کا نہ ہونا۔ بیہودہ پنی اور کام میں دلچسپی نہ لینا۔ ان میں سے اکثر نقصوں کی لوگ ... کر سکتے ہیں اور ہم بھی شوق سے ان کا دیر تک مقابلہ کرتے لیکن سیرت میں کسی نقص ... جانا موت کا حکم رکھتا ہے۔ بے استقلالی۔ بددیانتی اور جھوٹ بہت خطرناک ہیں ... دونوں کے نزدیک بے وفا کو کرنکما اور حقیر ٹھہرتا ہے۔ شاید ہمیں اور ایسے وصف ... سے کامیابی ملتی ہے۔ مثلاً محنت اور مدعا۔ لیکن اصول کے ... سے یہ سب ... دیکھے پر یقینی طور پر چلنے والے عموماً منزل مقصود کو پہنچتے ہیں ... سب سے محفوظ ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہم ... قائم ...

چہارم۔ ذہنی امید۔ (الف) محنت ... عمدہ ...

ہمیشہ وہی نہیں جیتتا جو سب سے تیز قدم ہو اور نہ جنگ ... زور آور ... ہم دوڑ میں ہارے جاتے ہوں اور جنگ ہمارے خلاف ہو رہی ہو ...

دیکھنے سے جو دین سے ملتی ہے ہمیں پھر کوشش کرنے کی جرأت ہوگی اور ہم بالکل ہمت ہار نہ بیٹھینگے بڑی بڑی ناکامیوں اور مایوسیوں میں بھی مسیحی ایمان سے لوگ دلاور بنے رہتے ہیں۔ (ب) اور اگر کسی شخص کو دولت۔ قابلیت اور دنیا کا آرام و راحت حاصل بھی ہو تو کیا۔ اگر وہ زندگی کے خاتمے پر اپنی عاقبت کو تیرہ و تاریک پائے تو وہ کیونکر کہہ سکتا ہے۔ کہ میں کامیاب ٹھہرا۔ کارڈینل ولزی جو بادشاہ کا عزیز تھا اور جس کے ہاتھ میں سلطنت انگلستان کی عنان حکومت مدتوں رہی۔ اپنی [illegible] حشمت کھوتے وقت کہا "اگر میں نے خدا کی ایسی صدق دلی سے خدمت کی ہوتی جیسی میں نے اپنے بادشاہ کی کی تو وہ بڑھاپے میں مجھے یوں چھوڑ نہ دیتا"۔ دنیا کی تسلی محض ایک دھوکا اور خسارا ہے۔ کوئی شخص کامیاب نہیں ہو [illegible] جب تک کہ اسکی حقیقی خوشی ظاہری تبدلات کی [illegible] سے وررے رکھی گئی ہو۔ یسوع پر ایمان رکھنا (ایسا ایمان جو مستقبال سے بھی پرے نکل جائے) آسمان سے [illegible] آگ اور روشن امید والے [illegible] جو وہ منزل کو مقصود کر دے۔ اور ہستی کے بڑے مدعا کو ظاہر کرے۔ [illegible] کامیابی کے لئے لازم ولابد ہے۔

ہم دعا مانگتے خدا کام کرتا ہے

۲

جو کچھ چاہو گے میں وہی کرونگا۔ یوحنا ۱۴:۱۴

[illegible] سے ظاہر ہے کہ ہماری درخواست پر خداوند کا کام کرنا ہماری اپنی خدمت کی نسبت [illegible] بہتر ہے۔

[illegible] ان احباب کے ذرا نام یاد کرو جن سے تم بڑی محبت رکھتے ہو پر جو نجات سے محروم ہیں۔ [illegible] ان کو سمجھا چکے ہو۔ تم تو یہاں تک راضی ہو کر خود اناثیما (ملعون) ٹھہرو یوں ہی اگر وہ نجات پائیں [illegible] یہ سب کوشش رائیگان ٹھہری ہے۔ اب اگر کسی دن خداوند یسوع مسیح تم کو [illegible] کہ اگر تم صرف مجھ سے درخواست کرو تو میں خود جا کر تمہارے ان عزیزوں کو سمجھاؤں گا۔ [illegible] نعمت عظمیٰ نہ ہوگی کہ یسوع مسیح خود تمہارے عزیز کے دل پر اپنا نیک اثر ڈالے۔ یہ وعدہ [illegible] ہے کہ خداوند یسوع مسیح۔ بدن میں نہیں بلکہ روح میں۔ تمہارے خاندان [illegible] کام کرے۔ کہ وہ تمہارے عزیزوں کو جنہوں نے ابھی تک نجات نہیں پائی خود [illegible] پیغام [illegible]۔ ہاں اُن کے دلوں کو بدل کے اپنی طرف کھینچ لائے۔ اور اُس جان [illegible] اپنی جان دی اپنی تمام ہنرمندی۔ دانش۔ دلفریبی۔ صبر حلیمی۔ رحم۔ نہ تھکنے [illegible] سے خدا کے پاس پھر پہنچا دے۔ دعا سے یہ سب باتیں پوری ہونگی کیونکہ [illegible] ہے کہ [illegible] چاہوگے میں وہی کروں گا۔

برسوں سے تم کوشش کر رہے ہو کہ تمہارا ایک عزیز اپنی عادات بد کو چھوڑ کر نجات کا وارث بنے۔ تم نے اس کو لاکھ سمجھایا۔ اس کے ساتھ بحثیں کیں۔ اس کی منت وسماجت بھی کی۔ تم نے اس کو مسیح کی خوشخبری دی اور مسیح کی سی زندگی بسر کرنے کی کوشش بھی کی۔ تم نے اس کے سدھارنے میں کوئی ایسا دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جس کی تحریک محبت۔ ایمان اور امید کر سکتی ہے۔ اب جو تمہاری تمام کوشش اور خدمت ناکام رہی ہر کیسی نعمت غیر مترقبہ ہے کہ تمہارے چاہنے پر خداوند خود اس کی تبدیل زندگی کے لئے کوشش کرے۔

سنو خداوند کیا فرماتا ہے:۔ اے میرے بچے تو تو کسی کو گناہ کے بارے میں قصوروار ٹھہرا نہیں سکتے۔ لیکن میں جو تمہارے دعا کرنے پر کام کرتا ہوں یہ قدرت رکھتا ہوں کہ اس جان کو خود الزامی کی بے چینی سے خاک میں لٹا دوں۔ تو تو نہیں جانتے کہ کونسا وقت پیار و محبت سے دلاسا دینے اور کونسا وقت تنبیہ و سرزنش کرنے کا ہے۔ لیکن میں جو تمہارے دعا کرنے پر کام کرتا ہوں خوب جانتا ہوں کہ کس وقت محبت کا بلسان لگانا چاہیئے اور کس وقت عدالت کا تیز نشتر چبھونا۔ تو ہر روز اور ہر وقت کسی روح کے پیچھے لگے رہ نہیں سکتے کیونکہ ضرور ہے کہ تم کھاؤ۔ سوؤ اور آرام کرو۔ لیکن میں جو تمہارے مانگنے کے مطابق کرتا ہوں شب و روز۔ ہر لحظہ و ہر دم اس روح کے ساتھ ساتھ رہ سکتا ہوں۔ کبھی تو اسکو تسلی دیتا اور کبھی اسکو تکلیف پہنچاتا ہوں۔ کبھی تاریکی لاتا اور کبھی روشنی۔ کبھی اقبال کبھی ادبار۔ کبھی نشتر سے کام لیتا کبھی مرہم سے۔ کبھی پرکھتا کبھی آزماتا۔ کبھی محروم کرتا کبھی برکتوں سے مالامال۔ کبھی توڑتا کبھی بناتا۔ ہاں اس بھٹکی روح کو پھیر لانے کے لئے جو کچھ ضرور ہو میں اس کے کرنے کی قدرت رکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ یہ کہے "میں اٹھ کر اپنے باپ پاس جاؤں گی۔"

خدا کے اُن بندوں کے لئے بھی جو برسوں سے بستر بیماری پر پڑے تکالیف و مصیبتیں اٹھا رہے اور خدا کی خدمت کرنے کی ہمت نہ رکھنے کے باعث متاسف ومغموم ہیں یہ کیسا تسلی بخش پیغام ہے۔ اے عزیز دکھیارو! تسلی پکڑو۔ خدمت بیشک مبارک ہے۔ لیکن اس دعا اور سفارش کی خدمت سے بڑھ کر آسمان کے نیچے کوئی خدمت ایسی اعلیٰ اور مقدس نہیں کہ جس سے خدا اپنے بندوں کی تبدیل زندگی کے لئے کام کرتا ہے۔ تمہارا خداوند یسوع مسیح اپنی ابدی آسمانی زندگی کے ہر لحظہ لگاتار دعا اور سفارش میں لگا رہتا ہے۔

وہ اُن کی شفاعت کیلئے ہمیشہ جیتا رہے گا۔

یہ کیسی عزت ہے کہ خدا ایسی ابدی خدمت کیلئے تمہیں بلائے کہ جسکے لئے اسکے بیٹے نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی! اگر تمہارا یہ نصیب ہو تو کسی اور خدمت کی آرزو نہ رکھو۔ خود کسی کی احتیاج دور کرنا بیشک بڑا مبارک ہے۔ لیکن ہمارے مانگنے پر خدا کا اس کی احتیاج رفع کرنا کیا اور بھی مبارک نہیں کیونکہ خدا کا کام ہمارے کام سے ہزارہا درجہ بہتر ہے! سنو وہ تم سے کیا فرماتا ہے:۔ اے میرے بچے جو تکلیف اور ناتوانی کے بستر پر پڑے ہو اگر تم اوروں کی طرح لوگوں کی خدمت نہیں کر سکتے تو حسرت نہ کرو۔

کیونکہ جب تم رات کی خاموشی میں گم شدہ دنیا کے لئے میرے حضور تضرع کرتے ہو تو جو کچھ تم میری مرضی کے مطابق مانگتے ہو میں وہی کرتا ہوں۔ کیا آپ کام کرنے کی نسبت تم یہ ترجیح نہیں دیتے کہ اگر میں نے تمہیں اسی لئے مقرر کیا ہو تو دعا و شفاعت سے میری قدرت کُلّی کو کام میں لاؤ۔

کیونکہ جو کچھ تم (میری مرضی کے مطابق) چاہو گے میں وہی کروں گا" تمہارا جواب یہ ہونا چاہئے کہ ہاں میرے خداوند میں خوش ہوں۔ گو میں اس چار دیواری میں محبوس لوگوں کو تیری خبر پہنچا نہیں سکتا لیکن میرے مانگنے پر جیسا تو نے وعدہ کیا ہے تو خود ان پاس پہنچے گا گو میں سارا دن تھکا اور ناچار و بے بس رہتا ہوں لیکن تو جس نے میری جگہ کام کرنے کا وعدہ کیا ہے نہ تھکنے والا اور قادر مطلق ہے۔ گو میں اپنا ہاتھ تک اُٹھا نہیں سکتا۔ لیکن تو جس نے میرے چاہنے پر کام کرنے کا وعدہ کیا ہے اپنے ان بندوں کو برکت دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا جن کے لئے میں دعا کرتا ہوں۔ گو میری انسانی دعا میرے اس دنیا سے گذر جانے کے ساتھ ہی ختم ہو جائیگی لیکن تیری خدمت جو میری دعا سے عمل میں آئے تمام وقت ہاں ابدیت میں بھی جاری رہے گی۔ ہاں خداوند جس حال کہ میرے دعا کرنے سے تو میرے عزیزوں کے لئے اپنی قدرت کُلّی کو کام میں لاتا ہے تو کیا میں آپ خدمت کی ہمت نہ رکھنے کے باعث غمزدہ ہوؤں؟ اگر میں خود کچھ نہیں کر سکتا تو کیا۔ اگر تو جو میرے مانگنے پر کام کرتا ہے معجزے کر سکتا ہے؟ اس لئے اے خداوند اگرچہ میں خود کچھ نہیں کر سکتا مجھے توفیق دے کہ تیرے اس مبارک وعدے کو بڑی خوشی اور امید کے ساتھ دلنشین کروں کہ جو کچھ تم چاہو گے میں وہی کروں گا۔

مراقبات

۱۔ میں ہی خداوند تیرا خدا ہوں۔ جو تجھے فائدے کی باتیں سکھاتا ہوں۔ یسعیاہ ۴۸: ۱۷

کبھی کبھی فوراً تربیت پانے سے ناراض ہو کر کہتی ہے کہ میں ہرگز نہیں ماننے کی کہ یہ مصیبت خداوند میرے خدا کی طرف سے ہے۔ خداوند میرا خدا تو مجھ سے محبت رکھتا اور میرے دل کی مراد بر لانے سے خوش ہوتا ہے۔ لیکن یہ واقعہ دلشکن میری برداشت سے تو باہر ہے۔ میری عرش رسیدہ امیدیں خاک میں مل گئیں۔ میری مرادیں بر نہ آئیں۔ میرا توکل بے سود ٹھہرا۔ بھلا میرا دشمن بھی اس سے بڑھ کر اور کیا کر سکتا؟ اور کیا وہ مجھے اب یہ کہیں گے۔ کہ "یہ خداوند تیرا خدا ہے جو تجھے فائدے کی باتیں سکھاتا ہے"۔

ہاں یہ خداوند تیرا خدا ہی ہے۔ "جتنوں کو میں پیار کرتا ہوں اُن کو میں تربیت دیتا اور سرزنش کرتا ہوں"۔ جو کچھ میں تیرے لئے کر رہا ہوں تیرا دشمن تو کبھی کر نہ سکتا۔ ہاں وہ تجھے ایذا تو پہنچا سکتا۔ لیکن وہ ایذا تیرے مفید مطلب نہ ٹھہرتی۔ شاید پہلے پہل اس زخم کے درمیان جو

قاتل نے لگایا ہو اور اُس چیرے کے درمیان جو جرّاح نے دیا ہو امتیاز کرنا مشکل ہو۔ لیکن اِن کے نتائج سے صاف ظاہر ہوگا کہ ان میں کیسا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ضرور ہے کہ میں وہی کچھ تجھ پر گذرنے دوں جس کے خیال ہی سے تو لاکھوں کوس بھاگتا تھا۔ ایسے امتحان و آزمائشیں بھیجنے کی کچھ ضرورت نہ تھی جن کے لئے تو تیار رہتا اور جو مجھکو تجھ سے چھپا نہ سکتیں تو اُن سے بخندہ رُوئی کہتا۔ کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ کہ خداوند میرا خدا ان میں ہو کر مجھ سے ملنے کو آرہا ہے۔ اِس لئے بیں نے ایک معمولی اوڑھنی اوڑھ لی ہے۔ تاہم اگر تو غور سے سُنے تو وہی پرانی آواز جس سے تو واقف ہے تجھے یہ کہتی سُنائی دے گی۔ میں خداوند تیرا خدا ہوں۔ جو تجھے فائدے کی باتیں سکھاتا رہا ہوں۔

لیکن کیا ابھی تک مجھے یہ سکھانا ضرور ہے۔ کہ میری احتیاجیں کیا ہیں۔ میں کیسا گنہگار اور بیکس ہوں۔ دُنیا کیسی ناپائدار اور فانی ہے اور مسیح کی صداقت اور خدا کی قدرت میرے لئے کیونکر کافی ہے۔ کیا میں نے پچھلی تنبیہوں سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیا میرا پچھلا تجربہ سب رائگاں ٹھہرا۔

نہیں رائگاں نہیں ٹھہرا۔ یہ تیری خوبی کا ثبوت ہے۔ کہ میں تجھے اور تربیت دیتا ہوں تاکہ تو کامل ہو۔ تیری باتوں سے تو صاف ظاہر ہے کہ تو نے ابھی کچھ اور سیکھنا ہے۔ ابھی تک تو بالکل رضامند نہیں ہُوا کہ میں سب باتوں میں مختار ٹھہروں اور ہر بات میں تیری مرضی میری مرضی کے تابع رہے۔

لیکن مہربان خداوند جس شخص نے تیری محبت بھری مہربانی کا مزہ چکھا ہو اور جو تیرے تبسّم جیسا نہ پر محو ہو گیا ہو۔ وہ تیری ناراضگی کی ضربوں کو بغیر ترقی پائے کیونکر اُٹھا سکتا ہے۔ تو نے مجھے وہ ادراک و فہم عطا کیا ہے جس کے سبب میں یہ تکلیف اُٹھا رہا ہوں۔ کیا سخت دل ہونا بہتر ہے؟ کیا بہتر ہے کہ ہم کوئی توقع اور جذبۂ دل نہ رکھیں۔

تمہارے ایمان کی آزمائش سونے کی آزمائش سے جو تباہ ہو جاتا کہیں بڑھ کر بیش قیمت ہے۔ تمہارے دل میں اِس لئے خیال اُٹھتے ہیں۔ کہ بھٹی سات مرتبہ گرم کی گئی ہے۔ لیکن کیا تمہیں خیال نہیں کہ میں بھی تم پر اور بعد میں تمہارے ذریعہ سات مرتبہ زیادہ ظاہر ہوؤں۔

۲۔ میری قدرت کا کمال کمزوری میں ظاہر ہوتا ہے۔ ۲ کرنتھیوں ۱۲: ۹۔

مسیحی کو زورآور بننے کے لئے کمزور بننا واجب ہے۔ اُن اسباب سے محروم ہو کر کمزور بننا جنہیں دُنیا زور و قوّت کے لئے ضرور سمجھتی ہے۔ اُس قوّت میں کمزور ہونا جس کی تلاش لوگ کرتے اور اُس پر فخر کرتے ہیں۔ اپنی آزادی اور ذاتی قوّت کا خیال تک چھوڑ دینا۔ اپنی راستبازی اور دانائی سے دست بردار ہونا۔ دشمن کی قوّت کا معترف و شناسا ہو کر یہ پہچان پانا کہ مسیح سے الگ میں بالکل ناچیز اور تباہ حال ہُوں۔ یہ ہے قوّت پانے کی تیاری۔ یہ ایک ایسی بنیاد ڈالنا ہے جس پر مسیح اپنی عمارت کھڑی کرے گا۔ یوں مسیح کی دانش و قدرت اور بھرپوری کے لئے جگہ

مہیا کی جاتی ہے۔ مسیحی کھلتا ہے تاکہ ایک اور مبارک اور بہتر معنی میں بڑھے۔ وہ کمزوری میں کامل کیا جاتا ہے تاکہ سچی قوت میں کامل ٹھہرے۔ پطرس کی حالت پر غور کرو۔ جب وہ گتسمنی کے باغ میں تلوار لئے کھڑا ہے۔ اور پھر پنتیکوست کے دن اس کے حال پر نظر ڈالو۔

۳۔ اے خداوند ہمارے ایمان کو ترقی دے۔ لوقا ۱۷: ۵ +

رسولوں نے کیسی دانائی کی بات کی۔ دنیا کو اپنی بے ایمانی کی پہچان نہیں۔ اس کے خیال میں زیادہ ایمان نہ پانے کی وجہ یہ ہے کہ اب اس امر کی شہادت دی نہیں جاتی۔ لیکن ہزاروں شہادتوں کے بہم پہنچنے سے بھی یہ مشکل رفع نہ ہوگی۔ ضرور تو یہ ہے کہ دلی تبدیلی پیدا ہو اور روحانی بینائی روشن ہو جائے۔

ہمارا خداوند اس دعا کا جواب دیتا ہے لیکن وہ کوئی نئی شہادتیں پیش نہیں کرتا۔ بلکہ ہمیں سکھاتا ہے کہ جو کچھ گواہیاں ہمارے سامنے ہیں۔ انہیں کی قدر کریں۔ اس کے وعدوں کو دنیا کے تمام انعام واکرام کے مقابل ایمان کے ترازو میں ڈال کر تولیں اور دیکھیں کہ برکت پانے کی سب سے ضروری شرط ایمان لانا ہے اور بے ایمانی سے سوائے حیرانی اور پریشانی کے کچھ اور نہیں ملتا۔ کہ ایمان صداقت کی پہچان پاتا ہے اور وہ ایمان ہمیں کسی ایسے محل میں نہیں لے جاتا۔ جو زمین پر ہو اور جس کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ نہ ایسے محل میں جو ہوا میں بنا ہو۔ اور صرف نظروں کا دھوکا ہو۔ بلکہ ایک ایسے جلالی مکان میں جس کی بنیادیں ہلنے والی نہیں۔ جس کے مورچے کبھی فتح نہیں ہوتے۔ جس کا حسن بے پایاں۔ جس کا نور کبھی نہ بجھنے والا جس کا جلال بعید از فہم اور جس کی خوشی میں کوئی رخنانداز نہیں۔

۴۔ جو اعتقاد رکھتا ہے اس کے لئے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مرقس ۹: ۲۳۔

اس مرد نے خداوند سے کہا تھا۔ کہ "اگر تو کچھ کر سکتا ہے تو ہم پر ترس کھا کر ہماری مدد کر"۔ لیکن مسیح اُسے جواب میں فرماتا ہے کہ سوال یہ نہیں کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ بلکہ یہ کہ کیا تو اعتقاد رکھتا ہے۔ میرے نزدیک تو سب کچھ ممکن ہے اور میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ لیکن اس سے تجھے کیا فائدہ۔ ایمان لا تو پھر یہ سب باتیں تیرے نزدیک ممکن اور سہل ہو جائیں گی۔ میری قدرت ایمان کو دی گئی ہے اور ایمان جو نہ پیش کرے وہی میری قوت سے بھرپور ہو جاتی ہے۔

آسمان اور زمین کا سارا اختیار مسیح کو دیا گیا ہے اور وہ زمانے کے آخر تک اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ لیکن مسیح کی قدرت کے لوگوں میں ظاہر ہونے کے لئے ان باتوں کے علاوہ کچھ اور بھی ضرور ہے۔ ابھی تک یہ امر واقعی سچ ہے کہ ایمان ہی کے ذریعے اس کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ ناصرت میں وہ ان کی بے ایمانی کے سبب کوئی بڑے اچنبھے دکھا نہ سکا۔ اور بلاشک وشبہ ان دنوں بھی اس کے بڑے بڑے کام نہ کرنے کا باعث کلیسیا ہی کی بے ایمانی ہے جو کچھ ہم کلیسیا میں آج کے دن دیکھتے ہیں اُس کا مقابلہ اُس قوت سے کرو۔ جو مسیحی

کلیسیا کو ابتدائی دنوں میں حاصل تھی۔ دیکھو جس شہر میں مسیح صلیب دیا گیا۔ وہیں ہزاروں لوگ اس کی کلیسیا میں شامل ہوئے اور کسی نے اپنے مال کو اپنا نہ کہا۔ بلکہ ساری چیزوں میں شریک تھے۔ اور وہ باہم کیسی محبت کرتے اور خوشی سے رہتے تھے۔ کیونکر سولس جیسا شخص رجوع لایا۔ حنانیہ اور سفیرہ جیں کلیسیا کو ناپاک کرنا چاہتے تھے۔ اس سے بیجان واپس ہوئے۔ کیونکر پطرس۔ لدیہ اور سمرنہ میں آیا اور وہاں کے لوگ فوراً خدا کی طرف پھرے۔ وہ کیونکر یافا میں آیا اور کئی لوگ ایمان لائے۔ کیونکر فیلبوس سامریہ کو گیا اور بہتوں نے اس کی منادی دل سے سُنی۔ دنیا سے پوچھو کیا وہ ان دنوں بھی ایسے ہی مسیح کی قدرت کا اظہار دیکھتی ہے اور وہ تمہیں یوں جواب دیگی۔ ہم کوئی ایسی بات نہیں دیکھتے بلکہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ کلیسیا بھی زمانے کی تحریک کے ساتھ ساتھ آگے کو بڑھ رہی ہے۔ اس زمانے کے کئی اسباب آسائش میں بھی وہ شریک ہوتی اور اُن سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ مطبع اس کی مدد کرتا ہے۔ لیکن وہ دہریہ پن اور ہر ایک ایسے خیال کی مدد بھی تو کرتا ہے۔ زمانے کے دیگر کاموں کا بھی یہی حال ہے۔ جو کچھ وہ اس کے لئے وہی اوروں کے لئے بھی کرتے ہیں۔ اور اس نے اپنے آپ کو زمانے کی روح کے ایسا مطابق بنالیا ہے۔ کہ لوگ کسی قسم کا دُنیوی نقصان یا تکلیف اُٹھائے بغیر اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جو کچھ ابراہیم کے دنوں سے لے کر رسُولوں کے زمانے تک کا حال قلمبند ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ کلیسیا کے لئے الٰہی قدرت ایسے ایسے طریق سے ظاہر ہوئی۔ جو بالکل انوکھے تھے۔ یہاں تک کہ اَور لوگوں سے الگ وہ خدا کے لوگوں کی نسبت خاص شہادت دے سکتے ہیں۔ اور اسی قسم کی شہادت ہمیں اب بھی درکار ہے۔

لیکن خداوند کا بازو کوتاہ تو نہیں ہو گیا کہ وہ بچا نہیں سکتا۔ آج کل اور ہمیشہ کے لئے وہ ایکساں ہے۔ لیکن ہمارا ایمان کمزور ہے۔ ہم یہ تو مان نہیں سکتے۔ کہ وہ پہلے وقتوں کی طرح اب ایمان کی دُعاؤں کے جواب دینے میں کوتاہی کرتا یا اپنے بندوں پر آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا ہے مصر کی روح بحرِ قلزم میں ڈوب نہ گئی بلکہ بعد میں بنی اسرائیل کے خیمہ میں ظاہر ہوئی اور خدا کے برگزیدوں کی سدراہ ٹھہری۔ کلیسیا نے بھی تاریک زمانوں کی رُوح سے ابھی تک پوری آزادی نہیں پائی۔

بھید کی باتیں

اے شب کے آسمان کے سلطان! پیارے چاند — پڑ جاتے جس کے نور کے آگے ہیں تارے ماند
تاریکی شب کی نور سے جس کے ہے ہوتی دُور — جو ہے بچھاتا چاندنی کا فرش جوں کپور۔
بتلا مجھے یہ نور کا تیرے ہے بھید کیا — کیونکر ہے نور تیرے میں اتنی بڑی ضیا؟
اس تیرہ جگ میں مَیں بھی چمکنا ہوں چاہتا — چپکے سے چاند نے یہ میرے کان میں کہا۔

یہ سب طفیل نیر اعظم ہے اور میرا — حصہ تمام روشنی میں ہے نہیں ذرا
گو گاہ بدر ہوتا ہوں اور گاہ ہوں ہلال — پر رکھتا صاف سینہ ہوں آئینہ کی مثال
تا اُس سے انعکاس کرے مہر کا جلال — جو کچھ نظر یہ آتا ہے۔ ہے پرتوِ جمال
گر دل ترا گناہ کی کدورت سے پاک ہو — تو منعکس تو کر سکے اُس کے جمال کو
ہے جو کہ آسمان صداقت کا آفتاب — سورج کو جس کے نور کے آگے نہیں ہے تاب
تیری نجات کے لئے جان اپنی جس نے دی — اور خون سے اپنے دھوئی سیاہی گناہ کی
تو تو بھی اس جہاں میں سکے گا اُجالا کر — ہوں میں تو کیا چھپاتا۔ تو چمکے گا بیشتر"

پھر اُونچی اُونچی چوٹیوں سے پوچھا میں نے بھید — جو پہنے رہتی برف کی ہیں ٹوپیاں سفید
اِک سب سے اونچی چوٹی یہ بولی کہ "لے ہٹا — دنیا کی ساری چیزوں سے دل اپنا اور جما
اپنی نظر فلک پہ خدا پر تو دھیان دھر — اور بس اُن کی رحمت و الفت پہ تکیہ کر
انسانی ہم سفر کا تو ہرگز نہ کر خیال — طے تنہا کرنی ہووے گی یہ منزل محال
اندیشہ دائیں بائیں کا سب دل سے دور کر — ایماں کی آنکھ رکھ کے صلیب مسیح پر
اُمید کے سہارے سے اُٹھتا تو جائے گا — اور اس کا جذب عشق تجھے کھینچ لے گا
گو سر اُٹھا ہوا ہے میرا بادلوں تلک — چوندھیائے دیتی چوٹی کی میری ہے گو جھلک
میری بلندی تو بھی ہے کیا میں تو پست ہوں — اِس آسماں کے سامنے میں تو ہوں سرنگوں
پر عیسیٰ جو اٹھائے تجھے تو یہ آسماں — اِس اعلیٰ آسمان کے آگے ہیں پستیاں
جو اس نے اپنے بندوں کے رہنے کیواسطے — تیار کر رکھا ہے۔ ہیں جس کو پکارتے
فردوس و خلد۔ رات نہیں ہوتی واں کبھی — اور نور سے ہے اُس کے سدا اس میں روشنی"

پھر باد سے سوال کیا میں نے۔ مجھ کو تو — اب یہ بتا کہ چلتی تو رہتی ہے سو بسو۔
گہرائی اور بلندی سمجھتی ہے ایک سی۔ — دنیا میں کون چیز ہے۔ ہو تجھ سے جو چھپی۔
تجھ کو پکڑ سکے کوئی۔ ہے یہ فقط خیال — ورنہ ہے ہاتھ آنا تیرا تو زبس محال۔
پیڑوں کو توڑ پھینکنا ادنےٰ ہے تیرا کھیل۔ — چاہے تو اپنی جا سے تو دے کوہ کو دھکیل۔
ہے اوجھل آنکھ سے یہ گرجتی ہے جوں ببر — تیرا کرے جو سامنا کس کا ہے یہ جگر
آزاد ساری قیدوں سے تو ہے۔ مجھے بتا — آزاد کس وجہ سے ہے تو۔ ہے یہ بھید کیا؟
پتوں سے سرسرا کے مجھے۔ باد نے کہا۔ — آزاد ہوں میں۔ کیونکہ ہوں میں تابعِ خدا
فرمان اُس کے ہوں میں بجا لاتی جان سے — آزاد اُس نے کر رکھا ہے مجھ کو اِس لئے۔
آزادگی ہے بندگی میں اس کی سر بسر — تو بھی اطاعت اس کی میں باندھے اگر کمر
ایمان لاوے دل سے تو اُس کے مسیح پر — آزاد تر تو ہووے گا پھر مجھ سے اے بشر

سُن لے یہ بات ٹھیک ہے انجیل میں لکھی
آزاد جس کو وہ کرے۔ آزاد ہے وُہی"

خط وکتابت

۱۔ لالہ چند و لعل صاحب کا خط اڈیٹر مسیحی کے نام

میرے عزیز ـــــ امید ہے کہ آپ میری اس تحریر کو دخل در معقولات نہ سمجھیں گے اور مجھے اسکے لکھنے سے معذور فرمائینگے۔ مجھے اس کا پہلے سے بھی علم ہے لیکن آج خصوصاً اس امر کی طرف میری توجہ دلائی گئی کہ ہندوستان بھر میں ہم دیسی مسیحی کم و بیش مشنری صاحبان کی شان میں سخت کلامی اور اُن کے حق میں عیب جوئی کرتے ہیں۔ میں خود اس بارے میں قصوروار ہوں اور میں نے سنا ہے کہ اخبار مسیحی میں کے آپ اڈیٹر ہیں مشنری صاحبان کے بارے میں سخت سُست لکھتا رہتا ہے اور حد سے زیادہ عیب جو ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مشنری صاحبان کی کئی باتیں نہ ہم پسند کر سکتے ہیں نہ اُنکے ساتھ اتفاق رکھ سکتے ہیں اور جب موقعہ ملے ہم کو چاہئے کہ یہ باتیں اُنکی توجہ میں لائیں تاہم میری دانست میں ہمکو دو اور باتیں مدنظر رکھنی چاہئیں۔ اوّل تو یہ کہ اُن کے ذریعہ ہمکو بہت مدد اور برکت ملی ہے اور ملتی ہے اور وہ بہت نہیں تو کچھ نہ کچھ بھلا تو ضرور کرتے ہیں اس لئے اُن کی ہستی غنیمت ہے۔ دوّم۔ ہم سب انسان ہیں اور کیا ہم عیب سے خالی ہیں؟ ہمکو چاہئے کہ اپنی اور اپنی کلیسیا سے متعلق راؤں اور خیالات کا اظہار ان پر کرتے رہیں اور مشنری کام کے طریق پر بھی رائے زنی کریں لیکن ہم اپنے خیالات اس طرح ظاہر کریں کہ جس طرح بچے اپنے والدین سے کرتے ہیں۔ ان کو صلاح مشورہ تو دیں لیکن طنزاً اور درشت کلامی سے نہیں ورنہ اپنے مقصد میں ہمکو کامیابی نہ ہوگی۔ میں نے خود تو کبھی مسیحی نہیں پڑھا۔ صرف سُنا ہے۔ اگر آپ یا آپ کے کوئی نامہ نگار سخت کلامی سے کام لیتے ہیں تو میں آپکو دوستانہ صلاح دیتا ہوں کہ مشنریوں سے دوستانہ برتاؤ رکھیں۔ ہاں اُنکو اپنا بزرگ (مائی باپ) سمجھیں اُن پر اُن کے عیب تو ظاہر کریں لیکن نرمی سے اور جو کچھ وہ ہمارے لئے کرتے ہیں اس کا اعتراف کریں۔ میں مشن کی ملازمت پر ایک مضمون لکھنا چاہتا ہوں اور نیز اُن سب امور پر جن کی نسبت ہمارا ان سے اتفاق نہیں اگر آپ اس کو اپنے اخبار میں درج کریں۔ فقط

لاہور ۲۷ فبروری ۱۹۰۲ء

۲۔ اڈیٹر مسیحی کا جواب

میرے عزیز لالہ جی ـــــ آپنے اپنی بزرگانہ پند و نصائح سے اڈیٹران مسیحی کو اپنا ممنون احسان فرمایا ہے لیکن ہمیں افسوس اسی امر کا ہے کہ ہم آپ کی نصیحت سے کوئی عملی فائدہ اٹھا نہیں سکتے۔ جس حال کہ آپنے کبھی اتنی تکلیف بھی نہیں اُٹھائی کہ خود مسیحی کو پڑھ کر اپنی رائے قایم کریں اور صرف سُنی سُنائی باتوں پر نصیحت نامہ لکھ بھیجا ہم آپ کی رائے کو کیا وقعت دیں۔ مسیحی میں جو ہندوستانی کلیسیا

خط وکتابت

کا پرچہ ہے آپ بہی دلچسپی لیتے ہیں؟ عزیز لالہ صاحب میں آپ کی منت کرتا ہوں کہ مہربانی سے مسیحی کو خود پڑھئے اور پھر اپنی وسیع معلومات، پختہ تجربہ، رائے صائب اور بلا واسطہ نکتہ چینی سے ہمیں مستفید فرمایئے۔ مثلاً آپ نے مضمون مشن کی ملازمت کا حوالہ دیا ہے جو جنوری کے پرچہ میں شائع ہوا۔ مہربانی سے اسی مضمون کو پڑھئے اور فرمایئے کہ کون سے الفاظ سخت ہیں اور کن اشارات میں طنز پائی جاتی ہے۔ آپ شوق سے مشن کی ملازمت یا کسی اور مضمون پر قلم اٹھایئے ہم آپ کی تحریرات کو شوق سے درج اخبار کریں گے۔ مشن کی ملازمت پر تو آپ کے خیالات بیشک قابلِ قدر ہونگے کیونکہ گو آپ نے مشنری صاحبان کی ذات سے بہت فائدہ اٹھایا اپنے کسی فرزند کو مشن کی ملازمت اختیار کرنے نہ دی۔ پیارے لالہ جی ملحوظ خاطر رہے کہ عدالتوں میں سنی سنائی باتوں کو کچھ بھی وقعت نہیں دی جاتی۔" ۲ مارچ

۲۔ لالہ چندو لعل صاحب کا جواب الجواب

میرے عزیز ——— مشفق نامہ کیلئے مشکور ہوں۔ میں نے بھائی ۔ ... سے مسیحی کے پچھلے پرچے لیکر کل اتوار کے روز خوب پڑھے۔ میں اُن میں کوئی تلخ کلامی یا درشت گوئی نہیں پاتا۔ اگر مجھے ایسے مضامین پر خود لکھنا پڑے تو نہ معلوم میں کیا لکھ بیٹھوں۔ علاوہ ازیں آپ مسیحی دین کی صداقتوں اور فرائض کے متعلق بڑے مفید مضامین لکھتے ہیں اور میں مسیحی کو نور افشاں اور ترقی پر ترجیح دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس کا خرچ پورا ہو جاتا ہے ..... میں کبھی کبھی اسکے لئے ایک روپیہ بھیج دیا کروں گا۔ میں کسی فرصت کے وقت مشن کی ملازمت پر اپنے خیالات قلمبند کروں گا۔ فی الحال میں اپنے چند خیالات آپکے پیش کرتا ہوں۔ آپ ان سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔ اُن کو چھاپیں یا نہ چھاپیں۔ آپ کا اختیار ہے۔

ا۔ میرا خیال۔ خیال نہیں بلکہ یقین۔ یہ ہے کہ اگر ہم سرگرم اور باعمل مسیحی زندگی بسر کریں اور اپنی اپنی جگہ میں اپنا نور چمکنے دیں تو دیسی اور انگریز دونو صداقت کے پھیلانے میں بہت کچھ کر سکتے اور فی الواقعی کرتے ہیں۔ انگلستان میں شاید ایسا نہ ہو لیکن ہندوستان میں تو غیر مسیحی اس خیال کو دور نہیں کر سکتے کہ دیسی یا انگریز سب روپیہ کی خاطر منادی کرتے ہیں۔ مسیح اور اُسکے رسولوں کی طرح قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ بلا تنخواہ انجیل کی منادی کی جائے۔ آج کل تنخواہ لینے کا دستور پڑ گیا ہے۔ یوں منادی کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں تنخواہ لینے والے مشنریوں اور منادوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہمکو ——— صاحب سے مشنری چاہئیں دیگر سب سرکاری محکموں کے سے محکمہ قایم کرتے آتے ہیں۔ مشنریوں کو سب سے زیادہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ایک ایسی زندہ ہندوستانی کلیسیا قایم کریں جسکے ممبر خدا اور مسیح کی خدمت کرنے کی آرزو رکھیں اور خدا کے فرزندوں کی سی زندگی بسر کریں۔ تو وہ ضرور خود اپنی زندگی اور بول چال سے خدا کی بادشاہت کی منادی کرینگے۔ جوانی کے دنوں میں میں اپنے دوستوں کے ساتھ مسیحی صداقت کے بارے میں بحثیں کیا کرتا تھا۔ لیکن تجربہ سے میں نے پایا ہے کہ یوں غیر مسیحیوں کا دل سخت ہو جاتا اور مسیحی دین کی طرف سے وہ اور بھی کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے میں چپ چاپ مسیح کی منادی کرتا ہوں۔ میں اور میرے دوست پادری تارا چند ایک لے مین ہم رفیق رام چندر

مرحوم جیسے دو مسیحی ہوئے۔ اور پروفیسر صاحب موصوف اور ڈاکٹر چمن لال جو غدر کے دنوں میں شہید ہوئے ایک جنگی افسر کپتان لیوس کے ذریعہ مسیح پر ایمان لائے۔ ان دنوں دہلی میں کوئی مشن نہ تھا۔

۲۔ مشنری صاحبان عموماً انجیل کی منادی نہیں کرتے۔ وہ پڑھنے اور لکھنے میں انجیل سنانے کی نسبت زیادہ وقت دیتے ہیں۔

۳۔ مشنری صاحبان میں وہ محبت اور کشادہ دلی نہیں جو مسیح میں تھی۔ چاہئے کہ اعلیٰ درجہ کی مسیحی سیرت والے مشنری۔ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں ہندوستان میں آئیں اور ہمارے اور غیر مسیحیوں کے درمیان مسیح کے سچے اور وفادار وکیل ہو کر رہیں تو میری دانست میں خدا کی بادشاہت زیادہ پھیلیگی اور مسیحی کلیسیا بھی ترقی کرے گی۔

۴۔ گو وہ ہندوستان میں مشنری ہو کر آتے اور ایک ہندوستانی کلیسیا قایم کرنا چاہتے ہیں وہ ہندوستانیوں کے ساتھ خواہ مسیحی ہوں یا غیر مسیحی دوستی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ یا تو وہ اپنی کوٹھیوں میں بند رہتے ہیں یا پیپروں اور کتابوں میں محو یا دیسی ایجنٹوں کو احکام صادر کرنے اور ان کی رپورٹیں لینے میں مشغول۔ جیسے مسیح اور اس کے رسول اپنی جماعتوں سے ملتے جلتے تھے وہ ہمارے ساتھ میل ملاپ نہیں رکھتے۔

۵۔ ہندوستان افریقہ نہیں ہے اور نہ ہندوستانی وحشی ہیں ان کو عظیم الشان اور فلسفی مذہبوں پر جو صدیوں سے جاری ہیں فخر ہے ان کے ساتھ بات چیت کرنے میں بڑی لیاقت اور تیاری درکار ہے۔ معدودے چند مشنری ہندو مذہب اور محمدی حدیثوں سے واقف ہیں۔ انکو صرف حیاتِ مقدسین اور کتب الٰہیات پڑھنے کا خبط ہے۔ یوں وہ ہندوستانیوں کے لائق مشنری نہیں بنتے۔ میرا خیال ہے کہ ایک اچھے مشنری بننے کے لئے بائبل کا اچھا علم۔ پکا ایمان اور شوق و سرگرمی درکار تو ہیں لیکن جن لوگوں کے درمیان وہ کام کریں ان کے مذہبوں اور دین سے متعلق کتابوں کا مطالعہ بھی ضرور ہے۔

۶۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم ہندوستانیوں کو مشن کی ملازمت اختیار کرنی نہیں چاہئے۔ بہت کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہندوستانی کلیسیا انگریزی کلیسیا کی نسبت اپنے فرزند مشن کی ملازمت میں کم نہیں دیتی۔ لیکن میرے خیال میں جہاں تک ممکن ہو ہم ہندوستانیوں کو چاہئے کہ مشن کا کام یا جسکو مسیح کا کام کہنا بہتر ہے مفت کریں اور صرف وہی مشن کی ملازمت اختیار کریں جنکو روح مجبور کرتی ہے کہ خدا کی خدمت اور مسیحیت کی منادی اور تعلیم میں اپنی ساری زندگی وقف کر دیں۔

۷۔ اگر میرا اختیار ہو تو میں مشن میں سے ایسے تمام یورپین اور ہندوستانی کارندوں کو نکال دوں جن کا دل اس کام میں نہیں اور جو اس کام کے لائق نہیں۔ انگریز مشن کا کام اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ اس میں ظاہری عزت اور شان ہے۔ وہ اپنی ذمہ واریوں کو محسوس نہیں کرتے اور نہ سوچتے ہیں کہ اس خدمت میں انکو کتنی قیمت دینی پڑیگی — میں مشن میں بڑی بڑی تبدیلیاں اور انقلاب کرنے کا مؤید ہوں — میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپکو اور آپکے رفیقوں کو برکت دے اور دانشمندی اور فضل عنایت کرے۔" فقط۔ چندو لعل۔ لاہور ۱۲ مارچ ۱۹۰۲ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۲

مسیحی

جلد ۷ نمبر ۴ | اپریل ۱۹۰۲ء

ہندوستانی کلیسیا کی رائے کا یہ آئینہ ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ دیسی کلیسیا کی دینی اور سوشل حالت پر آزادانہ بحث کرنیکے علاوہ اس میں انگلستان اور امریکہ کے مستند شخصوں کی تحریرات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس وقت پانچ کتابیں مسلسل شایع ہو رہی ہیں تاہم خوبی یہ ہے کہ مسیحی کا ہر ایک نمبر بجائے خود مکمل ہے۔ اس کے مقاصد مختصراً مفصلہ ذیل ہیں:۔

مقاصد

۱:۔ مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کا انکشاف کرنا + ۲:۔ کتاب مقدس کی تلاوت اور دعا کے لئے تحریک + ۳:۔ مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کرکے مسیحی یگانگت کو قایم کرنا اور پھیلانا + ۴:۔ نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا + ۵:۔ جہانتک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا ظاہر کرنا +

فہرست مضامین اپریل ۱۹۰۲ء

مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پرنٹنگ پریس لاہور۔

گلدستۂ اخبار

بابو بازدیو سنگھ سابق مدرس امرت سر مشن سکول کو ۸ روپیہ ماہوار پنشن عطا کی گئی۔ آپ کی جگہ مسٹر پیٹرس ہیڈ ماسٹر مجیٹھہ مڈل سکول مقرر ہوئے۔ امرت سر سنٹ کیتھرائن ہسپتال کی مس آئینی شارپ اور آنریبل ایف ایم ہیگنا ٹن اس ماہ کے آخر میں چھ مہینہ کے لئے ولایت جاتی ہیں۔ ۸ر اپریل کو جلسہ الوداعی ہوا۔ ایک بزرگ نے وعظ و نصیحت کی جماعت نے دعاؤں سے خدا حافظ کہا۔ کوئی جھوٹا اور خوشامدانہ ایڈریس دیا نہ گیا۔ اور جماعتیں اور مشنری نمونہ لیں۔ اس موسم گرما میں مس ہیولٹ چار ماہ کیلئے ڈیرہ دون و مسوری میں قیام رکھیں گی۔ آپ کی غیر حاضری میں مس عبداللہ ہسپتال کی انچارج رہیں گی۔ ۱۰ر اپریل کو بٹالہ بیرنگ ہائی سکول کا جلسہ تقسیم انعام منعقد ہوا۔ ظاہری نمائش بہت نہ تھی۔ سکول کی حالت رو بترقی ہے۔ مسٹر ڈوالر نے ۵-۶ مہینہ ہی میں حالت بہت کچھ سدھار دی۔ مسٹر ووڈ بھی آپ کے لائق جانشین ہیں۔ ذیل کے ریمارک جو چند دیسی صاحب کی زبان سے بیساختہ نکلے خالی از دلچسپی نہ ہونگے۔ نمبر ۱۔ جیل میں تمام وقت میں اسی سوچ میں تھا کہ نماز و گرجا پر اتنا زور دینے کا کیا فائدہ؟ جس حال کہ لڑکوں کی خوراک کا انتظام خاطر خواہ نہیں۔ بیچارے سبھوں کے چہرے زرد پڑے ہیں۔" نمبر ۲۔ "دیسی مہمانوں کے آرام کا خیال نہیں۔ ہماری تو یاں اکثر مٹی خراب ہوتی ہے۔" نمبر ۳۔ "یہ امر کیسا مسرت بخش ہے کہ استادوں کی محنت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور ان کی عزت و قدردانی لڑکوں کو سکھائی جاتی ہے۔ پچھلے دنوں ایک سکول کی جوبلی کی تقریب پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا قسم کھائی گئی ہے کہ کسی دیسی استاد کی خدمات کا ذکر خیر نہ ہونے پائے۔" نمبر ۴۔ (ایک دیسی پادری صاحب) "اب تو پنجاب جلد مسیحی ہو جائیگا کہ پادریوں کے بیٹوں نے بھی پادریوں کو صلواتیں سنانی شروع کر دی ہیں۔" لاہور میں چند اعلیٰ انگریز افسروں کی تحریک سے ایک جلسہ ہوا جس میں ہندو اور مسلمان خاتونیں مدعو کی گئیں اور بڑے بڑے انگریز افسروں کی بیویوں نے ان کی تفریح کے سامان بہم پہنچائے اور ان سے ارتباط پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ادھر ہیں ہمارے بعض (سب نہیں) ہادی دین اور چوپان کہ اگر کسی جلسے میں کوئی بڑا انگریز افسر یا انکی میم صاحبہ ہوں تو اپنی بھیڑوں کو پہچانتے بھی نہیں اور دو چار باتیں کرتے بھی ہیں تو بڑی مربیانہ روح سے۔ لاہور مہاں سنگھ باغ میں ۲۱ مارچ کو ایک مسیحی میلہ ہوا۔ قریب ۴۰۰ مسیحی تھے۔ خوب رونق تھی۔ بعض اس خیال سے رونق افروز نہ ہوئے کہ یہ مسیحی میلہ ایک خاص کلیسیا سے متعلق ہے۔ ہوتا بھی تو پھر کیا۔ مقیمان مہاں سنگھ باغ شاباش! پنجاب یونیورسٹی کے ایک دیسی مسیحی گریجوایٹ مسٹر اے کلانس الہ آباد یونیورسٹی کے امتحان قانونی میں اوّل رہے۔ یہ خبر پہلے شایع ہونی چاہیے تھی کہ پچھلے سال سے پادری ٹامس ہاول اور پادری جان علی بخش پنجاب سی ایم ایس کانفرنس کے ممبر ہیں۔ ۱۵-۱۹ر اپریل لاہور ڈونٹی کالج کے سابق طالب العلموں کے جلسے رہے۔ عمدہ عمدہ مضامین پر

نوٹ اور رائیں

ہندوستانی مسیحیوں کی طرف سے ایڈریس۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کی مبارک تقریب پر ہندوستان کے مسیحیوں کی طرف سے ایک ایڈریس پیش کیا جائیگا جسکو کلکتہ کے مشہور عالم و فاضل مسیحی آنریبل مسٹر کالی چرن بنرجی نے تحریر کیا ہے۔ جس صندوقچی میں یہ ایڈریس رکھکر نذر کیا جائیگا وہ لاہور کے سکول آف آرٹس میں تیار ہو رہی ہے۔ اور اسکے ہر ایک پہلو پر مختلف صوبجات کی کرسچن ایسوسی ایشنوں کے حسب پسند نقش و نگار کئے جائینگے۔ اس ایڈریس کو کنور ہرنام سنگھ صاحب بالقابہ جو جلوس کی تقریب پر سرکار کی طرف سے مدعو کئے گئے ہیں بذات خود شاہ عالم پناہ کی خدمت میں ہندوستانی مسیحیوں کی طرف سے پیش کرینگے۔ ایڈریس کے موزون اور نفیس الفاظ اور محاورات کا لطف ترجمہ میں ادا کرنا محال ہے مگر نفس مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

اے شاہ جہاں پناہ   ہم ہندوستانی مسیحی جنابعالی کی رعایا حضور والا کے شاہی جلوس کی مبارک تقریب پر دست بستہ اپنی دلی مبارکبادی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارے لئے کمال مسرت کا مقام ہے کہ اس تاجپوشی کے سعید موقعہ پر ایک ایسی ملکہ حضور والا جاہ کے شامل حال ہے جو ہندوستان کے باشندوں کے دلوں میں نہایت عالی قدر ہے ہم اس خوشی کے موقعہ پر اُس تخت و تاج کی نمک حلالی کا مودبانہ دم بھرتے ہیں جسکے مورث اعلیٰ حضور والا جاہ ہیں۔ ملک ہند کی باقی رعایا کے ساتھ ہم جنابعالی کی والدہ ماجدہ مرحومہ کی عنایات کریمانہ اور اس ملک میں خود حضور کی تشریف آوری کی یادگاریوں کے لحاظ سے حضور کی ذات بابرکات کے ساتھ ایک خاص اُنس رکھتے ہیں۔ ہماری دلی دُعا ہے کہ خدا حضور والا کو نظام سلطنت میں ہماری ملکہ قیصر ہند آنجہانی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق و طاقت عطا کرے۔ چونکہ ہم اُسی مذہب کے پیرو ہیں جس کے حضور والا حامی ہیں ہماری دلی دعا ہے کہ جس صدی کو حضور کے عہد کا آغاز ہونے کا افتخار حاصل ہے وہ مسیح کی سلطنت کی ترقی اور توسیع میں ایک بینظیر صدی ہو۔ اور خدا حضور کا عہد صداقت مہد اس کار عظیم کو انجام دینے کا وسیلہ ٹھہرائے۔ پروردگار

حضور والا کو جلیل اور پایدار عہد عطا کرے اور آپکے اور آپکی عزیز بیگم صاحبہ کے ذریعہ انگلستان اور ہند کی متحدہ بہبودی کو سرانجام دے۔

ایک پنجابی سیاح ہمارے اکثر پنجابی ناظرین ڈاکٹر چارلس مارٹن صاحب کے نام سے واقف ہوں گے۔ آپکی مذاد بوم ملک ابی سینیا ہے مگر پنجاب کی گود میں آپنے پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم آپنے بیرنگ ہائی سکول بٹالہ میں حاصل کی اور لاہور کے میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کی اعلیٰ سند حاصل کر کے چند سال تک سرکاری ملازمت میں رہے۔ بعد ازاں انگلستان میں تشریف لے گئے اور ڈاکٹری کے چند امتحانات پاس کر کے واپس آنے پر ملک برہما میں سول سرجن مقرر ہوئے۔ پھر دوسری مرتبہ انگلستان کو تشریف لے گئے مراجعت کے کچھ عرصہ بعد آپنے وطن کی سیر کا شوق جو دل میں گدگدایا تو آپ رخصت حاصل کر کے ابی سینیا میں جا براجے۔ اور دو سال سے زیادہ عرصہ شاہ مینی لک کی مصاحبت میں رہے۔ آپ حال ہی میں وہاں سے واپس تشریف لا کر پھر برہما میں اپنی خدمت پر حاضر ہو گئے ہیں۔ آپ اپنے ملک کے عجیب حالات بیان کرتے ہیں۔ اگر ممکن ہوا تو کسی دوسرے موقعہ پر اُن دلچسپ حالات کو درج کیا جائیگا۔ شاید اکثر اصحاب کے لئے یہ ایک نئی خبر ہوگی کہ ابی سینیا نہایت سرسبز اور زرخیز پہاڑی ملک ہے۔ ملک کی حدود کے باہر ریگستان ہے مگر اندرونی نظارے ہمالہ کی وادیوں کے ہم پلہ ہیں۔ انگور اور کیلے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ انگور کی کثرت کی وجہ سے گھر گھر انگوری شراب کے کارخانے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ تمباکو کا استعمال قطعاً منع ہے۔ جو بات کسی زمانہ میں جغرافیہ میں پڑھا کرتے تھے وہ سچ نکلی کہ وہاں کے باشندے کچا گوشت کھایا کرتے ہیں۔ سوائے سپاہ گری اور زمینداری کے اور کوئی پیشہ اُس ملک میں نہیں ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ابی سینیا میں نہ کوئی شفاخانہ ہے اور نہ کوئی تعلیم کا محکمہ یا مدرسہ موجود ہے۔ کچھ عرصہ سے کسی غیر سلطنت نے ایک شفاخانہ جاری کیا ہے اور اسی طرح ایک دوسری سلطنت ریل کی سڑک تیار کر رہی ہے۔ مذہب اس ملک کے لوگوں کا مسیحی ہے اور سب کاپٹک کلیسیا سے تعلق رکھتے

ہیں جو ایک قسم کی یہودی مسیحیت ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے گرجوں میں قدس الاقداس بناتے ہیں اور بادشاہ کو خدا کا ممسوح سمجھتے ہیں۔ پریسٹوں کا ملک میں بڑا زور ہے۔ اور اسی وجہ سے عوام مسیحی مذہب سے بالکل ناواقف ہیں۔ سب لوگ ہفتہ میں دو دن روزہ رکھتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اشیاء خوردنی بہت سستی ہیں۔ ابی سینیا کی موجودہ کلیسیا چوتھی صدی کے شروع سے سکندریہ کے بشپ کے ماتحت چلی آئی ہے۔ اس ملک کی زبان عربی کے ساتھ ملتی جلتی ہے اور غیر ممالک خصوصاً یورپ کے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مارٹن صاحب کا ارادہ ہے کہ خدا مدد کرے تو اپنے ملک کی جہالت دفع کرنے میں اپنی زندگی کو صرف کر دیں۔ خدا اس نیک ارادے میں آپکو کامیابی بخشے۔

جزام خانوں کے مہتمموں کی کانفرنس ماہ فروری کے شروع میں وسطی صوبجات کے جزام خانوں کے مہتممان کی ایک کانفرنس بمقام وردھا منعقد ہوئی جس میں بعض عملی امور پر رائیں پیش کی گئیں اور تجاویز کا فیصلہ ہوا۔ یہ جزام خانے "ہندوستان اور ممالک مشرقی میں جزامیوں کے لئے مشن" کے متعلق ہیں۔ اگر مسیحی مذہب کی صداقت اور بنی آدم کے لئے مفید ہونے کا کوئی ثبوت درکار ہو تو یہی مشن اس کا کافی جواب ہے۔ ہمارے ملک کے ہندو و مسلمانوں کو اپنے نیک اعمال اور خیرات پر بڑا بھاری فخر ہے مگر فی الحقیقت یہاں خیرات کے اصول سے لوگ محض ناواقف ہیں۔ بھلا اس ملک کے راندہ اور کمبخت جزامیوں کو کون پوچھتا ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ اس ملک میں ان لوگوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا۔ مسیحی مذہب کے طفیل نہ فقط ان بیچاروں کے جسم کا معالجہ کیا جاتا ہے پر روحانی طور پر بھی انکو اس خوشی کا مزا چکھا دیا جاتا ہے جو ان کے حقارت کرنے والوں کے خواب وخیال میں بھی نہیں آئی۔ ہم نے ایک جزامخانہ میں بچشم خود دیکھا ہے کہ اس بگڑے ہوئے چہرہ پر جب آسمانی نور کی جھلک پڑ جاتی ہے تو کیسا نورانی چہرہ ہو جاتا ہے۔ اس "جزامیوں کے لئے مشن" کا کام ہندوستان اور برہما

اور چین اور جاپان اور سوماٹرا کے اڑتالیس مقامات میں جاری ہے۔ جہاں کم از کم پانچ ہزار جزامیوں اور ان کی اولاد کی خبر گیری کی جاتی ہے۔ سب اخراجات چندہ اور خیرات سے چلائے جاتے ہیں اور کسی خاص فرقہ سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ اس کانفرنس کی رائے میں جزام ایک متعدی مرض ہے اور اسی وجہ سے ضرور ہے کہ تمام آوارہ گرد جزامیوں کو تندرست لوگوں سے علیحدہ رکھا جائے۔ ایک اور بات جس کی طرف ممبران نے خاص توجہ کی وہ یہ ہے کہ جزام خانوں کے شرکا کو کسی کام پر لگایا جائے اور ان کی دل لگی کا کیا سامان ہونا چاہیئے۔ ایک تو یہ فیصلہ ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنا کھانا پکایا کریں۔ اور سبزیاں بوئیں۔ جو زیادہ تندرست ہیں وہ اوروں کی خدمت اور مدد کریں۔ اگر کوئی جزامی کسی بدچلنی کی وجہ سے ایک جزام خانہ سے خارج کیا جائے تو اسکو ایک سال تک کسی دوسرے جزام خانہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ جزامیوں کے بچوں کو ملازموں کے فرائض سکھائے جائیں اور وہیں پر نوکر رکھا جائے۔ اسی قسم کے دیگر امور پر رائے زنی کرنے کے بعد ایک طبی کمیٹی مقرر کی گئی تاکہ اس مرض کے باعث اور علاج کی نسبت غور کرے۔

ہندوستانی مسیحیوں میں ذات پات کا خیال۔ بشپ صاحب مدراس نے مضمون بالا پر ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ "پندرہ برس گذرے سے مجھے ذات کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کا اکثر موقعہ ہوا اور اب اس سوال کے دوسرے پہلو پر تحریرات پڑھ کر بھی اس بزرگ کی رائے سے بالکل اتفاق کرتا ہوں کہ مسیحی مذہب کے ساتھ اگر ذات قایم رہے تو وہ بالکل مسیحی مذہب نہ رہیگا۔ اکثر لوگ اس امر کو خیال میں نہیں لاتے کہ مسیحی مذہب دراصل ایک مجلسی طریق ہے۔ نہ کہ صرف اس سے ایک ایک روح کو گناہوں کی معافی، خدا باپ تک رسائی اور ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے بلکہ اس دنیا پر ایک کلیسیا اور ایک بادشاہت ہاں ایک مجلس قایم کرتا ہے جس میں سب خون خریدے تو میں ایک بدن کے اعضا ہیں۔ سب جدائیاں اور تفرقے اس میں مٹ جاتے ہیں اور سب اعضا مل خداوند کی ایک زندہ اور پاک ہیکل بن جاتے ہیں۔ افسیوں کے خط (۲ باب) میں پولس رسول اس پر زور دیتا ہے کہ ہم ایک بدن ہو کے خدا سے میل پاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دکنی ہند کی کلیسیا ذات کی بابت ڈھیل دکھایا چاہتی ہیں بایں امید کہ رفتہ رفتہ وہ خود بخود جاتی رہیگی۔ پر یاد رہے کہ بنی اسر نے بھی کنعانیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا اور کیسا بھاری نقصان اٹھایا۔ ہند بھی اس خطرہ کی حالت میں ہے۔

میزوں کی خدمت

ماہ فروری کے رسالہ میں ہم نے سی۔ ایم ایس کی نمبرداری پر ایک مختصر سا ریمارک کیا تھا جسکی نسبت ہمارے ناظرین میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ بعض ہماری تائید کرتے ہیں اور دوسرا فریق اس رائے پر تلا ہوا ہے کہ علاقہ بار کے مسیحیوں میں دینی خدمت کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان بیچارے جاہل ناخواندہ نو مریدوں کی مدد بذریعہ نمبرداری کی جائے۔ جس نیک خیال نے چرچ مشنری سوسائٹی کو موضع بیٹین آباد کی نمبرداری پر آمادہ کیا ہے ہم اسکی قدر کرتے ہیں مگر اس اصول کے ساتھ ہمارا اتفاق نہیں جسکی بنا پر سوسائٹی نے اس قسم کی خدمت اپنے ذمہ لی ہے۔ اسکی نسبت جو کچھ ذیل کی چند سطور میں تحریر کیا جائیگا وہ محض قیاس یا عقلی دلائل کا نتیجہ نہ ہوگا اور نہ ہم کو اپنے بزرگان دین کے مقابلہ میں اس قدر تجربہ ہے کہ ہم اپنی کسی رائے کو دعویٰ کے ساتھ پیش کریں یا بے خطا سمجھیں۔ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ کلام کی سند اور تواریخ کے واقعات پر مبنی ہوگا۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جس شخص نے دین اور دنیا دونوں کو ملانے کی کوشش کی ہے وہ ہمیشہ ناکامیاب رہا ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ دنیا کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے دین کو قائم رکھنا ناممکن ہے۔ موت سے پیشتر ہمارا کسی نہ کسی قسم کا تعلق تو دنیا کے ساتھ ضرور رہیگا۔ مگر یہ علاقہ وہیں تک جائز ہے جہاں تک ہم مسیح کی محبت سے جدا نہیں ہوتے یا یوں کہو کہ جہاں تک ہم خدا کا جلال ظاہر کرنے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ جب اس حد سے تجاوز کیا جاتا ہے تو دین اپنے پایہ سے گر جاتا اور کلیسیا دنیاداری کے جال میں پھنس جاتی ہے۔ ابتدائے کلیسیا میں جب تک روحانی معاملات کا انتظام رسولوں یا مابعد کے بزرگان دین کے سپرد رہا کلیسیا کی حالت کیسی شاداب تھی۔ باوجود ہر قسم کی مخالفانہ ایذا رسانیوں یا اندرونی بدعتوں کے بھی کلیسیا کی زندگی روبترقی تھی۔ جب شاہ قسطنطین نے اپنے آپ کو ظاہری کلیسیا کا سرقرار دیا تو کلیسیا کے زوال کا زمانہ شروع ہوا۔ مختلف ممالک کی کلیسیاؤں میں بشپوں

کے اختیارات کی نسبت جھگڑے تو مدت سے چلے آتے تھے مگر شاہی احکام نے اُن بزرگان دین کو وہ وہ دنیاوی اختیارات دیئے کہ جن سے اُن کے اصلی روحانی تعلقات کی بجائے حاکمانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ قسطنطین کے جدید قوانین میں سے ایک قانون یہ تھا کہ مقدمات بجائے سرکاری عدالتوں کے بشپوں کی بارگاہ میں پیش ہُوا کریں۔ جنکے فیصلہ جات تمام حکام اور فوجی افسران کے نزدیک مقبول و منظور ہوں گے۔ ایک اَور قانون بھی اسکے ساتھ جاری کیا گیا کہ خادمان دین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے نام ہبہ نامے کرا لیا کریں اور اراضی کے مالکان بن جائیں۔ اِس قانون کا اثر اس درجہ تک ہُوا کہ کسی شخص کا دینی مصارف کیلئے جائداد وقف کئے بغیر گذر جانا بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اور چرچ کے پاس اس قدر جائداد جمع ہو گئی کہ آخر حکماً اِس قاعدہ کو بند کرنا پڑا۔ ایک اَور خرابی بھی اِس سے پیدا ہو گئی یعنی بہت سے متمول اشخاص نے جب دیکھا کہ خادمان دین کو خاص رعائتیں اور حقوق سلطنت کی طرف سے حاصل ہیں تو اُنہوں نے کسی نہ کسی صورت سے اپنے نام انکی فہرست میں درج کرا لئے۔ قسطنطین کو اندیشہ پیدا ہُوا کہ اگر سب اشخاص جو اپنی جائداد کی حیثیت سے سرکاری عہدوں پر ممتاز ہونے کے مستحق ہیں پادری بن جائیں تو ملک کا انتظام کیونکر چلے گا۔ اِس لئے ایسے لوگوں کو قطعی ممانعت کی گئی کہ دینی عہدوں کیلئے اپنا نام نہ لکھایا کریں۔ اور جو دھوکے سے نام درج کرا چکے تھے اُنکے دینی حقوق ضبط کئے گئے۔ اگرچہ شاہ قسطنطین نے اپنے قانون کی بگاڑ اِس طور پر درست کرنے کی کوشش کی مگر جو کڑوا بیج وہ بو چکا تھا اُسکی بیخکنی محال تھی۔ بشپوں کی بد لگامیوں کا آخری نتیجہ رومی پوپ تھا جسکی حکومت کے عصا کے نیچے سلاطین ممالک بھی تھرتھراتے تھے۔ جو بگاڑ اس انتظام سے کلیسیا میں پیدا ہُوا وہ بیان کا محتاج نہیں۔

قسطنطین نے جو سلسلہ شروع کیا اسکا ایک منتہیٰ تو پوپ تھا اور دوسری شاخ کا انجام وہ ہے جو بعض کلیسیاؤں میں ابتک نظر آ رہا ہے یعنی چرچ اور سٹیٹ کو ایک ہی جوئے تلے جوتا جاتا ہے اور شاہِ وقت کو مسیح کی کلیسیا کا سرقرار دیا جاتا ہے۔ ہمیں کلام میں کوئی ایسا مقام نظر نہیں آتا جس میں مسیح نے دنیا کے حاکموں یا بادشاہوں کو اپنے اختیارات تفویض کئے ہوں۔ باوجود اسکے بہت سے مسیحی صریحاً کلام کے خلاف ایک بڑی جماعت کے پیچھے لگے چلے جانا کوئی عیب نہیں سمجھتے مگر

شکر کا مقام ہے کہ ملک میں سب لوگ آنکھیں بند کرکے چلنے والے نہیں ہوتے۔ پریسبٹیرین اور ان کی ہمخیال دیگر کلیسیائیں تو ہمیشہ سے کسی "شاہی چرچ" کے خلاف رہی ہیں۔ مگر خود کلیسیائے انگلستان میں ایسے لوگ ہیں جو عرصے سے چرچ کا تعلق سلطنت کے ساتھ منقطع کرنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ انتظام کلیسیا کیلئے ضرور برکت کا باعث ہوگا۔ شاید بعض ناظرین ان قباحتوں سے واقف نہیں جو بادشاہ کو حامی دین قرار دینے سے پیدا ہوتی ہیں۔ انکا مفصل بیان کرنا ہمیں مقصود نہیں۔ فی الحال اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی خاطر کہ حکومت اور مذہب دونوں کو ایک ہی کشتی پر سوار کرنا خطرناک ہے "سٹیٹ چرچ" کے ایک ادنیٰ کرشمہ کا ذکر کافی ہوگا۔ کچھ عرصہ گذرا کہ انگلستان میں ایک شخص کو بشپ کے عہدہ پر مامور ہونیکے خلاف بہتیری کوشش کی گئی اور بہت سی وجوہات پیش کی گئیں کہ جس شخص کے خیالات اور پابندی رسوم اصلاح یافتہ کلیسیا کے بہت کچھ خلاف ہے اسکو بشپ نہ بنایا جائے مگر ایک نہ چلی۔ کیونکہ بادشاہ نے اسے مقرر کیا تھا اور شاہی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس پر ایک معزز انگریزی ہمعصر رائے زن ہے کہ "شاہ ہنری ہشتم کے زمانہ سے آجتک انگریزی کلیسیا کا حقیقی سر شاہ وقت رہا ہے۔ اگر دیندار لوگ اس کفر آمیز کارروائی کے عادی نہ ہو گئے ہوتے تو کبھی اسکی برداشت نہ کر سکتے۔ ڈین اور اسکی کونسل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ بشپ کے انتخاب میں روح القدس کی ہدایت کیلئے دعا کرے۔ حالانکہ جب وہ اس مضمون کی دعا کا تماشہ کر رہے ہیں ان میں سے ایک کی جیب میں شاہی حکم موجود ہوتا ہے۔ کہ خدا کی روح خواہ کسی کو بشپ مقرر کرنا چاہے جس شخص کو بادشاہ نامزد کر چکا ہے وہی بشپ ہوگا۔ اور اگر اس حکم کی خلاف ورزی کی جائے تو وہ منتخب شدہ شخص مستوجب قید کا ہوگا۔۔۔۔۔ گویا قطعی طور پر فیصلہ ہو چکا ہے کہ شاہی فرمان کے خلاف اعتراض پیش کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا جسکو بادشاہ چن لے وہی بشپ مقرر ہوگا خواہ کلیسیا چاہے یا نہ چاہے۔ اس حکم میں آجکل اس قدر اضافہ کیا گیا ہے کہ آخری فیصلہ کیلئے وزیر اعظم کی رائے کا اتفاق بادشاہ کے ساتھ ہونا ضرور ہے۔۔۔۔ اب غالباً آئندہ وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین ہوگا جو ایک یونی ٹیرین شخص ہے اور اس ملت کے لوگوں کے ساتھ بھی عبادت میں بمشکل شامل ہوتا ہے۔ اسلئے کلیسیائے انگلستان کے آئندہ بشپ اور ڈین ایک یونی ٹیرین کے ذریعہ منتخب کئے جائینگے۔ یہ کیسی خوفناک حالت ہے۔ مگر مسیح کی کلیسیا کو حکومت کے زیر سایہ رکھنے کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔"

اس جھگڑے کو بالائے طاق رکھ کر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو کسی دینی خادم یا جماعت کا دنیاوی اختیارات

اپنے ذمہ لینا گویا اپنے اصلی فرائض سے پہلوتہی کرنا ہے۔ شروع کلیسیا میں جب پنتیکوست کے بھونچال کی حرکتیں ہنوز معدوم نہیں ہو چکی تھیں ایک خفیف سا معاملہ ایسا پیش آیا کہ رسولوں کو خاص اشخاص میزوں کی خدمت کی خاطر مقرر کرنے پڑے۔ اور عام کاروبار کیلئے تقسیم محنت کا اصول نہایت فائدہ مند ہے۔ ریلوے اسٹیشن پر گاڑی آکر کھڑی ہوئی کہ ایک ملازم نے پہیے ٹھنٹھنانے شروع کئے۔ دوسرا آئینوں کی پڑتال کر رہا ہے تیسرا لیمپ اُتارنے لگا۔ علیٰ ہذا القیاس تھوڑے ہی عرصہ میں اور بخوبی طور پر وہ تمام کام انجام دیا جاتا ہے جو ایک ہی شخص کے سپرد کرنے سے گھنٹوں میں بھی نہ ہو سکتا۔ ہماری مشنری سوسائٹیاں کب یہ سبق حاصل کرینگی کہ انجیل کی خدمت کے ساتھ کسی قسم کی حکومت یا دیگر ذمہ واری کا کام اختیار کرنا ایک کوتاہ بینہ پالیسی ہے۔ اِسی اصول پر ہم ان مختلف اقسام کی خدمات کو جو سوسائٹیوں نے اپنے مشنریوں پر ڈال رکھی ہیں قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ وہ بیچارے انجیل سنائیں یا روپیہ پیسہ کا حساب کیا کریں بعض کا قیمتی وقت عمارات اور زمین کے جھگڑوں کے فیصل کرنے میں گذر جاتا ہے۔ کیا بہتر نہ ہو کہ ایسے کام جو خاص کلام کی خدمت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے تے ممبروں کی کمیٹی کے سپرد کئے جائیں۔ اس سے کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ مشنریوں کے خلاف گڑگڑاہٹ بہت کچھ جاتی رہے گی۔

اب باقی رہا یہ سوال کہ کسی گاؤں کی نمبرداری اختیار کرکے چرچ مشنری سوسائٹی فی الحقیقت روحانی فائدہ پہنچا سکتی ہے یا نہیں۔ جو لوگ نمبرداری کے فرائض سے آگاہ ہیں ان پر روشن ہوگا کہ حکومت کا مزارعان پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اِس سے ان لوگوں کے دل میں سوسائٹی کا خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ تعجب نہیں کہ بعض زمین یا لگان کے بکھیڑوں کے باعث سوسائٹی کے نام سے نفرت کرنے لگیں۔ ممکن ہے کہ خوشامد کے مارے ایک قسم کی ظاہری دینداری بھی پیدا ہو جائے۔ مگر نمبرداری کے زیر سایہ خالص دینداری کا نشوونما پانا بعید از قیاس ہے۔ بھلا جس شخص کو سوسائٹی نے کسی مقدمہ میں گرفتار کروایا یا اُسکی ضمانت کرائی اسکے ساتھ مسیحی محبت کا تعلق کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ اور ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ حکومت کے وسیلہ کسی کلیسیا کو قابو رکھنے کے نتائج نہ فقط سوسائٹی اور اسکی جلیل خدمت کے خلاف بلکہ سوسائٹی کے تمام مشنریوں کے خلاف ثابت ہونگے۔ کیا چرچ مشنری سوسائٹی کو کوئی اس سے بہتر تجویز بار کے مسیحیوں کو فائدہ پہنچانے کی نظر نہیں آئی۔ اگر افلاطون رابند آموختن الٰہی ست کی مثل ہمارا دامن کھینچ کر ہمکو نہ روکتی تو ہم اس بزرگ سوسائٹی کو مودبانہ اس مقام پر لے جاتے جہاں شاگرد ایک بدروح کو نہ نکالنے کی وجہ سے حیران و ششدر کھڑے ہیں۔ اور خداوند اُن کی مشکل میں اُنکی مدد کرکے سکھاتا ہے۔ کہ "یہ قسم دعا کے سوا کسی اور طرح نہیں نکل سکتی"۔ یقیناً یسوع مسیح کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے"۔

حیاتِ داؤد

۵

"خدا کے برگزیدہ کا ایمان"

(۱ سموئیل ۱۷ باب)

وادیٔ ایلا میں آج کے دن تک تاربین کے نشان پائے جاتے ہیں جس سے اس کا نام وادیٔ تاربین پڑ گیا۔ حبرون کے پرانے شہر سے لے کر یہ وادی قسمان مغربی سمت کو سمندر کی طرف پھیلی ہے۔ چوڑائی میں یہ قریباً ایک میل ہے اور اسکے وسط میں کوئی بیس فیٹ فراخ اور دس بارہ فیٹ گہرا نالہ بہتا ہے۔ موسم سرما میں یہ نالہ اکثر پُر رہتا ہے۔

مقام مکماش میں ساؤل اور یونتن سے شکست اٹھا کر فلسطی وادیٔ ایلا کی طرف چڑھ آئے اور شوکہ اور عزیقہ کے درمیان افسدمیم میں جو مغربی ڈھلوان ہے خیمہ زن ہوئے۔ افسدمیم کے معنی سرحدِ خون ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ مقام سرحدی لڑائیوں کا اکثر منظر رہ چکا تھا۔ وادی کی دوسری طرف ساؤل خیمہ زن ہوا۔ ان کے پیچھے یہودیہ کی پہاڑیاں یروشلم تک پھیلی تھیں اور ابھی تک یبوسیوں کے قبضہ میں تھیں۔ اس وادی میں ایک ایسا جنگ ہونے کو تھا جس سے وہ اصول آشکارا ہونے تھے کہ جن کے مطابق خدا کے سپاہیوں کو جنگ کرنا چاہئے نہ صرف گوشت اور خون کے ساتھ بلکہ تاریکی کی قوتوں اور حکومتوں کے ساتھ۔ اس نامداروں میں تین صورتیں ہمکو نظر آتی ہیں۔

اوّل۔ فلسطی سورما۔ وہ سرو قد تھا۔ اس کا قد چھ ہاتھ ایک بالشت یعنی ۹ فیٹ ۲ انچ لمبا تھا۔ اسلحہ جنگ سے وہ خوب مزیّن تھا۔ اسکے اسلحہ بنی اسرائیل کے ہاتھ پڑ گئے۔ جن کی انہوں نے خوب جانچ پڑتال کی اور ان کا ذکر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ کیا۔ اُن کو تو انہوں نے تولا بھی اور تول میں پانچ ہزار مثقال یعنی قریب اڑھائی من پایا اور اس کی سپر ایسی بھاری تھی کہ ایک شخص اسکو لئے ہوئے اسکے آگے آگے چلتا تھا تا کہ اسکے اپنے ہاتھ آزاد رہیں۔ تلوار اور برچھی اسکے پہلو سے بندھے تھے اور اسکے ہاتھ میں ایک بھاری نیزہ تھا۔ وہ پرلے درجہ کا استہزا کرنے والا تھا۔ وہ داؤد کے گوشت کو ہوائی پرندوں اور جنگلی درندوں کو بانٹنے کے نعرہ مارتا اور خدا کی فوجوں کو ذلیل کرتا تھا۔

دوم۔ ساؤل۔ ایک چیدہ جوان اور خوبصورت شخص تھا۔ بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا۔ ساری قوم میں کاندھے سے لیکر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا۔ اس کے پاس بھی اسلحۂ جنگ تھا۔ یعنی پیتل کا خود اور زرہ بکتر۔ پہلے دنوں میں جب وہ قربانی کو نکلتا تو اس کی صدائے دلکش چاروں طرف پھیل جاتی اور فتح و نصرت کی امید دلوں میں ڈالتی تھی۔ اب بھی اپنے پہلے ایمان اور سرگرمی کا قول خود اس کی زبان پر چڑھ آیا جس وقت کہ اس نے داؤد کو ہمت دلائی کہ

خداوند تیرے ہاتھ میں ہو گا۔ گو خود اُسکو مقابلہ کی جرأت نہ پڑتی تھی۔ اپنی بے ایمانی اور جسمانی وسائل پر بھروسہ رکھنے سے قریب تھا کہ وہ داؤد کا حوصلہ بھی توڑ دے۔ سو ساؤل نے داؤد سے کہا کہ تجھ میں یہ طاقت نہیں کہ تو اس فلسطی کا مقابلہ کرنے جائے اور اُس سے لڑے کہ تو لڑکا ہے اور یہ جوانی سے صاحب جنگ ہے۔

سو وہ۔ داؤد۔ وہ ابھی لڑکا ہی تھا۔ سرخرو اور شکل صورت سے سجیلا۔ اسکے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔ وہ اپنے پاس لٹھ غالباً چوپانی عصا رکھتا تھا۔ وہ زرہ بکتر بھی پہنے نہ تھا سوائے راستبازی کے بکتر اور نجات کی خود کے۔ اسکے ہاتھ میں سوائے فلاخن اور پانچ چکنے پتھروں کے جو اُسنے نالہ میں سے اٹھائے تھے کوئی اسلحۂ جنگ نہ تھا۔ لیکن اس میں ایک ایسی بعید الفہم روحانی قوت تھی جس کا ایک معمولی ناظر قیاس تو کر سکتا لیکن جس کی وہ تعریف یا توضیح کرنے سے عاری تھا۔ خدائے حی اس کے نزدیک ایک حقیقی خدا تھا۔ جیسا کہ جاتی جولیت نے طعن دیا اسکے اہل وطن ساؤل کے غلام نہ تھے بلکہ خدائے حی کی فوج۔ جب کبھی وہ افواج کا نام لیتا اور جمع کا صیغہ استعمال کرتا تو اسکے خیال میں شاید یعقوب کی وہ رویا آتی تھی کہ جب اس نے مہنائیم میں فرشتوں کا گروہ دیکھا یا یشوع کی اُسوقت کی رویا کہ جب عہد کا فرشتہ خداوند کی افواج کے کپتان کی حیثیت میں ظاہر ہوا اور اسرائیل کا کپتان جب لشکر کو بیرون پار لے جانے والا تھا تو اس کی مدد کا بیڑا اُٹھایا۔ اس لڑکے کے خیال میں ہوا گھوڑوں اور آگ کی رتھوں سے بھری تھی اور نیز ایسے ملائک سے کہ جنکی نسبت اس نے بعد میں لکھا۔ کہ "وہ قوت میں زور آور ہیں خدا کی آواز کے شنوا ہوتے اور ہر کہیں اس کی مرضی کو بجا لاتے ہیں"۔ کم ازکم اس کو اس امر کا تو ذرا بھی شک نہ تھا کہ خداوند اپنے جلالی نام کو ظاہر کرے گا اور اس نامختون فلسطی کو میرے قبضہ میں کر دے گا۔

اس بہادر ایمان کے آغاز اور رمزاج پر ہم کچھ فکر کریں۔ پوشیدگی میں وہ پیدا ہُوا اور تنہائی میں اُس نے پرورش پائی۔ دن بدن جب وہ آسمان اور زمین کے بارے میں سوچتا تو وہ اسکو ایک بڑے خیمہ کی صورت میں دکھائی دیتے تھے جس میں خدا رہتا تھا۔ ابدی روح کا مسکن نیچر میں تھا اور اُسکے دل میں روح کا خیال ایسا ہی حقیقی تھا جیسے اس کی آنکھوں میں خدا کے ہاتھ کی دستکاریاں۔ خدا اس کے نزدیک ایسا حقیقی تھا جیسے لیتی۔ یا اُسکے بھائی یا ساؤل یا جاتی جولیت۔ خدا کی حضوری کی اس پہچان میں اسکی روح ایسی مضبوطی سے جڑ پکڑے تھی کہ نعرہ جنگ کے شور وغل میں بھی اور ساؤل کے اس سے دل برگشتہ والے سوالات کے پوچھتے وقت بھی اس کی اس پہچان میں خلل نہ آیا۔

یہ ہے اس کا بھید۔ ایمان کی زندگی تک پہنچنے کے لئے کوئی پگڈنڈی نہیں۔ اور ایک مقدس اور فتحمند زندگی کی شرط یہی ہے۔ ہمکو ضرور ہے کہ خدا کی رفاقت اور سوچ دھیان میں کچھ وقت خرچ کریں۔ جیسے یہ ضرور ہے کہ ہمارے جسم خوراک پائیں ویسے ہی یہ بھی ضرور ہے کہ ہماری روحوں کے لئے الٰہی رفاقت کے پیالے ہوں۔ اور ایک بڑے چٹان کے سایہ میں چپ چاپ آرام کی وادیاں

ہوں اور جب تاریکی عالم پر چھا جائے اور انسانی زندگی کا شور و غل بالکل سکوت ہو جائے اور لامحدود اور ابدی چیزیں آشکارا ہوں تو درخشاں ستاروں کے نیچے راتیں گذاریں۔ یوں ہی خدا کی حضوری کی پہچان روح میں متمکن ہوتی اور اس کو یہ توفیق دیتی ہے کہ مزمور نویس کے ہمزبان ہو کر کہے کہ اے خدا تو میرے نزدیک ہے۔

تنہا کشمکشوں میں اسکا ایمان آزمایا گیا تھا اگر یہوواہ کو جلال دینے کا خیال اسکا دامنگیر نہ ہوتا تو غالباً داؤد شیر اور ریچھ پر فتح پانے کا بیان نہ کرتا۔ اسکی زندگی میں ایسے واقعہ اکثر ہوئے ہوں گے اور ان سے اسکا ایمان بڑھ گیا جیسے ریاضت بدنی سے اسکے قوا مضبوط ہو گئے۔ ان تمام وسائل اور طریق سے وہ اس بڑے جنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا۔

جو کچھ ہم خلوت میں ہیں وہی کچھ جلوت میں ہوں گے اسے خود پسندی کا مدار ایک دم کے لئے بھی یہ خیال نہ کرنا کہ کسی بڑے موقعہ کی تحریک سے تم میں وہ شجاعت آ جائیگی جس کے تم میں تنہائی میں کوئی نشان نہیں ملتے۔ کسی وقت نازک میں روح کی اصلی خاصیت اور مزاج ظاہر ہو جائیگا۔ خداوند کے پکڑے جانے پر شاگردوں کا بھاگ اٹھنا ایک ایسا بدیہی واقعہ ہے کہ مورخ کو یہ بتانا ضرور نہیں کہ جو وقت دعا کرنے اور بیدار رہنے میں صرف کرنا چاہئے تھا وہ سونے میں کٹا۔ مقدسین کی یہ بالاتفاق شہادت ہے کہ تنہائی کا وقت بڑی آزمائش کا وقت ہے۔ اگر ہم کسی ایسے وقت میں فتحمند ہونا چاہیں جب کہ ہر ایک آنکھ ہم پر لگی ہو تو ضرور ہے کہ پہلے ہم تنہائی میں فتحمند ہوں۔

روزانہ زندگی کی کسوٹی پر بھی اسکا ایمان پورا اترا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روزانہ محنت اور گھروں کی مصیبتیں اعلیٰ روحانی تحصیل کی مخالف ہیں۔ وہ بھی رونا روتے رہتے ہیں کہ ہائے ہمیں ان مصیبتوں سے چھڑاؤ۔ ہمیں کاروباری کرنے کو نہ دو اور صرف روحوں کی نگرانی ہمارے سپرد کرو۔ خاندانی رشتوں کے فرائض سے ہمکو سبکدوش کرو تو پھر ہم ان بیچاری روحوں کے لئے اڑیں گے جو دنیا کے دھندوں بکھیڑوں میں پھنسی ہیں۔

داؤد کی حالت یہ نہ تھی۔ جب یسی اپنے تین بیٹوں کی بابت جو جنگ میں گئے تھے فکرمند ہوا تو اس نے داؤد کو کہا کہ جا ان کی خبر لا اور ان کے لئے اور ان کے ہزاری سردار کے لئے بھی ہدیہ لیتے جا۔" اور داؤد صبح سویرے اٹھا ۔۔۔۔ اور جیسا یسی نے اسے فرمایا تھا چیزیں لے کے روانہ ہوا۔ اور وہ اپنی بھیڑوں کو بھی بے حفاظت چھوڑ نہ گیا بلکہ انکو ایک نگہبان کے سپرد کیا۔ ایک فرض کی بجا آوری کیلئے دوسرے فرض سے تغافل کرنا اچھا نہیں۔ اگر ہم لشکرگاہ میں بلائے جائیں تو چاہئے کہ پہلے ہم بھیڑوں کی نگہبانی کا بندوبست کریں۔ جو شخص بڑی بڑی باتوں میں دیانتدار ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اپنی دیانتداری کا ثبوت دے چکا ہوگا۔ گھر اور دفتر اور سنڈے سکول میں ہم بڑی بڑی خدمتوں کی تیاری پا رہے ہیں۔ جب تک کہ ہم سب سبق سیکھ نہ لیں جو خدا ہمکو سکھانا چاہتا ہے اور اسکی طلبی کو سن نہ لیں ہمیں تربیت گاہ کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

غلط فہمی اور طعن و تشنیع کی برداشت اس نے صبر کے ساتھ کی۔ جنگ گاہ میں جا کر کیا دیکھتا

ہے کہ لشکر صف آرا ہے اور وہ آگے کو بڑھ گیا۔ اپنے بھائیوں کو ڈھونڈ کر وہ ان سے ابھی خیر وعافیت پوچھ ہی رہا تھا کہ وادی کی دوسری طرف سے اس کو جولیت کی تمسخر آمیز آواز سنائی دی اور اسکے آگے سے اس نے بنی اسرائیل کو دہشت زدہ بھاگتے دیکھا۔ جب اس نے اپنی حیرانی کا اظہار کیا تو لوگوں سے سنا کہ ساؤل پر بھی دہشت چھائی ہے اور اس نے اشتہار دیا ہے۔ کہ جو کوئی اسکو مار یگا اسکو انعام دیا جائیگا۔ پس وہ ادھر اُدھر سپاہیوں سے باتیں کرتا سب حالات دریافت کرتا پھرتا تھا اور اپنی حیرت ظاہر کرتا تھا کہ "اس شخص کے سبب سے کیوں کسی کا دل گھبرائے۔"

الیاب تو اپنے بھائی کی باتیں سن کر افروختہ خاطر سا ہو گیا۔ اس لڑکے کو یہ کہنے کی جرأت کیسے ہوئی کہ بنی اسرائیل کا یہ رویہ ان کے اور ان کے مذہب کے شایاں نہ تھا۔ شاہی انعام کی کیفیت وضاحت کے ساتھ دریافت کرنے سے اسکا کیا منشا ہے۔ کیا اسکا خیال ہے کہ میں یہ انعام حاصل کرلوں گا۔ کیسی بیہودگی۔ یہ محض باتیں ہی باتیں تھیں لیکن اس امر کا خیال ہی حیرت انگیز تھا کہ وہ بھی اپنے کو سپاہی جانتا اور لڑنے کے قابل سمجھتا ہے۔ ضرور تھا کہ اسکو صاف صاف کہا جائے کہ تمہارا میدانِ کارزار میں کوئی کام نہیں تاکہ اسکی باتوں کا اثر جاتا رہے اور لوگ اسکی اصلی وقعت سے آگاہ ہو جائیں۔ "تو یہاں کیوں اترا ہے" اور ذرا حقارت سے "اور وہاں جنگل میں ان تھوڑی سی بھیڑوں کو تو نے کس پاس چھوڑا۔" آہ ان الفاظ میں کیسا افعی کا سا زہر پایا جاتا ہے۔ داؤد نے اپنے مزاج پر قابو پا کر حلیمی سے جواب دیا کہ والد تمہاری خیر وعافیت دریافت کیا چاہتے تھے اور میرے آنے کی وجہ یہی ہے۔ جولیت پر اصلی فتح تو یہیں مل گئی۔ ایسے وقت میں اپنے مزاج پر قابو چھوڑ دینے سے اسکی روح کا تعلق جو خدا کے ساتھ تھا ٹوٹ جاتا اور خدا کی حضوری کی جو پہچان اسکو حاصل تھی اس پر پردہ سا آ گرتا۔ لیکن برائی کا بھلائی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور طبع سلیم کے رکھنے سے نہ صرف اسکی روح کے ہتھیار کی تجلی ظاہر ہوئی بلکہ جو رشتہ اسکو خدا کے برہ سے حاصل تھا وہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔ حسد اور کینہ کے حملوں کی صبر اور حلیمی سے برداشت کرنا۔ بدی کے قابو میں نہ آنا بلکہ اس پر نیکی سے غالب آنا۔ بے وجہ تکلیف اٹھانا۔ صبر سے روح کو قابو میں رکھنا۔ تحقیر کے روبرو زبان کو لگام دینا ۔ غلط فہمیوں اور نامہربانیوں کے طوفان میں سے سلیم اور حلیم گذر جانا۔ صرف انہیں کو نصیب ہے جنکے دلوں میں روح اللہ متمکن ہے اور جنکو خدا کا اطمینان حاصل ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو جنگ میں شجاع ثابت ہوتے ہیں۔ اس دن وادی ایلا میں یہ صداقت ظاہر ہوئی کہ جو شخص بڑے بڑے اشتعال کے وقت میں حلیم اور سلیم رہتے ہیں وہی جنگ میں نمود نکلتے ہیں اور کہ حلیمی زور وقوت کا ایک بھاری جزو ہے۔

جسم کی حجتوں کی معیار پر بھی وہ پورا اترا۔ ساؤل چاہتا تھا کہ داؤد میرا زرہ بکتر پہنے گو وہ خود اسکو پہننے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ داؤد کی حقیقی سرگرمی کا اس پر بہت اثر ہوا لیکن اسکو صلاح دی کہ وسائل کو بھی کام میں لائے۔ "جلد بازی نہ کرو۔ یہ امید نہ رکھو کہ تمہارے لئے معجزہ سرزد ہوں گے۔ ہر صورت سے خدا پر بھروسہ رکھو اور جاؤ لیکن دانشمندی سے کام لو۔ ہمکو معمولی حفظ ماتقدم کا

خیال رکھنا چاہیئے"۔

یہ موقعہ بڑا نازک تھا۔ اگر داؤد یہ صلاح مان لیتا تو اس الٰہی مدد سے محروم رہتا جو اس کے بے ریا ایمان کے وسیلہ اسکو ملی تھی۔ وسائل سے کام لینے میں کسی قسم کا گناہ نہیں لیکن ان کو مقدم جگہ دینا ٹھیک نہیں۔ اور وہ ہونے بھی ایسے چاہئیں کہ جنکی ہدایت خود خدا کرے۔ بڑی آزمایش آتی ہے کہ جسم کی تحریک کے مطابق ہم ان کو اختیار کرلیں اور پھر امید رکھیں کہ خدا ان پر برکت دیگا بہ نسبت اسکے کہ ہم پہلے ہی انتظار کریں کہ خداوند کیا کرے گا اور اسکو کیونکر انجام دے گا۔ بسا اوقات دنیوی دانشمندی کے صلاح و مشورہ سے روح کی اعلیٰ تحریکیں مُردہ سی ہو جاتی اور بڑے کام کی بجا آوری کی مانع ٹھہرتی ہیں۔

لیکن ایک نادیدنی ہاتھ نے داؤد کو آزمایش کے جال سے بچالیا۔ اُس نے ساؤل کی صلاح یہاں تک تو مان لی تھی کہ اسکا زرہ بکتر پہن لیا اور اسکی تلوار لگالی تھی۔ پھر اس نے ساؤل کی طرف پھر کر کہا کہ میں انہیں لئے جا نہیں سکتا اور ان کو اپنے اوپر سے اُتار دیا۔ اس نے اب ساؤل اور خداوند کا زرہ بکتر نہیں پہنا تھا بلکہ صرف خدا کا۔ اور اب وہ بلا تامل جاتی جولیت سے کہہ سکتا تھا کہ خداوند تلوار اور بھالے سے بچاتا نہیں۔

اس کے ایمان کی سخت آزمایش کی گئی اور وہ خالص ثابت ہُوا۔ چونکہ وہ سونے اور چاندی سے کہیں بڑھ کر بیش قیمت تھا اسکی پرکھ بھی سخت ہُوئی لیکن آزمایش کی بھٹی سے ثابت ہو گیا کہ اس کی خاصیت آلٰہی تھی۔ اب جاتی جولیت جو کر سکتا ہے کرے اسے معلوم ہو جائے گا کہ اسرائیل میں ایک خدا ہے۔

اُلفتِ مادری

(ملک الشعراء ٹینی سن کی نظم کا ترجمہ۔ از مخزن)

جب لائے گھر میں لاشہ اس مرد صف شکن کا نکلی نہ آہ۔ بگڑا نقشہ نہ گلبدن کا
کہنے لگیں خواصیں یوں اس سے ہم زباں ہو یا ہاتھ جاں سے دھولے یا مائل فغاں ہو
مل جل کے ان سبھوں نے مرحوم کو سراہا کیا خوب آدمی تھا! واللہ کیا جوان تھا
تھا دوستی میں پکا۔ اور دشمنی میں پورا اس پر بھی سیم تن کو جنبش ہوئی نہ اصلا۔
پھر ایک پیش خدمت اپنی جگہ سے اُٹھ کر آئی دبے قدم سے۔ لاشہ تھا جس جگہ پر
منہ پر جو نوجواں کے چادر تھی۔ کی علیحدہ بیوی کی آنکھ سے پر نکلا نہ پھر بھی قطرہ
آخر اِک آئی اُٹھ کر نوّے برس کی بڑھیا زانو پہ اُس نے اُس کے بچے کو لا بٹھایا
یہ نکلے آنسو فوراً۔ مظلومہ یوں پکاری
"میرے یتیم بچے۔ اماں ہو تم پہ واری"

مسیح کے خاص دوست

۴

توما

یسوع اور توما کی دوستی کے آغاز کا بیان کہیں قلمبند نہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ توما کب یسوع کے شاگردوں میں شامل ہُوا اور اوّل اوّل یسوع کی طرف کیسے رجوع لایا۔ کیا اسکو کوئی دوست یسوع کے پاس لایا؟ کیا وہ خداوند کی شہرت سُن کر آپ سے آپ اسے دیکھنے کو چلا آیا؟ کیا اُس نے خداوند کو کسی دن کلام کرتے سُنا اور یوں اسکے کلام کے اثر سے اس کی طرف کھنچ آیا؟ یا کیا یسوع نے خود اُسکے ہاں جاکر یا اسے کام میں مشغول پاکر اسکو بُلا لیا اور کہا کہ میرے پیچھے آ؟

ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اس کا ذکر اوّل اوّل رسولوں کی فہرست میں آتا ہے۔ چونکہ یہ رسُول شاگردوں کے ایک وسیع مجمع میں سے چُنے گئے تھے توما رسُول بننے سے پیشتر یسوع کا شاگرد ہوگا۔ کچھ عرصہ سے توما اور یسوع آپس میں دوست تھے اور اس امر کے بدیہی ثبوت ہیں کہ ان کی دوستی بڑی گہری اور مضبوط تھی۔ توما کا گو بہت ہی مختصر احوال اناجیل میں مرقوم ہے اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ توما بڑا وفادار اور دلدادہ شاگرد تھا۔ اور یسوع اسکے ساتھ نہایت برداشت اور حلیمی سے پیش آیا۔

نئے عہدنامہ میں بعض نہایت ہی عجیب تصویریں ملتی ہیں۔ جہاں کہیں ان کا ذکر آئے ہم فوراً پہچان لیتے ہیں کہ یہ کس کی شبیہہ ہے۔ مثلاً پطرس کا ذکر جہاں کہیں ہے اس کی شبیہہ وہی ہے۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں لگا ہے۔ یا کلام کرتا ہے یا کام۔ ہمیشہ دانشمندی سے بھی کام نہیں لیتا لیکن اسکا انداز نرالا ہے۔ بے صبر۔ خود اعتماد۔ جلد باز لیکن زندہ دل۔ ہر موقعہ پر ہم اسکو فوراً پہچان لیتے ہیں گو اُسکا نام بھی مذکور نہ ہو۔ یوحنا بھی ہمیشہ ایک ہی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مؤدب۔ خاموش۔ پیارا۔ قابل اعتبار۔ پال رسول محبت۔ اندریاس بہت کم دکھائی دیتا ہے لیکن ہر موقعہ پر وہ ایک ہی کام میں لگا ہے۔ کسی نہ کسی کو مسیح کی طرف لا رہا ہے۔ بیت عنیا کی مریم کا ذکر صرف تین موقعوں پر آتا ہے لیکن اسکو ہم ہمیشہ یسوع کے قدموں میں بیٹھا دیکھتے ہیں۔ حالانکہ مرتھا ہمیشہ اپنی خدمت میں مشغول ہے۔

توما کی شبیہہ بھی ایک نرالے انداز سے کھینچی گئی ہے۔ یہ رسُول صرف تین موقعوں پر ظاہر ہوتا ہے لیکن ان سب میں شبیہہ ایک ہی ہے اور ایسی صاف ہے کہ توما کی سیرت پطرس سے کچھ کم شہرت نہیں رکھتی۔ وہ ہمیشہ تاریک پہلو پر نظر ڈالتا ہے۔ ہم اکثر اسکو شکی مزاج سمجھتے ہیں لیکن اس کا شک اس قسم کا نہیں جس سے تعظیم وادب کی کمی اور نادانی اور بے فکری ظاہر ہو بلکہ اسکی طبیعت کا جبلی میلان اس طرف تھا کہ ہر بات کی کھوج نکالے اور ایسے ثبوت طلب کرے جن سے اسکی حسیات کی تسلی ہو۔ وہ مسیحی دین کے واقعات سے کسی قسم کا انکار نہیں کرتا۔ کافی ثبوت کے بہم پہنچنے پر توما خوشی سے

یقین کر لیتا تھا۔ وہ برابر یسوع کا سچا اور دلدادہ دوست بنا رہا۔ خداوند سے اسکو خاص انس تھا اور وہ موت تک اس کی پیروی کرنے کو تیار تھا۔

پہلا موقعہ کہ جب توما ظاہر ہوا لعزر کی موت تھا۔ یسوع اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر یردن کے پار اتر گیا تھا۔ یہودی اسکو قتل کرنے کے درپے تھے اور وہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ جب اس نے سنا کہ لعزر بیمار ہے تو جس جگہ تھا وہیں دو دن اور رہا۔ پھر اسکے بعد شاگردوں سے کہا کہ آؤ یہودیہ کو پھر چلیں۔ شاگردوں نے اسکو یاد دلایا کہ ابھی تو یہودی تجھے سنگسار کرنا چاہتے تھے اور تو پھر وہاں جاتا ہے۔ ان کے خیال میں اب مناسب نہ تھا کہ بیت عنیا کے غمزدوں کو تسلی دینے کی خاطر بھی وہ آپکو معرض خطر میں ڈالے۔ یسوع نے ایک چھوٹی سی تمثیل سنا کر اسکا جواب دیا کہ جو شخص دن کو سفر کریں وہ خطرے سے محفوظ ہیں۔ کہ وہ ٹھوکر نہیں کھاتے۔ اس تمثیل کا یہ مطلب تھا کہ اسکی زندگی کے دن کی ابھی شام نہ ہوئی تھی اور اس لئے جو کام اسکے سپرد کیا گیا اسکو بلا خوف سرانجام دے سکتا تھا۔ جس کسی شخص کو خدا کوئی خاص کام کرنے کو دے وہ اسکو ختم کئے بغیر مرتا نہیں۔ پھر یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ لعزر مر گیا ہے اور میں اسکے جلانے کو جاتا ہوں۔

اس موقعہ پر توما ظاہر ہوتا ہے اس نے اپنے ساتھ کے شاگردوں سے کہا کہ آؤ ہم بھی اس کے ساتھ مرنے کو چلیں۔ اس نے صرف تاریک پہلو ہی پر نظر ڈالی۔ اس نے یہ امر تسلیم کر لیا کہ اگر یسوع یہودیہ میں پھر واپس آیا تو وہ ضرور مارا جائے گا۔ کچھ دیر کے لئے تو وہ بالکل بھول گیا کہ یسوع کو الٰہی قدرت حاصل ہے اور کہ جب تک باپ کا کام ختم نہ ہو لے الٰہی حفاظت اسکے سر پر سایہ افگن رہیگی۔ یسوع نے جو ابھی فرمایا تھا کہ جب تک میرے دن کی ساعت تمام نہ ہو لے میں محفوظ ہوں وہ بالکل نہ سمجھا۔ اسکو صرف یہودیوں کی مخالفت یاد رہی اور کہ کیونکر وہ خداوند کے قتل کے درپے تھے۔ اس کو یقین تھا کہ اگر یسوع واپس آیا تو وہ اپنے منصوبہ کو ضرور پورا کرینگے۔ بادلوں میں اس کو تاریکی ہی تاریکی نظر آئی۔

توما ایسے نیک لوگوں کا نمونہ ہے جو ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔ وہ صرف زندگی کے غم آمیز پہلو کو دیکھتے ہیں۔ ان کو سرو کے درختوں میں سے ستارے دکھائی نہیں دیتے۔ خطرے کے وقت میں وہ بھول جاتے ہیں کہ ایسی ایسی الٰہی پناہ گاہیں ہیں جن میں بھاگ کر ہم سلامتی پا سکتے ہیں۔ وہ خدا کے وعدوں سے واقف ہیں اور دوسروں کو سناتے بھی رہتے ہیں لیکن اپنے سر پر پڑے تو ان کا خیال تک نہیں رہتا۔ مصیبتوں میں وہ الٰہی نوشتوں سے کسی قسم کی تسلی نہیں پاتے اور امید بھی ان کے دل سے جاتی رہتی ہے۔ وہ بے ہمت سے ہو جاتے ہیں اور تاریکی ان کی فضا سے ہر ایک ستارے کو چھپا دیتی ہے۔ ان پر کسی قسم کی مصیبت کیوں نہ آئے وہ صرف مصیبت ہی کو دیکھتے ہیں اور بادلوں پر کی روشنی ان کو نظر نہیں آتی۔

یوں زندگی کی مصیبتیں اور بھی دوبھر ہو جاتی ہیں۔ دل کے غمگین ہونے سے ہر ایک بوجھ اور بھی بھاری ہو جاتا ہے۔ ہر ایک درد اور بھی تیز ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بے ہمتی و دل شکنی کا باعث ہے۔ غم و

[redacted]

رنج نا امیدی کے ساتھ اُٹھانے سے اَور بھی تاریک ہو جاتا ہے۔ تاریک پہلو پر نظر ڈالنے سے ہر ایک فکر بڑھ جاتی اور ہر ایک خوشی کی شیرینی گھٹ جاتی ہے۔ جو شخص ہر ایک چیز پر ہمیشہ نا امیدی کی آنکھوں سے دیکھے اسکے نزدیک دنیا کی خوبصورتی آدھی رہ جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے خوف بڑھ جاتے اور ذرا ذرا سی تکلیفیں پہاڑ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کا ہمارے لئے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونا ہمارے دل کی حالت پر موقوف ہے۔ اور اگر دل میں امید و خوشی نہ ہو تو ساری دنیا اندھیری نظر آتی ہے۔ زندگی میں ہمکو وہی کچھ ملتا ہے جس کے پانے کی ہم میں توفیق ہے۔ جو شخص مختلف رنگوں میں امتیاز نہیں کر سکتا اسکو نیچر میں کسی قسم کی خوبصورتی نظر نہیں آتی۔ جسکو علم موسیقی کا مذاق نہیں وہ نیچر کی ہم آہنگی کو سُن نہیں سکتا۔ جب ہمارے دلوں میں خوف تخت نشین ہو تو ساری زندگی دہشت زدہ ہو جاتی ہے۔

اور اگر دل امید سے پُر ہو تو ہر ایک خوشی دوگنی ہو جاتی۔ اور غم آدھا رہ جاتا ہے۔ اس دُنیا میں غم و رنج تو ہر ایک کا حصہ ہے لیکن وہ تسلی پاتے ہیں۔ تلخ پیالے پینے تو ہر ایک کو پڑتے ہیں لیکن ان کے پیالہ کی تلخی شیرینی سے بدل جاتی ہے۔ بھاری بوجھ ہر ایک کو اُٹھانے تو پڑتے ہیں لیکن شادمان دل بوجھ کو ہلکا پاتا ہے۔ خوف و خطر تو ہر ایک کو درپیش ہے لیکن مسرت آمیز ہمت سے اُن کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ دل میں امید کی روشنی کے درخشاں ہونے سے ساری دنیا منور نظر آتی ہے۔

لیکن ہم نے توما کے ڈر کا صرف ادھورا بیان پڑھا ہے۔ خداوند کے یہودیہ کو آنے میں اس نے صرف خطرہ ہی خطرہ دیکھا۔ یہودی تو اُسکو مار ڈالیں گے۔ اس کی موت یقینی ہے۔ توما کے کچھ ایسے خیال تھے۔ گو توما کا خیال تھا کہ یسوع جلد شہید ہونے کو ہے وہ اس سے جُدا ہونا نہ چاہتا تھا۔ "آؤ ہم بھی اسکے ساتھ مرنے کو چلیں" اُسکے اس خوف کے ساتھ یسوع کے لئے دلی محبت مخلوط تھی۔ یسوع کے بیت عنیا جانے پر توما کے اسکی زندگی سے نا امید ہو جانے سے اسکی دلدادگی اور محبت کا اَور بھی پختہ ہو جانا بڑا قابل تعریف ہے۔ اُسکو یقین تھا کہ یسوع اپنی موت کی طرف جا رہا ہے لیکن اس کی وفاداری میں ذرا بھی لغزش نہ ہوئی۔

توما کا یہ مزاج قابل تقلید ہے۔ یہ حقیقی سپاہیانہ مزاج ہے۔ اسکی دلدادگی کامل اور اسکی پیروی بلا شرط ہے ہاں اسکی ایک ہی شرط اور ایک ہی آرزو ہے۔ اور وہ محبت۔ اور ایک ہی قاعدہ اور وہ فرماں برداری۔ اُس پر انجام کے خیال سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور گو اسکا انجام موت ہو وہ تامل نہیں کرتا۔ خداوند اس قسم کی شاگردی چاہتا ہے۔ جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ پیار کرے میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی زندگی سے نفرت نہ کرے میرا شاگرد ہو نہیں سکتا۔ یسوع کے شاگرد کو ہمیشہ راضی اور تیار رہنا چاہئے کہ موت تک اسکی پیروی کرے توما نے شریف شجاعت سے اپنی دوستی کا ثبوت دیا۔ شجاعت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ فرائض کی راہ میں انسان بلا تامل قدم اُٹھائے چلا جائے گو ذاتی نقصان اُٹھانا کیوں نہ پڑے۔ بس سپاہی کا چہرہ بدنی کمزوری سے زرد ہو پر پھر بھی وہ ثابت قدمی سے آگے کو بڑھا جائے اُس قوی ہیکل سپاہی سے درجہا

بہادر ہے جو بلا خوف گھمسان میں گھس جائے۔

دوسری بار توما بالاخانہ میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ رسول مقدس عشا کھا چکے تھے۔ یسوع نے اپنے باپ کے مکانوں کا ذکر کر کے فرمایا تھا کہ اب میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں اور میں پھر آکر تمہیں اپنے ساتھ لے لونگا۔ خداوند کے اس فرمان کا مطلب توما سمجھ نہ سکا اور کہا کہ اے خداوند ہم نہیں جانتے کہ تو کہاں جاتا ہے۔ پھر راہ کس طرح جانیں۔ اُس نے یہ تو نہ کہا کہ جب تک میں خود دیکھ نہ لوں یقین نہ کرونگا لیکن اسکے سوال کا مفہوم یہی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ خداوند اپنی تعلیم کو صاف الفاظ میں بیان کرے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر تمام مسیحی اپنے ایمان کی بنیاد دریافت کریں کہ ہم کیوں مسیحی ہیں۔ یوں انکا ایمان پختہ ہوگا اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے ٹھوکر نہ کھائیں گے۔ آزمایش و امتحان کے وقت انکا ایمان مضبوط اور ثابت رہے گا کیونکہ وہ الٰہی صداقت کی چٹان پر قایم ہے۔

توما کی داستان کا آخری واقعہ مسیح کے جی اُٹھنے سے بعد کا ہے۔ پہلے سبت کی شام کو تمام شاگرد ایک بالاخانہ میں اکٹھے ان عجیب باتوں کا چرچا کرتے تھے۔ کسی وجہ سے توما اس جلسے میں حاضر نہ تھا۔ ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ غمگین مزاج ہونے کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہوا۔ وہ یسوع کو سچے دل سے پیار کرتا تھا اور اسکا غم بڑا گہرا تھا۔ اس دن چاروں طرف افواہیں پھیل رہی تھیں کہ یسوع مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے لیکن توما نے اسکا یقین نہ کیا۔ شاید یاس و ناامیدی کے سبب وہ اَوروں سے ملتا جلتا نہ تھا اور رونے کے لئے بھی اپنے ساتھ کے شاگردوں سے نہ ملا۔

اِس رات یسوع بند دروازہ میں سے اندر آداخل ہُوا اور حسب معمول شاگردوں سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو۔ بعد میں باقی شاگرد توما سے کہنے لگے کہ ہم نے خداوند کو دیکھا ہے لیکن اُسنے ان کی بات نہ مانی یعنی اسکو یقین نہ تھا کہ خداوند سچ مچ شاگردوں پر ظاہر ہُوا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ شاگردوں کو دھوکا ہُوا ہے اور اس لئے کہتا تھا کہ نہ صرف جب تک میں خود اسکو دیکھ نہ لوں یہ یقین نہیں کرنے کا بلکہ شہادت کا خوب موازنہ کرونگا۔ وہ میخوں کے سوراخ دیکھنا اور اُن میں اپنی انگلی ڈالنا چاہتا تھا۔

اِس امر پر غور کرنے سے ہمیں فائدہ ہوگا کہ توما کے اس شکی مزاج سے اس کا کیا کچھ نقصان ہُوا۔ اوّل تو وہ اس رات رسولوں کے جلسے میں شامل ہونے سے محروم رہا۔ وہ غم و رنج کی حالت میں تنہا خلوت نشین رہا۔ غم میں اسکو امید نہ تھی اور وہ تسلی نہ پاتا تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہُوا کہ جب یسوع شاگردوں پر ظاہر ہُوا تو توما حاضر نہ تھا اور یُوں اس مکاشفہ سے محروم رہا جس سے دیگر شاگردوں نے بڑی تسلی پائی۔ اس وقت سے ان کا غم خوشی سے تبدیل ہو گیا لیکن توما ایک اور ہفتہ اس تاریکی میں پڑا رہا جو مسیح کے صلیب پانے سے اس پر چھا گئی تھی۔

شک لانے سے ہمارا ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔ اس سے آسمانی اطمینان ہم سے پرے رہتا ہے۔ اکثر مسیحی غم کے پہلے صدمہ میں توما کا سا تجربہ پاتے ہیں۔ غم و رنج سے مغلوب ہو کر وہ تنہائی

میں جا بیٹھتے اور مسیح کی انجیل کی تسلی کے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے کان بند کر لیتے ہیں تاکہ محبت کی آوازیں جو بیل میں سے ان کو پکارتی ہیں نہ سنیں اور الٰہی تسلی کو نہیں پاتے۔ اُنکے چاروں طرف روشنی چمکتی ہے لیکن وہ اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیتے اور اپنے اندھیرے کمرے میں روشنی کو آنے نہیں دیتے۔ سلامتی کا شیریں راگ چاروں طرف سنائی دیتا ہے لیکن اسکی کوئی سُر ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوتی۔

اکثر مسیحی اپنے غم میں تسلی پا نہیں سکتے۔ مسیحی دین کی بڑی بڑی صداقتیں تو وہ مانتے ہیں کہ یسوع ان کے لئے مُوا اور جی اُٹھا لیکن سخت مصیبت کے وقت میں ان کا ایمان انکو کام نہیں دیتا۔ اس حالت میں وہ توما کی طرح تاریکی میں چلتے ہیں۔ برعکس اسکے جو ایماندار مسیح کے جی اُٹھنے اور اُس میں غیر فانی زندگی کے پانے کی صداقت کو دل سے مانتے ہیں وہ جُدائی کے صدمہ کو کچھ کم محسوس نہیں کرتے لیکن اس امید سے اُن کو بڑی تسلی ملتی ہے کہ ہمارے جو عزیز اب کچھ دیر کے لئے ہم سے جُدا ہو گئے ہیں ہمیشہ کی زندگی میں ہمارے شریک اور حصہ دار ہیں۔

جس طریق سے خداوند نے توما کے اس شک کو دُور کیا اُس سے ظاہر ہے کہ توما کے لئے خداوند کی دوستی کیسی گہری اور صبر و برداشت والی اور دانشمندانہ تھی۔ اُس نے یہ نہ کہا کہ اگر توما رسولوں کی شہادت کو نہیں مانتا تو وہ اس تاریکی میں پڑا رہے جو اسکی بے ایمانی سے پیدا ہوئی تھی۔ جیسا طبیب حاذق خطرناک زخم کو بڑی ہوشیاری اور نرمی سے باندھتا ہے اس نے توما کے شک کا علاج بڑی حلیمی سے کیا۔ اسکو کوئی جلدی نہ تھی۔ ایک ہفتہ تک اُس نے کچھ نہ کیا۔ ان دنوں میں اس دل غمناک کو اپنے پہلے اطمینان کے پانے کا کچھ موقعہ ملا۔ توما ابھی تک کہتا تھا کہ میں ہرگز یقین نہ کرونگا لیکن ایک ہفتہ کے گذرنے پر وہ بھی اوروں کے ساتھ جلسے میں آگیا۔ شاید اس ایمان سے کہ خداوند جی اُٹھا ہے شاگردوں میں جو تبدیلی پیدا ہو گئی اور وہ ایسے خوش و خرم نظر آنے لگے کہ ان کی اس حالت سے توما کا شک ویسا ہی مضبوط نہ رہا۔ کم از کم وہ یقین کرنا چاہتا تھا۔ ہاں وہ ایمان لانا چاہتا تھا۔ اس رات یسوع پھر کمرہ میں آیا۔ دروازے بند تھے کہ یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہو کر بولا۔ تمہاری سلامتی ہو۔ پھر توما کی طرف متوجہ ہوُا اور اپنے ہاتھوں کو سامنے کر کے اس سے کہا کہ اپنی اُنگلی پاس لاکر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لاکر میری پسلی میں ڈال اور میرے جی اُٹھنے کے ثبوت کا بخوبی موازنہ کر لے۔ اب توما کو یقین ہوُا۔ اُسنے اپنے ہاتھ سوراخوں میں نہ ڈالے۔ اب اس کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ یسوع کو روبرو دیکھنا۔ اُس کی آواز کو سُننا اور اُسکے ہاتھوں میں میخوں کے نشان دیکھنا توما کے لئے بھی کافی ثبوت تھا۔ اس کے تمام شک و شبہ جاتے رہے۔ خداوند کے قدموں میں گر کر وہ تضرع کرنے لگا "اے میرے خداوند! اے میرے خدا!"

یوں یسوع کی حلیمی سے توما بے ایمان ہونے سے بچا رہا۔ جب کبھی کوئی شخص شک کے تجربہ میں سے گذر رہا ہو تو دانشمند اور وفادار دوست کا ہونا ایک بڑی برکت ہے۔ بعض اوقات نادانی سے لوگوں کے شک دور کرنے کی بجائے ہم اُن کو اور بھی مضبوط کر دیتے ہیں۔ اُن کو بحث

وہ محبت دو دکار نہیں بلکہ محبت کی برداشت جو بولنے کے ٹھیک موقعہ کی منتظر رہتی ہے اور جس کو بہت بولنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ توما کو بحث و دلیل سے یقین نہ آیا بلکہ مسیح کے زخموں میں اس کی محبت کا ثبوت پاکر۔

ہمکو اس امر سے تسلی ملتی ہے کہ مسیح کے جی اُٹھنے کی صداقت کا توما کو مشکل سے یقین آیا چونکہ اوّل اوّل ایک رسول نے بھی اس واقعہ پر شک کیا لیکن بعد ازاں دل سے قائل ہوگیا یہ ثبوت اور بھی مضبوط اور یقین دلانے والے ہو جاتے ہیں۔ اگر سارے رسول اسکو جلدی سے مان لیتے تو ان لوگوں کے لئے کچھ تسلی نہ ہوتی جو آسانی سے انجیل کو مان نہیں سکتے گو اسکو سچے دل سے ماننا چاہتے ہیں۔ اِس واقعہ سے کہ ایک رسول شک لایا اور دیگر رسولوں کی شہادت کے قبول کرنے سے انکار کرتا رہا لیکن آخرکار سچا اور پختہ ایمان لایا صاف ظاہر ہے کہ شک بالکل بے امید نہیں۔ اکثر اوقات یہ ایمان کے بڑھانے کا ایک وسیلہ ہوتا ہے۔

توما کی داستان سے یہ ظاہر ہے کہ بعض ایماندار راستی سے شک رکھ سکتے ہیں۔ شک کی حالت میں بھی وہ محبت کرتا تھا۔ شاید توما سے بڑھ کر کوئی اور شاگرد یسوع سے محبت نہ رکھتا تھا۔ اس نے پطرس کی طرح کبھی بڑھ بڑھ کر دعوی نہ کئے لیکن اُس نے کبھی مسیح کا انکار بھی نہ کیا۔ توما بہت ایمانداروں کے لئے تسلی کا باعث ہے کیونکہ اُس نے ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سچے مسیحی اور مسیح سے سچی محبت رکھنے والے ہوں اور تاہم اپنے ایمان کا کبھی فخر نہ کریں۔

لاریب سوال کرتے رہنے کی نسبت ایمان رکھنا بدرجہا بہتر ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دیانتداری اور سچائی سے سوال پوچھے جائیں اور ہماری وفاداری میں سر مو فرق نہ آئے۔ لیکن صداقت کے پائے اور چٹان پر قایم رہنے کی غرض سے سوالات کا پوچھنا ایسے سہل ایمان سے بہتر ہے جو اپنی امید کی وجہ دریافت کرنے کی تکلیف نہیں اُٹھاتا اور اپنے عقیدہ کے مسائل کو یوں ہی ازبر کر لیتا ہے اور اس پر کبھی فکر نہیں کرتا۔

یسوع سے گہری اور مضبوط دوستی رکھنے کے باعث توما بچا رہا۔ توما کی سیرت کا خاصہ یہ نہ تھا کہ وہ شکی مزاج تھا بلکہ یہ کہ شک کی حالت میں بھی وہ محبت کرتا رہا۔ اسکا شک اسکی محبت کا پیمانہ تھا اور اس کا شک محبت میں چھپ گیا۔ اگر مسیح کے ساتھ ہماری محبت سچی اور صادق ہو تو سوال کرنا کوئی بغاوت نہیں۔ بلکہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ پتھریلی پہاڑی راہوں سے محبت جلالی ایمان کی روشن چوٹی تک پہنچتی ہے۔ ایک شک کا رُخ تو موت اور تاریکی کی طرف ہوتا ہے لیکن ایسا شک بھی ہوتا ہے جو ہمیشہ سورج اور برکت پر اپنی نگاہ رکھتا ہے۔

توما ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ہم ہمیشہ ایک چیز کے تاریک پہلو ہی کو دیکھیں اور پھر بھی سچے مسیحی ہوں۔ یسوع سے سچی محبت رکھیں اور اسکے لئے جان دینے کو بھی تیار ہوں۔ لیکن ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب سے اچھا طریق نہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ رسولوں میں سے توما سب سے واجب التقلید ہے۔ کہ اس کی سیرت سب سے خوبصورت اور اس کی زندگی سب سے

شریف اور بہتر ہے۔ شک کی نسبت ایمان اور سوال پوچھنے کی نسبت اعتبار بہتر ہے۔ مغموم۔ اندوہگین اور مایوس مسیحی کی نسبت خوش وشادمان رہنا بہتر ہے۔ اس سے اپنی زندگی ہی شیریں اور خوبصورت ہو جاتی ہے۔ اس سے اور بھی خوش ہوتے ہیں۔ مغموم دل مسیحی جہاں کہیں جاتا ہے تاریکی ہی ڈالتا ہے۔ ایک شادمان دل مسیحی ہر ایک کی برکت کا موجب ہے۔

رُوحانی زندگی کے اِسرار

"مسیح یسُوع میں مخلوق"

بائبل میں بعض نہایت ہی عجیب لفظ ملتے ہیں اور ان میں سے ایک خلق کرنا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ صرف بائبل ہی میں پایا جاتا ہے۔ اور ادیان کی کتابیں بھی پیدائش دنیا کا ذکر کرتی اور یہ بتانے کی کوشش کرتی ہیں کہ یہ ساری چیزیں کس طرح ظہور میں آئیں۔ اس طرح پیدائش کے آغاز تک تو وہ پہنچتی ہیں لیکن اس عجیب لفظ کے استعمال کی جرأت نہیں کرتیں۔ یہ بائبل ہی کا استحقاق ہے کہ تمام دیدنی اور نادیدنی چیزوں پر خدا کا نام ثبت کرے اور اُسکے ساتھ خلق کا لفظ لگا دے۔ "شروع میں خدا نے" "شروع میں خدا نے خلق کیا"۔

اس وقت ہم دنیا کی پیدائش کا نہیں بلکہ روحانی خلقت کا ذکر کرینگے۔ جب ہم نے پہلی دفعہ صلیب مسیح کے حضور دعا کی تو ہم نئے مخلوق بن گئے۔ "اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نئے سرے سے مخلوق ہُوا کیونکہ پرانی چیزیں جاتی رہیں۔ دیکھو وہ نئی ہو گئیں۔" (۲ کرنتھیوں ۵: ۱۷) [افسیوں ۲: ۱۰]

لیکن اس سے بھی پہلے خلقت تھی۔ اگر ہم پولس رسول کے خیال کو بخوبی سمجھیں تو وہ ہماری فانی زندگی سے بھی پرے ہمکو ابدیت میں لے جاتا ہے اور خدا کے ان ارادوں کی تکمیل کو ہم پر ظاہر کرتا ہے جو دنیا اور جہان کی پیدائش سے پیشتر کے ہیں۔ پیشتر ازیں کہ عالم بالا سے کوئی فرشتہ اس نو پید دنیا میں آیا یا کسی سرافین نے زمزمہ پردازی شروع کی ہم خدا کے ارادے اور خیال میں مسیح یسوع میں مخلوق ہوئے۔ صلیب کے پاس ہمارا نئی پیدائش پانا ہمارے خدا کے ازلی ارادہ کی تکمیل کا تجربہ پانا ہے۔

ہم ذرا غور کریں کہ ہم کو یوں مسیح میں مخلوق کرنے سے الٰہی ارادہ کیا تھا۔ "نیک کاموں کے واسطے"۔ رسول نیک کاموں کو اپنی مناسب اور جائز جگہ میں رکھنے کا خواہشمند ہے۔ جن ایمانداروں کے نام اس نے یہ خط لکھا۔ ان کا میلان طبع اس طرف تھا کہ اپنی نجات کو نیک کاموں سے منسوب کریں۔ یا کم از کم اپنے ایمان پر فخر کریں۔ اس لئے رسول اس امر پر پھر زور دیتا ہے کہ ہم سراسر فضل الٰہی کے محتاج ہیں اور کہ ہم آپ سے آپ ایمان بھی رکھ نہیں سکتے۔ یہ بھی خدا کی بخشش ہے۔" اور

نہ اعمال کے سبب سے تاکہ کوئی فخر نہ کرے"۔ اپنی کوششوں سے ہم زندگی پا نہیں سکتے لیکن نئی زندگی پاکر اُسکے مطابق چال چلنی چاہیئے۔ نئی پیدائش پانے سے پیشتر اگر ہم نے کوئی نیک کام کئے بھی ہوں تو وہ ہم سے محسوب نہیں ہوتے۔ رسول اُن کو مردہ کام کا نام دیتا ہے۔ جو کام خدا کی نظروں میں پسندیدہ ہیں اور جنکو وہ مسیح کے وسیلہ قبول فرماتا ہے یہ وہی ہیں جو اس نئی زندگی کا نتیجہ ہیں جو وہ ہمکو روح القدس کے وسیلے نئی پیدائش دیتے وقت عطا کرتا ہے۔ ہم نیک کاموں کے واسطے مخلوق ہوئے ہیں۔ جس نے اپنے آپکو ہماری خاطر قربان کر دیا تاکہ فدیہ ہو کر ہمیں ہر طرح کی بے دینی سے چھڑا لے اور پاک کر کے اپنی خاص ملکیت کیلئے ایک ایسی امت بنائے جو نیک کاموں میں سرگرم ہو" (ططس ۲:۱۴) قائن کا ہدیہ گو خوشبودار اور عمدہ تھا اس لئے نامنظور ہوا کہ اس نے خدا کی مہربانی کو خریدنے کی کوشش کی اور وہ اسکے ایمان کا پھل نہ تھا۔

یہ علم کیسا تسلی بخش ہے کہ ہمارے نیک کام اس لئے تیار کئے گئے ہیں کہ ہمارے لئے ایسی راہ کا کام دیں جس پر ہم چلیں۔ چلنے کے لئے راہ درکار ہے۔ خواہ وہ دکھینوں میں سے ہو۔ یا میدانوں میں سے یا کنارِ دریا پر۔ ہماری راہ صلیب سے شروع ہوتی ہے جہاں ہم نے نئی پیدائش پائی اور بہشتی سفر کی طرح آسمانی شہر کے سنہلے پھاٹک پر جا ختم ہوتی ہے۔

تمام راہیں ایک ہی جگہ سے شروع ہوتی اور ایک ہی جگہ پر جا ختم ہوتی ہیں لیکن انکی حالت ایک دوسرے سے کیسی مختلف ہے۔ اور ایک ہی راہ مختلف جگہوں میں کیسی مختلف صورت رکھتی ہے۔ کبھی تو چاروں طرف گل و گلزار نظر آتا ہے کبھی دشت و بیابان۔ کبھی تو ہیں کوہ مشکل کی چڑھائی آتی ہے اور کبھی سائے کی وادی کی اترائی۔ کبھی تو برفانی پہاڑوں کی سردی سے ٹھٹھرے جاتے ہیں اور کبھی میدانوں کی گرمی سے بدن جھلسا جاتا ہے کبھی تو ہم مزاج رفیقوں کی سنگت نصیب ہوتی ہے۔ اور کبھی سوائے یاس و تنہائی کے کوئی اور ہمارا رفیق نہیں ہوتا۔ اور خود ہمارا کارمنصبی ہی دوبھر ہو جاتا ہے۔ جب ہمکو یہ پہچان ملجائے کہ ہمارے فرائض کی راہ خدا نے ہمارے لئے پیشتر ہی سے تجویز کی ہوئی ہے اور کہ تیار شدہ راہ پر چلنے کیلئے جو جو چیز درکار تھی وہ وہ مہیا کر چکا ہے اور کہ اسنے ہمارے لئے جنکو اس نے پیدا کیا یہ راہ اس لئے تیار کی کہ ہمکو اپنی خاص لیاقتوں کے استعمال کا موقع ملے تو ہمکو تسلی ملتی ہے کہ خدا کی خلقت اور اسکی تیاری کے درمیان پوری پوری مطابقت ہے خوف نہ کرو بلکہ آگے بڑھو جس بات کا وہ حکم کرتا ہے وہ اسکو دیتا ہے۔ اور پھر جو اسکی مرضی ہے اسکے بجالانے کا حکم کرتا ہے اس سے ہمکو کیسی تسلی ملتی ہے۔ ہمکو اپنی راہ تلاش کرنی نہیں پڑتی نہ مشکلات میں سے راہ نکالنی۔ یہ ہمارے لئے تیار ہو چکی ہے۔ ہمارا یہی کام ہے کہ اس پر خدا کے ساتھ قدم بقدم چلیں۔ اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں دے کر اسکے رخ مبارک کی طرف آنکھیں اٹھائیں اور کہیں کہ اے باپ اس تیار شدہ راہ پر مجھے لے چل"۔ "اپنی راہیں مجھے سکھلا"۔ "اپنی راہ کہ جس میں میں چلوں مجھے بتا"۔

اس سے کیسا بھروسہ پایا جاتا ہے مگر مطلب بات یہی ہے کہ ہم تیار شدہ راہ کو دریافت کریں۔ روح کے ساتھ شراکت رکھنے سے یہ ہمکو حاصل ہوگا۔ جب پولس اس تیار شدہ راہ سے ہٹ کر پہلے بائیں طرف افسس کو جانا چاہتا تھا اور پھر داہنی طرف بیت عنیا کو۔ تو دونو موقعوں پر مسیح کی روح نے اسکو جانے

نہ دیا۔ عموماً فرائض روزمرہ سے یہ راہ ہم پر ظاہر ہوگی۔ لیکن جب کبھی ہم شک میں ہوں اور نہ جانیں کہ تین چار راہوں میں سے کونسی راہ اختیار کریں تو چاہیئے کہ ہم وہیں کے وہیں کھڑے رہ کر فکر کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہماری قوت فیصلہ کے وسیلے ہم سے کلام کرے اور راہ راست کے سوا اَور سب راہیں بند کردے۔

اور جب ہم ایک دفعہ فیصلہ کریں تو پھر نہ پچھتائیں۔ اور کبھی شک نہ کریں کہ جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ انکو چھوڑ دیتا یا انکو غلطی کرنے دیتا ہے اور اگر راہ میں مشکلیں آئیں تو اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم نے غلطی کی ہے۔ اور غالباً کسی اَور راہ میں اس سے بھی زیادہ ہوتیں۔ آگے بڑھو۔ راہ تیار کی گئی ہے۔ پہاڑ بھی راہ کا کام دیتے ہیں۔ دریا پایاب ہو گئے ہیں۔ شیر زنجیروں سے بندھے ہیں اور موجیں بھی پیچھے ہٹ کر چلنے کی راہ نکال رہی ہیں۔ اور جنگل اس سرزمین میں پہنچاتا ہے جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے۔

یاں محبت کے لئے کیسا موقعہ ہے۔ کینہ اور حسد کے لئے یاں جگہ نہیں۔ خدا نے اپنی لامحدود دانش اور محبت سے ہم میں سے ہر ایک کے لئے راہ تیار کی ہے۔ ایک راہ ایک کے مطابق ہے۔ دوسری دوسرے کے۔ جہاں پطرس جانا چاہتا تھا وہاں اسکی کمر باندھ کر اسکو زبردستی لے گئے حالانکہ یوحنا کو اسوقت کا انتظار کرنا پڑا کہ بڑھاپے میں خداوند اسکو سلامتی و آرام سے لے جائے "تجھ کو کیا تو میرے پیچھے ہولے" اس لئے ہر ایک مسیحی دوسرے کے حال میں محبت آمیز دلچسپی لے سکتا ہے۔ کیونکہ سوائے گناہ اور سُستی کے کوئی امر ہماری اپنی ترقی میں مانع نہیں ہوتا۔ اے خداوند جو کچھ تُو نے ہمارے لئے تیار کیا ہے اسکے لئے ہم کو تیار کر۔ ہم بلند نظر نہ ہونگے بلکہ یہی آرزو رکھیں گے کہ فروتنی سے قدم بہ قدم تیرے ساتھ اپنی راہ پر چلیں اور یوں ہم تیری دستکاری ٹھہریں گے۔

خدا کے ارادہ کا مکاشفہ۔ خدا کے ارادے ازل کا لوں میں چھپے ہیں پہلے ہی سے وہ جانتا تھا کہ

افسیون ۲ : ۹ انسان اپنے اعلیٰ رتبے سے نیچے گریگا لیکن اس نے یوں مقرر کیا کہ اس حالت میں بھی اس کا ارادہ پورا ہو اور انسان اسکا بیٹا اور وارث اور اسکی جلالی زندگی کا شریک ہو۔ ہاں اُس نے یہ بھی چاہا کہ بحال شدہ انسان کے ساتھ اسکے برتاؤ سے اسکی لاثانی دانش اَور بھی صاف طور پر ظاہر ہو۔

اِس لئے اس نے ساری چیزیں مسیح کے وسیلے پیدا کیں۔ ساری کائنات کی بنیاد ہمارے مُبارک خداوند کی ذات اور کام پر رکھی گئی۔ اُسی کے وسیلہ سے پیدا کرنے والے ارادہ نے تحریک اور انسان نے شفاعت بھی اسی کے وسیلہ سے پائی۔

مدتوں تک خدا کا ارادہ چھپا رہا تا وقتیکہ پنتیکوست کی رُوح سے اسکا عجیب نقشہ کچھ کچھ ظاہر نہ ہوا انسان خدا کے ارادہ سے بالکل بے بہرہ تھے۔ جو راز کہ پہلے آدمزاد سے مخفی رہے اب مقدس رسُولوں اور نبیوں پر رُوح کے وسیلہ ظاہر ہوئے اَور اب شیر خواروں کو بھی جنہوں نے رُوح سے تعلیم پائی ہے وہ وہ باتیں معلوم ہیں جو اگلے زمانہ کے بزرگ بھی سمجھ نہ سکتے تھے۔

اور جب کامل کلیسیا کل عالموں کے سامنے کھڑی ہوگی تو آسمان کی طاقتیں اور قوتیں خدا کی بینظیر دانش کو سمجھیں گی۔ یا وہ سماں کیسا عجیب ہوگا جب خدا ظاہر کریگا کہ فرداً فرداً لوگوں سے اَور قوموں سے اُسنے کیا کیا برتاؤ کئے ہیں۔

چاند اَور ستارے

(منقول از مخزن)

دنیا کی پیدائش کا چوتھا دن جب ختم ہُوا اور آفتاب عالم تنہائی میں اپنا پُرجاہ و جلال دکھا کر غروب ہوگیا اَور روئے زمین پر جسکو ابھی تک آبادی کا شرف نہیں حاصل ہُوا تھا۔ تاریکی پھیلنے لگی تو ایک اکیلا مگر خوبصورت ستارہ آسمان پر نمودار ہُوا۔ اپنے نئے خلعت وجود میں حیرت اور خوشی کے ساتھ کانپتے ہُوئے اُس نے اپنے چاروں طرف نظر جو دوڑائی تو دیکھا کہ نہ آسمان پر اُسکا کوئی ثانی ہے نہ زمین پر۔ لیکن بہت زیادہ زمانے تک وہ اکیلا نہ رہا۔ ابھی ایک پھر دُوسرا پھر تیسرا چمکیلا ہم چشم اُس سے آملا یہاں تک کہ ایک گھنٹے میں سارا آسمان سیارات اور ثوابت سے جگمگا اُٹھا جن میں ایک عظیم الشان دُمدار ستارہ بھی تھا جو سمت الراس پر چمک رہا تھا۔

ان اجرام فلکی نے کچھ دیر تک اپنی حالت اور ایک دوسرے کی حالت پر غور کی اور ان میں سے ہر ایک نے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا دل میں خیال کیا کہ تمام عالم کا نورانی مرکز میں ہی ہوں۔ اُن کو اپنی نسبت جو یہ مغالطہ واقع ہُوا تھا وہ رفع نہ ہُوا اگرچہ سب کے سب اپنے ہمچشموں کے قد و قامت میں اختلاف اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے (وجہ یہ کہ اپنی ذات کا علم چاہے آسمان پر ہو یا زمین پر سب سے اخیر میں حاصل ہوتا ہے) تاوقتیکہ اُنھوں نے جھانک کر سمندر کے آئینے میں اپنی اپنی صورتیں دیکھ نہ لیں جو ٹھیک ٹھیک اُنکا خط و خال اور محل و مقام دکھاتا تھا۔ توجّہ کے ساتھ اس آئینے میں اپنا ذاتی خط و خال دیکھتے دیکھتے سب کو بتدریج عاجزی اور انکسار کا سبق یاد ہوگیا۔ نہ ہُوا تو ایک دُمدار ستارے کو جو اپنی آفتاب تک پھیلی ہُوئی چمکیلی دُم پر ایسا بھُولا ہُوا تھا کہ اب بھی اپنے آپکو آسمان کا بادشاہ ہی خیال کرتا تھا۔

جب وہ اس طرح اپنے آپ کو اور ایک دوسرے کو غور سے دیکھ رہے تھے ان کی توجّہ ایک بار ایک نُورانی ناخن نُما مقیش کے تار کی طرف منعطف ہُوئی جو تھوڑی دیر تک اُفق سے کچھ اُوپر جھلک کر نظروں سے غائب ہوگیا۔ یہ چاند تھا۔ پہلی تاریخ کا نیا چاند۔ خوف زدہ ادا سے اُسنے اس چمکیلے گروہ پر نظر کی اور جب اس نے دل میں خیال کیا کہ میرا لاغر اور بے کینڈے جسم اُنکے کامل تناسب اعضا کے مقابل میں کیسا ذلیل اور بے حقیقت ہے تو سمندر کے دوستانہ دامن میں اُن کی نظروں سے اپنا منہ چھپا لینا اُسے ایک خوشی کی بات معلوم ہُوئی۔ جب وہ نظروں سے غائب ہوگیا تو ستارے ایک دوسرے کو متعجبانہ حیرت سے دیکھنے لگے گویا زبان حال سے یہ کہتے تھے کہ "سبحان اللہ کیا صورت تھی۔ صدقے اِس صورت کے"! اور وہ پھر جلد آزادی کے ساتھ اس کے باب میں گفتگو کرنے لگے۔ لیکن جس حال میں کہ وہ اسکی خمیدہ ہیئت اور اُس کی نادیدہ ادا کی ہنسی اُڑا رہے تھے یکایک انہیں معلوم ہُوا کہ خود ان کی روشنی بھی مدھم پڑتی جاتی ہے۔ پُورب کی

طرف پو پھٹنے لگی اور بڑی حیرت کے ساتھ سب نے دیکھا کہ مدھم پڑتے پڑتے آنکھوں سے غائب ہوتے جاتے ہیں بلکہ انہیں ڈر ہوا کہ کہیں سرے سے بالکل غائب ہی نہ ہو جائیں۔

یہ خواب عدم میں پڑے ہوئے اجرام فلکی دوسری شام کو آنکھیں ملتے ہوئے بتدریج پھر بیدار ہوئے اور آنکھیں کھول کر جب انہوں نے دیکھا کہ کل رات کی انجمن پھر جوں کی توں موجود ہے تو دل میں بہت ہی خوش ہوئے۔ وہ چھوٹی چمکیلی شاخ بھی پھر نظر آئی جو مغربی پہاڑوں کے سلسلہ پر نیچے کو جھکی ہوئی تھی۔ لیکن اگرچہ پہلی دفعہ سے اب کسی قدر زیادہ چمکیلی تھی وہ پھر بھی جلد دامن افق میں غائب ہو گئی اور مدار ستارے کو سارے آسمان پر مغرورانہ اپنے سے قابض چھوڑ گئی۔

تیسری شام کو چاند قد اور روشنی میں اس قدر بدیہی طور پر بڑھ گیا تھا اور پہلے دن کی نسبت آسمان میں اس قدر اوج پر تھا کہ اگرچہ وہ اب بھی بہت جلدی نظروں سے غائب ہو گیا مگر کہکشاں کی دو نو جانب شروع سے اخیر تک مضمون گفتگو وہی تھا۔ یہاں تک کہ نو پید اشدہ آدمی کو اس کی پہلی میٹھی نیند سے جس میں وہ بڑا اہنشت میں سوتا تھا جس نسیم نے آکر جگایا اس نے ستاروں کو آکر اطلاع دی کہ اب میدان خالی کرو آفتاب اپنے جاہ و جلال کے ساتھ آتا ہے۔ اور دنیا کی پیدائش کا پہلا سبت ایسے جاہ و جلال کے ساتھ لاتا ہے جس کے دیکھنے کو دنیا کے انحطاط کے زمانے میں لوگوں کی آنکھیں ترسینگی۔ اگلی رات کو چاند نے اپنی کرسی اور بھی بلند کر دی اور پہلے سے کہیں زیادہ چمکدار دکھائی دیا یہاں تک کہ اسکے آس پاس جتنے چھوٹے ستارے تھے اُن کو سب نے دیکھا کہ زرد پڑ گئے تھے اور بعض تو نظر بھی نہ آتے تھے۔ چونکہ ان کے رفقا اسکی توجیہ معقول نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے قیاس کیا اور ایسا قیاس انہیں کرنا ہی چاہئے تھا کہ چاند کی روشنی جو بڑھ رہی ہے تو انہی کی روشنی سے۔ گویا چاند ایک ایک کر کے سب کو نگل رہا ہے اور یہ خوف تمام میں عام طور پر پھیل گیا کہ چاند جوں جوں بڑھتا جائے گا ہم سب کو نگلتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ہم میں کا ایک فرد بھی باقی نہ رہے گا۔

اگرچہ چاند ہر شب اسی طرح بڑھتا اور روز بروز خوبصورت ہوتا جاتا تھا مگر پھر بھی وہ اپنا انکسار اور تواضع نہ چھوڑتا تھا یہاں تک کہ اسکا ہلال بڑھتے بڑھتے شکل بدر میں آگیا۔ تب کسی قدر وہ اپنی فوقیت پر نازاں نظر آیا۔ اُسکی شعاعیں بھی ایسی تاباں و درخشاں ہو چلیں کہ بہت ہی کم ستارے اُسکے جلوے کی تاب لا سکتے تھے۔ مدار ستارہ بھی اُسکے آگے پھیکا پڑ گیا۔ اپنے کمال کی شب کو وہ نہایت جاہ و جلال کے ساتھ وسط آسمان میں کرسی حکومت پر جلوہ گر ہوا۔ اور زمین کو دن کا سا ایک خاص نازک اطلسی خلعت عنایت کیا۔ آئینۂ بحر میں جو اس نے اپنی صورت دیکھی تو اپنے عالم حسن پر گھنٹوں محو حیرت رہا۔ کچھ ستارے جو اب بھی بیچارگی سے آسمان پر چمکے جاتے تھے آتیر کی زیادہ نیلگوں گہرائی میں جا چھپے کہ ایک محفوظ فاصلے سے اس کے سب پر غالب آجانے والے حسن تاباں کا نظارہ کریں۔

چاند بھی خود اس خیال سے کچھ کم متحیر نہ تھا کہ دیکھو تو دیکھتے دیکھتے قد اور روشنی میں میں کس قدر

بڑھ گیا اور نہیں معلوم ابھی اور کہاں تک بڑھوں گا۔ اُس کی خود بینی نے اُسے یہ سمجھایا کہ اگرچہ شکل تو میری پوری بن گئی ہے لیکن قد ابھی اور بڑھے گا۔ کیا میں بڑھتے بڑھتے اتنا بڑا نہیں ہو جا سکتا کہ آدم اور اُس کی ہمنوا یہ حوّا باغِ عدن کے کسی گوشے سے جھانک کر دیکھیں تو انہیں بھی آسمان میں چاند ہی چاند نظر آئے۔ لیکن وہ اسی دل خوش کن خیال میں مست تھا کہ یکایک اس پر ایک سیاہ چھائیں نمودار ہوئی جو ایک کنارے سے بڑھتے بڑھتے بیچ میں آئی اور پھر دوسرے کنارے تک چھا گئی جس سے اُسکا سارا چہرہ گہنا گیا اور لوحِ آسمان پر ایک بدنما داغ سے زیادہ اس کا رتبہ نہ رہا۔ اس مصیبت کو آتے دیکھ کر ستارے اپنے اپنے گوشے سے چاند کی ذلت کا تماشہ دیکھنے کو نکل آئے لیکن اُن کی خوشی اور چاند کی ذلت کچھ بہت دیر تک نہ رہی۔ چھائیں جس طرح بڑھی تھی اُسی طرح رفتہ رفتہ گھٹ بھی گئی اور اب چاند مقابلے سے زیادہ خوبصورت اور چمکدار نظر آنے لگا۔

دوسرا دن گذر گیا اور دوسری رات آئی اور اپنے معمول کے مطابق چاند پھر نکلا مگر کسی قدر دیر کو۔ جبکہ وہ زمین کے اوپر چل رہا تھا اسوقت بھی یہ خوف اُسکے دل میں گذر رہا تھا کہ میری چمک جتنی کل تھی وتنی آج نہیں مگر جب اس نے اپنا چہرہ دریا میں دیکھ لیا تو پھر تو یہ نامبارک نقش اُس کے دل پر آئینہ کی طرح روشن ہو گیا۔ موسم شورانگیز تھا۔ ہوا میں یکایک تیزی پیدا ہوئی۔ اور موجیں اُٹھ کر سینہ میں جھاگ بھر لائیں۔ شاید جوار پہلے ہی پہل چاند کی ہمدردی کو اُٹھا تھا اور جو بات پہلے کبھی نہ ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ ایک خوفناک طوفان نے بجلی سے آسمان کو دہلا دیا اور مینہہ سے زمین کو نہلا دیا۔ چاند نہایت گھنگھور بجلیوں والی گھٹا کے جھپیٹ میں آ گیا۔ حالتِ اضطراب میں۔ جس سے چاند کی ذلت ڈھکی رہی۔ اُس کے خوش ہونے والے حریف بھی نہیں معلوم کہاں جا چھپے۔

دوسری شام کو اور اسی طرح بعد میں بھی کئی شاموں تک چاند دیر کو نکلتا رہا اور روز بروز دھندلا ہی ہوتا جاتا تھا۔ اور ادھر حال یہ تھا کہ ہر موقع پر وہ چھوٹے ستارے جو اس کے آگے پہلے غالب ہو گئے تھے زیادہ نکلتے آتے تھے اور اُس کے زوال پذیر عزت و جلال اور نقصان پذیر حُسن و کمال کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے جامے میں پھولے نہ سماتے تھے۔ کامیابی نے چاند کو خود بین اور مغرور بنا دیا تھا مصیبت نے اس کے خیالات کی اصلاح کی۔ اور عجز و انکسار کی نرم نرم دلفریبیوں سے پھر وہ جگہ دلوں میں حاصل ہوئی جو غرور کے ہاتھوں چھین گئی تھی۔ کیونکہ جبکہ اسکی بدری شکل گھٹ کر آخیر حصۂ ماہ میں خمیدہ ناخن کی شکل رہ گئی تو سارے آسمان والوں کی نظر میں سب دنوں سے وہ زیادہ ڈھنگ کا نظر آیا۔

آخر کار ایک رات ایسی بھی آئی جبکہ چاند کا کہیں پتا نہ تھا۔ دمدار ستارہ بھی کسی غیر معلوم حصے میں چلا گیا تھا۔ اُس شب کو ساری رات آسمان پر سناٹا رہا۔ مہینے کے انقلاب پر اطمینان کے ساتھ غور کرتے ہوئے ستاروں نے غروبِ آفتاب سے طلوعِ فجر تک اپنا سفر طے کیا۔ اور تجربہ سے عقل حاصل کر کے متواضع اور راضی برضا رہے اور ہر ایک اپنی تقدیر پر شاکر تھا۔ چمکی ہوئی تھی جب بھی اور نہ چمکی ہوئی تھی جب بھی۔

دوسری شام کو چاند نے ہلال کی صورت مطلع مغرب سے پھر نمودار ہوا جس سے سب کو حیرت

بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ فوراً آسمان کے ہر حصے سے اُسکو سبھوں نے اس پھر جی اُٹھنے پر دل سے مبارکباد دی۔ کہتے ہیں کہ ٹھیک اُس وقت جبکہ وہ غروب ہو رہا تھا اور جبکہ اسکی کمان دُھندھلی آفق پر ابھی لٹک ہی رہی تھی۔ ایک فرشتہ نمودار ہوا جو اس کے دونوں سروں کے بیچ میں خاموش کھڑا تھا۔ جب اُس نے مڑ کر دیکھا تو اُسکی آنکھ جلدی سے اِس سرے سے اُس سرے تک تمام دُنیا پر پھر گئی۔ آفتاب تو نہیں معلوم کہاں کتنا نیچے ڈوبا پڑا تھا۔ چاند اُسکے زیر قدم ہی تھا۔ نیچے زمین جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی فرش زمردین بچھا رہی تھی اور اوپر آسمان بُرج بُرج میں چراغاں کر رہا تھا۔ وہ آن کی آن میں ٹھہر گیا اور پھر اس زبان میں جس میں صبح کے ستاروں نے مل کر گایا تھا اور بندگانِ خدا نے خوشی کے نعرے مارے تھے اس طرح زمزمہ سنج حمد و ثنا ہوا۔

"اے صانع مطلق۔ اے حکیم برحق تیری صنعتیں بڑی اور حیرت میں ڈالنے والی ہیں جس چیز کو دیکھتا ہوں تیری حکمت اس سے آشکارا ہے۔" اتنا کہ کر وہ تو خاموش ہو گیا۔ مگر وہ زمزمہ آسمان کے گنبد میں اسوقت سے آجتک برابر گونج رہا ہے۔

ادیب

ذاتی تاثیر

ہم ایک دوسرے سے کئی صورتوں اور حالتوں میں باہم رشتہ رکھتے ہیں۔ کیا ایک ہی خاندان کے شرکا ہونے یا ایک ہی جماعت یا کلیسیا میں شریک ہونے کے اعتبار سے ہم ایک دوسرے سے ایسے بندھے ہیں کہ جو کچھ ایک شخص کرے۔ اس کی تاثیر دوسروں پر ضرور پڑتی ہے جیسے ایک بڑے انبوہ میں ایک شخص کے جوش سرگرمی سے سب تحریک پاتے ہیں اور جیسے تالاب میں ایک پتھر کے گرنے سے دور دور تک موجیں اُٹھتی ہیں یہاں تک کہ وہ مدھم سی ہو کر بھی کنارے تک جا پہنچتی ہیں۔ ہماری ہستی ہی سے ایسی تاثیر پیدا ہوتی ہے جو ہمارے علم اور پہچان سے باہر ہے۔

تاثیر دو قسم کی ہے۔ بالوساطت اور بلا وساطت۔ جس کی خبر ہو اور جس کی خبر نہ ہو۔ بلا وساطت تاثیر اس حالت میں ہوتی ہے جب ہم عمداً کسی شخص پر تاثیر ڈالیں۔ مثلاً جب ہم کسی شخص سے بحث کریں یا لوگوں سے مخاطب ہوں یا جب کوئی مدبر ملک اپنے مددگار اور پیرو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ بالوساطت تاثیر وہ ہے کہ خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں ہماری تاثیر دوسروں پر پڑے۔ جیسے آگ سے کمرہ خود بخود گرم ہو جاتا ہے۔ یا برف سے آپ ہی آپ ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت سے دونو قسم کی تاثیریں ظاہر ہیں۔ کہ جس طرح لوہا لوہے کو تیز کرتا ہے اُسی طرح آدمی کے دوست

کے چہرے کی آبداری اُس ہی سے ہے۔ جس طرح پانی میں چہرہ چہرے سے مشابہ ہے۔ اُسی طرح آدمی کا دل آدمی سے" اِس آیت کا پہلا حصہ بلاواسطت تاثیر کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسے لوہا لوہے کو تیز کرتا ہے۔ ویسے ہی ایک شخص اپنی قوت ترغیب اور تحریک سے اپنے خیال اور مزاج کے مطابق دوسرے شخص کو صورت میں لاتا اُسکے خیالات کو ایک ڈھانچے میں ڈھالتا اور گویا اُسے تیز کرتا ہے۔ "جیسے پانی میں چہرہ چہرے سے مشابہ ہے" یہ وہ بے معلوم خاموش تاثیر ہے۔ جو ہم اَوروں پر ڈالتے ہیں۔ اس میں معلومی طور پر کوئی قوت کام میں لائی نہیں جاتی۔ کسی تلوار سے کام لیا نہیں جاتا۔ کسی قسم کی آواز لوہے کے لوہے سے ملنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن جیسے خاموش پانیوں میں ہمارا عکس پڑتا ہے۔ ویسے ہی ہماری زندگی اور سیرت چُپ چاپ دوسروں پر اپنا عکس ڈالتی اور دوسرے دلوں میں وہی خیالات پیدا ہوتے ہیں جو ہمارے اپنے دلوں میں موجزن ہوں۔

(۱) تاثیر بلاواسطت یا معلومی طور پر۔ اس کی نسبت ہر ایک کو اپنی پسند کے مطابق اپنا کام اختیار کرنا چاہئے۔ ہر ایک شخص کو خاص خاص بخششیں ملی ہیں اور اُسے موقعے بھی خاص خاص ملتے ہیں۔ تاہم بلاواسطت تاثیر کے بعض امور کا ہم ذکر کریں گے جن سے ہر ایک شخص جو اُسکا کام کسی قسم کا کیوں نہ ہو۔ فایدہ اُٹھا سکتا ہے۔

(الف) لوگوں کو راہ راست پر لانا۔ ہم اکثر ایسے لوگوں سے ملتے ہیں۔ جو غلط راہ پر ہیں۔ اور ہمارا فرض ہے کہ اُن کو راہ راست دکھائیں اور اس پر چلنے کی ترغیب دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بُری بُری عادتوں میں مبتلا ہیں۔ بُروں کی رفاقت اختیار کرنے سے اُن کے اپنے خیالات بُرے ہو جاتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اُن کو سمجھائیں اور انجام بد سے اُنکو متنبہ کریں۔ بیشک اس امر کی بجا آوری میں بڑی حکمت و دانشمندی درکار ہے اور ہدایت کیلئے خدا سے دعا مانگ کر ہمیں اس کام کو اختیار کرنا چاہیئے لیکن اس کا کرنا ہے ضرور۔ اگر وقت پر بات کہی جائے تو وہ کیسی پسندیدہ ہوتی ہے۔ ایسی بات اکثر حرکت کا موجب ٹھہرتی اور پھل لاتی ہے اور ہمیں اُس کے کہنے سے پیچھے کو ہٹنا واجب نہیں۔ البتہ اُسکے کہنے کے لئے مناسب وقت کی تلاش تو ضرور ہے۔ لیکن دیکھنا کہیں وہ بے کہے ہی رہ نہ جائے۔ پیلے انگلستان کا مشہور مصنف جب کیمبرج میں تعلیم پاتا تھا تو وہ پرلے درجہ کا سُست لڑکا تھا۔ .... اُس کے ہم جماعتی اُس سے تمسخر کیا کرتے تھے۔ اُن میں سے ایک نے اُسے سمجھانیکی جرأت کی اور اس میں کامیاب ہُوا۔ ایک صبح کا ذکر ہے کہ وہ اُسکے بستر پاس آنکر کہنے لگا پیلے تمہارے فکر میں مَیں ساری رات نہیں سویا۔ میں اسی سوچ میں رہا ہوں کہ تم کیسے بیوقوف ہو۔ مجھے تو راحت و آرام کے سب سامان میسر ہیں اور اگر میں چاہوں تو سُست رہ سکتا ہوں۔ لیکن تم تو مفلس ہو اور آرام طلبی تمہارے شایاں نہیں اور پھر اگر میں کوشش بھی کروں تو بہت کچھ کر نہیں سکتا۔ لیکن تم تو جو چاہو کر سکتے ہو۔ میری ساری رات تمہاری حماقت پر فکر کرتے ہی کٹی ہے

اور اب میں تمہیں تنبیہ دینے آیا ہوں کہ اگر تم یونہی سستی میں لگے رہے تو میں تمہاری سنگت بالکل چھوڑ دوں گا اور پھر تم سے کلام نہیں کرنے کا۔ اِن الفاظ کی پیتلے کے دل پر بڑی تاثیر ہوئی۔ وہ ایک بالکل نیا شخص بن گیا اور اُس کی بعد کی کامیابی اُسکے دوست کی اس تنبیہ کا نتیجہ تھی۔ اِس مثال سے ظاہر ہے کہ ایک شخص کی دوسرے پر تاثیر کیسی ہو سکتی ہے۔

(ب) بُرائی کے خلاف شہادت دینا۔ بلا وساطت تاثیر کا یہ ایک اور طریق ہے۔ جسے ہر ایک اختیار کر سکتا ہے۔ احبار کی کتاب میں یہ مقولہ آتا ہے کہ "اگر کوئی ایسی خطا کرے کہ جو گواہ ہو۔ اور وہ قسم دینے کی آواز سنے کہ تو نے دیکھا ہے یا نہیں۔ تو جانتا ہے یا نہیں اور وہ نہ بتائے تو اِس کا گناہ اُس پر ہوگا۔" اگر وہ گناہ کے خلاف گواہی نہ دے تو وہ اپنے خلاف ہی گناہ کرتا ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ گناہ کی ہر صورت میں مخالفت کریں اور ہماری مخالفت اگر صاف اور درست صورت میں ہو تو ہمیشہ اچھا اثر پیدا کرے گی۔ بعض اوقات محض چُپ رہنے ہی سے ہم گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُسکا اظہار کر دینے سے ہم ذمہ واری سے بچ جاتے۔ کسی شرمناک حکایت کو چُپ چاپ سُن لینا یا بدکاری کے واقعہ کو سننا اور اپنی ناراضامندی اور ناراضگی کا اظہار نہ کرنا ایک ایسے امر میں رضامندی دینا ہے جو کسی شریف شخص کے شایاں نہیں۔ ہر ایک مسیحی کا فرض ہے کہ گناہ کے خلاف کھلے طور پر گواہی دے۔

(ج) مسیحی اور رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لینا۔ بہت سے طریق ہیں۔ جن میں ہم فرداً فرداً حصہ لے سکتے ہیں۔ سب سے بڑے کام جو دُنیا میں نظر آتے ہیں وہ فرداً فرداً شخصوں کے کئے ہوئے ہیں۔ کسی لایق سوسائٹی نے امریکہ دریافت نہ کی بلکہ ایک شخص کولمبس نے۔ کسی پارلیمنٹ نے انگریزی آزادی کو محفوظ نہ رکھا بلکہ ایک شخص ہیم نے۔ کسی متحدہ قوم نے ملک سکاٹلینڈ کو اُسکے ملکی اور دینی دشمنوں سے نہ بچایا بلکہ ایک شخص نوکس نے۔ ایک شخص ہوورڈ نے زندان خانوں کی اصلاح کی۔ ایک عورت مس نائٹ انگیل نے فوجی گوروں کے معالجے کے شرمناک طریق کی اصلاح کی۔ ایک شخص کلارکسن کی کوششوں سے غلامی دُور ہوئی۔ خدا نے ہر زمانے میں فرداً فرداً لوگوں کی محنتوں میں برکت دی ہے اور اگر ہم کسی فیاضی یا مسیحی کام کے اختیار کرنے کا موقعہ پائیں تو اُس سے رُکنا نہیں چاہئے بلکہ چاہیئے کہ ہم ایسے کاموں کے ہمیشہ چشم براہ رہیں۔ لیکن کئی شخص بوجہ واقعات ایسا کرنے کے قابل نہیں اور ان کے لئے یہی بہتر ہوتا ہے کہ اپنی محنت اوروں کی محنت کے ساتھ ملا دیں۔ انسان کی مدد کے لئے ہر ایک فرقے میں مختلف کام ہو رہے ہیں اور ان سے ہر ایک کو موقعہ ملتا ہے کہ اپنی تاثیر کا حکمت سے استعمال کرے۔ خصوصاً یہ امر مسیحی کلیسیا کے حق میں صادق ٹھہرتا ہے۔ کلیسیا کی تعریف یُوں کی گئی ہے کہ "دُنیا میں کار حسنہ کرنے کا یہ ایک مجمع ہے۔" کئی صورتوں میں یہ دوسروں کی بہتری کے لئے کام کرتا ہے۔ ہر ایک مسیحی جماعت میں اس قسم کا کچھ کام ضرور ہونا چاہئے۔ جس میں اسکا ہر ایک ممبر۔ اسکی لیاقت وقابلیت کیسی ہی کم کیوں نہ

ہو شریک ہو سکے اور اپنی مدد سے سوسائٹی کو بہتر اور شیریں تر بنائے۔

دوسرا۔ تاثیر بالوساطت۔ ہر ایک شخص کے چوگرد ایک ذاتی فضا ہے جو محسوس نہیں ہوتی۔ ہاں مقناطیس کا ایک نادیدنی کرہ بند جو وہ پہنے رہتا ہے اور جسے ہر ایک فوراً پہچان لیتا ہے۔ اس کی بعض سادہ صورتوں پر غور کرو۔

(الف) ایک نگاہ ہی کی تاثیر پر غور کرو۔ جب یسوع مسیح سردار کاہن کے محل کے دالان میں پڑا تھا اور اس نے اپنے کمزور اور برگشتہ شاگرد کو اپنا انکار کرتے سنا تو لکھا ہے کہ خداوند نے پطرس پر نگاہ کی۔ سوائے نگاہ کرنے کے خداوند نے نہ کچھ اور کیا اور نہ کچھ کہا۔ لیکن وہ نگاہ پطرس کے دل میں گھر کر گئی۔ اس نگاہ سے اس پر ایسی تاثیر ہوئی اور اس کا دل ایسے چھد گیا کہ کوئی اور تدبیر شاید ایسی کارگر نہ ٹھہرتی۔ وہ باہر جاکر زار زار رویا۔ مشہور شاعر کیبل کی بابت لکھا ہے کہ اس کا چہرہ روشن گھڑی کی مانند اس کی اپنی شاعری اور دانشمندی کی شعاعوں سے منور تھا۔ ایک اور بڑے دیندار باشندہ سکاٹلینڈ ارسکائن مقیمی لملاتھن کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کی نگاہ ہزاروں وعظوں سے بہتر تھی۔ اس کے چہرے ہی سے اس کی اندرونی زندگی اور خدا سے اس کی رفاقت عیاں تھی۔

(ب) تبسم کی تاثیر کو خیال میں لاؤ۔ ہاں اس خوش آمدید کے تبسم کو جو تمہیں اپنے دوست کے مکان میں ملتی ہے اور جب وہ تمہیں بازار میں تبسم کے ساتھ پہچانتا ہے۔ وہ خوشی کا تبسم جو تلیوار اپنے سامعین میں دیکھتا ہے۔ ہاں اس شخص کی تسلی کی تبسم جسے ہم نے کوئی مہربانی دکھائی ہو۔ اپنے بشرے ہی سے ہم اوروں پر تاثیر ڈال سکتے ہیں کہ ان کی زندگی کو خواہ شادماں کریں یا مغموم۔ بعض لوگ اپنی خوش مزاجی کے باعث اپنے اپنے گھروں میں گویا مہکتے پھولوں کے سے ہیں۔ وہ اس عطر گراں بہا سے مشابہ ہیں جو مریم نے مسیح کے پاؤں پر ملا اور جس سے سارا مکان مہک گیا۔

(ج) ہمدردی کی تاثیر۔ بعض لوگوں کو یہ بڑا مبارک وصف حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو تسلی دے سکتے ہیں۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ شیریں دہن یا خوش گو ہیں بلکہ ان کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہی سے دل غمناک خوش ہو جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی مہربانی کی باتیں۔ جن کا ہم خود کبھی خیال بھی نہیں کرتے دوسروں پر بڑی تاثیر رکھتی ہیں اور دل میں محبت و ہمدردی کے چشموں کو گویا کھول دیتی ہیں۔

(د) نمونہ کی تاثیر۔ کسی بات کا جو احسن ہے ٹھیک طور پر بجا لانا۔ گو ہم اس کا کبھی ذکر نہ کریں۔ خاندان میں ماں یا باپ کی شریف زندگی۔ کسی سپاہی کی اپنی جماعت میں شجاعت و بہادری۔ کسی شخص کی اپنے رفیقوں اور ہمجولیوں میں بے عیب طریق معاشرت یا کسی لڑکے کا سکول میں عمدہ نمونہ۔ ان سب باتوں کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سمتھ سیلز فرماتے ہیں کہ نمونہ سب سے اعلیٰ استاد ہے۔ گو یہ سکھاتا بے زبان ہے۔ یہ عملی مکتب وعظ و تلقین کی نسبت ہمیشہ

پُرزور ثابت ہُوا ہے۔ پند و نصائح تو شاید ہمیں راہ دکھا دیتا ہے۔ لیکن خاموش لگاتار نمونہ جو عادتوں سے ہمیں ملے اور فی الواقع ہمارے ساتھ رہے ہمیں اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔ عمدہ نصیحت اپنی وقعت رکھتی تو ہے۔ لیکن عمدہ نمونہ کے بغیر اسکی تاثیر بہت کم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام مثل کہ جیسے میں کہتا ہوں۔ ویسے کرو۔ لیکن جیسے میں کرتا ہوں ویسے نہ کرو۔ زندگی کے واقعی تجربے میں آشنائی جاتی ہے۔ نیکی لوگوں کو نیک بناتی ہے۔ جیسے کوئی شخص اگر اپنے باغ کو خوب سنوار کر رکھے اور اُسے خوب دلکش بنائے تو تم دیکھو گے کہ اُسکے ہمسائے بھی یا تو اُسکی پیروی کرینگے یا اپنے بے وضع باغوں سے شرمندہ ہونگے۔ ویسے ہی ایک صادق مسیحی شخص کی عمدہ راست زندگی چپ چاپ دوسروں پر اپنی عمدہ تاثیر ڈالے گی۔

تاثیر بالوساطت کی قوت کی یہ چند مثالیں ہیں اور اس سے ہمیں اپنی (۱) ذمہ داری معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہم ہمیشہ اس سوال کے پوچھنے پر آمادہ ہوں کہ کیا میں اپنے بھائی کا نگہبان ہوں۔ تو اسکا جواب یہ ہے۔ ہاں سوا اِس کے کوئی اَور چارہ ہی نہیں۔ کشش ثقل کے اصول کو نہ ماننا ایسے ہی آسان ہے۔ جیسے ذمہ داری کے قانون سے بھاگنا۔ پچھلے دنوں کا ذکر ہے کہ ایک شخص کو اِس جرم میں سزا ملی کہ وہ انہیں کپڑوں میں سودا بیچتا تھا۔ جنہیں پہن کر وہ اپنے بیمار بچوں کی خدمت کرتا تھا۔ یہ ثابت کیا گیا کہ اُس نے بیماری کا بیج چاروں طرف پھیلا دیا تھا۔ اس کا یہ عذر ہرگز قابل سماعت نہ ہوا کہ تمہیں میرے کپڑوں سے کیا سروکار۔ یہ میرا اپنا کام ہے لیکن نہیں۔ وہ ایک جماعت کا شریک تھا۔ اس کا یہ رویہ دھیمے لیکن یقینی طور پر اوروں کی ہلاکت کا باعث ہو رہا تھا اس لئے اُسے سزا دی گئی اور اس کا وہ بالکل سزاوار تھا۔ ہم دوسروں پر بلا تاثیر ڈالے جی ہی نہیں سکتے۔ ہم کہتے ہیں کہ شاید ہماری نسبت اچھی ہے۔ یا کم از کم ہم کسی کا بُرا نہیں چاہتے۔ لیکن ہماری تاثیر بے ضرر ہے۔ یا کیا یہ متعدی بیماری کے بیج کی طرح ہم سے جا رہی ہے۔

(۲) ہر ایک کو بھلائی کرنے کی قوت حاصل ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ہم خدا اور انسان کی خدمت کسی خاص طریق ہی میں کر سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی مسیحی کام اختیار کریں اور اپنا سارا وقت اس میں صرف کریں اور اگر انہیں کسی خاص کام کی بخشش ملی نہ ہو تو وہ آپ کو انگورستان سے بالکل باہر سمجھتے ہیں۔ لیکن اصل میں یُوں نہیں۔ چپ چاپ مسیحی زندگی بسر کرنا ہر ایک کا نصیب ہے۔ ہماری تاثیر کی وسعت کو ماپنا ناممکن ہے۔ اِسکی گونج رُوح سے رُوح تک پھیلتی اور ابدالآباد بڑھتی رہتی ہے۔ الپینی نرسنگا کی مانند کہ جب وہ کوہستانی خاموشی میں پھونکا جاتا تو آواز بند ہو جانے کے ایک عرصہ بعد اُس کی گونج دُور دُور تک اُٹھتی تھی۔ کوئی شخص محض اپنے لئے نہیں جیتا اگر وہ چاہے بھی تو اپنے۔ لئے جی نہیں سکتا۔

(۳) عمدہ تاثیر کا بھید خود عمدہ تاثیر کا پانا ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ ہمارا چراغ خوب روشن ہو۔ تو چاہیئے کہ پہلے وہ جلایا جائے۔ یونہی ہمیں بھی لازم ہے کہ رُوحانی قوت کے بڑے منبع پاس آن کر خود عمدہ تاثیر پائیں۔ اگر مسیح کسی شخص میں ہو تو وہ کہیں کیوں نہ ہو اس سے ایسی تاثیریں نکلیں گی جن کی

تاثیر ضرور نیک ہوگی اُس زندگی سے جو اس میں ہے جیسے پانی کی ندیاں جاری ہونگی۔

وَفا

کُتّے سے سبق پڑھو وفا کا

ملک الشعرائے انگلستان ورڈس ورتھ کی ایک نصیحت آمیز نظم کا ترجمہ
منقول از مخزن۔

۱ اپنے ریوڑ کو ایک چرواہا دامنِ کوہ میں چراتا تھا ۲ کہ ہُوا ناگہاں بلند اک غل
اُس نے کچھ دور ایک شور سُنا ۳ لومڑی جیسے چیختی ہو کوئی۔ بھونکتا یا ہو جس طرح کُتّا
۴ رُک کے کوہسار میں گڈریے نے آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا ۵ اور گھنی جھاڑیوں کے پتوں میں
ایک کُتّا اُسے نظر آیا ۶ اُس علاقہ کے سارے کتوں سے نسل اُسکی جدا تھی ذات جدا
۷ ہر قدم پر ذرا سے کھڑکے پر چونکتا تھا وہ اور جھجکتا تھا ۸ اُسکی آواز سے بھی طرح سے بھی
درد اور اضطراب تھا پیدا ۹ پیش و پس، راس و چپ، فراز و زیر متنفس نہ تھا کوئی اُس جا
۱۰ نہ سُنی کوئی گونج سیٹی کی نہ کسی کی پکارنے کی صدا ۱۱ ہوئی چوپاں کو تب تو حیرانی
کہ یہ کُتّا یہاں ہے کرتا کیا ۱۲ غار تھا اک یہاں وسیع و فراخ جس میں یخ موسمِ دسمبر کا
۱۳ جمع رہتا تھا جون تک پیہم گرمی آتی ہی تھی نہ یاں گویا ۱۴ اِسکے نیچے تھی جھیل اک گہری
اسکے اوپر تھا اک پہاڑ اونچا ۱۵ جبلِ ہیلولین کے بیچوں بیچ یہ خطرناک غار واقع تھا
۱۶ نہ یہاں پر تھی کوئی آبادی نہ یہاں پر تھا کوئی کھیت کھرا ۱۷ نہ یہاں راہ کا نشاں تھا کہیں
نہ کہیں آدمی کا نقشِ پا ۱۸ مچھلیاں جھیل پر یہاں لیکن بھرتی تھیں گاہ گاہ فراٹا
۱۹ کوّے کرتے تھے کائیں کائیں کبھی اور اُسے ٹیکرا تھا دہراتا ۲۰ کبھی قوسِ قزح یہاں آئی
کبھی ابرِ سیہ یہاں چھایا ۲۱ آکے تانا یہاں کہر نے کبھی تیرہ و تار سائباں اپنا
۲۲ کبھی خورشید کی شعاعوں نے آکے اپنا یہاں علم گاڑا ۲۳ لوٹ آتی تھی گونج کر آواز
ایسا صعب المرور تھا یہ درہ۔ ۲۴ دیکھی حالت یہ جب گڈریے نے اُسکے دل میں ہُوا اک کھٹکا۔
۲۵ جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے ٹیلوں اور ٹیکروں کو طے کرتا ۲۶ اس کراڑے پہ چڑھ گیا وہ جہاں
بھونکتا تھا کھڑا ہوا کُتّا ۲۷ نہ گیا تھا ابھی زیادہ دور کہ پڑا اُس نے سرِ راہ میں پایا
۲۸ لاشہ ایک آدمی کا بوسیدہ رہ گیا تھا فقط ڈھچر جسکا ۲۹ دیکھ کر واقعہ یہ ہیبت ناک
خوف دل پر شباں کے چھایا ۳۰ نیچے اوپر نگاہ دوڑا کر اس نے اپنا قیاس دوڑایا
۳۱ کہ یہ کس آدمی کا لاشہ ہے اور مرا کس طرح یہ بیچارا ۳۲ سامنے پُرخطر چٹان تھی جو

اس سے یہ شخص تھا پھسل کے گرا ۳۳ اب حقیقت کھلی گڈریے پر اب وہ سارا یہ ماجرا سمجھا
۳۴ یک بیک یاد آگیا اس کو اِک مسافر کا نام اور بستا ۳۵ جو کہ اس راہ سے فلانے روز
ایک کتے کے ساتھ تھا گذرا ۳۶ طرفہ اک ماجرا سنو لیکن میں نے جسکے لئے یہ قصہ لکھا
۳۷ لوح جاں پر گر آب زر سے اسے کیجئے نقش تو نہ ہو بے جا ۳۸ ابھی تک بے قرار ہو ہو کر
وہ جو کتا کھڑا تھا بھونک رہا ۳۹ ہوگئے تھے اُسے مہینے تین رہتے رہتے یہاں صباح و مسا
۴۰ یہی کہسار اس کا تھا مسکن یہی ویرانہ اس کا تھا ملجا ۴۱ اس میں کچھ شک نہ تھا کہ جسدن سے
گر کے یہ بدنصیب شخص مرا ۴۲ مثل اصحاب کہف کے مانند اس جگہ سے یہ باوفا کتا
۴۳ نہ ہلا ایک دم کو اور کہیں اُسکے لاشہ کو چھوڑ کر نہ گیا ۴۴ پہرہ دیتا رہا وہیں شب و روز
اپنے آقا کو جان کر سوتا ۴۵ گر یہ پوچھو کہ اتنی مدت تک اس بیاباں میں اس نے کیا کھایا
۴۶ کیفیت اسکی تجھ کو کیا معلوم جانے اس سرگذشت کو وہ خدا ۴۷ جس نے الفت دلوں میں پیدا کی
جس نے کتے کو کی وفا وہ عطا ۴۸ کہ نہیں ممکن آدمی کے لئے ہو سکے اسکے حق سے عہدہ برا

بہشت کہاں ہے

جب سے انسان کو نیکی اور بدی سزا اور جزا اور بہشت اور دوزخ کا خیال دل میں پیدا ہوا ہے یہ سوال ہمیشہ اس کے سامنے رہتا ہے کہ بہشت کہاں ہے۔ انسان کے خیالات ایسے محدود ہوگئے ہیں کہ وہ جگہ کی فکر کو دل سے بمشکل خارج کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہم کیا ہیں اور یہ ایک غیر ضروری امر ہے کہ ہم کہاں ہیں۔ دلائل کے رُو سے مکان اور زمان دونوں ایک دھوکا ہیں اور ان کی کوئی ہستی نہیں۔ زمان خدا کا ابدی زمانہ حال ہے اور مکان حالت سے تبدیل ہوجاتا ہے۔ جہاں ہم ہیں وہی ہے جو ہم ہیں۔ اسی خیال سے آیندہ زندگی کوئی شے نہیں سب ایک ہی زندگی ہے جس میں موت ایک واقعہ حائل ہوگیا ہے۔ ہماری موجودہ زندگی ایک قسم کا محدود علم ہے جس سے موت ہم کو چھٹکارا دے دیتی ہے۔ جسکو ہم بیرونی عالم کہتے ہیں وہ محض اس کی ظاہری صورت ہے۔ بعض صدائیں ہمیں سنائی نہیں دیتیں اور بعض رنگ ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ بلکہ ہمارا جسم جو گویا ہماری رُوح کا ظہور ہے ہمارے لئے ایک راز سربستہ ہے۔ اور جب کوئی عزیز دنیا سے کوچ کر جاتا ہے تو ایک طرح سے وہ نہیں بلکہ ہم گذر جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہماری نگاہ دور تک کام نہیں دیتی۔ اور جب ہم بہشت کا خیال دل میں جمانا چاہتے ہیں تو مکان اور زمان کا محدود قیاس ہمارے سایہ کی طرح ہمارا پیچھا کرتا ہے۔ باوجود اسکے ہم اپنے بچوں کو سکھایا کرتے ہیں کہ "دیس ایک ہے خوش و پاک دُور دُور ہے دُور" کیا یہ درست فلسفیا لوجی ہے؟

گلدستۂ اخبار

تقریریں ہوئیں۔ ایک دوسرے کی صحبت سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ مفصل کیفیت پھر۔ مسٹر جوزف اصفہانی انسپکٹر پوسٹ آفس پانی پت چین کی سیر سے بخیریت واپس آ گئے۔ وہاں کے سیر ... چشم دید واقعات امید ہدیۂ ناظرین مسیحی کرینگے۔ طاعون زدہ علاقوں میں نیم کی پتیاں ... ثابت ہوا۔ مارکوئس ایتو جنہوں نے ملک جاپان کو ایسی سرفرازی پر پہنچایا مسیحی ہیں۔ مسز بسنت نے ہندوؤں کو عمدہ صلاح دی ہے کہ اپنی خیرات فضول باتوں میں ضایع نہ کرو۔ وہی خیرات بارآور ہوتی ہے جو بیماروں اور بیکسوں کو دی جائے یا اُن لوگوں کو جنہوں نے سچ مچ دنیا کے دھندوں بکھیڑوں کو چھوڑ کر دین کی راہ اختیار کی ہو۔ میں تمہاری منت کرتی ہوں کہ اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے کشادہ دلی سے روپیہ دو اور سنیاسیوں اور گداپیشہ لوگوں پر دولت ضایع نہ کرو۔ امریکہ میں کیمبل یونیورسٹی ہولٹن کے مجمع نوجوانان نے ایک کانفرنس میں اپنے ڈیلیگیٹ بھیجنے کا خرچ سڑکوں کی مرمت کر کے ادا کیا۔ ایک طالبعلم نے جسکو سڑکیں کوٹنے کا کچھ تجربہ تھا ٹھیکہ لیا اور کل کام ایسوسی ایشن کے ممبروں نے خود کیا۔ یہ واقعہ ہم ہندوستانیوں کے لئے کیسی شرم کا باعث ہے۔ امریکہ کے ایک اخبار میں یہ اشتہار کئی روز تک شایع ہوتا رہا کہ "اگر کوئی صاحب کسی طالب علم کی بیماری کی اطلاع ینگ مین یا ینگ وومنس کرسچن ایسوسی ایشن کو دیں تو عین نوازش ہوگی۔ یہ مجمعے کوشش کرتے ہیں کہ تمام طالب علموں کی جو کسی بیماری میں مبتلا ہوں تیمارداری کریں لیکن کئی بیماروں کی اُن کو خبر نہیں ہوتی۔ اگر علالت کی وجہ سے کوئی طالب علم جماعت سے غیر حاضر ہو تو استاد مہربانی سے ہمکو اطلاع دیں۔ ہم ان طالب علموں کی بیمارپرسی کرینگے یا استادوں کو ان کی بیماری کی رپورٹ کرینگے"۔ ہندوستان کی متحدہ پرسبٹیرین مشنوں کا یہ نام رکھا گیا "مسیح کی کلیسیائے ہند۔ پرسبٹیرین"۔ ۱۹۰۱ء میں پنجاب بیبل سوسائٹی کی طرف سے اردو بیبل کی ۷۰۳۷ جلدیں۔ عہدنامے ۵۸۴۳ اور حصّے ۵۸۴۳۶ یعنی کل ۷۰۲۷۹ فروخت ہوئے۔ تیس سال کے عرصہ یعنی ۱۸۷۱ء۔ ۱۹۰۱ میں ۱۰۵۳۳۴۷ نسخے بیبل اور حصص کے فروخت ہوئے۔ پنجاب ریلیجس ٹرکٹ سوسائٹی نے ۱۸۷۱ سے ۱۹۰۱ء تک قریب ایک لاکھ اٹھاون ہزار روپیہ کتابوں کی چھپوائی میں صرف کیا۔ ۱۹۰۱-۲ء میں مدراس نیٹو کرسچن ایسوسی ایشن کے ممبروں کی تعداد ۲۸۸ تھی۔ آمدن ۷۵۴ روپیہ جس میں سے ۲۰۲ روپیہ ۱۹۰۲ء کے حساب میں جمع کیا گیا۔ دوران سال میں کمیٹی کے دس جلسے فراہم ہوئے۔ ایسوسی ایشن کا اخبار کرسچن پیٹریٹ اچھی حالت میں ہے۔ خریداران کی کمی کی کچھ شکایت ہے۔ بینیفٹ فنڈ کا یہ پانچواں سال ہے۔ ۸۴۷ حصّے لئے گئے ہیں اور پانچ سال میں اڑتالیس ہزار دو سو انچاس روپیہ قرضہ دیا گیا ہے۔ سال گذشتہ میں دو ہزار چھ سو سینتالیس روپیہ منافع ہوا۔ امرتسر مشن سکول کی جوبلی کی یادگار قایم کرنے کیلئے پرانے طالبعلموں نے ایک کمیٹی نامزد کی ہے جسکے پریذیڈنٹ بابو آئی سی سنگھا ہیڈ ماسٹر ہیرنگ ہائی سکول بٹالہ اور سکرٹری امرتسر کے وکیل مسٹر ایم ایل رلیا ایم اے ہیں۔ قریب پانسو روپیہ چندہ جمع ہو چکا ہے۔ اپیل پانچ ہزار کیلئے کی گئی ہے۔ ۲۳-۲۴ اپریل میتھوڈسٹ چرچ کونسل کا سالانہ جلسہ کلان آباد میں ہوگا۔ شاید یہی ایک کونسل ہے کہ جسکے بلا ملازم اسکی اگزیکٹیو کمیٹی کے ممبر ہیں۔

رسید زر

از یکم مارچ تا ۱۵ اپریل ۱۹۰۲ء

۲۵ ڈاکٹر ناصر	عطیہ	۵—۰—۰	۵۷ مس ہیولیٹ ۰۔۸۔۱+	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۳—۸—۰
۲۶ بابو آئی سی سنگھا	〃	۴—۸—۰	۵۸ بابو پریم مسیح	〃	۱—۸—۰
۲۷ مسٹر بھان	〃	۳—۰—۰	۵۹ بابو نظام الدین	〃	۱—۸—۰
۲۸ مسٹر آر سی سنگھا	〃	۳—۰—۰	۶۰ پادری دیوی رام	〃	۱—۸—۰
۲۹ مس ہیولٹ	〃	۱—۸—۰	۶۱ مسٹر ٹی بنجامین ۰۔۸۔۱+۰	〃	۳—۰—۰
۳۰ لالہ چند و لعل	〃	۱—۰—۰	۶۲ مسٹر ایچ مارٹین	〃	۱—۸—۰
۳۱ منشی نہال چند		۸—۰	۶۳ بابو موہن لال	〃	۱—۹—۰
چندہ ۱۹۰۱-۱۹۰۲			۶۴ پادری نظام علی	〃	۱—۱—۰
۳۲ مس عبد اللہ	〃	۲—۰—۰	۶۵ پادری بہادر سنگھ	〃	۱—۸—۰
۳۳ مسٹر موتیل داؤد سنگھ	〃	۲—۰—۰	۶۶ پنڈت جانکی ناتھ	〃	۱—۸—۰
۳۴ ڈاکٹر نجم الدین	〃	۲—۰—۰	۶۷ پادری کیلی ۰۔۰۔۹+ جنوری ۱۹۰۲		۱—۰—۰
۳۵ مسٹر تھاربن	〃	۲—۰—۰	۶۸ بابو ماو چند		۱—۶—۰
۳۶ مس ہاپنر	〃	۲—۰—۰	۶۹ منشی وارث الدین	〃	۱—۸—۰
۳۷ منشی نہال چند ۰۔۸۔۱+۰	〃	۲—۸—۰	۷۰ مسٹر نہتا سنگھ	〃	۱—۸—۰
۳۸ بابو سنگھی ۰۔۸۔۱+	〃	۳—۸—۰	۷۱ پادری جسونت سنگھ	〃	۱—۸—۰
۳۹ پادری عزیز الدین	〃	۲—۰—۰	۷۲ ڈاکٹر صوبے خاں	〃	۱—۸—۰
۴۰ پادری فتح مسیح	〃	۲—۰—۰	۷۳ مسٹر اسمٰعیل بقایا	〃	۱—۰—۰
۴۱ منشی نبی بخش	〃	۱—۰—۰	۷۴ بابو بجے رام	〃	۱—۰—۰
۴۲ پادری صادق ۰۔۸۔۱+	〃	۲—۸—۰	۷۵ بابو لدھا مل	〃	۱—۰—۰
۴۳ ڈاکٹر ڈنا ۱۹۰۰-۱۹۰۱-۱۹۰۲ روپیہ ۳+	〃	۵—۰—۰	۷۶ مسٹر گریفن	〃	۱—۸—۰
۴۴ مسٹر محی الدین ۰۔۸۔۱+۰	〃	۳—۸—۰	۷۷ مسٹر سموئیل بلدیو	〃	۱—۱—۰
۴۵ مس گرلس	〃	۲—۰—۰	۷۸ منشی کرم الٰہی	〃	۱—۸—۰
۴۶ مسٹر جان چارلس	〃	۲—۰—۰	۷۹ منشی خیر الدین	〃	۱—۸—۰
۴۷ مسٹر منگت رائے	〃	۲—۰—۰	۸۰ پادری بیلشاشر ۱۹۰۱+		۲۴—۰—۰
۴۸ ڈاکٹر سی مارٹن	〃	۲—۰—۰	۸۱ بابو تلسی رام	〃	۱—۸—۰
۴۹ پادری جوئیل و اخطلال	〃	۲—۰—۰	۸۲ پادری تھوول ۱۹۰۱+	〃	۲—۰—۰
۵۰ مس گینج ۰۔۱۲۔۱+	〃	۲—۱۲—۰	۸۳ مس ڈیور	〃	۱—۰—۰
۵۱ مس سنگھ	〃	۲—۰—۰	۸۴ مسٹر ایس چند لعل ۱۹۰۰-۱۹۰۱+		۲—۰—۰
۵۲ پادری فرنچ صاحب	〃	۶—۰—۰	۸۵ پادری طالب مسیح ۱۹۰۲+		۰—۸—۰
۵۳ پادری کارلین صاحب	〃	۴—۰—۰	۸۶ مسٹر مقبول حق		—۰—
۵۴ مسٹر ایس ڈیوڈ ۰۔۸۔۱+	〃	۳—۱—۰	۸۷ بابو چنتو مل ۱۹۰۱+		—۰—
۵۵ مسٹر گولڈ سٹریم ۹۷ تا ۱۹۰۱-۲ روپیہ	〃	۱۰—۰—۰	۸۸ مولوی یحییٰ	〃	—۰—
۵۶ مسٹر ایڈورڈز ۱۹۰۰-۱۹۰۱-۱۹۰۲+	〃	۵—۰—۰	۸۹ مسٹر آر سی سنگھا ۱۹۰۲+		—۰—

[redacted]

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۷
جلد (۷) نمبر (۵)
مئی ۱۹۰۲ء
قیمت سالیانہ
دو (عہ) روپیہ

مسیحی

امرتسر

نمونہ کا پرچہ۔ اگر آپ اس رسالہ کے خریدار نہیں اور یہ پرچہ آپکو بہ سبیل ڈاک ملے تو اسکے لینے سے انکار نہ کیجئے اگر پسند ہو تو دو روپیہ کا منی آرڈر مینیجر مسیحی کے نام بھیجئے کہ یہ رسالہ برابر آپکی خدمت میں آتا رہے۔ اگر خریداری منظور نہ ہو تو ایک پیسہ کا کارڈ لکھ بھیجئے کہ آپکو مفت نہ دی جائے اور یہ رسالہ اپنے کسی دوست کو دے دیجئے جملہ خط و کتابت بنام مینیجر مسیحی امرتسر ہونی چاہئے

ہندوستانی کلیسیا کی رائے کا یہ آئینہ ہر انگریزی مہینہ کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ دیسی کلیسیا کی دینی اور سوشل حالت پر آزادانہ بحث کرنے کے علاوہ اس میں انگلستان اور امریکہ کے مستند مصنفوں کی تحریرات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس وقت پانچ کتابیں مسلسل شایع ہو رہی ہیں تاہم خوبی یہ ہے کہ مسیحی کا ہر ایک نمبر بجائے خود مکمل ہے۔ اسکے مقاصد مختصراً مفصلہ ذیل ہیں :-

مقاصد

۱:- مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کا انکشاف کرنا۔ ۲:- کتاب مقدس کی تلاوت اور دعا کیلئے تحریک۔ ۳:- مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کرکے مسیحی یگانگت کو قایم کرنا اور پھیلانا۔ ۴:- نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا۔ ۵:- جہانتک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا ظاہر کرنا۔

فہرست مضامین مئی ۱۹۰۲ء

مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پرنٹنگ پریس لاہور

گلدستۂ اخبار

ایک تجویز۔ مسٹر بی ایل شاکر لکھتے ہیں "میرے نام پر آجکل چودہ اخبار و رسالجات جاری ہیں لیکن میں اِن سب پر مسیحی کو ترجیح دیتا ہوں اور بڑی خوشی سے کہہ سکتا ہوں کہ مسیحی ہماری زندگی بسر کرنے میں ہماری بہت کچھ مدد کرتا ہے۔ کیا خوب ہو اگر مسیحی پندرہ روزہ ہو جائے اور چندہ دوگنا کر دیا جائے" اور خریدار بھی اپنی رائے دیں۔ ڈیوڑھے چندہ یعنی تین روپیہ سالیانہ پر ہم رسالہ کا حجم قریباً دوگنا یعنی ۶۰ صفحہ ماہواری کر سکتے ہیں۔ ایک معزز دیسی مسیحی تحریر فرماتے ہیں "لاہور ڈونٹی کالج ری یونین کے جلسے باترتیب ہوتے رہے اور بعض بعض مضامین پر بہت مؤثر مضمون سنائے گئے خصوصاً کلام الہٰی کے مطالعہ اور غیر اقوام میں انجیل سنانے اور پاسٹرل کام کی بابت۔ ان سب مضامین کا خلاصہ عنقریب چھپنے والا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ مضامین مسیحی میں چھپوائے جائیں مگر ایک شخص نے مخالفت کی اور کہا کہ معلوم نہیں ہوتا کہ مسیحی کس فرقہ سے متعلق ہے۔ چرچ آف انگلینڈ سے یا پریسبٹرین سے (خدا کا شکر ہو کہ مسیح کسی فرقہ سے متعلق نہیں ہے اور نہ مسیحی کو ہونا چاہئیے) اِس ری یونین میں باہمی گفتگو کا موقعہ رات کو یا دوپہر کے وقت خوب ملتا تھا اور مختلف باتوں پر غور کی جاتی تھی مگر سب پرانے اور نئے طالب علم انگریز مشنریوں کی بیجا حکومت کی شکایت کرتے تھے اور عام رائے تھی کہ گو عام لوگ خوشامد پسند ہیں مگر مشنریوں کا درجہ اس معاملہ میں اوّل ہے۔ ——— کا ذکر ہوا کہ اُس نے پادری ——— کو حضور اور خداوند کہہ کے اپنی سفارش آرڈینیشن کے واسطے کرا لی ہے اور ——— نے کہا کہ پادری ——— نے مجھ سے کہا کہ میرے پاس ایک ہتھیار ہے میں اسکو استعمال کرونگا اور تمہارا آرڈینیشن ہو جائیگا اور ——— کو یقین ہے کہ پادری ——— صاحب کی مہربانی سے وہ ضرور پادری بن جائیں گے۔ معلوم نہیں کہ ایسے حال میں کس طرح سے خدا کی برکت مشنری کام میں ہو سکتی ہے۔ الغرض ہندوستانیوں اور انگریزوں کے حال کا تذکرہ بہت ہوتا رہا" ایک نامہ نگار لکھتا ہے "چرچ کونسل کا میں کیا حال لکھوں۔ معمولی دعا وغیرہ کے بعد بجٹ تیار کر کے رپورٹیں سنائی گئیں اور ایک کمیٹی مقرر ہوئی (ساری چرچ کونسل سوائے ڈیلیگیٹوں کے) جو کانفرنس کی مقرر کمیٹی سے ملکر چرچ کونسل کی آیندہ حالت کی بابت سوچے" ایک مستفسر لکھتا ہے۔ (۱) سنا ہے کہ ——— انگریز مشنری صاحب نے ایک بوڑھے کیٹی کسٹ کے کان کھینچے اور وہ بھی ایک شریف جماعت کے سامنے (۲) یہ بھی سنا ہے کہ پادری صاحبان کی کشمکش گرجا میں ہو گئی یعنی کہ ایک پادری صاحب ورد پڑھنے لگا تو دوسرے نے شروع کر دیا۔ اسی طرح سے عزا میر کے

نوٹ اور رائیں

چرچ مشنری سوسائٹی کا دستورالعمل۔ اس بزرگ سوسائٹی کی کارروائی مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی ہے۔ (۱) خدا اپنے بندوں کے دلوں کو تحریک دلاتا ہے۔ روپا اور سونا اسی کے ہیں اور وہ ان کو اس کام میں لگا سکتا ہے اور لگائیگا جو اسکی حسب پسند ہے (۲) خدا کے لوگ خانساماں ہیں اور سوسائٹی کو حق حاصل ہے کہ انہی کے کام کے لئے ان سے روپیہ پیسہ طلب کرے (۳) اس مطلوبہ روپیہ کو خرچ کرنے کے لئے سوسائٹی خود ایک خانساماں ہے اور اگر وہ اس نقد کو ضایع کرے تو اس ذمہ واری کے قابل نہیں۔ (۴) خدا اپنی روح اقدس کے ذریعہ بعض خاص مردوں اور عورتوں کو مشن میں کام کرنے کیلئے بلاتا ہے سوسائٹی کی برگزیدہ مجال نہیں کہ کسی ایسے شخص کو کام کے لئے بھیجے جسکو بلاہٹ نہ ہوئی ہو۔ اسکی یہ بھی مجال نہیں کہ کسی ایسے شخص کو بھیجنے سے انکار کرے جسکو خدا نے اپنے کام کیلئے بلایا ہے۔ چونکہ دلوں کا حال فقط خدا ہی جانتا ہے اور بلاہٹ کا یقین بہت کچھ اسی شخص کے اعتبار پر منحصر ہے جو اپنے آپکو مشن میں خدمت کیلئے پیش کرتا ہے اس لئے غلطی کا ہو جانا ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشن میں ایسے نالایق اشخاص پائے جاتے ہیں جنکو ہرگز اس مقدس خدمت پر لگانا نہیں چاہئے تھا۔ اسی آخری اصول نے سوسائٹی کے کام کو نہایت وسیع کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ وقتاً فوقتاً خرچ آمدنی سے بہت بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ سال حال کے شروع میں سوسائٹی کے حساب میں بارہ لاکھ کی کمی رہی ہے جس میں سے چار ہزار روپیہ پنجاب مشن کے سر پر ڈالا گیا ہے۔ اب یا تو کسی صورت سے کام یا کارندوں میں تخفیف کی جائے اور یا چندے خود اس رقم کو پورا کردیں ورنہ حساب ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ مگر کام کو گھٹانا سوسائٹی کے اصول کے خلاف ہے اس لئے کوشش ہو رہی ہے کہ مختلف مرکزوں سے سی ایم ایس کی تمام کلیسیائیں اسی سال میں چار ہزار روپیہ جمع کرکے

اپنا حصہ خسارہ کا پورا کریں۔ اس طریق سے یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ سیلف سپورٹ کی طرف قدم بڑھایا جائیگا جو آخر کار کلیسیاؤں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دے گا۔ ہمیں اپنی کلیسیا کی موجودہ حالت کے مشاہدہ سے اندیشہ ہے کہ آیندہ سال میں سوسائٹی کے حساب میں کمی نہ رہی تو بلا ضرورت خیرات ایک قسم کا ٹیکس سمجھی جائے گی۔ یہاں اس امر کا ذکر بھی ضرورت ہے کہ سوسائٹی کی تواریخ میں کم از کم تیرہ موقعے ایسے ہو گذرے ہیں جن میں خرچ آمدنی سے بڑھ گیا تھا۔ مگر اگلے سال میں آمدنی میں ترقی ہو گئی اور یہ ترقی مابعد کے سالوں میں قایم رہی۔ اس آمدنی کے مد نظر ہمیں سوسائٹی کا کام بہت بڑھتا گیا ہے۔ ۱۳-۱۸۱۲ء میں کل آمدنی قریب پینتالیس ہزار روپیہ تھی اور اب بتدریج قریب نصف کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔

ہندوستان میں مسیحیوں کی آبادی۔ ایک مختصر نقشہ مسیحیوں کی تعدادی ترقی کا اخبارات میں مشتہر ہو چکا ہے۔ مگر اب مفصل رپورٹ نکلنے پر اس ترقی کی کیفیت روشن ہو گئی ہے۔ ہندوستان میں کل مسیحیوں کی میزان ۲۹۲۳۲۴۹ ہے یعنی ۱۸۹۱ء کی مردم شماری سے ۶۳۸۹۶۹ اشخاص کی ترقی ہے۔ اس تعداد میں سے ۱۲۰۲۰۳۹ رومن کاتھلک ہیں اور باقی پروٹسٹنٹ اور سیرین اور دیگر مختلف فرقوں کے مسیحی ہیں۔ بلحاظ قومیت کے ہندوستانی مسیحی ۲۶۶۴۲۵۹ ہیں اور باقی یوروپین ۱۶۷۷۲۹ اور یوریشین ۸۹۲۵۱ ہیں۔ بلحاظ فرقوں کے انگریزی کلیسیا میں ۳۰۵۹۰۷ دیسی مسیحی ہیں۔ دوسرے درجہ پر بپٹسٹ ہیں جن کی تعداد ۲۱۶۷۴۸ ہے۔ کل متھوڈسٹ ۶۸۴۵۱ ہیں اور پرسبیٹیرین ۴۲۷۹۹۔ سکتی فوج والے جنکی نسبت بعض ہندو اخبارات نے فتویٰ دے دیا ہے کہ وہ ہندوستان سے معدوم ہو چکے ہیں ۱۸۸۴۷ دیسی مسیحی ہیں۔ ہمارے پنجاب کی کل مجموعی مسیحی آبادی ۷۱۸۵۰ ہے جن میں سے ہندوستانی مسیحی ۲۰۵ ۲۶۸ مرد اور ۱۲۱۳۰ عورتیں ہیں۔ پنجاب کی ریاستوں میں کل ۲۸۵ دیسی مسیحی ہیں۔ اس تعداد میں ہر فرقہ کے مسیحی شامل ہیں۔ اگر علاقہ مدراس کے ساتھ ہم اپنے صوبہ کی تعدادوں کا مقابلہ

کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ ہماری تعداد اب تک نہایت قلیل ہے۔ باوجود اس کے ہم اپنی چرچ کونسلوں اور دیگر مجموں میں اس علاقہ کی ہمسری کا دم بھرتے ہیں۔

علاقہ بار میں لمبرداری کا سوال۔ ہماری گذشتہ تحریر پر پادری احسان اللہ صاحب علاقہ بار سے رقمطراز ہیں کہ "یہ لمبرداری سی ایم ایس کے کارکنوں نے بلحاظ کسی اصول کے خود تلاش یا اختیار نہیں کی۔ پادری بٹیمن صاحب کو حالات سے مجبور ہوکر اسکو قبول کرنا پڑا۔ میرے خیال میں سوسائٹی لمبرداری کی نسبت آپ کی رائے کے ساتھ متفق ہوگی مگر مسٹر بٹیمن جیسا شخص جو آپ کی اور میری نسبت دینی اور دنیوی کام کو ملانا زیادہ قابل نفرت سمجھتا ہے صلاح دینے والا ہو تو سوسائٹی اس معاملہ کو بطور ایک مستثنیٰ کے اختیار کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ میں جو موقعہ پر موجود ہوں اور آپکی رائے کے ساتھ بہت کچھ اتفاق رکھتا ہوں فقط یہ کہہ سکتا ہوں کہ سی ایم ایس نے اچھا کیا ہے جو اس عہدہ کو بطور ایک مستثنیٰ کے اختیار کیا ہے۔ اسکے لئے جھنگ بار کی دونوں بستیوں کے نوزادہ مسیحیوں کو (اگر وہ بخوبی سمجھیں) نہایت مشکور ہونا لازم ہے۔ .... میری تجویز ہے کہ آپ اپنے قیمتی اخبار میں اس مضمون کا اور کچھ تذکرہ نہ کریں"۔ ہم معزز برادر کی صلاح بسر وچشم ماننے کے لئے تیار ہیں کیونکہ جو کچھ ہم کو کہنا تھا سو کہہ چکے ہیں اور اب اس بار کے نئے تجربہ کے نتائج کو معلوم کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ ہم ممنون ہونگے اگر پادری صاحب یا کوئی اور معزز نامہ نگار وقتاً فوقتاً ہمکو ان نتائج سے مطلع فرماتے رہیں۔

نمایش حرفت کاری۔ مدراس کی نیٹو کرسچن ایسوسی ایشن میں قطعی فیصلہ کیا گیا ہے کہ آیندہ ماہ دسمبر کی ۱۱ ر سے ۱۷ ر تاریخ تک ایک نمایش دیسی مسیحیوں کی حرفت کی شہر مدراس میں منعقد کی جائے۔ یہ تجویز اس کامیابی کا نتیجہ ہے جو لکھنؤ میں نمایش کو حاصل ہوئی۔ مدراس کے لئے یہ ایک عمدہ موقعہ ہوگا کیونکہ اُنہیں ایام میں دہ سالہ مشنری کانفرنس بھی اُس شہر میں ہو رہی ہوگی۔ مختلف دستکاریوں اور پیشوں کے مدارس کے منتظم مشنری صاحبان وہاں موجود ہوں گے۔ اور اپنی اپنی تعلیم کے نمونہ بخوبی دوسروں

کو دکھا سکیں گے اور باقی مشنوں کے منتظم اپنی آنکھوں سے دیسی مسیحیوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی اشیا دیکھ کر اپنے علاقہ میں انکو جاری کر سکیں گے۔ ہر ایک پروٹسٹنٹ مسیحی اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ جن جن فنون کے نمونے انعام یا سرٹیفکیٹ کیلئے طلب کئے گئے ہیں انکی ایک نہایت وسیع فہرست ہے۔ مختلف معدنیات اور لکڑی اور چمڑے اور کپڑوں کی دستکاریوں کے علاوہ فوٹوگرافی اور چھپائی اور باورچی خانہ کی مزید اری پیدا وار تک انعام لئے جا سکتے ہیں۔ جو روپیہ اس نمائش کے انعامات میں صرف ہوگا۔ اسکے لئے چندہ اور خیرات کی درخواست کی گئی ہے۔ جن اصحاب کو کوئی چیز نمائش کے لئے بھیجنی منظور ہو وہ ۲۰ نومبر تک بھیج سکتے ہیں۔ اگرچہ بلحاظ مسیحی آبادی کے پنجاب گذشتہ نمائش میں بہت پیچھے نہیں رہا مگر تو بھی کافی گنجایش ہے کہ اس مرتبہ زیادہ اشیا ہمارے صوبہ سے پیش کی جائیں۔

دیسی مسیحی علم راگ کی ترقی۔ گذشتہ انجیلی معرکہ سے جو سبق حاصل ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ گیت انجیل کی منادی میں ایک بڑی بھاری مدد ہیں۔ اسی شہر کے ایک معصر کی رائے میں مسیحیوں کو علم راگ سکھانے میں کافی کوشش نہیں کی جاتی۔ کیا خوب ہو اگر ہر ایک مشن کے بورڈنگ سکول میں دو یا تین طالبعلموں کو خاص طور پر باجے بجانا سکھایا جائے۔ خصوصاً قحط کے یتیموں کو اس قسم کی تعلیم دی جانی چاہیئے۔ ہمعصر مذکور کی رائے میں ہر ایک یتیم خانہ میں ایک عمدہ بینڈ (انگریزی باجہ) ہونا ضرور ہے اور قطار بند ہو کر گیت گانے کی مشق کرائی جانی چاہیئے۔ ہر ایک میٹنگ کے لئے دو یا تین عمدہ گیت گانے کی تیاری ہونی ضرور ہے۔ اگر جابجا مسیحی گیتوں اور بھجنوں کے مجمعے ہوا کریں تو بہت ترقی کی امید ہے۔ اپنے اپنے موقعہ پر انگریزی اور دیسی راگیں گائی جا سکتی ہیں اور اس لئے دونو کی مشق ضروری ہے۔ اگر ہمارے دیسی راگ کے استاد گاہ بگاہ مختلف کلیسیاؤں میں دورہ کر کے راگیں سکھایا کریں تو جلد ان کا رواج ہو جائے گا۔

طاعت میں ہے تیری آبرو سب کیلئے ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کیلئے
سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کیلئے ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور

ملکِ جاپان میں مسیحی مذہب کی ترقی

گذری صدی کے آخری حصہ میں جاپان نے ہر پہلو ایسی ترقی کی ہے کہ دنیا کی مہذب اقوام اسکو حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔ زیادہ تر حیرانی اس وجہ سے ہے کہ ممالک ایشیا کی اقوام کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ انکے شباب کا زمانہ گذر چکا ہے اور اب انکی پیری کے ایام ہیں۔ ایسی اقوام میں ترقی کی امنگیں خواب کی باتیں ہیں۔ مگر قوموں کے نشیب و فراز میں زوال کے بعد عروج کا زمانہ ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ خصوصاً ہمارے لئے جنکو مسیح نے دنیا کے گرد و غبار اور پستی و ادبار میں سے اٹھا کر سرفراز کیا ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ خالق نے ہر انسان اور ہر قوم میں ترقی کا مادہ رکھ دیا ہے۔ اور ہمکو یقین ہے کہ اس بالقوہ مادہ کو معرضِ ظہور میں لانے کا مسیحی مذہب ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ جاپان کی بیداری کا راز خصوصاً یہ ہے کہ وہاں کے باشندے غیر ممالک کے لوگوں سے سیکھنا عیب نہیں سمجھتے۔ یورپ اور امریکہ کے علوم و فنون حاصل کرنے کی خاطر بہت سے جاپانی سمندروں کو عبور کرتے ہیں۔ انکا اصول ہمارے ہندو بھائیوں کی طرح نہیں کہ سب کچھ ویدوں میں لکھا ہوا ہے۔ اسی روحانی کمزوری کی وجہ سے ہمارے ملک کے لوگ ترقی نہیں کر سکتے۔ بیچاروں کی حالت قابلِ رحم ہے۔ ایک [illegible] اپنی پرانی کتابوں سے کچھ حاصل کر کے دنیا کے سامنے انکو روحانی اور [illegible] خدمات کا مخزن ثابت نہیں کر سکتے ہیں اور پھر دوسری اقوام سے کچھ سیکھنا باعثِ عار جانتے ہیں۔ جاپان کو اس تعلیم پذیر صفت کے ساتھ ایک قسم کا چھچھوراپن بھی ہے [illegible] دیکھے دکھائے بعض باتوں کو جلد قبول کر لیتے ہیں اور پھر جلد انکو ترک بھی کر دیتے ہیں۔ مگر خواہ یہ عیب کسی درجہ تک ان میں موجود ہو اس میں کسی کو شک نہیں کہ یہ لوگ عملی امور میں ترقی کرنے والے ہیں۔ انکی جنگی طاقت اور فضیلت تو چین کے ساتھ جنگ میں دنیا پر ظاہر ہو گئی۔ باقی امور میں ترقی کا ایک یہی ثبوت کافی ہے کہ ہندوستان

سے ہر سال طلبا حرفت اور فنون کی تحصیل کی خاطر جاپان کو جانے لگ گئے ہیں۔ اسوقت اس ملک میں خصوصاً مسیحی مذہب کی ترقی کا حال مختصراً درج کیا جائیگا۔

جاپان میں سب سے پہلے فرانسیس زیویر نے ۱۵۴۷ء میں انجیل کی منادی کی۔ اس سے فقط سات سال پیشتر پرتگیزوں نے اِس جزیرہ کو دریافت کیا تھا۔ جب ملک کے ہادیان دین نے اپنے نئے مذہب کا چرچا سُنا تو شاہِ وقت کے حضور درخواست کی کہ اُن اجنبیوں کو ملک سے خارج کیا جائے۔ جسکے جواب میں اُنکو کہا گیا کہ جاپان میں پینتیس ۳۵ مذہبی فرقے تو موجود ہیں ہی اگر ایک اور بڑھ گیا تو کیا ہرج ہے۔ اسکے بعد رومن کاتھلک کلیسیا کے دو اور فرقے وہاں آپہنچے۔ رفتہ رفتہ رومن پریسٹوں نے ایسی بد دماغی اور جبر وتعدی اختیار کی کہ عوام اُن سے متنفر ہو گئے۔ جسکا انجام یہ ہوا کہ ۱۵۸۷ء میں ایک سخت ایذارسانی کی آگ بھڑک اُٹھی جسکے شعلے وقتاً فوقتاً نمودار ہوتے رہے۔ ۱۶۳۷ء میں سینتیس ہزار مسیحی قتل کئے گئے۔ اِس قتل عام میں رومن کاتھلک شہیدوں نے حد درجہ کی جوانمردی دکھائی۔ اِس واقعہ سے دو سو سال بعد تک جاپان میں مسیحی کے نام سے لوگ خائف اور لرزاں ہوتے تھے۔ اِس عرصۂ دراز میں شاہراہوں اور پہاڑوں کے دروں اور گذرگاہوں پر بڑے بڑے اشتہار اِس مضمون کے چسپاں کئے گئے کہ جب تک سورج میں حرارت باقی ہے کوئی مسیحی جاپان میں قدم دھرنے کی جرأت نہ کرے۔ اور سب پر واضح ہو کہ خواہ ہسپانیہ کا بادشاہ یا مسیحیوں کا خدا یا سب سے بڑا خدا بھی اِس حکم کی خلاف ورزی کرے اُسکا سر تن سے جدا کیا جائیگا۔ مسیحی مذہب ملکی تواریخ کے صفحہ پر ایک دھبہ سمجھا جاتا تھا۔ اسوقت فقط ایک بندرگاہ یعنی ناگاسکی تجارت کے لئے کھلا تھا۔ اور یوروپ میں سے فقط ڈچ لوگ تجارت کر سکتے تھے۔ ان سوداگروں کو سال میں کئی مرتبہ صلیب کی مورت کو پاؤں تلے روندنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ جو تختے اِس کام کے لئے استعمال کئے جاتے تھے وہ اب تک شہر ٹوکیو کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ اگر اُن سوداگروں سے اُن کے اِس فعل کی نسبت استفسار کیا جاتا تو وہ جواب دیتے کہ ہم انجیل کو نہیں بلکہ رومی نشانات کو پامال کرتے ہیں۔

اس کے بعد کئی ایک اور مشنری سوسائٹیوں نے جاپان میں مشن قایم کر لئے۔ چنانچہ سی ایم ایس نے ۱۸۶۹ء میں شہر اوساکا میں اور ایس پی جی نے ٹوکیو میں ۱۸۷۲ء کے درمیان اپنے اپنے جھنڈے گاڑے گئے۔ امریکہ کے مشنریوں نے زیر انتظام بشپ ولیمس صاحب دار السلطنت میں اپنا صدر مقام قایم کیا۔ جاپان میں مسیحی مذہب کی تواریخ میں ۱۸۷۲ء ایک نہایت قابل یادگار سال گذرا ہے۔ اسی سال میں مسیحیوں کے خلاف ہر قسم کی بندشیں اُٹھائی گئیں۔ اور ملک نے ایک حیرت انگیز ترقی کا قدم آگے بڑھایا۔ اسی سال میں پہلی مشنری کانفرنس اس جزیرہ میں منعقد ہوئی جس میں بیس سے کم ذہانی گیدٹ موجود تھے۔ دراصل یہ مشنوں کے بچپن کا زمانہ تھا۔ دوسری کانفرنس ۱۸۸۲ء میں فراہم ہوئی جس میں ایک سو چھ ممبران شریک ہوئے۔ اسی سال میں ایک سو پینتالیس پروٹسٹنٹ مشنری اور پانچ ہزار نو مرید جاپانی مسیحی پروٹسٹنٹ مشنوں کے متعلق ملک میں موجود تھے۔ اس تعداد کی تین چوتھائی امریکن سوسائٹیوں کے شرکا تھے۔ ۱۸۹۲ء میں چار کروڑ باشندوں کی آبادی میں چالیس ہزار مسیحی تھے۔ اول نو مرید زیادہ تر ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں سے تھے۔ رفتہ رفتہ تعلیم یافتہ لوگ کلیسیا میں شامل ہونے لگ گئے۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء میں ملکی پارلیمنٹ کے اعلیٰ درجہ میں چند مسیحی ممبروں کے علاوہ درجہ ادنیٰ کے تین سو ممبروں میں سے کم از کم بارہ مسیحی تھے۔ تین منتخص الخاص ارکین میں سے ایک مسیحی تھا اور جسکو خود شاہ نے نامزد کیا وہ بھی مسیحیوں میں سے تھا۔

کچھ عرصہ تک جاپان کی کلیسیاؤں میں ترقی کا دروازہ بند رہا اور نو مریدوں کی ... خاطر خواہ نہ تھی۔ چنانچہ اسی افسوسناک حالت کو دیکھ کر مختلف مشنوں کے ... نے سال گذشتہ میں ایک انجیلی معرکہ دعا اور مناجات کا منعقد کیا۔ جسکا نتیجہ ... ہزاروں سے مسیحی بیدار کئے گئے۔ اور گرجوں میں رونق نظر آنے لگی اور نو مریدوں ... روحانی زندگی کے نشان نمودار ہو گئے۔ عام طور پر تمام ملک میں مسیحی مذہب کی ... پھیل رہی ہے۔ جاپانی اخبارات اور علم ادب میں مسیحی تعلیم اور خیالات صاف

دکھائی دے رہے ہیں۔ اگر ترقی کا پیمانہ فقط تعداد کو مقرر کیا جائے تو صرف ایک لاکھ بیس ہزار مسیحی کل جزیرے میں موجود ہیں جن میں سے قریب ایک تہائی پروٹسٹنٹ ہیں اور باقی یونانی اور رومی کلیسیاؤں سے متعلق ہیں۔ ملک کے اعلیٰ ترین صیغوں میں مسیحیوں کی تعداد نسبتاً باقی مذہب والوں سے چوگنی سے کم نہیں۔ علاوہ سول کے عہدہ داروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کے فوجی محکمہ کے افسروں میں تین فی صدی مسیحی ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مسیحی معلم اور متعلم بھرے پڑے ہیں۔ ٹوکیو کے تین بڑے روزانہ اخبارات مسیحیوں کے ہاتھوں میں ہیں اور کئی ایک دیگر اخبارات کے ایڈیٹران مسیحی ہیں۔ ملک میں بہت سا خیراتی کام مسیحیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ قریب تین ہزار جوان مسیحی مدارس میں سے ہر سال تعلیم پا کر نکلتے ہیں جہاں بلحاظ اوسط چار سال تک مسیحی تعلیم کے زیرِ سایہ پرورش پاتے ہیں۔ کچھ عرصہ تک مشن سکولوں کے طلبا کو بعض ملکی حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا اور سلطنت مذہبی تعلیم کی مخالف تھی مگر اب رستہ صاف ہونے کی وجہ سے پھر مشن کے مدارس میں رونق نظر آنے لگی ہے۔

ایک مشنری صاحب جاپان کی نسبت فرماتے ہیں کہ اس ملک کے لوگ گپ شپ یا وہمی خیالات کے طالب نہیں ہیں بلکہ واقعات کے متلاشی ہیں۔ انجیل کو پھیکے طور پر ان کے پیش کرنا گناہ سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ عوام بڑے غور و توجہ سے اُس آدمی کی بات سنتے ہیں جو چشم دید شہادت دے سکتا ہے اور اس امر کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا دیکھنے کو گھر سے نکلا ہے۔ "جاپان ایک سرکنڈا نہیں جو ہوا سے ہلایا جاتا ہے۔ وہ مشرقی ممالک کا مسخرہ یا مہین کپڑوں سے ملبس کنیز نہیں جو نفس پرست سیاح یا مصنف کی دل لگی کا سامان ہو۔ بلکہ ایک ایسی قوم ہے جو بہت سی خانہ جنگیوں اور معرکوں اور تکالیف میں نئی زندگی حاصل کر کے پیدا ہوئی ہے اور اعلیٰ مدارج کی طرف ترقی کر رہی ہے۔ اور خدا کی پروردگاری میں تمام برِاعظم ایشیا کے لئے خدا کی قاصد ہوگی۔"

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا ۔ حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھکو۔ جانا ہے ضرور ۔ بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

حیاتِ داؤد

٦

"رب الافواج کے نام سے"

(۱سموئیل ۱۷: ۴۵)

حریف کی توجہیں نالہ کے دونو طرف فلستی سورما کے چیلنج کے جواب کی منتظر تھیں کہ یکایک ہر ایک کی توجہ اس جوان کی طرف منعطف ہوئی جس نے ہاتھ میں عصا لئے اسرائیلی لشکر سے نکل کر ڈھلوان کا رخ کیا۔ جب وہ جھک کر نالہ میں سے پتھر اُٹھانے لگا تو تھوڑی دیر کے لئے سب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر فلستی، خصوصاً ان کا سورما کچھ حیرت زدہ سے ہو گئے کہ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اُس نے اُنکے لشکر کی راہ لی۔

معلوم ہوتا ہے کہ جاتی جولیت اس وقت بیٹھا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ اس جوان نے اسکے چیلنج قبول کرنے کی جرات کی تو اُٹھ کر داؤد کے ملنے کو آیا اور اس پر لعنت کی اور اس کو دھمکی دی کہ تیرا گوشت ہوائی پرندوں اور جنگلی درندوں کو بانٹوں گا۔ اور داؤد نے فلستی کو کہا "تو تلوار اور برچھا اور سپر لے کے میرے پاس آیا ہے پر میں رب الافواج کے نام سے جو اسرائیل کے لشکروں کا خدا ہے جسے تو نے ذلیل کیا تیرے پاس آتا ہوں"۔

اوّل۔ فتح کا طلسم۔ "رب الافواج کا نام"۔ ہمارے ہاں کسی شخص کے نام سے کوئی خاص خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ صرف ایک شخص دوسرے شخص سے تمیز کیا جاتا ہے لیکن بائبل میں ہمیشہ نام سے سیرت ظاہر ہے۔ نام سے خاص خاص بخششیں اور لیاقتیں عیاں ہیں۔ آدم نے جانوروں کو جو نام دیئے وہ ان خصوصیات پر مبنی تھے جو اس پر ظاہر ہوئے۔ آدم ثانی نے بھی جو نام اپنے رسولوں کو دیئے ان سے یا تو وہ لیاقتیں ظاہر تھیں جو ان میں تھیں اور جنکو وہ ظاہر کرنا اور بڑھانا چاہتا تھا یا یہ ظاہر تھا کہ وہ کسی بڑے کام اور مقصد کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔

یوں ہی خدا کے نام سے جس کا مقدسین اکثر استعمال کرتے ہیں الٰہی صفات اور خصوصیات ظاہر ہیں۔ ابتدائی کلیسیا کی تواریخ میں یہ نام اس تمام تعلیم کا خلاصہ تھا جو یسوع نے خدا کی ذات اور صفات کے متعلق دی تھی۔ "وہ اس نام کی خاطر نکلے ہیں اور غیر قوموں سے کچھ نہیں لیتے"۔ یہ بتانے کی کچھ ضرورت نہ تھی کہ یہ کس کا نام تھا۔ کوئی اور نام نہیں کہ جس سے انسان نجات پا سکے۔ کوئی اور نام نہیں کہ جس کا اُسکے ساتھ مقابلہ کیا جائے یا اسی صفحہ پر لکھے جانے کے قابل ہو۔ سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی ستارے نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ وہ نام تمام ناموں سے برتر ہے اور اُسکے آگے ہر ایک گھٹنا جھکے گا اور ہر ایک زبان اس کا اقرار کرے گی کیونکہ خدا کی نسبت جو کچھ کہ کوئی ایک روح یا قوم خیال رکھ سکتی یا طلب کر سکتی وہ سب

اس نام سے ظاہر ہے۔
خدا کے الٰہی نام سے جو جو صفات ظاہر ہیں ان سے جو خاص صفت داؤد نے لی وہ الفاظ ربُ الافواج سے ظاہر ہے۔ اِس سے صرف یہی مُراد نہیں کہ خدا اسرائیلی لشکر کا کپتان تھا۔ یہ خیال تو ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ "جو اسرائیل کے لشکروں کا خدا ہے" لیکن داؤد کے دل میں کچھ ایسے خیال تھے کہ فرشتے اور عالم۔ آسمانی لشکر اور عناصر۔ ہوا اور امواج۔ زندگی اور موت ایک بڑا بھاری لشکر ہیں اور یہ سب اپنے کپتان لشکروں کے یہوواہ کے تابع فرمان ہیں۔ وہ اس صوبہ دار کا ہم خیال تھا جس کا ذکر انجیل میں ہے کہ جس نے کہا کہ میں صاحب اختیار ہوں اور ایک سے کہتا ہوں کہ جا تو وہ جاتا ہے اور دوسرے سے کہ آ تو وہ آتا ہے اور اپنے نوکر سے کہ یہ کر تو وہ کرتا ہے۔
رب الافواج کے نام سے آنے کا مطلب صرف یہی نہیں کہ داؤد یہوواہ کی صفات سے آگاہ تھا بلکہ یہ کہ اس مقدس نام میں جو کچھ شامل ہے ایمان کے وسیلہ وہ سب اُسکو حاصل تھا۔ یاں ہندوستان میں ہر ایک انگریز کو ایک خاص منزلت حاصل ہے۔ خواہ وہ کوئی معمولی شخص بھی کیوں نہ ہو اسکا انداز کچھ اور ہی ہوتا ہے لیکن اگر وہ کوئی سرکاری عہدہ دار یا اپنے ملک کا وکیل ہو تو پھر تو کچھ اَور ہی بات ہو جاتی ہے۔ پہلی صورت میں تو وہ اپنے نام سے کلام کرتا اور جتنی عزت اور اختیار پا سکتا ہے پاتا ہے لیکن دوسری صورت میں وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ اقتدار برطانیہ اعظم کو حاصل ہے اس میں میرا دخل ہے۔ کسی شخص کے انگلستان کے نام سے کاروبار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ملک انگلستان اسکے ذریعہ سے کاروبار کرتا ہے کہ انگلستان کی قوت اس کے مطالبہ کے پورا کرنے کو تیار ہے اور اسکی جو گستاخی یا حکم عدولی کی جائے اسکا بدلا انگلستان لیگا۔
جب یسوع نے ہمکو فرمایا کہ میرے نام سے جو چاہو مانگو تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ یونہی بطور ایک مقولہ کے ہم اسکے نام کو استعمال کریں بلکہ یہ کہ اُسکے مقاصد اور ارادوں اور خیالوں سے ہمارا ایسا اتفاق ہو کہ گویا وہی خود ہماری درخواستیں باپ کے پیش کر رہا ہے۔
بیشتر ازیں کہ ہم داؤد کے ہمزبان ہو کر کہہ سکیں کہ "میں رب الافواج کے نام سے تیرے پاس آتا ہوں" ہمکو اس عجیب تعلق کی نسبت جو خدا کے ساتھ ہمکو حاصل ہے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ یہ حق اُنہی لوگوں کا استحقاق ہے جو اُن شرائط کو پورا کریں جن سے یہ جوان آگاہ تھا۔ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ اپنی زندگی کی دوڑ دھوپ کو ذرا چھوڑ دیں اور اُس الٰہی ذات اور مقاصد سے جو کچھ ہمارے تعلقات کا مانع ہو اسکو دُور کر دیں اور خدا کے ساتھ ایسا تعلق رکھیں کہ اس کی نجیم ہمارا مضبوط قلعہ۔ ہماری پناہ۔ ہمارا نعرۂ جنگ اور ہماری فتح کا بھید ہو۔ آہ ہر ایک زبردست جابر اور بدی کے شریک اور تاریکی کی قوتوں کے ہر ایک حملہ۔ وحشیوں کے ہر ایک فرقہ اور ناپرہیزگاری میں غرقاب ضلع اور ناتائب اور نہ نجات یافتہ جماعت کے پاس ان الفاظ سے جانا کہ
"میں رب الافواج کے نام سے آتا ہوں" کیسا بڑا استحقاق ہے۔

دوم۔ کن حالتوں میں ہم اس نام کا استعمال کر سکتے ہیں۔ (۱) جب ہماری نیت پاک ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ داؤد کو اس جنگ کے لئے کس نیت اور ارادہ نے اُبھارا۔ بیشک اس نے اسرائیلی مردوں سے یہ تو پوچھا تھا کہ جو شخص اس فلسطی کو مارے تو اس سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ لیکن یہ گمان کسی نے نہ کیا کہ شاہی انعام حاصل کرنے کے لئے وہ جنگ پر آمادہ ہُوا۔ اس کی آرزو یہی تھی کہ اس ننگ کو اسرائیل میں سے مٹا ڈالے اور ساری دنیا کو معلوم ہو کہ اسرائیل میں ایک خدا ہے۔

ہمیں یہاں احتیاط کر لینی چاہئے جس حال کہ ہم اپنی کلیسیا یا اپنے کام اور اپنی راؤں کے لئے لڑرہے ہیں ہم دعوے کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کے جلال کے لئے کر رہے ہیں۔ سرگرم لوگوں کو اکثر یہ آزمایش آتی ہے کہ اپنے مقاصد اور آرزوؤں کی خود غرضی پر پردہ ڈال لیں اور بڑے زور سے دعوے کریں کہ خدا کے کام کی غیرت ہمکو تحریک دے رہی ہے بے سوچے سمجھے بھی اس گناہ میں پڑ جانے سے ہم اس مقدس نام کے استعمال کا حق کھو بیٹھتے ہیں۔ ہاں ہم اس نام کو بار بار زبان پر لا تو سکتے ہیں لیکن اس سے ہمکو کسی قسم کا فائدہ نہیں ہونے کا۔ جن بدروحوں اور شیاطین کو ہم اس نام سے ڈرانا چاہتے ہیں وہی ہم پر حملہ آور ہوں گے اور ہم ان کے سامنے سے بھاگ اُٹھیں گے۔ ضرور ہے کہ ہمارے دل پر روح القدس کا اثر برابر ہوتا رہے کہ وہ بالکل پاک ہو جائیں اور خدا کے جلال کے خیال سے بھرے رہیں۔ تاکہ یہ الفاظ ہماری نسبت سچ ٹھہریں کہ "تیرے گھر کی غیرت مجھے کھا گئی"۔ (۲) جب ہم خدا کو اسکی جگہ دیں جس کا وہ حقدار ہے۔ داؤد نے بار بار کہا کہ یہ جنگ خدا کا ہے۔ جولیت یا فلسطی لشکر کی شکست اس کے اختیار میں نہ تھی گو وہ جنگ کی لوٹ اُٹھا سکتا تھا۔ "جنگ کا مالک خداوند ہے اور آج ہی کے دن خداوند تجھ کو میرے ہاتھ میں گرفتار کروائے گا۔۔۔ خدا بچاتا ہے اور وہی تمکو ہمارے قبضہ میں کر دے گا"۔

ہر ایک شخص جس نے راست بازی کے لئے بڑے بڑے معرکے مارے ہیں اس کا رویہ داؤد کا سا رہا ہے۔ موسیٰ نے کہا "خداوند یوں کہتا ہُوا مجھے دکھائی دیا کہ میں تمکو مصریوں کی تکلیفوں سے نکال لاؤنگا"۔ سموئیل نے کہا کہ "اپنے خداوند کی طرف اپنے دلوں کو مستعد رکھو کہ وہ فلسطیوں کے ہاتھ سے تمہیں رہائی دے گا"۔ پولس نے کہا کہ "ان باتوں کے سوا مجھے اور کسی بات کے ذکر کرنے کی جرات نہیں جو مسیح نے۔۔۔۔ میرے وسیلے کیں"۔ ہمکو یہ پہچاننی چاہئے کہ روح القدس کی وساطت سے یسوع سپاہی اور کام کرنے والا اور اپنی کلیسیا کا قایم کرنے والا اور اس کا منتظم ہے۔ جو کام درست کرنا چاہو چاہئے کہ وہ خود اسکو کرے ہم اس لئے بلائے نہیں گئے کہ اسکے لئے کام کریں بلکہ اسکو اپنے ذریعہ کام کرنے دیں۔ سب چیزیں اس سے اور اسکے وسیلہ اور اسکے لئے ہیں۔ جنگ ہمارا نہیں بلکہ اسکا ہے۔ چاہئے کہ اسکی ہنرمندی ہماری ہدایت کرے۔ اسکی قوت ہمیں سنبھالے۔ اسکے اوپر اٹھائے ہوئے ہاتھ ہمیں فتح و نصرت دیں (۳) جب ہم جسم سے صلاح نہ لیں۔ ساؤل کی رائے کی مخالفت کرنا اس جوان

کے لئے بڑا مشکل تھا خصوصاً جس حال کہ پادشاہ اسکی سلامتی کا بڑا خواہشمند تھا۔ وہ گویا یوں کہتا تھا کہ "اے میرے بیٹے اپنی جان کو خواہ مخواہ خطرے میں نہ ڈالو۔ دانشمندی سے کام لو۔ ہر طرح کے وسایل کو کام میں لاؤ۔ اپنی جان عزیز کو ضایع نہ کرو" یہ وقت بڑے خطرہ کا تھا۔ استہزا۔ نفرت اور سختی کا مقابلہ آسان ہے بہ نسبت اس مشورہ اور مدد کے انکار سے جو شفقت و مہربانی سے کی جائے۔ داؤد کے لئے یہ اچھا ہوا کہ اس پر شاہی عنایت کا اثر نہ ہوا۔ دو مالکوں کی خدمت وہ ہرگز کر نہ سکتا۔ ساؤل کی صلاح مان لینے سے وہ الٰہی حفاظت سے محروم ہو جاتا۔

شیطان کیسے یہ الفاظ ہر دم ہمارے کانوں میں سناتا رہتا ہے۔ جو خداوند کے صایب کا ذکر کرنے پر پطرس نے اسکو کہے کہ "اے خداوند یہ تجھ پر ہرگز نہیں ہوئے گا" وسائل اور ذرایع کے جائز ہونے پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ قادر مطلق خدا کے کام کرنے کے لئے کوئی گنجایش چھوڑی نہیں جاتی۔ وسائل اپنی جگہ پر احسن ہیں لیکن وہ جگہ مقدم سے بہت دور ہے۔ ضرور ہے کہ ان کا وقت اور ان کی جگہ وہی مقرر کرے جو مثیل کے خود اور زرہ بکتر کو منظور نہیں کرتا تاکہ کوئی جسم اسکے حضور فخر نہ کرے بلکہ جو فلاخن اور نالہ کے پتھروں اور جولیت کی تلوار سے کام لیتا ہے۔

سوتقرہ۔ اس نام کے لینے والوں کا رتبہ۔ (۱) وہ تن تنہا مقابلہ کرنے اور اپنی جگہ پر قایم رہنے کو تیار ہیں۔ اس جوان نے کسی رفیق کی درخواست نہ کی۔ وہ تیار تھا کہ مدد یا ہمدردی کے بغیر جنگ کا بیڑا اٹھائے اسکو بڑا مضبوط یقین تھا کہ رب الافواج میرے ساتھ ہے اور کہ یعقوب کا خدا میری پناہ ہے۔

(۲) ان کا ارادہ یکا ہوتا ہے۔ اسکو نہ کسی قسم کا ڈر تھا نہ اس پر کپکپی چھائی تھی جس سے ہم بڑے بڑے موقعوں پر کام کرنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ چپ چاپ سوچ سمجھ کے وہ نیچے کو اترا اور اپنے مطلب کے پتھر چنے۔ اپنی سلیمی طبع اور بھروسہ میں اس نے قوت پائی سا اسکا مزاج سلیم رہا کیوں اسکا توکل خدا پر تھا۔ اس نے جلد بازی نہ کی۔ نہ ہی بھاگ گیا۔ کیونکہ خداوند اس کے آگے آگے تھا اور اسرائیل کا قدوس اسکے پیچھے۔

(۳) ان کو کسی قسم کا خوف نہیں۔ جب جنگ کا وقت آ پہنچا تو داؤد نے تامل نہ کیا بلکہ اسرائیلی لشکر کی طرف ان کے سورما کے مقابلہ کو چلا۔ اسکو انجام کا خوف نہ تھا۔ جس آواز نے فلسطی کی طعن آمیز تقریر کا جواب دیا اس میں کپکپی نہ تھی۔ جس بازو نے فلاخن چلایا اس میں لغزش نہ تھی اور اسکا نشانہ فلسطی کے بدن کے نامحفوظ حصہ پر بےخطا ٹھہرا۔

(۴) وہ فتحمندوں سے بڑھ کر ہیں۔ سورما کی پیشانی پر پتھر آلگا اور دیکھتے دیکھتے وہ زمین پر دھم سے آگرا۔ ایک لمحہ بھی توقف کرنا مناسب نہ تھا۔ پیشتر ازیں کہ وہ ہوش سنبھال کر پھر اٹھ کھڑا ہو یا اسکے دہشت زدہ رفیق اپنی خواب حیرت سے جاگیں اسکا سر تن سے جدا کیا گیا اور جب فلسطیوں نے دیکھا کہ ہمارا سورما مارا گیا تو وہ بھاگ گئے۔ فتحمندوں نے سارا سامان جنگ لوٹ

لیا۔ داؤد نے فلستی کا سر نشان فتح ہیں لیا اور اسکے اسلحہ کو اپنے خیمہ میں رکھا۔
چاہئے کہ ہم خدا کے ساتھ تنہا رہیں۔ کمزور سے کمزور شخص جسکو خدا کی پہچان حاصل ہو۔ بڑے بڑے کام سرانجام دے سکتا ہے۔ خدا کی قدرت کا مظہر ہے کہ ہمارے ایمان کے مطابق کام کرے۔ جیسے ایک بچہ کے بٹن کے دبانے سے ہی بڑی بڑی کلیں چل پڑتی ہیں۔ ایک بچہ بھی جسکو خدا کی پہچان حاصل ہو تمام الٰہی طاقتوں کو دنیا کے کارزار میں انسان کی بہبودی کے لئے استعمال میں لاسکتا ہے۔ یہ ہے فتح جو دنیا اور جسم اور شیطان پر غالب آتی ہے یعنی ہمارا ایمان۔

یسوع کے خاص دوست

۵

مریم اور مرتھا

یسوع مسیح کے ان بیت عنیا کے احباب کا تذکرہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ اس یاد ہی سے ہر ایک خورپسند مسیحی کے دل میں شکرگذاری کے خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ اس خاندان کی مہمان نوازی۔ پناہ اور محبت سے خداوند کو کیسی تسلی ملی۔ ایک روایت ہے کہ مسیح کے صلیب پانے کے دن جب وہ کلوری کی طرف جا رہا تھا تو ایک پرند کو اسے دیکھ کر ترس آگیا اور اس نے نیچے کو اڑ کر اس کی پیشانی میں سے ایک کانٹا نکال لیا۔ کانٹے کے نکلتے ہی پیشانی میں سے خون بہ نکلا اور اسکے چھینٹے پرند کے سینہ پر آپڑے۔ اسی دن سے اسکے سینہ پر ایک سرخ نشان چلا آیا ہے۔ اسی وجہ سے اسکا نام لال چڑیا پڑ گیا ہے۔ یقیناً بیت عنیا کے خاندان نے مسیح کے دل میں سے کئی کانٹے نکالے اور اسکو شادمان کیا۔

جس وقت کہ یہ پیارا مہمان اس خاندان میں تھا اس وقت کے تین نظارے ہمیں ملتے ہیں۔
اوّل۔ خداوند اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک دن اس گاؤں میں داخل ہوا۔ مرتھا نے اسے اپنے گھر میں اتارا اور اسکی خاطر تواضع کی۔ گھر کی مالک اور منتظم مرتھا تھی۔ اور مریم نام اسکی ایک (چھوٹی) بہن تھی۔

دوسری تصویر تو ایسی صاف ہے کہ گویا اس نظارے کی کسی نے عکسی تصویر اتاری ہے۔ مریم ایک چھوٹا موڑھا اٹھا کر خداوند کے پاؤں کے پاس آبیٹھی اور اسکا کلام سنتی ہے۔ مرتھا گھر میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی اور ان مہمانوں کے لئے جو اچانک بے خبر دیئے آپہنچے روٹی کا فکر کر رہی ہے۔ اور یہ کرنا ضرور تھا۔ مہمان نوازی نہایت مناسب ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مرتھا اپنے کام میں سلیم الطبع نہ رہی "مرتھا خدمت کرتے کرتے گھبرا گئی تھی"۔

اگر کسی کے ہاں بارہ تیرہ مہمان بے خبر کئے آجائیں اور ان کی روٹی کا انتظام اسی وقت کرنا ہو تو شاید کوئی مسیحی خاتونیں گھبرا جائیں اور طبیعت پر قابو بھی نہ رکھ سکیں۔ تاہم ہم کو یہی سبق ملتا ہے کہ مرتھا کو گھبرانا نہ چاہئے تھا بلکہ چاہئے تھا کہ وہ اس سخت خدمت میں بھی سلیم الطبع اور شیریں مزاج ہی رہتی۔

یہ مناسب نہ تھا کہ مریم کے ساتھ وہ ایسی بے صبری دکھاتی۔ گھبرائی ہوئی کمرے میں جو آئی اور مریم کو چپ چاپ مسیح کے پاؤں پاس بیٹھے دیکھا تو کچھ ناراض سی ہوئی اور خداوند سے یوں اپیل کرنے لگی کہ "اے خداوند۔ کیا تجھے خیال نہیں کہ میری بہن نے خدمت کرنے کو مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے؟ اس سے کہہ کہ میری مدد کرے۔"

یہ تو میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ مرتھا کا یہ خیال غلط یا بے وجہ تھا کہ مریم کو اسکی مدد کرنی چاہئے تھی۔ یسوع نے بھی نہ کہا کہ وہ غلطی پر تھی۔ اس نے صرف مریم کو یہ یاد دلایا کہ ایسی باتوں سے گھبرانا اور کڑکڑانا درست نہیں۔ "مرتھا۔ مرتھا تو تو بہت چیزوں کے فکر و تردد میں ہے۔" اس نے مرتھا کی خدمت پر سرزنش نہ کی بلکہ اسکی گھبراہٹ اور کڑکڑاہٹ پر۔

خداوند ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمارا بوجھ کتنا ہی بھاری اور وقت کتنا ہی تنگ کیوں نہ ہو مسیح کا اطمینان ہمکو دل میں رکھنا چاہئے۔ مسیحی زندگی کا راز یہ نہیں ہے کہ فکر و تردد کے بغیر زندگی کیسے بسر کریں کیونکہ یہ تو ناممکن ہے بلکہ یہ کہ بڑی بڑی خدمتوں اور فکروں میں بھی حلیم اور شیریں بنے رہیں۔

دوسری تصویر میں ہمیں اس خاندان میں مصیبت اور تکلیف نظر آتی ہے۔ ایک عزیز سخت بیمار ہے۔ اسکے صحت پانے کی امید نہیں۔ دکھ اور بیماری کے تجربوں سے شاید ہی کوئی مسیحی خاندان ناآشنا ہو۔ محبت اس بیمار کی خدمت کرتی رہی۔ اسکے لئے دعا مانگتی اور اس کی صحت کا انتظار کرتی تھی۔ یسوع وہاں سے دور تھا تاہم اسکو خبر بھیجی گئی۔ وہ آیا تو لیکن معلوم ہوتا تھا کہ دیر سے۔ دونو بہنوں نے جب وہ اسے جدا جدا ملیں تو یہی کہا کہ "اے خداوند اگر تو یہاں ہوتا۔" لیکن ان بہنوں نے قدرت الٰہی کے صرف ایک جزو کو دیکھا ہم تمام کو دیکھتے اور جانتے ہیں کہ یسوع ٹھیک وقت پر آیا۔ اس نے ان غمزدوں کو تسلی دی۔ ان کے غم کو مٹا دیا اور خاندان کو پھر شادمانی عطا کی۔

تیسری تصویر ایک ضیافت کی ہے۔ یسوع کی عزت و شان میں ایک دعوت دی گئی۔ اس کے صلیب پانے سے یہ چند روز پیشتر کا ذکر ہے۔ یہاں بھی دونو بہنیں اپنی اپنی سیرتوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ مرتھا تو حسب معمول خدمت میں لگی ہے اور مریم یسوع کے پاؤں پاس بیٹھی ہے۔ اور اس دوست کیلئے جس نے ان کے خاندان کے لئے اتنا کچھ کیا اپنی عجیب محبت کا اظہار کر رہی ہے۔ جو عطر اس نے مسیح کے پاؤں پر ڈالا وہ اسکے دل کی خالص محبت کا نشان تھا۔

مریم کی یہ دلدادگی بڑی دلکش ہے۔ اسکی تحریک محبت نے کی۔ محبت کے بغیر کوئی خدمت کیسی ہی بڑی اور قیمتی کیوں نہ ہو آسمان کی نظروں میں کچھ بھی منزلت نہیں رکھتی۔ دنیا تو شاید تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرے لیکن اگر محبت نہ ہو تو فرشتے بے اعتنائی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور اگر اپنا

سارا مال غریبوں کو کھلا دوں ..... اور محبت نہ رکھوں تو مجھے کچھ بھی فائدہ نہیں۔" محبت سے چھوٹی سے چھوٹی خدمت بھی بڑی منزلت پاتی ہے۔ تا وقتیکہ ہم یسوع سے محبت نہ رکھیں ہمیں اس کے لئے کوئی کام کرنا نہیں چاہئے۔ یہ تو یوں ہوگا کہ بے جڑ پودے باغ میں دبا دیں اور امید پھول اور پھل کی رکھیں۔ سب کاموں کی جڑ محبت ہونی چاہئے۔ چونکہ مریم کا دل محبت سے شرابور تھا اسکے لئے مہنگا عطر لانا مشکل نہ تھا۔

محبت کا پھل خدمت ہے۔ لیکن یہی اسکا سالم پھل نہیں۔ سیرت بھی اس پھل کا ایک جزو ہے۔ اگر ہم یسوع سے محبت رکھیں تو اسکی خوبصورتی ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائیگی۔ مسیح کی باتوں کے دل میں گھر کر جانے سے مریم بڑی حلیم اور پر محبت بن گئی۔ یسوع کے ساتھ دلبستگی رکھنے سے ہم بھی یسوع کی مانند بن جاتے ہیں۔ لیکن خدمت بھی ہوگی ضرور۔ محبت نور کی مانند ہے اور چھپ نہیں سکتی۔ دل میں یہ بند بھی نہیں رہ سکتی۔ یہ قید اور حبس میں بھی رکھی جا نہیں سکتی۔ یہ تو جیتی رہیگی اور بولے گی اور کام کرے گی۔ محبت ہی یسوع کو آسمان سے نیچے زمین پر لائی کہ کھوئی ہوئی دنیا کا شفیع ہو۔ محبت ہی کی تحریک سے اسکے رسول انجیل کی خوشخبری سنانے کو دنیا کی حدوں تک چلے گئے۔

جیسے سنگ تراش اپنے ذہن میں ایک نقشہ باندھ لیتا اور پھر اسکے مطابق بت تراش کرتا ہے۔ جب تک کہ مسیح کی صورت کا ہر ایک خط وخال زندگی میں ظاہر نہ ہو۔ کسی سیرت کو قدسیت کی خوبصورتی میں ڈھالنے کی کوشش کرنا کافی نہیں۔ کسی ایک خاص روحانی خوبصورتی سے انسان کامل مسیحی بن نہیں سکتا۔ مسیح کے قد کے اندازے تک پہنچنے کے لئے خدمت درکار ہے۔ اس جوان نے کہا۔ اے استاد میں نے لڑکپن سے ان سب پر عمل کیا ہے۔ یسوع نے اس سے کہا۔ "ایک بات کی تجھ میں کمی ہے۔ جا جو کچھ تیرا ہے بیچ کر غریبوں کو دے۔" اس اخلاقی طور پر قابل نمونہ زندگی کے کامل کرنے کے لئے محبت کی خدمت درکار تھی۔

اکثر مسیحیوں کو اس سبق کے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ ہیں تو نیک۔ ان کی زندگی بے عیب۔ ان کی سیرت بے داغ اور ان کا قول و فعل مطابق ہے لیکن ان میں ایک بات کی کمی ہے اور وہ خدمت مسیح سے محبت ہمیشہ خدمت کی تحریک۔ دلاتی ہے۔ ایک مسیحی فقیر کا ذکر ہے کہ خدا کو خوش کرنے کی غرض سے اس نے کتاب مکاشفہ کے صفحوں کو زرین کرنا شروع کیا۔ اس مسرت بخش کام میں وہ ایسا محو ہو گیا کہ غریبوں اور بیماروں کی طرف سے جو طاعون میں مبتلا ہو رہے تھے تغافل کرنے لگا۔ نقش و نگار کھینچتے کھینچتے وہ اپنے خداوند کے چہرہ پر پہنچا۔ اس چہرے سے خداوند کی آمد ثانی کا جلال ظاہر تھا۔ لیکن اس کا ہاتھ رک گیا اور اپنی ہنرمندی بھول بیٹھا۔ اس حیرت میں اسے عرفان ملا کہ چونکہ نقش و نگار کے شوق میں اس نے خدمت کے فرائض سے تغافل کیا تھا اسکی یہ ہنرمندی اس سے لے لی گئی۔

اس دریافت سے سرزنش اور تنبیہہ اٹھا کر اس نے اپنے قلم اور رنگ کو بالائے طاق رکھا اور

بیماروں اور دکھیاروں کی خدمت کو چل نکلا۔ ان مصیبت زدوں کی خدمت وہ یہاں تک کرتا رہا کہ خود اس بیماری اور مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اُفتاں و خیزاں وہ اپنی جھونپڑی کو واپس آیا کہ مرنے سے پیشتر اپنے اس چھتے کام کو ختم کرے۔ گھٹنوں کے بل ہو کر اس نے مدد کے لئے دعا کی لیکن کیا دیکھتا ہے کہ جلالی خداوند کی تصویر ایک فرشتہ مکمل کر چکا ہے اور ایسی خوبصورتی سے جو انسانی صنعت سے پرے تھی۔

یہ ہے تو محض ایک روایت لیکن اسکا ماحصل قابل غور ہے۔ اکثر لوگ اپنی مسیحی زندگی میں سیرت اور چال چلن اور مزاج کو سدھارنے اور اپنے فرائض منصبی کو وفاداری سے انجام دینے کی ہر دم کوشش تو کرتے ہیں لیکن اس قانون محبت کو بھول جاتے ہیں جس سے مسیح کے ہر ایک شاگرد کو خداوند کی طرح بھلائی کرتے رہنا چاہیئے۔ مسیحی ہونا۔ دیانتدار۔ صادق صابر۔ محنتی اور باسلیقہ ہونے سے کچھ بڑھ کر ہے۔ ہاں یہ صلیب اٹھا کر مسیح کے پیچھے پیچھے چلنا لوگوں سے محبت رکھنا اور اُن کی خدمت کرنا بھی ہے۔ اکثر اوقات اپنا مکان۔ جیتا کام۔ دل پسند رفیق اور اسباب راحت و آرام چھوڑ کر محتاجوں مصیبت زدوں۔ غریق گناہ لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔ یہ مسیحی فقیر چونکہ ان لوگوں سے تغافل کرتا تھا جو اسکی خدمت کے محتاج تھے وہ خدا کے چہرے کو نقش کرنے سے عاری ہو گیا۔ جس حال کہ کوئی مسیحی محبت کی خدمت سے تغافل کر رہے وہ اپنے خداوند کے چہرے کو اپنی رُوح پر نقش کر نہیں سکتا۔

مریم کے جٹا ماسی عطر لانے کے بعد جو واقع ہُوا ہم اُس پر غور کریں۔ یسوع کے بعض شاگر ناراض ہو گئے۔ ہر ایک کا اپنی اپنی محبت دکھانے کا طریق جُدا ہے لیکن بعض لوگ دوسروں کے طریق کی ضرور عیب جوئی کرتے ہیں۔ مسیحی کلیسیاؤں میں بھی یہی حال ہے۔ ایک ممبر دوسرے کے کام یا طریق پر اعتراض اٹھاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہوداہ اسکریوتی نے یہ طعن شروع کیا۔ اسے کہا کہ بہتر ہوتا کہ یہ عطر بیچ کر غریبوں کو دیا جاتا۔ مقدس یوحنا بڑے افسوس کے ساتھ ہمکو بتا ہے کہ یہوداہ کے اس طعن کی اصلی نیت کیا تھی۔ یہوداہ کو غریبوں کا فکر نہ تھا بلکہ وہ چور تھا غریبوں کے لئے جو کچھ دیا جاتا اسکو اپنے تصرف بیجا میں لاتا تھا۔

یسوع نے فوراً مریم کی حمایت میں اپنی آواز اُٹھائی اور ایسے طریق سے کہ مریم کے دکھیا دل کو عجیب تسلی ملی ہو گی۔ کسی شخص کے مسیح کی خدمت کرنے پر عیب جوئی کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ مسیحیوں کی محبت کی خدمت پر اعتراض و طعن کئے جاتے ہیں وہ مسیح کے مریم کی حمایت کرنے سے تسلی پا ئیں۔

"اُسے یہ میرے دفن کے دن کے لئے رکھنے دے" اس نے میرے لئے کار احسن کیا ہے۔ شاگردوں نے تو کہا تھا کہ اتنا روپیہ ضایع کیوں ہُوا۔ مسیحی کاموں کی نسبت اکثر لوگ کہتے ہیں۔ جو زندگی دوسروں کی خدمت میں خود انکاری اور خود ایثاری میں صرف کی جائے وہ تضیع سمجھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ضایع وہ زندگیاں ہو رہی ہیں جو گناہ اور عشرت پر دلدادہ

جو لوگ محض دنیاوی زندگی بسر کرتے ہیں وہ اس حیات کو ضائع کر رہے ہیں جسکے بچانے کو یسوع مسیح مُوا۔ اور فرشتوں کو یہ دنیاوی معیشت کی زندگی کیسی قابل ترس معلوم ہوتی ہوگی۔

"جو کچھ وہ کر سکتی تھی اُس نے کیا" یہ بڑی اعلیٰ درجہ کی تعریف تھی۔ اپنی عمدہ سے عمدہ نذر وہ خداوند کے پاس لائی۔ شاید ہم اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں اور خود نثاریوں کو بہت بڑی منزلت دیتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اگر وہ ہماری سب سے بہتر چیزیں ہوں تو شرفِ قبولیت پاتی ہیں۔ لیکن مریم کا کام کوئی چھوٹا نہ تھا۔ عطر بڑا گراں بہا تھا۔ اس نے اس بیش قیمت عطر کو تنگدلی سے خرچ نہ کیا بلکہ سارے کا سارا یسوع کے سر اور پاؤں پر ڈال دیا۔ جو کچھ اس نے دیا اس کا سب سے بہتر مال تھا۔

ہم اس سے سبق سیکھیں۔ کیا ہم اپنا سب سے عمدہ حصہ مسیح کو دیتے ہیں؟ اس نے اپنا سب سے عمدہ انعام ہمکو دیا اور سب سے عمدہ بخشش ہمیں ہمیشہ دیتا رہتا ہے۔ کیا ہم اپنا بچا ہوا حصہ اسکو نہیں دیتے؟ پھر ہم خداوند کے ان الفاظ سے جو اس نے مریم کی تحسین میں کہے اپنی ضمیر کو تسلی دیتے ہیں کہ "جو کچھ وہ کر سکتی تھی اس نے کیا"۔ آہ مریم کی خدمت تو بڑی گراں قدر تھی۔ اس کا جو مال سب سے قیمتی تھا وہ اس نے دیا۔ اگر ہماری ناچیز نذر ہماری سب سے عمدہ چیز نہ ہو تو یسوع نے جو کچھ مریم اور اسکے تحفہ کی نسبت کہا اُس سے ہمکو کچھ بھی تسلی نہیں مل سکتی۔ بیوہ کی دو دام اسکی سب سے عمدہ نذر تھی اور گو اسکی نذر بڑی کم قیمت تھی اس نے اپنی سب سے عمدہ چیز دی۔ غریب عورت صرف ٹھنڈے پانی کا پیالہ ہی دے سکی۔ لیکن اگر ہم اپنی کثرت میں سے صرف تھوڑا سا دے دیں تو جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ نہیں کرتے۔

جائے غور ہے کہ اس مقدس خدمت میں عطردانی بھی توڑی گئی۔ کسی بات سے دریغ کیا نہ گیا۔ شکستہ چیزوں کو بائبل میں ایک خاص منزلت حاصل ہے۔ جدعون کے ساتھیوں نے جب آپ کو دشمنوں پر ظاہر کیا تو اپنے گھڑے توڑ ڈالے۔ پولس اور اس کے رفیق جہاز کے شکستہ ٹکڑوں پر تیر کر سمندر سے پار ہوئے۔ شکستہ دل کو خدا قبول کرتا ہے۔ یسوع کا بدن شکستہ ہوا تاکہ دنیا کے لئے زندگی کی روٹی بنے۔ غم کی شکستہ چیزوں میں سے خدا خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ زمینی شکستہ امیدیں بسا اوقات بڑی بڑی آسمانی برکتوں کا آغاز ٹھہرتی ہیں۔ جب تک کہ کوئی چیز شکستہ نہ ہو اس کا حاصل ہمکو نہیں ملتا۔

ان برکتوں کی تحصیل کے لئے جو صرف غم و تکلیف ہی سے ملتی ہیں خود غم بھی کوئی بڑی قیمت نہیں۔ اگر خدا کی یہی مرضی ہو تو ہم شکستہ ہونے سے خوف نہ کھائیں۔ یوں ہی خدا ہمکو خدمت کے قابل بنائے گا۔ عطردانی کے توڑنے ہی سے عطر کی خوشبو مہکی۔

"اُس نے دفن کرنیکے لئے میرے بدن پر پہلے سے عطر ملا"۔ یہ لفظ "پہلے سے" مجھے بہت دلپسند ہے۔ یسوع کے گاڑے جانے پر نکودیمس بہت سا مُر اور لوبان اسکے بدن پر ملنے کو لایا۔ اور اس نے اچھا کیا۔ اس سے خداوند کی عزت مقصود تھی۔ نکودیمس کے ہم ہمیشہ مشکور رہیں گے کہ

جس خداوند سے ہم اتنی محبت کرتے ہیں اسکو لائق طور پر دفنانے میں اسکی شریلی محبت سے آخر کار ظاہر ہو کر ایسی مدد کی - لیکن مریم کی خدمت اس سے بھی بہتر تھی - وہ اپنا عطر پہلے سے لائی کہ بڑے غم کے وقت میں خداوند کو خوشی اور تسلی اور قوت ملے ہم جانتے ہیں کہ اس اظہار محبت سے خداوند کا دل شاد ہو گیا - آخری غمناک ہفتہ کے واقعات کے لئے اس کی روح نے قوت پائی "اس نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے"

دوستی کی خدمت میں ہمکو سبق سیکھنا چاہیے - اکثر لوگ اپنے عزیزوں کے بعد مرگ اپنی محبت کے عطر دان لاکر توڑتے ہیں - جس حال کہ ان کے محبت بھرے الفاظ خوشی جرأت اور امید کا موجب ٹھہریں وہ چپ رہتے ہیں اور جب انکا عزیز کفن میں بہر باب پڑا ہو اور اسکے کانوں میں انکی دلکش آواز جا نہ سکتی ہو تو اپنی محبت کا اظہار شروع کرتے ہیں -

اکثر لوگ زندگی بھر مشکلات آزمائشوں اور تکلیفوں کا سامنا بڑی بہادری سے کرتے اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر بوجھ اٹھاتے اور بے غرض خدمت میں اپنی زندگی صرف کر دیتے ہیں اور کوئی بھی ان کو ہمت نہیں دلاتا نہ ان سے اظہار دوستی کا کرتا ہے - لیکن ان کے مرنے پر مداحوں کا ایک بڑا گروہ ان کی عزت و تعظیم کرنے کو آ جمع ہوتا ہے ہر ایک شخص ذاتی مہربانیوں کو یاد رکھتا اور دوسروں کی مدد کا اعتراف شکر گذاری سے کرتا ہے - غمزدہ دوستوں کو محبت، شکرگذاری اور قدر دانی کے خطوط لکھے جاتے ہیں - کفن پر رکھنے کیلئے گلدستوں کے گلدستے بھیجے جاتے ہیں جو کئی سال تک سخت راہوں میں بکھرانے کے لئے کافی ہوتے - کئی نیک مرد اور خاتونیں جنہوں نے زندگی بھر محبت و ہمت کا لفظ تک نہیں سنا اگر اپنی موت سے چند گھنٹے بعد اٹھ کر دوستوں کی قدر دانی اور محبت و الفت کے الفاظ سنیں تو کیسے حیران ہوں - زندگی میں تو ان کو خیال تک نہ تھا کہ ہمارے دوست اور مداح اتنے ہیں اور انہوں کی مدد کا ہم وسیلہ ٹھہرے ہیں -

ایک خادم الدین کا ذکر ہے کہ مدت تک خدمت کرنے کے بعد اپنے وطن حقیقی کو رحلت کر گیا - اسکی موت کے بعد ہی اسکے احباب نے ایک جلسہ کیا اور اسکی دلکش زندگی کا ذکر خیر کیا - کئی واقعات سنائے گئے جن سے ظاہر تھا کہ اس کی محنت موجب برکت ٹھہری تھی - متعدد لوگوں نے یکے بعد دیگرے مرحوم سے اپنی محبت اور شکر گذاری کا اظہار کیا - خادم الدین کی بیوہ بھی اس جلسہ میں حاضر تھی اور اس مہربانی اور اظہار محبت کے لئے اس نے ان کا شکریہ ادا کیا لیکن ہچکیاں لے لے کے کہنے لگی کہ "اس کے جیتے جی آپ نے ان باتوں کا اظہار کیوں نہ کیا؟"

ہاں - کیوں نہیں؟ بے غرضی سے اس نے چالیس برس خدمت کی تھی اس نے تو اپنی جان سے بھی دریغ نہ کیا تھا - دن رات اسکو اپنی جماعت کا فکر رہتا تھا اور جب کبھی وہ خدا کے کسی فرزند کی مدد کر سکتا تو اپنے آرام کا کبھی خیال نہ کرتا تھا - جماعت اس سے محبت کرتی اور اسکی محنتوں کی قدر دانی کرتی تھی - لیکن اس عرصہ دراز میں کسی ایک نے بھی اسکو بتایا نہ تھا کہ جماعت آپ سے کیسی محبت رکھتی اور آپکی محنتوں کی قدر کرتی ہے اور آپ کی شکر گزار ہے - یہ تو وہ جانتا تھا

کہ خداوند میرے کام سے خوش ہے اور اس سے اسکو ہمت ملتی تھی۔ اسی تحسین کا وہ آرزومند تھا۔ لیکن اگر اس کی جماعت جس سے وہ محبت رکھتا جسکے لئے وہ جیتا اور جس کی مدد اس نے کئی صورتوں میں کی تھی کبھی اسکو بتاتی کہ ہم آپ سے کیسی محبت رکھتے ہیں تو وہ کیسی تسلی پاتا۔ اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ اسکی جفاکشی سہل ہو جاتی اور خدمت کی خوشی اور بھی بڑھ جاتی۔

ہمارے اکثر احباب نہ آشنا اور ہمسائے ہماری تسلی اور دوستی سے قوت و شادمانی پا سکتے ہیں۔ ہم اپنے تمام پھول کفن کے لئے ہی رکھ نہ چھوڑیں اور اپنی سنگ مرمر کی عطردانیوں کو اپنے عزیزوں کے مرتے دم تک سربمہر نہ رکھیں۔ ہم ایسے وقت میں مہربانی کریں کہ جب مہربانی اپنا نیک اثر کرے۔ اگر ہم کو اپنے عزیزوں کے کفن پاس کھڑے ہو کر یہ کہنا پڑے کہ "اگر میں کچھ مہربانی دکھاتا تو اسکی راہ کو کچھ منور کر سکتا" تو ہمارا غم اور بھی بھاری ہو جاتا ہے۔

جب یسوع نے فرمایا کہ تمام دنیا میں جہاں کہیں انجیل کی منادی ہوگی یہ بھی جو اس نے کیا اس کی یادگاری میں کہا جائے گا۔ تو اس نے مریم کی بڑی عزت کی۔ اسکی اپنی موت کی یادگاریوں میں مریم کی اس محبت کی خدمت کو جگہ حاصل ہے۔ مریم کے عطر سے جیسے سارا گھر مہک گیا آج کے دن مریم کی محبت کے ذکر سے ساری مسیحی دنیا بھری ہے۔ اس کی خدمت کے اثر اور خداوند کے اس کی قدردانی کرنے سے بے شمار خاندانوں کو برکت ملی اور لاکھوں زندگیاں شیریں اور صادق بن گئی ہیں۔

برطانیہ اور امریکہ

۱۸۸۲ء میں

(ترجمہ از ٹینی سن۔ منقول از مخزن)

اے تو کہ بھیجتی ہے اپنے جوان رعنا بحر و بر جہاں پر کرنے کو حکمرانی
تو مادر ترقی ہے۔ اک منزل ضعیفی کی کرناز دیکھ اپنے بیٹوں کی جانفشانی
چھینے جنھوں نے تجھ سے اپنے حقوق سارے

اس بات کا عجب کیا۔ اک جوش برمحل سے رو کے اگر انھوں نے مردانہ تیرے بازو
اور تیری ہی عقیدت میں۔ تجھ سے جنگ کر کے پھر وہ سبق پڑھایا۔ سکھلا چکی تھی جو تو
تھا ان میں خون انگلش۔ فرزند تھے تمہارے

لازم یہ ہے کہ خوش ہو۔ آنا وہ خوشدلی سے اور تنگے کو وہ پیکر ابس پاش پاش کر دے
گر بھیجے وقت طوفاں۔ بحر اژدرو کی لہریں ڈوبیں جو بے محابا۔ پانوں میں آ کے تیرے
گستاخ ہے سمندر۔ اسکے دھوئیں اڑا دوں

یہ بڑھنے والی دنیا۔ لاکھ اختیار کر لے انصاف و عدل و قانوں پر شک بھنیں ہے اصلا
ہے تیرا کام تیرا۔ اور وہ صدائے غیبی وہ صوت رعد جس نے ہمدن ہلا دیا تھا
گو بجھ گئی تا قیامت۔ ہے یاد ربع مسکون

رُوحانی زندگی کے اسرار

۵

"آسمانی مقام"

نکودیمس کے ساتھ رات کے وقت خداوند کی جو گفتگو ہوئی اس میں خداوند نے یوں ذکر کیا کہ گویا وہ آسمان میں ہے۔ اسکی جسمانی حضوری تو بیشک یروشلیم کے ایک مکان میں تھی لیکن روح میں وہ آسمان پر تھا۔ پولس رسول کی تعلیم کے مطابق ایمانداروں کا وطن اصل میں اس زمین کی نسبت وہ آسمانی مقام ہیں جن میں ان کا خداوند داخل ہو چکا ہے۔ یہ مقام آسمان تو نہیں بلکہ آسمان سے ہیں۔

وہاں ہر قسم کی آسمانی برکتیں موجود ہیں۔ مقدسین کی زندگی کیلئے جو جو برکتیں درکار ہیں [افسیوں ۱: ۳] ان کا بیان انسانی زبان کر نہیں سکتی۔ جو کچھ خدا ہم پر واقعہ ہونے دیتا ہے اس کی برداشت کرنا اور جو کچھ وہ ہمکو حکم دے اسکو بجا لانا۔ اپنی ذاتی لیاقتوں اور قابلیتوں سے ہم ایسے عاری ہیں کہ زندگی اور دینداری کے متعلق سب چیزوں کے محتاج ہیں جو کچھ مسیح ہم سے طلب کرتا ہے چاہئے کہ اسکی نذر کرنے سے پیشتر ہم اسکو اسی سے پائیں۔ اس لئے یہ امر دل کی تسکین کا موجب ہے کہ خدا نے تمام روحانی برکتیں ہمارے لئے مسیح میں رکھی ہیں۔ جیسے مختلف قسم کے پھول سورج کی دھوپ سے اپنا اپنا رنگ پاتے ہیں ہم میں سے ہر ایک کی ضرورت بھی مسیح سے پوری ہوتی ہے۔

رسول یہ نہیں کہتا کہ خدا برکت دیتا ہے یا دے گا لیکن یہ کہ اس نے بخش دی ہے۔ وہ ہمکو آغاز زمانہ تک لے جاتا ہے جب مسیح میں ہم مخلوق ہوئے۔ اور ہمکو یہ یقین دلاتا ہے کہ جس کسی برکت کی ہمکو اپنے سفر زندگی میں ضرورت پڑ سکتی ہے وہ ہمارے لئے مسیح میں رکھی گئی ہے۔ ہمکو ان کے لئے ایسے طور پر منت وسماجت کرنی نہیں پڑتی کہ گویا خدا ان کے دینے میں راضی نہیں بلکہ ایمان سے اور ادب وعزت سے انکا خریدار ہونا چاہئے۔ اے مسیحی یہ سب برکتیں جن سے تو الٰہی مزاج کا شریک ہو سکتا اور دنیا کی خواہشوں اور شہوتوں سے بچ سکتا ہے۔ تیری ہیں۔

لیکن چونکہ یہ روحانی برکتیں آسمانی مقاموں میں ہیں ہمکو بھی اسی بلندی پر رہنا چاہئے۔ یہاں اکثر مسیحی غلطی کرتے ہیں۔ وہ جانتے تو ہیں کہ یہ ساری زمین ہماری ہے لیکن اس پر اپنا قدم تک نہیں رکھتے۔ جب تک ہم وادیوں کی بھاری اور غلیظ ہوا سے مطمئن رہیں ہم

ابدی پہاڑیوں کے خزانوں کے وارث ہو نہیں سکتے ۔ چاہیئے کہ ہماری روزانہ زندگی زندہ مسیح کی رفاقت میں بسر ہو ۔ نہ صرف ہمارے دل میں اسکا خیال ہی آئے بلکہ ہمارا دل ہمیشہ اسی پر نگار ہے ۔ پیشتر ازیں کہ ہم ان برکتوں کا دعویٰ یا قبضہ کریں جو خدا نے اپنے محبت کرنے والوں کے لئے تیار کی ہیں چاہئے کہ آسمانی مقاموں میں بیٹھنے کا ہم تجربہ پائیں ۔

(افسیوں ۱: ۲۰) مسیح وہاں بیٹھا ہے تعجب انگیز بات یہ نہیں کہ مقدس تثلیث کا دوسرا اقنوم سب سے اعلیٰ جگہ پر تمام حکومت اور اختیار اور ریاست ہاں ہر ایک نام سے جسکو نام دیا گیا ہے برتر اور افضل بیٹھا ہو لیکن تعجب تو اس بات میں ہے کہ وہاں وہ انسان کی صورت میں ہماری شبیہ پہن کر اور ہماری نسل کا شریک ہو کر بیٹھے ۔ خدا اور انسانوں کے بیچ میں درمیانی بھی ایک ہی ہے یعنی یسوع مسیح جو انسان ہے (۱ تیمتھیس ۲ : ۵) حزقی ایل کی رویا لفظ بہ لفظ ٹھیک ہے کہ تخت پر جسکی نمود نیلم کے پتھر کی سی تھی کسی انسان کی سی شبیہ نظر آئی ۔

اس لئے ہمکو فکرمند ہونا نہیں چاہیئے کہ آسمانی مقام کیا ہیں اور کہاں ہیں ۔ اتنا علم ہی کافی ہے کہ جہاں یسوع ہے وہ بھی وہیں ہیں ۔ اور جس قدر ہم یسوع کی شراکت میں رہیں اتنا ہی زیادہ ہم ان میں رہ سکتے ہیں ۔ اس میں قایم رہو تو یہ لازم ملزوم ہے کہ اس دنیا میں تم خواہ کہیں اور کس حالت میں ہو ان آسمانی مقاموں کے رہنے والے بھی ہو ۔ ملاقات کی یہ وہ مقدس جگہ ہے جہاں دنیا کے مقدسین کامل شدہ راست بازوں کی روحوں سے ملنے کو آتے ہیں زمین بعولا کا بیان لکھتے وقت بنین نے انہیں کی نسبت لکھا کہ یہاں سے ان کو وہ شہر نظر آتا تھا جدھر کو وہ جاتے تھے ۔ اور یہاں اس شہر کے باشندے بھی اُن کو ملے کیونکہ اس زمین میں نوری اکثر آتے جاتے تھے اسلئے کہ یہ آسمان کی سرحد پر تھا " صرف ان کو ہمیشہ دریا سے عبور پہلے متصور کرنا نہیں چاہیئے ۔

خدا کے ارادہ کے مطابق ہم بھی وہاں بیٹھے ہیں ۔ جو کچھ ملک کنعان یہودیوں کے نزدیک

(افسیوں ۲: ۶) تھا وہی یہ آسمانی مقام ہمارے نزدیک ہیں ۔ جب دریائے یردن کی تہ میں سے بارہ پتھر اٹھائے جا کر اس طرف رکھے گئے تو اسکا مفہوم یہ تھا کہ سارے بنی اسرائیل نے اپنی میراث پر قبضہ کر لیا ہے ۔ حالانکہ فی الواقعی اڑھائی فرقوں نے دوسری طرف مقیم ہونے کا فیصلہ کیا اور اُن کی بیویاں اور بچے غالباً کبھی یردن پار نہ ہوں گے ۔ ایسے ہی جب یسوع تخت پر بیٹھا تو ہم بھی اسکے ساتھ بیٹھے ۔

کیا وہ مُردوں میں سے جلایا گیا ؟ ہم بھی جلائے گئے ۔ کیا وہ بھی باپ کے دہنے ہاتھ بٹھایا گیا ؟ ہماری جگہ بھی وہی ہے ۔ کیا ہر ایک دشمن اُسکے پاؤں کی چوکی بنایا گیا ؟ تو جب تک ہم اپنی اُٹھے خداوند کی شراکت میں قایم رہیں ان میں سے کوئی ہم پر غالب آ نہیں سکتا ۔ اگر روحانی زندگی میں ہم مسیح کے شریک ہوں تو فتح میں بھی ضرور اسکے شریک ہونگے ۔ اور وہ روح القدس کی قوت سے معمور ہو کر ان آسمانی مقاموں میں چلنا ۔

مقدسین کا بڑا بھاری اجتماع وہاں ہے۔ ان کی نسبت ہمکو بہت کچھ معلوم نہیں۔ یہ الفاظ
افسیوں ۳: ۱۰ بڑے مبہم ہیں کہ "حکومتوں اور اختیاروں کو جو آسمانی مقاموں میں ہیں"۔ لیکن
ایک دن ہم اُن سے بخوبی واقف ہوں گے اور ان پر خدا کی طرح طرح کی حکمت اور اُس کا
ازلی ارادہ ظاہر کرینگے۔ اس زمین میں جہاں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا ہماری بحال شدہ
توتیں اسی خدمت میں لگی رہیں گی۔ آسمان میں راحت و آرام کے کوئی بستر نہیں لگے۔ اس
کے خادم اسکا چہرہ دیکھنے اور اسکی خدمت کرتے ہیں اور ان کا مدعا و مقصد یہی ہے کہ خدا کی
ذات اور صفات کا گہرا علم اور دوں تک پہنچائیں۔

شرارت کی روحانی فوجیں بھی وہاں ہیں۔ اس دنیا میں تو ہم آزمایش سے کبھی بچ نہیں سکتے جیسے
افسیوں ۶: ۱۲ ہم مقدس بنتے جائیں تاریکی کے حاکموں کے حملے اور بھی سخت ہو جاتے ہیں گو وہ اپنے
سیاہ ہتھیاروں پر سفید غلاف چڑھالیں۔ خیال اور شراکت میں ہم اپنے سلطان کے جیسے نزدیک
ہوتے جائیں اتنی ہی اور آزمایش ہم پر آئے گی۔ جب آسمان ہم پر کھل جائے تو آزمائے جانے
کے لئے ہم بیابان کو بھیجے جاتے ہیں۔ جیسا جنگ آسمانی مقاموں میں ہوتا ہے ویسا کہیں اور
نہیں ہوتا کیونکہ یہاں ہمیں خون اور گوشت سے نہیں بلکہ اس دنیا کی تاریکی کے حاکموں سے
کشتی کرنی ہے۔

لیکن اسکے نتیجہ کی نسبت کسی قسم کا شک ہو نہیں سکتا۔ خدا کے ارادہ اور ہمارے مبارک
خداوند کے صعود میں وہ ہمارے پاؤں کے نیچے کئے گئے اور ہم سے مغلوب ہو چکے ہیں اور
خداوند منتظر ہے کہ اپنے کمزور سے کمزور مقدسین سے اپنا ارادہ پورا کرائے "یہ سب کچھ انجام
دے کر قایم رہو"۔ خدا تمہاری طرف سے لڑے گا اور تم چپ چاپ کھڑے رہوگے۔

بیّے کا گیت

کپلنگ کی ایک نظم کا بامحاورہ ترجمہ۔ منقول از رسالہ "جنگل میں منگل"

گو یا بھی ہوں اور درزی بھی ہوں میں
یگانہ ہوں سینے میں گانے میں یکتا۔
مجھے ناز ہے اپنے میٹھے سُروں پر
مجھے فخر ہے اپنی بخیہ گری کا۔
ہوا گونجتی ہے مرے چہچہوں سے
چمن میں ہے میرے ترانوں کا چرچا۔
بسایا جو بچ سے میں نے اپنا نشیمن
نہ اُدھڑے گا اِس میرے بخیئے کا ٹانکا۔
سنا کوئی میٹھی سی بچوں کو لوری
دل اپنے دُلاروں کا بی بی تو بہلا۔
ہیں جن کا ڈر تھا وہ سب مر چکے ہیں
نہیں اب کسی کا رہا ہمکو کھٹکا۔
وہ افعی کہ پھنکار جن کی غضب تھی
بنے ہیں نہنگ اجل کا نوالا۔
بچی جان جس کی بدولت ہماری
ہمیں جس نے قید بلا سے چھڑایا۔
ہیں شعلے کی مانند سرخ اسکی آنکھیں
ہیں دانت اسکے ہم رنگ عاج مصفا۔
پرندے ہیں ممنون احسان اس کے
ادا ان سے شکر اس کا پورا نہ ہوگا۔
بنا ئیں چہ جورد م کو سرو کریں ختم
بیاں بلبلیں پھر کریں وصف اُسکا۔

موت کی نیند

مرقومہ ڈاکٹر آئی۔یو۔ناصر۔

بائبل نے دُنیا میں الفاظ کا ایک عجیب سلسلہ قایم کر دیا ہے۔ہمارے معمولی الفاظ کو لیکر کیسے پاکیزہ معانی اور مطالب اُن سے نکالے ہیں۔جس مذہب میں موت انسان کی زندگی کا خاتمہ نہیں کرتی بلکہ حیات کا دروازہ ہی ہے اُس میں ضرور تھا کہ ایسے محاورات ہوں جو سادہ طور پر انسان کی زندگی کی اِس منزل کو واضح کریں۔کتابِ مقدس کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ توریت اور زبور اور صحائفِ انبیا کا مقصد مکاشفہ بتدریج تھا۔لیکن انجیل میں مکاشفہ کا کمال مندرج ہے۔اِسی وجہ سے ان ہر دو عہد ناموں میں یکساں الفاظ کے معنوں میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو قدرتی طور پر ابتدائی اور پختہ خیالات میں ہونا چاہیئے۔"سو گیا" مرگیا کے معنوں میں کتاب مقدس کی ابتدا سے انتہا تک پایا جاتا ہے مگر جو زور ح مسیح کے جی اُٹھنے کے بعد اِس لفظ میں پھونکی گئی وہ عہد عتیق کے بزرگوں کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگی۔سلاطین کی کتب میں شاہانِ یہوداہ کی وفات کے لئے "باپ دادوں کے ساتھ" سوجانا ایک محاورہ ہے۔ جو غالباً بلحاظ ایک قدرتی تشبیہ کے استعمال کیا گیا ہے۔چنانچہ خفتہ انسان آنکھیں بند کرکے دنیا اور مافیہا سے بے خبر اپنے دست و پا کو پھیلا کر خاموش پڑا رہتا ہے۔بظاہر مردہ آدمی کی بھی یہی صورت ہوتی ہے۔

دنیا کے نظاروں کو رنگین الفاظ سے منقش کرنے والے اِسی شباہت کو اپنی اپنی طرز پر خوبصورتی کے ساتھ ادا کر گئے ہیں۔چنانچہ ایک شاعر کا قول ہے کہ

گذرے کن بسوئے گورستاں   تا عزیزانِ خویش را نگری۔
سرو قداں بخفتہ اند درو   زعفراں گشتہ چہرۂ قمری۔

اور اِسی وجہ سے قبرستان کو شہر خموشاں کہتے ہیں۔اِسی مشابہت کے خیال سے شکسپیر نیند کو "ہر روزہ زندگی کی موت" سے نامزد کرتا ہے۔اور دوسرے مقام پر رات کے سناٹے میں میکبتھ کا یہ کہنا کہ "نصف عالم پر بنیچر مردہ پڑی ہے" سوچنے والے کے خیالات کو کہاں اُڑا لے جاتا ہے۔خیر اِس منزل سے گذر کر ہم ایوب کی کتاب اور بعض مزامیر میں اس محاورہ کو کسی قدر وسیع معنوں میں مروج دیکھتے ہیں۔چنانچہ ان مقامات میں نیند سے بیدار ہونے کا خیال بھی پایا جاتا ہے۔لیکن سب سے بڑھ کر دانیل نبی اپنی بلند پروازی میں اس وقت کو صاف صاف دیکھ رہا ہے جب "بہتیرے جو زمین کی خاک میں سو رہے ہیں جاگ اُٹھیں گے۔بعض حیات ابدی کے لئے اور بعض رسوائی اور ذلت کے لئے۔(دانیل ۱۲:۲)

اگر آسمانی فضا کے ان منور ستاروں سے بڑھ کر ہمارے پاس کوئی نور نہ ہوتا تو "موت کی نیند" ایک خاص درجہ تک سربمہر محاورہ ہی رہتی۔لیکن جس نور نے حیات و بقا کو روشن کر دیا ہے اسی

نے موت و قبر کی تاریکی پر ایسی کرنیں ڈالی ہیں کہ اب ایماندار اسی اطمینان قلبی کے ساتھ رخصت ہوتا ہے جس سے ہر شب کو نرم تکیہ پر سر رکھے ہوئے چین سے سو جایا کرتا ہے۔ "لیکن عام بول چال میں بھی ایک قاعدہ ہے کہ جن اشخاص یا اشیا کے ساتھ ہمارا ہر روز سابقہ پڑتا ہے یا جو حالتیں ہماری زندگی کی روزانہ تجربہ اور مشاہدہ ہو چکی ہیں ہم انکے نام بلا تکلف اور بے خوف اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ کیا کوئی نیند کے نام سے خائف ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح مسیحی محاورہ میں موت کو ایک ایسے فعل کے ساتھ پیوند اور مشابہ کرنا جو زندگی کی ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے گویا موت کے ڈنگ کو توڑ ڈالتا ہے۔ اسوقت ہم چند خیالات پیش کرینگے جن سے واضح ہوگا کہ موت مسیحی کے لئے کیونکر فی الحقیقت نیند سے بڑھ کر نہیں۔

اوّلاً۔ نیند میں کاروبار سے فارغ ہونے کا خیال پایا جاتا ہے۔ ہر ایک انسان کیلئے کوئی خاص کام مقرر ہے جس کی تکمیل کی مقررہ میعاد منقضی ہوئے پر وہ انسان گذر جاتا ہے۔ بد آدمی بلا ارادہ خدا کی مشیّت کو پورا کر کے اپنی دوڑ کو ختم کرتا ہے۔ لیکن مسیحی خوشی کے ساتھ اپنے فرایض ادا کر کے خدا کی بزرگی اپنی زندگی سے ظاہر کرتا ہے۔ اور آخر بزرگ شمعون کی طرح خدا کی طرف سے رخصت کا منتظر رہتا ہے (لوقا ۲: ۲۹)۔ اور آخری مرتبہ آنکھیں بند کرنے سے پیشتر ہی اس شیریں اور نرم آواز کو اپنے دلی کانوں سے سنتا ہے کہ "شاباش اے اچھے اور دیانتدار نوکر" (متی ۲۵: ۲۱)۔ لیکن ہم ان غنچوں کی نسبت کیا سمجھیں جو "بن کھلے مرجھا گئے"؟ انہوں نے کونسی بہار جانفزا دکھلائی؟ انہوں نے اپنی چند روزہ زندگی میں کس مقصد کو انجام دیا ہوگا کہ وہ گویا بے رحم ہاتھوں سے اپنی ڈالی سے توڑ لئے گئے۔ شاید دنیا کے غم و رنج کے سایہ سے محفوظ رہ کر وہ خدا کے باغ میں شگفتہ ہونے کے لئے ہماری چھوٹی کیاریوں سے لے لئے گئے ہیں۔ یقیناً ہم انہیں ایک نہ ایک روز لہلہاتے اور تازہ دیکھیں گے۔ اگر کوئی ہم سے سوال کرے کہ وہ کس دوڑ کو ختم کر کے سو گئے تو ہم سوائے اسکے کیا کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نگاہ دُور تک کام نہیں دیتی۔ خدا سب کچھ بہتر کرتا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ آسمان کی بادشاہی میں ایسوں کی خاص جگہ ہے۔

ثانیاً۔ جو شخص سوتا ہے وہ آرام میں ہوتا ہے۔ اِس آرام کے خیال کو ہم نیند سے جُدا نہیں کر سکتے۔ قدرتی طور پر انسان کاروبار سے فارغ ہو کر آرام کرتا ہے۔ اور جو محنت نہیں کرتا آرام اسکا حق بھی نہیں۔ بیماری کے لئے نیند دماغ کی تازگی کا نشان اور صحت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اور یہ قول زبان زد عام ہے کہ اگر سو گیا تو بچ جائے گا (یوحنا ۱۱: ۱۲)۔ ایوب ہر قسم کی مصیبت سے محصور ہو کر بار بار اس آرام کے لئے آہیں بھرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین کی کتاب کا مصنف بھی اِس آرام کے خیال کو مدنظر رکھکر اس محاورہ کا استعمال کرتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جن شاہان یہوداہ کا انجام کسی غیر طبعی بھاری صدمہ سے ہوا انکا گذر جانا بے آرامی کی حالت سمجھا گیا۔ مثلاً یوآس اور امصیاہ اور عمون اور یوسیاہ کے لئے یہ

دیا گیا کہ وہ سو گئے۔ اس حالت کو ابرہام کی گود کے محاورہ سے ادا کرنا بھی آرام کی حالت ظاہر کرتا ہے (لوقا ۱۶: ۲۳)۔ یوحنا رسول ایسے مُردوں کو مبارک کہتا ہے جو خداوند میں مرتے ہیں۔ وہ اپنی محنتوں سے آرام پاتے ہیں (مکاشفہ ۱۴: ۱۳)۔ سوائے مسیحی کے اس آرام کی شیرینی کو کون سمجھ سکتا ہے۔ وہ ہر وقت آرزو رکھتا ہے کہ "کاش کہ کبوتر کے سے میرے پنکھ ہوتے۔ تو میں اڑ جاتا اور آرام پاتا" (زبور ۵۵: ۶)

ثالثاً۔ اگر دل میں قرار و اطمینان نہ ہو تو نیند آنکھوں سے دور بھاگتی ہے۔ جس وقت دانی ایل نبی رات کے وقت شیروں کی ماند میں پڑا تھا۔ اسکے دشمن شاید عیش و طرب میں شب بسر کر رہے ہوں گے لیکن وہ کمزور طبع دارا جس نے طوعاً و کرہاً حکمنامہ پر دستخط کرکے اس مرد خدا کو غار میں ڈلوایا تھا اپنے کئے کی پشیمانی اور دانی ایل کی خطرناک حالت کا خیال کرکے دم بھر کے لئے نہیں سو سکتا۔ دنیوی تواریخ میں اسکی عمدہ نظیر شکسپیر کے ایک مشہور و معروف ناٹک میں پائی جاتی ہے۔ شاہ ہنری چہارم رات کے وقت اپنے محل میں بیٹھے بیٹھے سوچتا ہے کہ کیوں نیند میری پلکوں کے ملنے اور میرے حواس کو فراموشی کے دریا میں غوطہ نہیں لگانے دیتی۔ بعد ازاں وہ کیسے سوز سے اپنی حالت کا مقابلہ جہاز کے ایک خلاصی چھوکرے سے کرتا ہے جسکو سمندر کے طوفان اور تلاطم کے شور میں مستول کی چوٹی پر خواب نصیب ہوتا ہے۔ اور آخر وہ مشہور الفاظ اسکی زبان سے نکلتے ہیں جو انگریزی علم ادب میں زبان زد ہو گئے ہیں کہ "تاجدار سر بے آرام پڑا رہتا ہے"۔ ظاہر ہے کہ جس کے سر پر بوجھ ہوگا اسکو نیند کا کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ جس انسان کے سر پر سے بار عصیاں اُتار لیا گیا ہو اسکی نیند ضرور میٹھی ہوگی۔ مسیحی کی موت کیلئے "سو گیا" کیسا موزون اور زیبا معلوم ہوتا ہے۔

رابعاً۔ جب کوئی شخص سوتا ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ضرور بیدار ہوگا۔ ذرا غور کرنے سے اسکی مناسبت بھی مسیحی کی موت کے ساتھ واضح ہوگی۔ جب کوئی آدمی صبح کے وقت پھانسی کا منتظر ہے اسکی خواب اور بیداری کا حال اسی سے پوچھنا چاہئے۔ اور جو شخص ابدی موت کی دہلیز پر ہو اسکی دلی حالت کو کون قیاس میں لا سکتا ہے۔ اسکو بیدار ہونے کی کونسی توقع ہو سکتی ہے۔ ذرا دوسرے پہلو پر غور کرنا چاہئے کہ داؤد خدا کی صورت پر ہو کر جاگنے کا منتظر تھا (زبور ۱۷: ۱۵) جب دنیا یاس کی حالت میں ڈوبی ہوئی تھی ضرور تھا کہ وہ جس نے لعزر کو جگایا خود بھی خفتگان میں سے بیدار ہو۔ اور مایوس دنیا کو بیدار ہونے کا مژدہ دے۔ مسیحی کی حیات مسیح کے ساتھ وابستہ اور پیوستہ ہے۔ چونکہ اس کا خداوند جو اُسکا سر ہے موت اور قبر پر غالب ہوا اس لئے وہ بھی ضرور غالب ہوگا۔ اور اگرچہ ہنوز ظاہر نہیں ہوا کہ وہ کیا کچھ ہوگا لیکن اسکو یقین ہے کہ جب مسیح ظاہر ہوگا تو میں اسکی مانند ہوں گا (۱ یوحنا ۳: ۲)

اِس موقعہ پر قدیم کلیسیا کے "زرین دہن" بزرگ کرسستم کی ایک وعظ میں سے چند فقرات درج کرنے کے قابل ہیں۔ ۱ تسلنیکیوں ۴: ۱۳ پر درس دیتے ہوئے اُس نے فرمایا کہ جب پولس

نے مسیح کی موت کا ذکر کیا تو اسکو لفظ "مرگیا" سے ادا کیا مگر ایمانداروں کے حق میں بار بار "سوگیا" کا محاورہ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً وہ نہیں کہتا کہ جو مر گئے ہیں بلکہ "جو سوتے ہیں"۔ پھر "خدا اُنکو بھی جو سو گئے ہیں ... اسی کے ساتھ لے آئے گا"۔ پھر تیسری مرتبہ "ہم جو زندہ ہیں ... سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے"۔ مگر جب مسیح کی موت کا ذکر کرتا تو فرماتا ہے کہ "ہمیں یہ یقین ہے کہ یسوع مرگیا اور جی اُٹھا"۔ مسیح اور اسکے ایمانداروں کی موت کے محاورات میں اس قدر فرق اتفاقیہ نہیں ہو سکتا۔ بات اصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسیح کی نسبت "مرگیا" کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ وہ فی الحقیقت مر گیا اور جی بھی اُٹھا۔ مگر جہاں اب تک جی اُٹھنا باقی ہے وہ امید دلانے کے لئے "سوگیا" کہتا ہے۔ کیونکہ جو سوتا ہے وہ بیدار ہونے کی امید رکھتا ہے اور موت بھی ایک قسم کی نیند ہی ہے۔

خامساً۔ نیند ایک خاص تیاری کا وقت ہے۔ علم فزیالوجی کے رو سے نیند زندگی کی وہ حالت ہے جس میں جسم کے اجزا دوران خون کے ذریعہ اپنے زہریلے مادہ سے سبکدوش ہو کر تازگی بخش آکسیجن جمع کرتے ہیں اور اس طور پر آیندہ محنت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مسیحی جو ابدالآباد زمانوں میں اپنے خداوند کے ساتھ بادشاہی کرنے کے منتظر ہیں (مکاشفہ ۲۰: ۴) بعد از مرگ اور روز قیامت ایسی حالت میں رہیں جہاں ان کے قوا گویا آیندہ زمانوں کے لئے تیار کئے جائیں۔ اور ان کی کمزوریوں سے ان کو مبرا کیا جائے اور اپنے خداوند کے ساتھ تخت پر بیٹھنے کے لائق بنایا جائے (مکاشفہ ۳: ۲۱)۔ یہ بحث ہمارے مضمون سے خارج ہے کہ وہ کون مخلوقات ہوں گے جن پر مسیح کے پیرو سلطنت کرینگے۔

اس آخری خیال میں ایک غلط فہمی کا احتمال ہے۔ ممکن ہے کہ بعض ناظرین اس تیاری کی حالت کو نیند کی طرح ایک قسم کی غنودگی سمجھ بیٹھیں۔ ہرگز نہیں۔ روح کبھی نہیں سوتی۔ نیند کے وقت جسم کا تعلق بیرونی عالم کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔ لیکن روح آزاد رہتی ہے اور ایک مختلف صورت میں اپنا کام کئے جاتی ہے۔ چنانچہ جب ہم خواب دیکھتے ہیں تو ہماری روح ثابت کرتی ہے کہ یہ جسمانی آرام کی پابند نہیں۔ تو کیا یہی روح جب جسم کے کثیف لباس سے سبکدوش ہو چکی تو خفتہ حالت میں رہے گی۔ بلکہ جب اسکے اردگرد سے وہ قلعہ مسمار کیا جائے جس میں حواس خمسہ مثل پانچ دریچوں کے لگائے گئے ہیں تو کیا اسکا منظر وسیع نہیں ہو جائیگا۔ غرض اس حالت میں روح آیندہ زمانوں کے لئے آکسیجن جمع تو کرے گی مگر بذریعہ بیکاری کے نہیں۔ جب مسیح کسی مرتے ہوئے ایماندار کے کان میں فرماتا ہے کہ "تو آج میرے ساتھ فردوس میں ہوگا" تو اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تو موت کے بعد بیہوشی کی حالت میں رہے گا۔ بلکہ ہر ایک ایماندار چھٹکارا پاکر مسیح کے ساتھ رہے گا۔ (فلپیوں ۱: ۲۳) وہ یقیناً "مسیح میں سوتے ہیں" مگر اُن کی روح خدا کے تخت کے آگے اسکی ہیکل میں ثنا خوانی میں مشغول رہتی ہے۔

کلام مقدس کے مطالعہ کے طریقے

پادری دھنا واہل صاحب نے یہ مضمون لاہور ڈونٹی کالج ری یونین کی تقریب پر پڑھا۔

اوّل - سب سے اوّل اور افضل طریقہ ہمارا ایمان ہے۔ یعنی خدا کے کلام پر پختہ ایمان رکھنا اور ایمان ہی سے مطالعہ کرنا۔ یسعیا ۵۵: ۱۱ "میرا کلام جو میرے منہ سے نکلتا ہے" اس مبارک کلام کا چشمہ خود خدا ہمارا آسمانی باپ ہے۔ انسان جو محدود اور ناقص عقل ہے اس میں نہ تو یہ قدرت ہے کہ اس چشمہ تک پرواز کر سکے اور نہ ہی وہ اس کے گہرے بھید اور عجیب قدرتوں کو معلوم کر سکتا ہے بلکہ یہ تو ہمارے اس حقیقی خالق اور مالک کی رحمت اور محبت ہے کہ اس نے اپنے پوشیدہ راز اور نیک ارادے اور مرضی کو اپنے ہی مبارک منہ اور دیگر وسائل سے ہم پر ظاہر کیا ہے۔

خدا کا کلام روح القدس کی ہدایت سے ظاہر کیا گیا اور لکھا گیا اور خدا کے بندے
۲ پطرس ۱: ۲۱ روح القدس کی تحریک سے بولتے تھے (عبرانی ۱: ۱ و ۲) خدا نے اگلے زمانے
۱ پطرس ۱: ۱۰، ۱۱ میں نبیوں کی معرفت باپ دادوں سے اور اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے
عبرانی ۳: ۷ کی معرفت کلام کیا۔ اور اس بیٹے نے جو ہمارا خداوند ہے بار بار فرمایا کہ میری
(یوحنا ۷: ۱۶ و ۱۷) تعلیم میری نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے کی ہے اور وہ یہ بھی شہادت
(یوحنا ۱۷: ۱۷) دیتا ہے کہ "تیرا کلام حق ہے" (لوقا ۲۴: ۲۵ و ۲۷) اس نے توریت اور زبور اور نبیوں کے صحیفوں پر گواہی دی اور ان کے اندرونی اور باطنی راز اپنے شاگردوں اور رسولوں پر کھول دیئے۔ (۱ تھسلنیکیوں ۲: ۱۳) رسول پولوس فرماتا ہے کہ جب خدا کا پیغام ہماری معرفت تمہارے پاس پہنچا تو تم نے اسے نہ آدمیوں کا بلکہ خدا کا کلام سمجھ کر قبول کیا اور وہ تم میں جو ایمان لائے ہو تاثیر بھی کر رہا ہے۔ (۲ تمطاؤس ۳: ۱۵ و ۱۶) خدا کا کلام الہامی ہے۔

عبرانی ۴: ۱۲ میں اس خط کا مصنف فرماتا ہے کہ خدا کا کلام زندہ اور موثر ہے اور ہر ایک دودھاری تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جان اور روح اور بند بند اور گودے گودے کو جدا کر کے گذر جاتا ہے اور دل کے خیالوں اور ارادوں کو جانچتا ہے۔ خدا کے کلام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کلام کی تاثیریں دو قسم کی ہیں۔ ایمانداروں میں تو اسکی آسمانی تاثیر ہوتی ہے اور ایمان نہ رکھنے والوں کے دل زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اور میں اپنے تجربہ سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ جو اس کلام کے مطالعہ کرنے میں غفلت اور سستی کرتے ہیں ان کے دل زیادہ سست اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔

دوسرا - اے میرے عزیز بھائیو خدا ہمکو زیادہ فضل بخشے کہ ہم پختہ ایمان کے ساتھ خدا کے اِس

کلام کا ہر روز مطالعہ کیا کریں اور مزمور نویس کے ہم آواز ہو کر یہ کہا کریں ۔ زبور ۱۱۹ : ۱۶۰ تیرا کلام ابتدا ہی سے سچا ہے"۔ آیت ۴۲ "مجھے تیرے قول پر بھروسہ ہے"۔ "تیری باتیں اور وعدے حق اور راست ہیں ۔ آیت ۹۳ ۔ میں تیرے فرایض کو کبھی فراموش نہ کرونگا تو نے ان کے وسیلے سے مجھے حیات بخشی ہے ۔ آیت ۱۱۱ ۔ میں نے تیری شہادتوں کو ابدی میراث جان کے اپنا کر لیا کیونکہ وہ میرے دل کی خوشی کے باعث ہیں ۔ آیت ۱۱۲ ۔ میں نے اپنے دل کو اس طرف مایل کیا کہ تیرے قواعد پر ہمیشہ تک عمل کروں ۔ آیت ۱۰۳ ۔ تیری باتیں میرے تالو کو کیا ہی میٹھی لگتی ہیں بلکہ شہد سے بھی زیادہ جو میرے منہ میں ہو ۔ آیت ۱۰۴ ۔ تیرے فرایض کے وسیلے سے میں نے فہیمد پائی اس لئے ہر ایک جھوٹی راہ سے عداوت رکھتا ہوں ۔

دوئم ۔ دعا ۔ جب کہ یہ کلام خدا کا کلام ٹھہرا ۔ جس پر ہمکو ایمان رکھنا اور ایمان ہی سے مطالعہ کرنا لازم اور واجب ہے ۔ کیونکہ ہم صرف ایمان کی آنکھ سے خدا کو دیکھ سکتے اور اس کی آواز کو سن سکتے ہیں اور چونکہ ہم اس کے بچے ہیں اسواسطے چاہیئے کہ نہایت ادب اور سنجیدگی اور تعظیم کے ساتھ اسکے حضور جائیں اور اسکا پر راز کلام کھول کر مقدسوں کے نمونہ پر ہم بھی اس سے ہمکلام ہو کر دعا اور منت کریں ۔

مزمور ۱۱۹ : ۱۸ ۔ اے خدا ۔ "میری آنکھیں کھول تاکہ میں تیری شریعت کے عجیب مضمون کو دیکھوں" یعنی اے میرے مالک خداوند میری آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دے تاکہ میں تیرے مبارک کلام کے عجایب خانہ کے اندر کی یا باطنی اصلی اور حقیقی برکتوں کو دیکھوں ۔ آیت ۷۳ "مجھے فہم عطا کر تاکہ میں تیرے احکام سیکھوں"۔ ۲ قرنت ۳ : ۱۴ و ۱۵ ۔ ہزار ہا یہودیوں کے دلوں پر اب تک وہ پردہ پڑا رہتا ہے ۔ اور ہمارے خداوند کے (لوقا ۲۴ : ۲۵ و ۲۷ و ۴۵) شاگرد اور رسول بھی توریت اور زبور اور نبیوں کے صحایف کے بھید سمجھنے میں برسوں تک سخت دل سست اعتقاد اور کند ذہن اور کم سمجھ رہے ۔ اور ہمارے خداوند نے ان کو بڑی ملامت بھی کی اور اپنی عجیب محبت کے سبب سے ان کے ذہنوں کو کھولا کہ وہ کتابوں کا بھید سمجھیں ۔ ہم بھی اپنے خداوند سے یہ عرض کیا کریں کہ اے خداوند میرا ذہن کھول ۔ اے نجات دہندہ تو مجھے وہ سمجھ بھی دے کہ جس سے میں تیری مبارک تعلیم اور تیری مقدس انجیل کی گہرائی تک پہنچ سکوں ۔

مکاشفہ باب ۵ ۔ جب محبت کے رسول نے دیکھا کہ کوئی اس کتاب کی مہریں توڑ سکتا اور نہ اسکے بھید کھول سکتا ہے ۔ تو وہ زار زار رونے لگا ۔ اور اسکے آنسوؤں کی دعا آسمان تک پہنچی اور اس نے یہ آواز سنی کہ خدا کا برہ اس لایق ہے جو مہروں کو توڑ سکتا اور بھید کھول سکتا ہے ۔ اور جب کلام خدا کی مہریں توڑی جاتی ہیں اور جب اسکے بھید کھل جاتے ہیں تو دینداروں کو بڑی تسلی ہوتی اور آسمان پر خوشی اور شکر گذاری کے گیت گائے جاتے ہیں ۔ کلام کے مطالعہ کے وقت دعا ہی سے ہمارا اصلی استاد ہمارے نزدیک اور ہمارے ساتھ ہو کر کلام کی حقیقی روشنی عنایت کرتا ہے ۔ جیسے کہ حبشی خوجہ کے پاس کلام کے مطالعہ کرتے وقت مقدس فیلبوس

پہنچ گیا اور اس کلام کا مطلب اس پر کھول دیا۔

پھر ہمارے خداوند نے اور ایک مددگار کا ذکر کیا تھا۔ یوحنا ۱۶: ۱۳۔ حق کی روح تمکو تمام حق کی راہ دکھ ئے گی۔ یوحنا ۱۴: ۲۶۔ روح القدس تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔ یہ مقدس روح جو ہمیشہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے چاہئے کہ ہم اسکو اپنے اندر محسوس کر کے کہا کریں اے خداوند تو میری ہدایت کر تو ہی خدا اکے دل کی باتیں یا اسکے کلام کے حقیقی مطالب اور بھیدوں سے بخوبی واقف ہے۔ تو جو نبیوں کی زبانی بولا۔ میری بھی مدد کر۔

سوم۔ محبت۔ مبارک ہے وہ فرزند جو اپنے پیارے باپ کی حضوری کو پسند کرتا اور دل لگا کر اس کی باتیں سنتا اور سمجھتا ہے اور دل سے اسکے کلام سے محبت رکھتا ہے اور مزمور نویس کی مانند اقرار کرتا ہے۔ مزمور ۱۱۹: ۹۷۔ آہ میں تیری شریعت سے کیسی محبت رکھتا ہوں میرا مراج سارے دن اسی میں ہے آیت ۱۱۳۔ بے ثبات خیالوں سے میں بیزار ہوں پر تیری شریعت سے میں محبت رکھتا ہوں۔ آیت ۱۴۰۔ تیرا کلام نہایت پاکیزہ ہے اس لئے تیرا بندہ اسی سے محبت رکھتا ہے۔ پس کسی کے دل میں ایسی محبت ہوگی وہ ہرگز کوشش نہ کریگا کہ بعض قصے اور کہانیوں اور ناولوں کو خدا کے کلام کی نسبت اول درجے پر سمجھے اور ان کے پڑھنے میں اپنا دل لگائے اور خدا کے کلام کی بے قدری کرے۔

چہارم۔ دل کی حالت درست ہو۔ مزمور ۱۱۹: ۳۶۔ میرے دل کو اپنی شہادتوں کی طرف مائل کر نہ کہ لالچ کی طرف۔ پیدا ۶: ۲۱۔ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے برا ہے۔ امثال ۴: ۲۳ اپنے دل کی بڑی سے بڑی خبرداری کر کہ زندگی کے انجام اسی سے ہیں۔ یرمیاہ ۱۷: ۹ دل سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے ہاں وہ نہایت فاسد ہے اسکو کون دریافت کر سکتا ہے؟

یعنی جب ہم خدا کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو چاہیئے کہ ہم اپنے دل کی طرف نظر کریں اور دیکھیں کہ آیا ان میں لالچ۔ کینہ۔ حسد۔ دشمنی۔ شہوت اور ناپاکی یا کسی طرح کی برائی تو نہیں۔ کیونکہ ایسی باتیں خدا اور ہمارے درمیان ایک اونچی دیوار کی مانند ہوتی ہیں جن کے سبب سے ہمکو مطالعہ کرتے وقت پوری روشنی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ برروحیں ہمارے دلوں کے پھاٹک بند کر دیتی ہیں۔ نیز دل کے کسی کونے میں چھپی ہوئی رہتی ہیں اور خدا کے کلام کے بیج کو نگل جاتی ہیں۔ متی ۱۳: ۱۹ اور خدا کے کلام کی اصلی جگہ انسان کا دل ہی ہے نہ کہ صرف مغز۔ مزمور ۱۱۹: ۱۱ میں نے تیرے کلام کو اپنے دل کے بیچ چھپا لیا۔ مزمور ۴۰: ۸ اسی حقیقی داؤد کا قول ہے کہ تیری شریعت تو میرے دل کے بیچ ہے۔ یوحنا ۵: ۳۸ خداوند نے یہودیوں کو ملامت کی کیونکہ وہ خدا کا کلام اپنے دلوں میں قایم نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے ان کے دلوں کی کوٹھڑیوں میں اندھیرا اور گناہ موجود رہتا تھا۔ مزمور ۱۱۹: ۱۰۵ تیرا کلام میرے پاؤں کیلئے چراغ اور میری راہ کی روشنی ہے۔

پنجم۔ گناہوں کا اقرار کر کے اور حلیمی سے مطالعہ کرنا۔ ۱ یوحنا ۱: ۱۰ اگر کہیں کہ ہم نے گناہ نہیں

کیا تو ہم اسے جھوٹا ٹھہراتے ہیں اور اسکا کلام ہم میں نہیں ہے۔ اور گناہ جو ہوں سو ہوں مگر میرے عزیزو ایک قصور کا تو ہمکو ضرور دل سے اقرار کرنا چاہیئے ہم میں سے بعض نے مشن سکولوں اور کم و بیش تین سال تک ڈوینٹی کالج میں تعلیم پائی ہے اور ہم میں سے جب بعضوں کا تقرر ہؤا تو خدا کا کلام ہمارے ہاتھوں پر رکھا گیا۔ اور ہم نے ایک بڑی بھاری ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا۔ تو کیا ہم اپنے دلوں کی صفائی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمنے بار با خدا کے کلام کے مطالعہ کرنے میں غفلت اور سستی نہیں کی اور کیا ہم اس کوشش میں لگے رہے کہ ہر روز اپنے لئے اور دوسروں کے لئے کوئی نئی اور تازہ برکت حاصل کریں۔ یعقوب ۱: ۲۱ مقدس یعقوب فرماتا ہے کہ ساری نجاست اور بدی کے فضلے کو دور کرکے اس کلام کو حلیمی سے قبول کر لو جو دل میں بویا گیا اور تمہاری روحوں کو نجات دے سکتا ہے۔

ششم۔ شوق سے مطالعہ کرنا۔ اعمال ۱۷: ۱۱ بریہ کے لوگوں نے بڑے شوق سے کلام کو قبول کیا اور وہ روز بروز کتاب مقدس میں تحقیق کرتے تھے اور عہد عتیق کا عہد جدید کے ساتھ خوب مقابلہ کرتے تھے۔ اور اگر ہمکو بھی شوق ہو تو ریفرنس کے ساتھ پڑھنے اور مختلف مضامین کی آیات کو ڈھونڈنے اور کسی نوٹ بک میں اُن کو لکھنے اور اُن پر غور کرنے سے خدا کے فضل سے بڑی روشنی اور روحانی ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ مزمور ۱۱۹: ۱۳۱ میں منہ کھول کے ہانپتا ہوں کیونکہ میں تیرے حکموں کا مشتاق ہوں۔ اس مزمور نویس کا شوق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ کرتے کرتے گویا تھک گیا ہے مگر اب تک آسودہ نہیں ہؤا بلکہ اسکا منہ کھلا ہؤا ہے۔ کہ خدا کے کلام کی کوئی اور برکت اپنے اندر لیوے جیسا کہ مزمور ۸۱: ۱۰ میں مرقوم ہے کہ اپنا منہ کھول کہ میں اُسے بھر دوں گا اور یہ مزمور نویس بڑا ثابت قدم بھی تھا۔ آیت ۳۱ میں تیری شہادتوں سے چمٹ رہا ہوں۔

۱ پطرس ۲: ۲ نوزاد بچوں کی مانند روحانی دودھ (ہاں سخت خوراک) کے بھی مشتاق رہو تاکہ نجات حاصل کرنے کے لئے بڑھتے جاؤ۔ خدا کا کلام ہماری روٹی اور پانی ہے وہ جو ہر روز ان کو شوق سے مطالعہ کرکے کھاتا اور پیتا ہے وہی روحانی ترقی کرتا ہے اور خداوند کے پورے قد کے اندازہ تک بڑھتا جاتا ہے۔ ۱ تیم ۴: ۱۳ جب تک میں نہ آؤں پڑھنے اور نصیحت کرنے اور تعلیم دینے کی طرف متوجہ رہ۔ آیت ۱۵ اِنہیں میں مشغول رہ تاکہ تیری ترقی سب پر ظاہر ہو۔

ہفتم۔ مسیح کی گود میں اور اسکے پاؤں کے پاس بیٹھ کر مطالعہ کرنا۔ متی ۱۱: ۲۵ خداوند مسیح باپ کی حمد کرتا ہے کہ تونے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر کھول دیں۔ ہمارا خداوند اپنے شاگردوں کو بچے کہا کرتے تھے اور بچے باپ کی گود میں بیٹھتے ہیں۔ کلام کے بھید ان پر کھلتے ہیں جو مسیح کی گود میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے کہ مجھ سے جدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ مسیح کی گود گویا تنہائی کا حقیقی کمرہ ہے ہم صرف اس میں ہو کر آسمانی روشنی کو کھینچ سکتے ہیں۔ لوقا ۱۰: ۳۹ و ۴۲ مریم خداوند کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر کلام

سنتی تھی اور اسی کلام کو خداوند نے سب سے ضروری چیز اور اچھا حصہ کہا ہے جسے مریم نے پاؤں کے پاس بیٹھ کر حاصل کیا۔

خدا کے کلام کے اچھے اور آسمانی حصے اس وقت ملتے ہیں جب ہم خداوند میں اور اُسکے عین نزدیک ہو کر اور اپنے سر جھکا کر بیٹھتے اور اُسکے منہ کا کلام سنتے ہیں۔

ہشتم۔ طریقہ سمجھ کر مطالعہ کرنا۔ متی ۱۳: ۲۳ جو خدا کا کلام سنتا اور سمجھتا ہے وہی پھل لاتا ہے۔ آیات ۱۳ اور ۱۴ یہودی اس لئے بے پھل رہے کہ نہ وہ دل سے سنتے اور نہ سمجھنا چاہتے تھے۔

اگر ہم مقدس کلام کی صرف ایک آیت یا ایک پیراگراف سمجھ کر پڑھیں تو اُس سے باقی کلام کو سمجھنے کے لئے بڑی مدد ملتی ہے۔

نہم۔ غور کے ساتھ مطالعہ کرنا۔ مزمور ۱۱۹: ۹ جوان اپنی راہیں کس طرح صاف کرے اس پر خوب نظر کرنے سے تیرے کلام کے مطابق۔ مزمور ۱: ۲ جو خداوند کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اس کی شریعت میں سوچا کرتا ہے۔ ۲ پطرس ۱: ۱۸ اور ۱۹ ہمارے پاس نبیوں کا وہ کلام ہے جو معتبر ٹھہرا اور تم اچھا کرتے ہو جو یہ سمجھ کر اس پر غور کرتے ہو کہ وہ ایک چراغ ہے جو اندھیری جگہ میں روشنی بخشتا ہے۔

جو کلام کو نہ تو سمجھ کر اور نہ غور سے مطالعہ کرتے وہ اس چراغ کی مانند ہیں کہ جس میں بتی اور تیل تو ہو مگر روشنی نہ ہو جس قدر کوئی خدا کے کلام پر غور کرتا ہے اسی قدر اس کے اندر اور باہر روشنی چمکتی ہے۔

دہم۔ کسی تفسیر کے ساتھ مطالعہ کرنا۔ لوقا ۲۴: ۲۷ و ۴۵ ہمارے خداوند نے خود کلام تفسیر کر کے مقدس نوشتوں کا مطلب اپنے شاگردوں کو سکھایا۔ رسول پولوس ایک بڑا مفسر تھا۔ اس نے عہد عتیق اور انجیل کی تعلیم کا مقابلہ کر کے بہت عمدہ تفسیریں کی ہیں۔ تفسیروں کے پڑھنے اور دوسری زبانوں میں ترجمے دیکھنے سے اکثر بہت فائدہ ہوتا ہے اور بڑی روشنی ملتی ہے۔ مگر چاہیئے کہ پڑھنے والا اپنی طرف سے کلام خدا کو خوب مدنظر رکھے۔

یازدہم۔ حفظ کرنا۔ مزمور ۱۱۹: ۴ تو نے حکم کیا ہے کہ ہم جی جان سے تیرے قواعد کو حفظ کریں۔ آیت ۸ کہ میں تیرے حکموں کو حفظ کروں گا۔ خدا نے موسیٰ کی معرفت بار بار فرمایا کہ بنی اسرائیل میرے کلام کو حفظ کریں۔ جب ہم خدا کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سارے پیراگراف سے یا باب سے ایک خاص آیت کو چن لینا چاہیئے جس کی تاثیر دل پر ہوتی ہو۔ گلاب کے پھول بہت سارے ہوتے ہیں مگر ان کا عطر ایک چھوٹی سی شیشی یا بوتل میں آتا ہے ویسے ہی جو خدا کے کلام کو پڑھ کر اس میں سے کچھ حفظ کرتے ہیں ان کے پاس ہمیشہ عطر آسمانی رہتی ہے جس سے ہر وقت اور ہر جا عمدہ خوشبو نکلتی رہتی ہے۔

دوازدہم۔ امید کے ساتھ مطالعہ کرنا۔ مزمور ۱۱۹: ۱۱۴ میں تیرے کلام سے امید رکھتا

ہوں۔ روم ۱۵: ۴ جتنی باتیں پہلے لکھی گئیں وہ ہماری تعلیم کے لئے لکھی گئیں تاکہ ہم کتاب مقدس کی تسلی سے امید رکھیں۔

میرے بھائیو نا امیدی شیطان کا ایک خاص ہتھیار ہے اور بہت مسیحی اس سے زخمی ہوتے ہیں۔ ہم مقدس انجیل کے سبب سے جو خدا کی قدرت ہے چاہیے کہ کبھی نا امید نہ ہوں۔ بلکہ ہمیشہ امید رکھیں کہ خدا کے وعدے عین وقت پر پورے ہوں گے اسکے کلام کا نور تمام جہان میں چمکیگا ہماری دعاؤں کا جواب ملے گا۔ مسیح کی فتح ہوگی۔ آسمان ہمارا گھر ہوگا۔ سارے دکھوں اور مصیبتوں سے پوری نجات ملے گی اور ہم تا ابد اپنے خداوند کے ساتھ اور مقدسوں کی صحبت اور شراکت میں رہیں گے۔

سترھویں۔ خدا کے کلام پر عمل کرنا۔ مقدس نوشتوں کا مطالعہ کرنا اور ان کا گویا کیڑا اور حافظ بن جانا اور ان سارے طریقوں سے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے کچھ بھی فائدہ نہیں اگر ہم میں عمل نہ ہو۔ متی ۷: ۲۷ جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہی عقلمند ہے جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا ہے۔ یعقوب ۲: ۱۴ اے بھائیو اگر کوئی کہے کہ میں ایماندار ہوں اور عمل نہ کرتا ہو تو کیا فائدہ۔ کیا ایسا ایمان اسے نجات دے سکتا ہے۔ آیت ۱۷ ایمان بغیر اعمال کے مردہ ہے۔ یعقوب ۱: ۲۲ کلام پر عمل کرنے والے ہو نہ محض سننے والے جو آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اب میں بطور خلاصہ کے چند اور طریقوں کا ذکر کرتا ہوں۔ کسی کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھنا بہتر ہے۔ نیز اپنی بائبل کے حاشیہ پر نوٹ لکھنے چاہئیں۔ پھر کوئی خاص نوٹ بک اپنے پاس رکھنا جس میں جب ہم بائبل کو پڑھتے ہیں تو مختلف مضامین کی آیات کو اس میں جدا جدا لکھنا۔ اکثر صبح کو خدا کا کلام پڑھنا تاکہ ہم سب سے پہلے خدا کی آواز کو سنیں۔ تواریخی کتابوں کا مطالعہ کرنا اور دوسروں کے احوال زندگی سے اپنے ساتھ مقابلہ کرنا۔

اب آخر میں اے میرے عزیز بھائیو میری یہ دعا ہے کہ خدا ہمکو زیادہ فضل بخشے کہ ہم زیادہ لائق طور سے خدا کے اس مبارک اور زندگی بخش کلام کا بلا ناغہ دل سے مطالعہ کیا کریں۔ اور اس ارشاد کو یاد رکھیں جو خدا نے یشوع کو کیا۔ یشوع ۱: ۸ پس "اس شریعت کی کتاب کا ذکر تیرے منہ سے چھوٹ نہ جائے بلکہ تو رات دن اس میں غور کیا کر تاکہ اس سب پر جو اس میں لکھا ہے دھیان رکھ کے عمل کرے۔ تب تو اپنی راہ میں اقبالمند ہوگا اور تب ہی تو کامیاب ہو جائے گا۔

بے صبری کا علاج۔ جس شخص کو بے صبری کا عارضہ ہو اسکو چاہیئے کہ غریبوں کے گھر میں جائے اور انکے تنگ مکان۔ خراب چارپائیوں۔ ٹوٹے ہوئے برتنوں اور پھٹے پرانے کپڑوں کو دیکھے۔ یہ بھی دیکھے کہ وہ کیا کھاتے ہیں اور پیتے ہیں۔ ان سے انکی آمدنی پوچھے اور اپنی آمدنی کا مقابلہ کرے۔ جب وہ واپس آئیگا تو یقین ہے کہ عارضہ بے صبری کا جاتا رہے گا۔

پڑھتے وقت۔ اگر یہ سچ ہے تو سکرٹری آئرلینڈ جونس صاحب کس مرض کی دوا بیٹھے ہیں کہ جوان انگریز مشنریوں کو اُن کی بے احتیاطیوں سے نہیں روکتے اور ان کا کچھ نوٹس نہیں لیتے کچھ عرصہ ہوا کہ ایک مشنری نے ایک محمدی شخص کے ساتھ مشن سکول میں کشتی کی اور اسکو گرا لیا اور عمدہ مشنری نمونہ دکھایا۔ کیا اس کا کسی نے نوٹس لیا ہے؟ "ایک بازکار رہنے والا لکھتا ہے۔ واقعی بار کے مسیحیوں کی حالت نہایت ابتر ہے۔ انجیل کو تو پس پشت پھینک دیا ہے۔ عدالتوں میں چارہ جوئی ہو رہی ہے۔ بجائے اسکے کہ ان کو محبت سے قابو کریں لاٹھی سے قابو کرنا چاہتے ہیں۔ یہ آزاد لوگ مشن کے احاطہ میں تھوڑے ہی ہیں کہ کان سے پکڑا اور باہر۔ یہ بڑا انسوال میں رہتے ہیں تھوڑے کتنے قابو نہیں آنے کے معتبر ذریعہ سے سننے میں آیا ہے کہ عیسے نگری میں بابو اور پادری لوگ نہیں جاتے کہ وہاں خطرۂ جان ہے۔ کیا خوب۔ صاحبان خودکردہ را علاجے نیست۔ اب بھی اگر آپ ان کو عیسائی بنا دیں تو وہ آپ کے غلام ہوں گے تحکم کو چھوڑ دیجئے ..... لاریب ان مسیحیوں کا قصور بہت ہے مگر بپتسمہ دینے میں پادری صاحبان زیادہ قصوروار ہیں۔" پرنسپل امرتسر مشن کالج اطلاع دیتے ہیں کہ ایک صاحب کی یادگار میں تواریخ کا امتحان زبان انگریزی دسمبر ١٩٠٢ء میں ہوگا۔ تین انعام مبلغ ٢٥ و ١٥ و ١٠ روپیہ کے دیئے جائینگے۔ ٢٢ برس سے کم عمر کے پنجابی طالبعلم بلا لحاظ مذہب اور نوع امتحان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مضمون (ا) تواریخ ہند (ب) ہندوستان کے گورنر جنرلوں کی حیات ہے۔ لاہور مشن کالج سے ایم اے کے امتحان میں پہلی دفعہ چار طالبعلم شامل ہوئے اور چاروں کامیاب نکلے۔ ایک پنجاب میں اول رہا۔ بی اے میں ٢٨/٤٢ اور ١٣ زیر تجویز ہیں اور ایف اے میں ٣٠/١٢ کامیاب ہوئے۔ دیگر کالجوں کے مقابلہ میں نتیجہ اچھا رہا۔ پروفیسروں کو مبارک ہو۔ امرتسر مشن کالج سے ایف اے میں پہلی بار ٢ طالب علم شامل ہوئے اور سب کامیاب۔ انٹرنس کا نتیجہ بھی بہت اچھا رہا یعنی ٢٠/٢٤ مبارک۔ بابو بازدیو سنگھ سابق معلم امرتسر مشن سکول پنشن پانے کے پندرہ روز بعد انتقال کر گئے۔ انڈیا سنڈے سکول یونین کے پریذیڈنٹ بشپ ولڈن کی جگہ کنور ہرنام سنگھ ہوئے۔ ایک مسیحی خاتون مسز ایس کے رٹ ٢٥ ہزار روپیہ اور اپنا مکان اکسفورڈ مشن کو اور پانچ ہزار سی ایم ایس کو اور چھ ہزار لنڈن کے ایک ہسپتال کیلئے وصیت کر گئیں۔ مسیحی نومریدوں کا قانون شادی۔ بنگال میں ایک محمدی لڑکی کا باپ مر گیا۔ اسکے بھائی نے بہ حیثیت سربراہ کے چار برس کی عمر میں اسکی شادی ایک محمدی جوان سے کرادی دس برس کی عمر میں لڑکی اپنے شوہر کے ہاں گئی لیکن شادی کی کل رسومات پوری ہونے سے پہلے اس کی ماں اور بھائی دونو مسیحی ہو گئے اور لڑکی کو واپس لاکر ایک مشن سکول میں ڈال دیا۔ چار برس بعد اس نے خود بپتسمہ لیا۔ اس عرصہ میں شوہر سے اسکی کبھی ملاقات نہ ہوئی۔ اب سوال یہ تھا کہ یہ لڑکی ایک ہندوستانی مسیحی سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں۔ بنگال کے لیگل ریمبرنسر (سرکاری مشیر قانونی) نے یہ رائے دی ہے کہ میری رائے میں محمدی قانون کے موافق فریقین

میں سے کسی ایک کے مسیحی ہونے پر محمدی نکاح فوراً فسخ اور منسوخ ہوجاتا ہے۔ شرع محمدی کا یہ اصول ہے کہ "تبدیل مذہب نکاح کا توڑتا ہے نہ کہ طلاق"۔ اور یہ کہ "اگر میاں بیوی میں سے کوئی مذہب اسلام سے منحرف ہوجائے تو پیشتر اسکے کہ وہ شوہر اور زوجہ کی طرح رہتے ہوں۔ اُن کا نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور اگر زوجہ منحرف ہوجائے تو اسکا حق مہر بھی زائل ہوجاتا ہے"۔ بدیں وجہ یہ لڑکی حسب منشا ایکٹ ۱۵۔ ۱۸۷۲ء شادی کر سکتی ہے پر اپنی ماں کی رضامندی سے ہے۔ کیونکہ وہ نابالغ ہے اور اسکی عمر ۲۱ برس سے ابھی کم ہے۔ لودیانہ کی ایک لیڈی مشنری لکھتی ہیں کہ پنجاب میں پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں کی بنیادی باتوں میں شہر لودیانہ ہر امر میں پہلا ہے۔ یاں پہلے مسیحی مرید نے بپتسمہ لیا۔ یاں پہلی کلیسیا قایم ہوئی۔ یاں سے پہلا ہندوستانی مشنری بھیجا گیا۔ یاں پہلا مشن سکول۔ پہلا یتیم خانہ۔ پہلا چھاپہ خانہ۔ پہلا مسیحی اخبار۔ پہلا شفاخانہ۔ پہلا مسیحی لڑکوں کیلئے بورڈنگ سکول اور پہلا مسیحی عورتوں کے لئے میڈیکل سکول جاری ہوا۔ شمال مغربی ہند میں یاں کے گرجا کی عمارت اور پنجاب میں یاں کی ہندوستانی مسیحی جماعت سب سے پرانی ہیں۔

لودیانہ میں پریسبٹرین چرچ نہ صرف پہلا سلف سپورٹنگ چرچ ہے بلکہ وہ اپنا انتظام بھی آپ کرتا ہے۔ ایک انگریزی اخبار میں کسی نے یہ سوال کیا ہے کہ آجکل کے وعظ کیوں ایسے ہوتے ہیں کہ لوگوں کے دل نہیں لگتے؟ اسکا جواب کسی نے یوں دیا ہے کہ واعظ اکثر صرف رد کی تعلیم کو دہراتے رہتے ہیں پر اُن حقیقتوں کی نظیر پیش نہیں کرتے جو روزمرہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ برادرانہ محبت و الفت۔ ایمان۔ فضل میں بڑھنے اور دیگر ایسے مضامین پر وعظ تو سننے میں آتے ہیں پر ان کے ساتھ کسی قسم کی نظیریں پیش نہیں ہوتیں جن سے سننے والے اپنے روزمرہ کاروبار میں عمل کرنے کی ہدایت پائیں۔ اس میں بہت کچھ حقیقت ہے۔ بعض ہندوستانی گرجوں میں تو وعظ کی کچھ نہ پوچھیئے۔ وعظ بند ہی ہوجائیں تو شاید بہتر ہو! بابو آئی سی سنگھا پنجاب سی ایم ایس کارسپانڈنگ کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے پنجاب میں آپ پہلے دیسی مسیحی ہیں جنکو یہ اعزاز ملا۔

رسید زر

از ۱۶ ار اپریل تا ۵ امئی ۱۹۰۲ء

۹۱	پادری ودھاوامل صاحب۔ عطیہ		۳—۰—۰
۹۲	"	بقایا ۱۹۰۲ء	۰—۸—۰
۹۳	مس بیلی	۱۹۰۲ء	۲—۰—۰
۹۴	مس بین تا جون	"	۱—۰—۰
۹۵	مسٹر ڈیوڈ کشن چند	"	۲—۰—۰
۹۶	مس منتر	"	۲—۰—۰
۹۷	مسٹر پیٹرس	"	۲—۰—۰
۹۸	بابو جے ہری رام	"	۱—۰—۰
۹۹	مسٹر جیمس غلام قادر	"	۱—۸—۰
۱۰۰	بابو جیون خاں	"	۰—۱۲—۰
۱۰۱	مسٹر پی ایل شاکر	"	۲—۰—۰
۱۰۲	بابو رام نرائن	"	۱—۸—۰
۱۰۳	پادری جوزف صاحب	۱۹۰۱ و ۱۹۰۲ء	۳—۰—۰
۱۰۴	پادری بریو صاحب "	"	۳—۰—۰

L 72

مسیحی

امرتسر

رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۲

جلد (۷) نمبر (۶)

جون ۱۹۰۲ء

قیمت سالیانہ

دو (عـ۲) روپیہ

نمونہ کا پرچہ۔ اگر آپ اس رسالہ کے خریدار نہیں اور یہ پرچہ آپکو بطور نمونہ بھیجا جائے تو براہ مہربانی اسکے لینے سے انکار نہ کیجئے۔ اگر پسند ہو تو دو روپیہ سالانہ آمدنی مینجر مسیحی کے نام بھیج دیجئے۔ کہ یہ رسالہ برابر آپ کی خدمت میں آتا رہے۔ اگر منظور نہ ہو تو ایک پیسہ کا کارڈ بھیج دیجئے۔ کہ آپکو پھر تکلیف نہ دی جائے اور یہ رسالہ اپنے کسی دوست کو دے دیجئے۔ جملہ خط و کتابت بنام مینجر مسیحی امرتسر ہونی چاہئے

ہندوستانی کلیسیا کی رائے کا یہ آئینہ ہر انگریزی مہینہ کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ دیسی کلیسیا کی دینی اور سوشل حالت پر آزادانہ بحث کرنیکے علاوہ اس میں انگلستان اور امریکہ کے مستند مصنفوں کی تحریرات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس وقت پانچ کتابیں مسلسل شایع ہو رہی ہیں تاہم خوبی یہ ہے کہ مسیحی کا ہر ایک نمبر بجائے خود مکمل ہے۔ اسکے مقاصد مختصر امفصلہ ذیل ہیں۔

مقاصد

۱:- مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کا انکشاف کرنا۔ ۲:- کتاب مقدس کی تلاوت اور دعا کیلئے تحریک۔ ۳:- مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کر کے مسیحی یگانگت کو قائم کرنا اور پھیلانا۔ ۴:- نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا۔ ۵:- جہاں تک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا ظاہر کرنا۔

فہرست مضامین جون ۱۹۰۲ء

مطبع سے رسالہ کا کچھ تعلق نہیں۔ جملہ خط و کتابت مینجر مسیحی امرتسر کے نام ہونی چاہئے۔

دبیر ہند پریس، امرتسر

گلدستۂ اخبار

پادری آر ایڈ جونس صاحب سکرٹری سی ایم ایس تحریر فرماتے ہیں: - سی ایم ایس کے فرائض لمبرداری اختیار کرنے کے متعلق آپکی تحریریں نے پڑھی - شاید آپکو معلوم نہیں کہ ایسی باتوں کے تصفیہ کیلئے کارسپانڈنگ کمیٹی کے چار ممبروں کی ایک رے کمیٹی ہے - ہم نے ایک دیسی لمبردار بھی مقرر کیا ہے جو وہیں رہتا ہے - غیر از دینی فرائض سے سبکدوشی حاصل کرنے سے ہم ہمیشہ خوش ہوں گے لیکن مجھے ڈر ہے کہ فی الحال ایسا ہو نہیں سکتا اور غیر از دینی کام اگر درست روح سے اختیار کیا جائے تو وہ دنیاوی کام نہیں رہتا - مسٹر وانظ لکھتے ہیں - "مجھے سچی کی نئی صورت اور تقطیع دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی - اور خدا کا شکر کیا کہ نیکی کے دشمنوں کو روسیاہی حاصل ہوئی - یقیناً مجھ کو سچی جی سے پیارا ہے اور میں اسکو بلاناغہ دیکھتا ہوں اور روحانی غذا اس سے حاصل کرتا ہوں - وعظ کے کام میں جیسا یہ میرا مددگار ہے اور کوئی نہیں - ..... میں امید کرتا ہوں کہ آپ بعض نالائقوں کی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرینگے بلکہ خداوند کے بہادر سپاہی ہو کر سچائی کے مخالفوں کا مقابلہ کرینگے - خداوند آپکے ساتھ ہو" - ٹرنٹی سنڈے کے دن بمقام لاہور پادری جسونت سنگھ سی ایم ایس - اور پادری یعقوب مسیح ایس پی جی جموں کا تقرر پریسٹ کے عہدہ پر ہوا - اوّل انڈکورٹ گڑھ سے شملہ تبدیل ہوئے - سندھ کے پادری سنکر نے سی ایم ایس کے کام سے استعفا دے دیا - ہند میں واپس نہیں آئیں گے - پادری ڈے بی اے ایک نئے مشنری موسم سرما کے شروع میں دہلی آئینگے - ریواڑی کے لئے بھی ایک نیا مشنری آئے گا - اجنالہ کی مس گرلس ۱۳ مئی کو روانہ ولایت ہوئیں - پادری اے ڈے کچھ عرصہ کیلئے ملتان سے کراچی گئے - اخبار پنجاب مشن نیوز تحریر کرتا ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ امرت سر کا میونسپل بورڈ کالج ٹوٹ گیا ہے اس سے ہمارے سی ایم ایس کالج میں ترقی ہوگی کیونکہ پچھلے امتحان میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی کے سبب ایف اے کے طالب علم کثرت سے داخل ہوں گے خدا ہمارے بھائیوں کلارک اور میکونیڈ صاحبان اور ان کے دیسی ہم خدمتوں کو اس اہم کام کے لئے قوت اور دانشمندی عطا فرمائے" - اتفاق دیکھئے کہ ایک طالب علم بھی مشن کالج میں داخل نہیں ہوا جماعت دوم کے قریب اٹھارہ طالب علم خالصہ کالج میں شامل ہوگئے ہیں - کوئٹہ میں سی ایم ایس کا ایک نیا گرجا تعمیر ہو رہا ہے - سی ایم ایس ہائی سکول ملتان کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس بنوانے کا انتظام ہو رہا ہے - سی ایم ایس نے بڑی کشادہ دلی سے گرانٹ دیا ہے اور پنجاب گورنمنٹ نے کمی پوری کردی ہے - سی ایم ایس کے سالانہ جلسہ کی تقریب پر سر ولیم میکورتھ ینگ نے مشن سکولوں کے کام پر بڑا زور دیا - کلکتہ میتھیون کالج کے جلسۂ تقسیم انعام کی تقریب پر جناب لفٹنٹ گورنر نے مسٹر چندر مکھی بوس ایم اے سابق پرنسپل کی

[illegible]

[redacted]

نوٹ اور رائیں

جنگ ٹرانسوال کا خاتمہ۔ آج سلطنت انگلستان کو وہ دن دیکھنا نصیب ہوا جس کا انتظار اڑھائی سال سے ہو رہا تھا۔ ہم بھی ایک تو بحیثیت وفادار رعایا کے سرکار کی اس خوشی میں شریک ہو رہے ہیں مگر ہمارے لئے یہ دن ایک خاص خوشی اور شکرگذاری کا اس وجہ سے ہے کہ یہ جنگ دو مسیحی اقوام کے درمیان ہو رہا تھا جس نے غیر مسیحیوں کو زبان درازی اور طعنہ زنی کا موقعہ دیا تھا۔ اب دنیا میں مدتوں تک یہ بحث لگی چلی جائیگی کہ اس جنگ کی کہاں تک ضرورت تھی اور کون قوم فی الحقیقت راستی پر تھی۔ دوران جنگ ہی میں ہر ایک مہذب ملک میں دو فریق رہے ہیں ایک بوئروں کی طرف اور دوسرا ان کے خلاف۔ آیندہ مورخ جو بے تعصب اور ٹھنڈے دل سے اس جنگ کے ہر پہلو کا موازنہ کرینگے وہ آجکل کے افراط تفریط کرنے والے مصنفوں سے بہتر رائے قایم کر سکیں گے۔ ایک امر تو یقینی ہے کہ بوئروں نے صفحہ تواریخ پر اپنا نام ایسے روشن حروف میں نقش کیا ہے کہ جسکو زمانہ کا ہاتھ کبھی مٹا نہیں سکے گا۔ انگریزی سلطنت نے منجملہ دیگر ضروری اور کار آمد سبقوں کے یہ حاصل کر لیا ہو گا کہ ع دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد۔ دہقانوں کے ایک حقیر گروہ نے اتنی بڑی سلطنت کو ناکوں چنے چبوائے ہیں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اگر شیر انگلستان کا اقبال یاور نہ ہوتا تو معلوم نہیں کیا نتیجہ نکلتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ جو جنگ اپنی آزادی کے لئے کیا جائے وہ سب سے خوفناک اور خونخوار ہوا کرتا ہے۔ میدان کارزار کے قواعد از سر نو ترمیم ہو رہے ہیں۔ صنوعی جنگ اور دیگر قواعد رزم کی کایا پلٹ گئی ہے۔ انگلستان پر اپنی ملکی اور جنگی کمزوریاں واضح ہو گئی ہیں جنگی اصلاح ضرور کی جائیگی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ برطانیہ کے زیر سایہ جو اقوام دنیا بھر میں بود و باش کر رہی ہیں وہ کیونکر ایک خاص رشتہ برادری اور ہمدردی سے منسلک

ہیں۔ اور جب خدا نخواستہ سلطنت پر وقت آپڑے تو کمربستہ ہو کر انگلستان کے جھنڈے کے نیچے سر کٹوانے کو تیار ہیں۔ اگر اس منحوس جنگ کے خاتمہ سے کسی کو نقصان پہنچا ہے تو وہ یا تو مالکان اخبار ہیں جو تازہ ترین واقعات جنگ سے اپنے صفحات کو رونق دیکر شائقین کو خوش رکھتے تھے اور یا وہ ٹھیکہ دار اور کمپنیوں کے حصہ دار ہیں جنہوں نے اس جنگ کی طفیل لاکھوں کمائے ہیں۔ اگرچہ اس وقت بوئروں نے صلح کی شرایط کو قبول کر کے انگلستان کا لوہا مان لیا ہے مگر تعجب نہیں کہ اس جنگ کے بہادرانہ معرکے اور کارنامے مدتوں تک انکے دلوں میں کھٹکتے رہیں گے۔ سلطنت انگلستان کیلئے یہ صلح کا زمانہ جنگ کی نسبت زیادہ نازک ہے۔ اسوقت وہ آسمانی حکمت اسکے مدبروں کو درکار ہے جس سے اس مفتوح ملک کا انتظام ایسے طور پر کیا جائے جو خلق خدا کے نزدیک راست اور امن و امان قائم رکھنے والا ہو۔ ہمکو یقین ہے کہ اس قدر زر اور جانوں کا نقصان بے فائدہ نہیں ہوا۔ خدا اسکے ذریعہ انگریزوں اور تمام دنیا کو کوئی ایسی تعلیم دیگا جو بغیر اسکے حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ سر دست سلطنت میں صلح و امن کا ہونا شاہ ایڈورڈ کی تاجپوشی کے مبارک موقعہ کی خوشی کو دوبالا کرنے والا ہے۔ خدا اس امن کو قایم رکھے۔

یوگنڈا کی کلیسیا کی ترقی۔ اگر ہندوستان میں علاقہ تناولی کی کلیسیا کو تعدادی ترقی اور خود انتظامی میں دخل رکھنے کا اعزاز حاصل ہے تو دنیا بھر میں یوگنڈا کی کلیسیا کو خودرو ہونے اور اپنا مالی انتظام کرنے پر ناز ہے۔ اس لئے اس علاقہ میں مسیحی مذہب کی جو ترقی وقتاً فوقتاً مشتہر کی جاتی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم یوگنڈا کے مسیحیوں کے نقش قدم پر نہیں چل سکتے تو ان کی ترقی میں خوشی تو منا سکتے ہیں۔ سال گذشتہ میں دیسی خادمان دین کی تعداد اس علاقہ میں ۲۷ تھی۔ دیسی مسیحی ٹیچروں کی تعداد ۲۰۴۸ (یعنی ۱۹۸۸ مرد اور ۶۰ عورت) تھی۔ سال بھر میں ۵۵۳۶ اشخاص (۴۰۶۷ بالغ) کو بپتسمہ دیا گیا بمقابلہ ۴۳۰۴ (۳۱۸۰ بالغ) کے جنہوں نے سال ماسبق میں بپتسمہ پایا۔ کل مجموعی تعداد دیسی مسیحیوں کی ۳۴۲۲۹ بمقابلہ ۲۸۲۸۲ (۱۹۰۰ء) کے ہے۔ عشائے ربانی میں شرکا کی تعداد (۹۸۶۵) میں پیشتر کی نسبت دوہزار سے زیادہ کی ترقی

ہے۔ مدارس میں طلبا کی تعداد ۶۸۲۱ سے ۱۲۳۶۲۳ ہوگئی ہے اور دیسی مسیحیوں کا چندہ ۴۲۷۴ روپیہ سے ۴۰۰۴۵ روپیہ تک بڑھ گیا ہے۔ اِس ترقی کے لئے خدا کا شکر ہو۔ ہمارے ملک میں مسیحی مذہب کی ترقی کے رستہ میں پتھر کس نے رکھ دیا؟

والیان ریاستہائے کیلئے دُعا۔ ناظرین کو یہ یاد دلانا ضرور نہیں کہ ہندوستان کی بہت سی ریاستوں میں انجیل کے خدمتگذار مسیح کا نام سنا رہے ہیں۔ اور کئی والیان ریاست نے مشنوں کے قایم کرنے یا گرجے یا مکانات بنانے میں کچھ نہ کچھ مدد بھی دی ہے۔ اِس امر کا ذکر کرنے کی حاجت نہیں کہ اِن ریاستوں میں راجہ یا نواب ایک ایسا درجہ رکھتا ہے جو سرکاری عملداری میں کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار کا ہو نہیں سکتا۔ جو راجہ کرے وُہی قانون ہے اور اسی کی تقلید باعث سعادت ہے۔ رعایا کی نیکی یا بدی بہت کچھ راجہ کے ہاتھ میں ہے۔ اِسلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہمارے گرجوں میں والیان ریاست کیلئے بلاناغہ دعا مانگی جائے۔ کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ جس کلیسیا کو سارے بنی آدم کیلئے دعائے عمیم کرنیکا فخر ہے وہ کبھی اِس پر خیال نہیں کرتی۔ مقررہ الفاظ میں دُعا مانگنے والوں کو اور جو فائدہ ہو سو ہو مگر ایک بڑا بھاری نقصان یہ ہے کہ جس ملکی میں انکو کسی قدیم زمانہ کے بزرگوں نے حرکت دیدی ہے اس سے سرِ مو ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے ہم اپنے ہادیان دین سے بارہا سُن چکے ہیں کہ غیر ممالک کیلئے وہی نماز کی کتاب درکار نہیں جو انگلستان میں مروّج ہے۔ اسمیں تغیر و تبدل کرکے اسکو ہندوستان کے مناسب حال کر سکتے ہیں مگر ہم نہیں جانتے کہ وہ زمانہ کب آنے والا ہے جب یہ ضروری اصلاح کی جائیگی۔ آئے دن نماز کی کتاب کا نیا ترجمہ نکلتا ہے کیا اسکی اصلاح کا وقت اب تک نہیں آیا۔ مانا کہ نہ ہندوستانی کلیسیا کی تعداد ہنوز کافی ہے اور نہ کوئی ہندوستانی بشپ ہے مگر جو ضروری امور ہیں کیا اُن کیلئے انگلستان سے کوئی مجوزہ دعائیں نازل نہیں ہو سکتیں۔ ہم اسوقت چند دیگر ضروریات ملکی کا ذکر کرنا ضرور نہیں سمجھتے جنکو دعائے عمیم میں شامل کرنا چاہئے مگر اپنے بزرگان کلیسیا سے ملتمس ہیں کہ جب دیگر حاکمان اور ان سب کا ذکر کیا جاتا ہے "جو اِس ملک میں کسی طرح کا اختیار رکھتے ہیں" تو والیان ریاستہائے کو فراموش نہ کر دیا کریں۔ اور اگر بلا اجازت ایک نقطہ یا شوشہ نماز کی کتاب کا نہیں بدل سکتا تو بعض ضروری دعاؤں یا کم ازکم الفاظ کو ایزاد کرنے کی اجازت جلد حاصل کریں

ہندوستان میں انجیل کی منادی۔ چرچ مشنری سوسائٹی کی ایکسوتیسری سالگرہ پر بروز ۱۲ اپریل ایک کونوشن شہر لنڈن میں منعقد ہوئی جسمیں خاص مضمون آقا اور کام اور کارندے تھا۔ کام کی نسبت تقریر کرنیوالوں میں اول پادری ٹزڈیل صاحب نے جو عرصہ تک پنجاب میں بھی رہے ہیں بیان کیا کہ محمدیوں میں کیا کچھ کام ہو رہا ہے۔ خلاصہ جسکا یہ تھا کہ اس فرقہ کے لوگوں میں بہت تھوڑی منادی ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپنے فرمایا کہ ۱۸۸۷ء میں شہر بمبئی میں ایک اکیلا مشنری ....۲ ا محمدیوں کے درمیان کام کرنیوالا تھا۔ اور ۱۸۹۲ء میں فارس میں فقط ایک ہی مشن کا اسٹیشن تھا۔ اگرچہ انجیل کا ترجمہ محمدیوں کے قریب تمام ممالک کیلئے کیا گیا ہے اور اسکی اشاعت میں کوشش بھی ہو رہی ہے۔ مگر بیسویں صدی میں خصوصاً محمدیوں میں انجیل کی منادی پر زور دینا چاہئے۔ اِس جلسہ سے چند گھنٹہ پیشتر پادری مینلی صاحب جو انگلستان کے سینٹر رینگلر اور ہندوستان کے طلبا میں کام کرنے کی خاطر کچھ عرصہ کیلئے اس ملک میں تشریف لائے تھے واپس انگلستان میں جا پہنچے۔ آپنے ایک بڑی پُرزور تقریر میں ثابت کیا کہ ہندوستان میں منادی کا کام بہت تھوڑا ہو رہا ہے۔ بلکہ سامعین نے آپکے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہندوستان میں کام نہیں ہو رہا۔ آپنے دورانِ تقریر میں فرمایا کہ "میں آپکو بتاتا ہوں کہ آپ ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں کسی مشن کے اسٹیشن میں یا کسی درمیانی مقام میں جلیئے اور پانچ منٹ بائسکل پر سواری کرکے آپ ایک ایسا ضلع دیکھینگے جہاں کبھی کسی نے منادی نہیں کی۔ ہر جگہ مشن کی لین ڈوری موجود ہے۔ مگر سوائے چند مستثنیات کے جو خال خال نظر آتے ہیں ہندوستان ابتک جیسے کا ویسا پڑا ہے"! جو کام ہو رہا ہے اسکی نسبت آپنے فرمایا کہ مشنریوں کی کمی کی وجہ سے بالکل ادھورا پڑا ہے۔ آپنے خصوصاً الہ آباد کی ایک قابلِ رحم تصویر کھینچ کر دکھائی۔ یہی آپکا مقرّرہ اسٹیشن تھا اور اس لئے اس شہر کے حالات سے آپ بخوبی واقف تھے۔ لطف یہ کہ الہ آباد میں بمقابلہ دیگر بڑے شہروں کے مشنری کم جمعیت نہیں رکھتے۔ اور پھر بھی بقول انکے وہاں مشنری کام قابلِ اطمینان نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو باقی بڑے بڑے شہروں کا حال بھی "بشرح صدر" نکلے گا۔ ایک مشکل یہ ہے کہ بعض مقامات میں جہاں ایک مشن قایم ہے دوسروں کو داخل ہونے نہ دیگا۔ حالانکہ خود کچھ کام نہیں کرتا۔ یہ "نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دینگے" والی پالیسی انجیل کو روکنے والی ہے۔

وعظ کے طریقے

مندرجہ بالا عنوان کا ایک مضمون ہمعصر انڈین وٹنس میں ہماری نظر سے گذرا۔ ہم اس اخبار کو نہایت معزز اور اسکی رائے کو قابل وقعت سمجھتے ہیں۔ اسکی عملی مسیحیت اور مسیحی فرایض کا صحیح احساس اور امتیاز ہمیشہ قابل تعریف ہے۔ مضمون زیر قلم سے راقم کا وسیع تجربہ مترشح ہوتا ہے۔ چونکہ ہمکو اسکے مفید اور دلچسپ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اسلئے اس تحریر کا زیادہ حصہ اقتباس کرنے کیلئے ہمکو ناظرین سے معذرت کی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں۔

راقم نے اوّل وعظ کی تعریف یوں کی ہے کہ وعظ عام معنی میں ایک ایسی تقریر ہے جو کوئی مقرر شدہ خادم الدین سامعین کو تعلیم دینے اور قایل کرنے اور خدا اور اپنے ہمسایہ کی نسبت فرایض کی طرف مائل کرنے کی غرض سے سنائے۔ واعظ کا ہدف ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل ودماغ پر اپنے کلام کی تاثیر جمائے۔ بدیں لحاظ یہ خدمت نہایت ذمہ واری کی اور اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور یسوع مسیح کا جو خادم سستی اور بے پروائی کی وجہ سے وعظ تیار کرنے میں کاہلی کرتا ہے وہ اس جلیل اور مقدس خدمت کے لایق نہیں ہے۔

ہندوستان میں ہر سال واعظوں کی تعداد ترقی پر ہے۔ یہ ازبس ضروری ہے کہ وہ روحانی آدمی ہوں اور خدا کے کلام کو صحیح طور پر پیش کرنا اور زندہ خدا کی کلیسیا کو تعمیر کرنا جانیں۔ واعظ کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ خدا کے آگے صداقت کو انسان کے نور قلب پر روشن کرے۔ وہی شخص اس کام کے قابل ہے جسکو خدا نے بھیجا ہے جس میں خدا کی روح ہے اور جو خدا پر پورا بھروسہ کرکے اپنے دل وجان سے محنت کرتا ہے۔

ہر ایک واعظ کا فرض ہے کہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ میں اپنی خدمت کو کیونکر بہترین طور پر پورا کرسکتا ہوں۔ اِس امر کے بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ ہر ایک شخص کیلئے وعظ کا سب سے اچھا طریق وہی ہے جس سے وہ کمال آسانی سے اور دلچسپ اور موثر طور پر سامعین

کے سامنے نجات کی بڑی سچائی کو پیش کرسکتا ہے۔ کیونکہ دراصل یہی صداقت تمام مسیحی وعظوں کا لب لباب اور عطر ہے۔ وعظ کے بہت سے طریق کلیسیا کے ہر زمانہ میں مروج رہے ہیں اور ہر ایک میں کچھ نہ کچھ خوبی ہے۔ فقط چند ایک کا ذکر مختصراً ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اوّل۔ عموماً فی البدیہہ طریق افضل خیال کیا جاتا ہے۔ اِس طریق میں ممکن ہے کہ بہت سی تحریری تیاری کی جائے مگر پلپٹ پر کھڑے ہو کر کوئی تحریر استعمال نہیں کی جاتی۔ اگر اور شرائط کو نظر انداز نہ کیا جائے تو یقیناً یہ بہترین طریق ہے جو شخص بے دھڑک جماعت کے سامنے کھڑے ہو کر اور ان سے آنکھیں ملا کر اپنے مضمون کو بڑے بے تکلف طور پر پیش کرسکتا ہے اور اپنے کسی نوٹ کا محتاج نہیں وہ بلاریب اور قسم کے واعظوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ مگر جیسا اوپر ذکر کیا گیا اُسکو ضروری شرائط کی پابندی بھی لازم ہے مثلاً ایسے واعظ کو صاحب لیاقت ہونا ضرور ہے۔ چاہئے کہ اسکو فن تقریر میں مہارت ہو اُسکے مضامین تازہ اور باترتیب ہوں ورنہ محض فی البدیہہ تقریر کرنا فضول ہے۔ یہ کوئی نہ سمجھے کہ فی البدیہہ تقریر کرنے والے کو تیاری کی ضرورت نہیں بلکہ اس طریق میں اوروں سے زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ اِس میں ایک اندیشہ بھی ہے۔ ممکن ہے کہ جو شخص فصیح تقریر کرسکتا ہے وہ یہ سمجھنے لگے کہ میں جو کچھ اناپ شناپ بول جاؤنگا لوگ اُسکو پسند کرینگے۔ حیف اس واعظ پر جو اپنی فصیح بیانی پر نازاں ہے اور وعظ کی تیاری میں تغافل کرتا ہے۔

دوم۔ وہ طریق جس کو ہم اپنی زبان کی بے بضاعتی کے سبب طوطے شاہی طریق کہیں گے۔ بعض واعظوں کا حافظہ ایسا عجیب خداداد ہے کہ وہ اپنی پوری وعظ کو لکھ کر لفظ بلفظ حفظ کر لیتے ہیں۔ اور نہایت درستی کے ساتھ اسکو سنا سکتے ہیں۔ بعض بڑے نامی واعظ اس طریق کے پابند رہے ہیں مگر باوجود اسکے اس طریق کو اختیار کرنے والا پابہ زنجیر رہتا ہے۔ ایک بڑا بھاری نقصان اس طریق کا یہ ہے کہ اگر وعظ کے وقت کوئی نیا خیال پیدا ہو تو وہ اسکو پیش نہیں کرسکتا۔ اگر خدانخواستہ کوئی لفظ یا فقرہ ایسے واعظ کو وقت پر جواب دے جائے تو اسکے پھسلتے پاؤں کو کھڑا کرنا دشوار ہے جیکن

ہے کہ کوئی شخص بڑی جد وجہد کے بعد اس طریق میں مشاق ہو جائے مگر ہم اپنے ہندوستانی بھائیوں کو اس طریق کے اختیار کرنے کی صلاح کبھی نہ دیں گے۔

سوم۔ تحریری وعظ کو پڑھ کر سنانے کا طریق۔ ہندوستانی واعظوں میں اسکا بہت کم رواج ہے۔ بعض لوگ تحریری وعظوں کو سخت مطعون سمجھتے ہیں۔ مگر یہ ہرگز درست نہیں کیونکہ یاد رکھنا چاہئے کہ بعض بڑے نامی واعظ اس طریق کے مقلد ہوئے ہیں۔ جہاں معزز مسیحی خاندانوں کی مستقل جماعتیں ہیں یا جہاں واعظ پند ونصیحت کی نسبت مسائل کی تعلیم پر زیادہ زور دینے والا ہے وہاں اس طریق کا خاص فائدہ نظر آتا ہے۔ باوجود اسکے واعظ اپنی تحریر کا ایسا پابند ہوتا ہے کہ نظر ادھر نہیں اٹھا سکتا اور اگر کوئی تازہ خیال دوران وعظ میں رونما ہو تو وہ اسکو کام میں نہیں لا سکتا۔ لیکن اگر وعظ کا مضمون فی الحقیقت عمدہ ہو اور پڑھنے والا قرارت کا حق پورا پورا ادا کر سکتا ہے تو وعظ کی تاثیر میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ بہرصورت جب مسائل یا دیگر دقیق دلائل زیر بحث ہوں اور الفاظ کی صحت اور ترتیب پر بہت کچھ دارومدار ہو تو اس سے بہتر کوئی طریق نہیں۔ ناتجربہ جوان واعظوں کو کم از کم اپنی نصف وعظوں کو لکھ لینا چاہئے خواہ وہ ان کو پڑھ کر سنائیں یا نہ سنائیں۔

چہارم۔ خاص تحریری تیاری او آزادانہ تقریر کا مجموعہ۔ واعظ اپنے مضمون کا بڑے غور وفکر سے مطالعہ کرتا ہے اور بعض اوقات اپنے تمام خیالات کو قلمبند بھی کر لیتا ہے۔ مگر سوائے ضروری سرخیوں کے اپنی تحریر کا پابند نہیں رہتا۔ عموماً ایسا واعظ اپنی وعظ کا خاکہ اپنے سامنے رکھتا ہے جس میں موٹے موٹے خیالات اور نکات اور مثالوں کے اشارات وغیرہ درج کر لیتا ہے۔ بعض اپنے نوٹوں کو پلپٹ پر ساتھ لے جانا بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ اس طریق میں نئے خیالات کے ایزاد کرنے کی بڑی گنجائش ہے۔ اور یہ نہایت موثر طریق بھی ہے۔

مندرجہ بالا چاروں طریق اعلیٰ درجہ کے واعظوں میں مروج ہیں۔ اور سب میں تھوڑی بہت کچھ تیاری کرنی لازمی ہے۔ مگر جو طریق ہماری دیسی کلیسیاؤں میں نظر آتا

ہے ۔۔ وہ اوروں سے اس ایک امر میں متفرق ہے کہ اس میں تیاری نہیں کی جاتی۔ ہم اسکو کیا نام دیں۔ اگر اسکو نیکو طریق کہیں تو اپنی بہنگی پر آپ ہی لاجوں مرنیوالی بات ہے۔ اس طریق کے پابند ہمارے بعض دیسی خادمان دین ہیں جنکو بعض اوقات گرجے کا گھنٹہ یاد دلاتا ہے کہ آج گرجے میں کلیسیا کو کچھ سنانا ہے۔ اور ایسی وعظوں سے سامعین کو جو حظ اور فایدہ حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے بیان کا محتاج نہیں۔ اگر ہمکو مندرجہ بالا اقسام میں سے اپنے دیسی واعظوں کے لئے کوئی طریق چُن لینے کی اجازت ہو تو ہم کہیں گے کہ وعظ کو لکھ کر سنانا سب سے فایدہ مند ہے۔ اس میں اوّل تو تیاری کی ضرورت ہے۔ پھر وعظ کرنے والا وقت اور مضمون کی حدود سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ اگر کسی کو خدا نے فصیح بیانی یا تقریر کی طاقت دی ہو تو اسکو کلیسیا کی ترقی کے کام میں لائے مگر عام قاعدہ یہی ہونا چاہیئے کہ ایسا واعظ بھی اپنی وعظ کم و بیش لکھ کر سنایا کرے۔ اصل میں ہر ایک شخص کے لئے کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ ہر ایک شخص حسب موقع جو مناسب دیکھے سو کرے۔ فقط اپنے دل میں اس خدمت کی عظمت کا خیال ضرور رکھے۔ اسکو اپنی ہر ایک وعظ کے لئے خدا کے روبرو جوابدہ ہونا پڑے گا۔

کام کی کتابیں۔ عمر دو روزہ ہے۔ اور پھر اس میں آرام وسکون کی گھڑیاں بہت کم ہیں۔ اسلئے ہمیں کوئی گھڑی نکمی کتابوں کے پڑھنے میں ضایع نہیں کرنی چاہیئے۔ ہر شایستہ ملک کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس میں کام کی کتابیں۔ مناسب قیمت پر خوبصورتی سے چھپی ہوئی ہر شخص کو میسر آسکیں۔ اور بری چھپائی کی کتابیں۔ یا بینائی کو ضرر پہنچانے والی کتابیں۔ رذیلانہ قیمتوں پر مروج نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں بہت کتابیں درکار نہیں۔ مگر جو درکار ہیں وہ صاف چھپی ہوئی۔ عمدہ ترین کاغذ پر لکھی ہوئی اور مضبوط جلد والی ہونی چاہئیں۔ مانا کہ ہم سب کچھ بہت متمول نہیں۔ لیکن ہم میں کون ایسا ہے جو دانستہ اپنے دسترخوان پر مہمانوں کے روبرو برا کھانا چن دے اور اسے باعث ندامت نہ سمجھے۔ اسی طرح کسی کو بری چھپائی یا بھدی سلائی کی کتابیں اپنی الماری میں رکھنی مناسب نہیں۔ نظام عالم ایسا ہے کہ ہم سب کے سب امیر نہیں ہو سکتے لیکن [illegible] عقیدہ ہے کہ جو کوئی دیانت اور محنت سے کام لے وہ اتنا ضرور پیدا کرسکتا ہے کہ اپنے لئے اور اپنے متعلقین [illegible] اچھی جوتیاں اور اچھے دستانے۔ اپنے گھوڑے اور گاڑی کیلئے مضبوط زین اور ساز اور اپنی کتابوں [illegible] چمڑے کی جلدیں بنوا سکے۔ میں ہر نوجوان کو نصیحت کرتا ہوں کہ اثاث البیت کی فکر کرنے [illegible] کفایت شعاری کے ساتھ عمر بھر کے استعمال کیلئے مفید کتابوں کا ایک ذخیرہ بکر آہستہ آہستہ [illegible] اور اپنے کمرہ کی آرائش میں سب سے زیادہ توجہ اپنے چھوٹے سے کتب خانہ پر رکھے

حیات داؤد

۔

یونتن

(۱ سموئیل ۱۸: ۱)

[illegible] اجرام فلکی میں جنکو مثنی ستارے کہتے ہیں [illegible]
[illegible] ایسا اتصال ہوتا ہے [illegible] دونوں کا نام بھی جدا۔ دونوں ایک مشترکہ مرکز
[illegible] گھومتے ہیں لیکن ان کی کشش باہم ایسی مخلوط ہوتی ہے کہ [illegible] کی آگ بھی
[illegible] ہے ایسے دو دوستوں کے دائرہ کا مرکز بھی جو [illegible] مصداق
[illegible] میں ہوتا ہے۔ دو شریف۔ بلند خیال اور پاکیزہ زندگی [illegible] کے مابین کہ
[illegible] کی [illegible] بڑھ کر بھی محبت کے اس رشتہ [illegible] انسانی دوستی
[illegible] ایسا دل رہا ہے۔ قدیم علم ادب میں ایسی دوستی کی یاد
[illegible] اس کے نام ضرب المثل ہیں۔ انگریزی علم ادب میں ہیلم او ٹمنی سن
[illegible] فارسی [illegible] محمود اور ایاز کا قصہ بھولا نہیں۔ لیکن یونتن اور
[illegible] کر [illegible] کے گلشن میں کوئی یادگار کا پھول ایسا شگفتہ نہیں۔

[illegible] جو عمر میں داؤد سے بڑا تھا داؤد پر بڑا اثر ہوا ہوگا۔ پہلی ہی نظر
[illegible] پیدا ہو گئی۔ "اور ایسا ہوا کہ جب داؤد ساؤل سے بات کر چکا
[illegible] سے مل گیا اور یونتن نے اسے اپنی جان کے برابر دوست رکھا۔"
[illegible] نے اس [illegible] کا اظہار تو نہ کیا لیکن اسی رات جب یہ جوان گذریا
[illegible] دن کے واقعات سنا رہا تھا ایک شاہی پیادہ اس
[illegible] اور خیمہ میں داخل ہونے پر اسکا استقبال ایسی برادرانہ محبت
[illegible] صبح کو وہ اپنے بڑے بھائی الیاب کو کھو چکا تھا لیکن
[illegible] مل گیا جو بھائی سے بڑھ کر وفادار نکلا۔ یہ جوان اس خیال
[illegible] کی دوستی کے [illegible] نہیں اور شاہی لباس کے مقابلہ
[illegible] معلوم دیا [illegible] لیکن یونتن کے اظہار محبت کے
[illegible] خصوصاً [illegible] کہ [illegible] اپنا لباس اور چوغہ
[illegible] داؤد کو دے دئے [illegible] یونتن اور داؤد نے باہم قول وقرار

کیا کیونکہ وہ اسے اپنی جان کے برابر چاہتا تھا"

اوّل۔ اس دوست کی سیرت اور اسکے اخلاق حمیدہ پر غور کرو جسکو یہوواہ نے اپنے عزیز کی سیرت ڈھالنے کے لئے چُنا اور پھر اپنے سب سے گہرے اور ہمراز دوستوں کا انتخاب اسی پر چھوڑ دو۔ وہ جانتا ہے کہ تمہاری طبیعت اور مزاج کی ضرورت کیا ہے اور ایسا دوست تمہیں کہاں سے ملے گا جو کمزوری کے وقت تمہیں قوت دے اور تمہاری بالقوہ لیاقتوں کو ظاہر کرے۔

اس میں جملہ مردانہ صفات پائی جاتی تھیں۔ صادق دوستی میں مزاج اور مقاصد ایکساں ہونے چاہیئے۔ دو شخص جب اکٹھے سفر کرتے ہوں تو ان کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ آپس میں اتفاق رکھیں۔ اور شروع ہی سے یہ دونو دوست مردانہ صفات کے رشتہ سے باہم بندھے رہے۔ یونتن اپنے تیر و کمان میں ایسا چابک دست تھا جیسا اسکا دوست فلاخن چلانے میں۔ غصّہ سے شعلہ زن ہو جاتا۔ اپنے باپ کے غصّہ کی چُپ چاپ برداشت کر لینا اور کیسا ہی خطرہ کیوں نہ ہو اپنے دوست کی مدد دلیری سے کرتا تھا۔ اس نے اپنے ایک ہی سلاح بردار کو ایسی تحریک دلائی کہ وہ اسکے ہمراہ ساری فوج پر حملہ آور ہوا۔ حملہ کے رُخ کو اکیلے موڑ دیا اور سارے لوگوں کی محبت اور آفرین ایسے حاصل کی کہ انہوں نے اُسکے اور اسکے باپ کے بیچ پڑ کر اُسے موت کی سزا سے بچا لیا۔ یونتن جب کوہ جلبوعہ پر مارا پڑا تو داؤد نے اُسکی کوئی جھوٹی خوشامد نہ کی جب وہ اس پر یوں نوحہ زن ہوا کہ "اے اسرائیل کے غزال تو اپنے پہاڑوں پر مارا پڑا۔ ہائے بہادر کیوں گر گئے"

وہ بڑا زود اثر اور نرم دل اور دردمند تھا اکثر لوگ خصوصاً ہمارے اہل وطن مردانہ صفات۔ زور۔ قوت اور استقلال پر بڑا زور دیتے اور ان کی بالمقابل صفات کی جو بالعموم عورتوں میں پائی جاتی ہیں بے قدری کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک سچے مرد میں عورت کا مزاج بھی ہونا چاہیئے جیسے مرد کامل یسوع مسیح میں تھا۔ اس میں نہ مرد ہے نہ عورت کیونکہ دونو کی صفات کا مناسب مجموعہ اس میں پایا جاتا ہے اور ہم میں بھی چاہیئے کہ قوت اور شیرینی۔ ہمت اور ہمدردی پائی جائے۔ بلوط ہوں تو اسکے ساتھ ہی ہم کو بیل بھی بننا چاہئے جو اس پر چڑھی ہوتی ہے۔ چٹان ہوں تو سبزی بھی بنیں جو اُسے ڈھانپے رہتی ہے۔

یونتن کی قوتِ محبت عجیب تھی۔ وہ داؤد کو اپنی جان سا عزیز رکھتا تھا۔ وہ تیار تھا کہ بلا تامل اور بلا حسرت تخت کا دعویٰ چھوڑ دے اگر یں وہ اپنے عزیز کے ساتھ ساتھ رہ سکے۔ اسکی محبت ایسی تھی جو بوس و کنار و گریہ و زاری سے اپنا اظہار کرتی ہے۔ اور اپنے محبوب کے دل میں بھی محبت پیدا کرتی ہے۔

"مجھ پر تیرے لئے اے میرے بھائی یونتن بڑا دکھ پڑا۔ تو مجھے نہایت دل پسند تھا۔ تیری

تیری محبت نہایت عجیب تھی بلکہ عورتوں کی محبت سے بھی زیادہ ۔"

لوگوں کی سیرت کا موازنہ ان کے دوستوں سے ہوتا ہے اور اس امر سے بھی کہ دوست ان کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں ۔ جو شخص داؤد سے ایسی گہری محبت رکھتا تھا اس میں ضرور ایسی صفات ہوں گی جن کے لئے داؤد نامور تھا ۔ اس امر پر اکثر زور دیا جاتا ہے کہ متضاد صفات اشخاص آپس میں اکثر دوست ہوتے ہیں اور عموماً اس حالت میں ہوتا ہے کہ ایک امیر ہو تو دوسرا غریب ۔ لیکن گہری اور صادق محبت انہی کے مابین ہو سکتی ہے جن کی سیرت اور مزاج ایکساں ہو ۔ اس محبت پر نظر ڈالتے وقت جن سے یہ دونو باہم بندھے تھے ۔ شاعرانہ نازک مزاجی ۔ ہمدردی ہمت اور ہر ایک پاکیزہ اور شریف اور دلی تحریک کے قدر کرنے کی قابلیت جن کے لئے داؤد نامور تھا یونتن سے منسوب کرنی چاہئے ۔

یہ وہی کا بڑا پابند تھا ۔ جب وہ اپنے سلاح بردار کے ساتھ فلسطی لشکر پر حملہ کرنے کو جاتا تو اس کی باتوں سے صاف عیاں ہے کہ وہ خدا کی راہوں سے واقف ہے ۔ کیونکہ اس نے کہا کہ خداوند کے نزدیک کچھ دشوار نہیں کہ اگر وہ چاہے تو بہتوں سے رہائی بخشے اور چاہے تو تھوڑوں سے اور مقرری نشان ملنے پر اسکو پورا یقین ہو جاتا ہے کہ خداوند فتح بخشے گا ۔ (۱ سموئیل ۱۴ باب)

اور جب اپنے باپ کے ساتھ پہاڑی پر کھڑے اس نے دیکھا کہ یہ جوان جولیت کے مارنے کو نکلا اور اسرائیل کے لئے بڑی فتح پائی تو اس فتح میں خدا کے ہاتھ کو دیکھ اور اس کے دل میں مقدس اور شکر گذاری کے خیال پیدا ہوئے (۱ سموئیل ۱۹: ۵)

جب یہ دونو دوست ایک دوسرے سے جدا ہوتے اور ان کی اس مبارک دوستی کے بحال ہونے کی امید بہت کم ہوتی ہے تو یونتن اس واقعہ سے تسلی پاتا ہے کہ الٰہی انتظام ہے اور کہ خدا ہمارے درمیان ہے ۔ ان کے درمیان ایک کو دوسرے سے جدا رکھنے کے لئے نہیں بلکہ باہم پیوستہ اور وابستہ رکھنے کو جیسے سمندر دور دراز کے ملکوں کو ہم سے پیوست کرتا ہے ۔ اپنے عزیزوں سے ہم کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں خدا میں ہوکر ہم ان کے نزدیک رہتے ہیں کیونکہ اس کی حضوری ہم میں اور ہمارے چوگرد رہتی ہے ۔ ہماری اور ان کی محبت کے درمیان خدا کی محبت کے سمندر میں جا پڑتے ہیں

اور جب ان دوستوں کی آخری ملاقات ہوئی تو وہ ایک بیابان میں ملے ۔ یونتن اس سے ملنے آیا اور اسکو خدا کی قوت و ہمت دی "۔ ان الفاظ کا ٹھیک ٹھیک مفہوم لکھنا مشکل ہے ۔ ہمارے دل ہی آپ سے آپ اسکا مطلب نکالتے اور تصور باندھتے ہیں کہ خدا کی قوت و ہمت کا چشمہ اس شریف روح سے نکل کر اسکے دوست کے دل میں بہہ نکلا ۔ جو شخص دوسرے کو ہمت دلائے وہ خود ضرور مضبوط ہوگا ۔ جو شخص خدا کی تسلی دینا چاہے ضرور ہے کہ پہلے خود اسکو خدا سے پائے اور ہم آسانی سے سمجھ سکتے

ہیں کہ کیونکر یونتن اپنے دل کی بے چینی میں کہ ایک طرف تو باپ کی لبرانہ جان نثاری کا خیال اسے ستاتا تھا اُدھر اپنے دوست کی محبت اس کی دامنگیر تھی۔ آخر نیچر کے اس منبع پر آ ٹھہرا کہ جس سے مصیبت زدہ تسلی پاتے ہیں۔

دوم۔ یونتن کی زندگی کی کشمکش پر فکر کرو۔ باپ پر تو وہ جان نثار کرنے کو تیار تھا وہ ہمیشہ اس سیاہ سیرت شخص کے ساتھ ساتھ رہتا تھا جو ایسا مغموم رہتا کہ دیوانہ ہو جایا کرتا تھا۔ بُری روحیں اُسے اکثر ستاتی تھیں اور تاہم جس پر راگ کا اثر پڑا کرتا تھا اور بہادری۔ حُبّ الوطنی اور فیاضی کی اپیل کا جواب فوراً دیتا تھا۔ ہاں وہ ایک ایسی پہاڑی جھیل کی مثال تھا۔ کہ کبھی تو اس میں پہاڑوں اور فضا کا عکس پڑتا اور کبھی اس میں سیاہ طوفان اُٹھتے ہیں۔ زندگی بھر باپ اور بیٹا اکٹھے رہے جیسے وہ موت میں بھی جدا نہ ہوئے۔

جب ساؤل اسرائیل کے تخت پر بیٹھا۔ تو خداوند اسکے ساتھ تھا اور یونتن یہ جانتا تھا (۱ سموئیل ۲۰: ۱۳) اسکو اس امر سے بڑی راحت ہوتی ہوگی کہ مجھ پر جیسا دعویٰ باپ کا ہے ویسا ہی خدا کا بھی ہے۔ اور دونوں کا وہ وفادار تھا۔ لیکن یہ حالت دیرپا نہ رہی۔ خدا نے ساؤل کو ترک کر دیا اور بادشاہت کو قابو میں رکھنے کی قوت جاتی رہی۔ فلسطی ملک پر حملہ آور ہونے لگے۔ اسکے بچاؤ کے ہتھیار بیکار ہو گئے۔ لوگ کانپتے کانپتے اسکا ساتھ دینے لگے اور سموئیل نے بھی اُسے بتا دیا کہ تمہاری بادشاہت دیر تک رہ نہیں سکتی اور ایک سیاہ دن میں ساؤل نے قربانی چڑھا کر کہانت کا عہدہ خود اختیار کر لیا۔ تو اسی وقت یہ فقرہ کہا گیا کہ خدا نے اپنے دل کے مطابق ایک مرد چن لیا ہے اور خدا نے اس کو اپنے لوگوں پر شہزادہ مقرر کیا۔"

اس وقت سے ساؤل کو زوال آتا گیا لیکن یونتن نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا گویا اُسے امید تھی کہ اپنی فرمانبرداری سے وہ اپنے باپ کی شکست کے نتائج کو اُلٹا دے اور بادشاہت کو قابو میں رکھے۔

اوّل اوّل تو یہ کام مشکل معلوم نہ ہوا۔ سوائے باپ کے کوئی اور اسکے دل کی محبت کا حصہ دار نہ تھا۔ اس لئے فلسطیوں کے ساتھ جنگ کرنے میں اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالنا دشوار نہ تھا اور جب شہد سے بھرے جنگلوں میں سے مکماش سے عجلون تک وہ فلسطیوں کو مارتا گیا اور سارا اسرائیل اس کے پیچھے پیچھے تھا تو اس کا دل مسرت آمیز آئندہ کے متعلق خیالوں سے کیسا شعلہ زن ہوتا ہوگا۔ لیکن یاس اس کے نصیب میں تھی۔ اس کا تو خیال تھا کہ میرے باپ کی بادشاہی پھر مضبوط ہو جائیگی لیکن بجائے اسکے کیا دیکھتا ہے کہ اس کا باپ اس لہر میں جو اسکو خدا سے دور لے جا رہی تھی اور بھی زور سے بہا جاتا ہے۔ عمالیقیوں کو ہلاک کرنے کے متعلق ساؤل کی نافرمانی بد روح کا اس پر قبضہ کرنا اور اسے وحشت دلانا۔ سموئیل کی جدائی۔ ان باتوں نے اس بہادر اور سرگرم روح

بڑا اخلاقی اور جنگ کا کام کیا۔ اس بدبخت کے فیصلوں کو ٹالنے کی وہ کیا تدبیر کرے؟ اس طوفان کو کیسے روکے؟ دروازے پر سے دشمن کو کیسے واپس کرے؟ اسی خیال سے کہ میں ان باتوں کے انسداد کا بار اٹھاؤں۔ مگر اسے جولیت سے لڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب کبھی اس نامختون سورما کے چیلنج کا نعرہ اس کے کانوں کو خراش کرتا تو اس کے دل میں یہ جوش پیدا ہوتا ہوگا کہ اس نامراد کا مقابلہ کرے، اس کا خاتمہ کر ڈالوں یا اپنی جان پر کھیل جاؤں۔ لیکن اس کی روح پر بے ہمتی اور یاس کے بادل چھا آتے تھے۔ وہ بیچارہ کیا کر سکتا تھا۔ اس کے وطن عزیز کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو چکا تھا۔

جب وہ صبح کو اٹھا اور اسے معلوم ہوا کہ داؤد سے بیٹی محبت رکھتی ہوں تو اس کی زندگی میں ایک اور مشکل پیدا ہوئی۔ یہ مشکل ظاہری نہ تھی کیونکہ ساؤل داؤد سے حسد رکھتا تھا ان میں ظاہرا کوئی نا اتفاقی نہ تھی۔ داؤد محل کے اندر باہر آتا جاتا۔ بڑی اعتماد کی جگہ رکھتا اور ملاقات کے لئے جن کے لئے دونوں ترستے تھے نزدیک رہتا تھا۔ لیکن جب حسد اور دشمنی کے شعلے جو بر سے ساؤل کے دل میں سلگ رہے تھے روشن ہوئے تو اسکی زندگی کی حقیقی بے چینی پیدا ہوئی۔ ایک طرف تو اسکو اپنے فرائض کا خیال بہ حیثیت بیٹا اور رعیت اپنے باپ کی تابعداری میں رکھتا تھا گو وہ جانتا تھا کہ میرے باپ کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا اور اسکے ساتھ تعلق رکھنے سے میں اپنے آپ پر تباہی لاتا ہوں۔ دوسری طرف اس کا دل داؤد کے لئے روتا تھا۔

داؤد سے محبت رکھنے کے باعث اس نے کوشش کی کہ باپ اور دوست کے مابین صلح کرا دے۔ اس نے بہت زور لگایا پر آخر کو جب کچھ بنتا نظر نہ آیا تو اس خیال کو چھوڑ دیا۔ اور چونکہ یہ خیال اسکے دل میں پیدا ہوا ہوگا کہ اس ڈوبتے جہاز سے وقت پر میں الگ کیوں نہ ہو جاؤں؟ میں اپنی قسمت اس شخص کی قسمت کے ساتھ وابستہ کیوں نہ کروں جسکو خدا نے چن لیا ہے؟ ابرت ہی تو اسکے گرد اُٹھ رہی ہے۔ اسی سے میں تعلق پیدا کیوں نہ کر لوں گو یہ میرے باپ کے خلاف کیوں نہ ہو!

یہ آزمائش بڑی پرزور اور کارگر تھی لیکن بے اثر اس کے پاؤں نیچے گر گئی۔ فرض۔ اہمیت۔ خدا کے مسوح بادشاہ کی فرماں برداری کا رشتہ انسانی محبت کے رشتہ سے مضبوط تھا۔ اور غور و فکر کے بعد اس نے اپنے دل کی اپیل سے منہ موڑ کر اپنے باپ کا ساتھ دینا مناسب سمجھا۔ اس پسند سے اس نے کبھی گریز نہ کیا۔ داؤد کے رخصت ہونے پر یونتن شہر کو چلا آیا۔ اس کا باپ اس کے یسی کے بیٹے سے دوستی رکھنے پر خواہ کتنے ہی طنز کرے وہ چپکا رہا اور جب ساؤل فلسطیوں سے اپنی آخری جنگ کرنے کو نکلا تو یونتن اس کی طرف سے اور اسکے ساتھ ہو کر لڑا گو وہ جانتا تھا کہ کسی نہ کسی صورت میں داؤد ان فلسطیوں کا شریک ہے۔

اصول کے جذبہ پر۔ اور فرض کے میلان طبع پر فتح پانے کا یہ ایک بڑا اعلیٰ اظہار ہے جو تواریخ کے صفحوں میں پایا جاتا ہے۔

یونتن ایک بہادر کی موت موا۔ نہ اس لئے کہ اپنے ملک کے دشمنوں سے وہ ایسے دلیرانہ لڑا بلکہ اس لئے کہ انسانی دل کے بڑے مضبوط جذبہ پر ہاں ایک ایسے مضبوط شخص کی محبت پر جس میں مذہب اور نیک اور راست چیزوں کیلئے سرگرمی مشترک تھی فتح پائی۔

ایسی کشمکش ہم سب کو پیش آتی ہے جب خدا کا فرمان تو ایک راہ بتاتا اور دل کی خواہش دوسری۔ جب ایک طرف سے آندھی اٹھتی اور دوسری طرف سے جوار بھاٹا۔ جب کبھی تجھ پر یہ واقع ہو تو خدا کا فضل تجھے توفیق دے کہ ایسی راہِ راست اختیار کرے اور کانشنس (ضمیر) کے فرمان کی ایسی پیروی کرے جیسے یونتن بن ساؤل نے کی!

یسوع کے خاص دوست

۶

دوستی کی شرائط

ہر ایک شخص کو جو انجیلوں کا بغور مطالعہ کرتا ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیح کی بلاہٹوں میں دو خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے کے متضاد ہیں یعنی ان کی وسعت اور تنگی۔ وہ ایسی کشادہ ہیں کہ ان میں تمام بنی آدم شامل ہیں تو بھی اپنی شرائط کے لحاظ سے ایسی تنگ ہیں کہ صرف چند ہی ان کو قبول کر سکتے ہیں۔

انجیل کل دنیا کے لئے ہے اور خدا کی لامحدود محبت کی مانند وسیع ہے۔ خدا نے جہان کو پیار کیا۔ جب یسوع لوگوں میں پھرتا تھا تو اسکا دل سب کے لئے کھلا رہتا تھا۔ وہ کسی خاص قوم کا مرتی نہ تھا۔ اور نہ ہی اسکے نزدیک ایک شخص بھی ایسا تھا جسکو وہ چھو نہ سکتا یا جسکے ساتھ کھلا دملا میں گفتگو نہ کر سکتا تھا یا جسکو اسکے ساتھ دوستی پیدا کرنے کا حق نہ تھا۔ اس نے اپنے تئیں ابن آدم کہا جس سے کسی خاص شخص کا بیٹا مراد نہیں بلکہ آدم ابن اور اس لئے وہ ہر ایک شخص کا بھائی ہے۔ جس میں انسانیت پائی جاتی تھی اسکے لئے اسکے دل میں جگہ تھی جہاں کہیں کوئی محتاج شخص پایا جاتا وہیں وہ اپنی ہمدردی ظاہر کرتا اور برکت دینا چاہتا تھا کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ جو گناہ میں گر چکا ہو اور مسیح رحم اور محبت ظاہر کئے بغیر اسکے پاس سے گذر گیا ہو۔ انسان ہونا اس کے دل کیلئے گویا پروانۂ راہداری تھا۔

یسوع کی تمام بلاہٹوں پر وسعت کی مہر لگی ہوئی ہے "اے تم لوگو جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہو سب میرے پاس آؤ کہ میں تمہیں آرام دونگا۔" "جو میرے پاس آتا ہے میں اُسے ہرگز نکال نہ دونگا۔" "اگر کوئی پیاسا ہے تو میرے پاس آئے اور پیئے" ایسے ایسے الفاظ ہمیشہ اسکے لبوں سے نکلتے رہتے تھے۔ کوئی مرد یا عورت اسکے ان الفاظ کو سن کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ "اُن میں میرے لئے کچھ نہیں ہے"۔ ان میں کسی کو بھی الگ رکھنے کا اشارہ تک بھی موجود نہیں ہے۔ کسی خاص فرقہ مثلاً راستباز۔ معزز۔ مہذب یا غیر مہذب۔ اشراف اور دولتمند کے آنے کی نسبت ایک لفظ بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ یسوع نے ایسا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ صرف اسی کو بلاتا ہے جو تھکا اور بوجھ سے لدا ہوا ہو۔ جو آسکتا ہے وہ قبول کیا جاتا ہے اور کسی طرح سے نکال نہیں دیا جاتا۔ جو کوئی پیاسا ہو آنے اور پینے کے لئے بلایا جاتا ہے۔

بعض استاد اپنی تعلیم کے مطابق خود ہی عمل نہیں کرتے وہ خدا کی عالمگیر محبت کا تذکرہ کرتے ہیں مگر لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس سے اُس محبت کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ اگرچہ سب کو پیار کرنے کا اقرار تو کرتے ہیں مگر جب کوئی نیچ آدمی ان کے پاس سے گذرتا ہے تو وہ اپنے دامن سمیٹنے لگتے ہیں۔ لیکن یسوع ٹھیک خدا کی اس محبت کے مطابق جس کی وہ تعلیم دیتا تھا زندگی بسر کرتا رہا۔ اسکی نسبت یہ بات لفظی طور پر صادق آتی رہی کہ اس نے کسی کو جو اسکے پاس آیا نکال نہیں دیا۔ اس نے راستبازی کی ان صفات کی تردید کی جو اسکے اپنے لوگوں کے دینی استادوں نے بتائیں اور قائم کی تھیں وہ ہمیشہ اپنے عبادت خانوں کی عبادت کے موقعوں پر پڑھا کرتے تھے کہ "تو اپنے پڑوسی کو اپنی مانند پیار کر" مگر وہ پڑوسی کے لفظ کو ایک خاص قومی اور روحانی منتخب شدہ لوگوں کے دائرے تک ہی محدود کر دیتے تھے۔ برعکس اسکے یسوع نے سکھلایا کہ کسی شخص کا پڑوسی اسکا وہی ہم جنس ہے جو محتاجی میں مبتلا ہو گیا ہو خواہ کوئی ہی کیوں نہ ہو اس لئے جب کبھی کھوئے ہوئے اور رد کئے ہوئے لوگ اس کے پاس آئے انہوں نے محسوس کیا کہ خدا کی محبت نے اس میں اوتار لیا ہے۔

ہم پڑھتے ہیں کہ ایک دفعہ تمام محصول لینے والے اور گنہگار اسکی تعلیم سننے کے لئے اسکے پاس آئے لیکن یہودیوں کے دینی معلموں نے اسکا نقص نکال کر یہ کہا کہ "یہ شخص گنہگاروں کو قبول کرتا اور ان کے ساتھ کھاتا ہے" مگر اس نے یہ کہہ کر اپنے اس طریق کی تشفی کی کہ "میں کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے کے لئے ہی تو آیا ہوں"۔ ایک اور موقعہ پر اس نے کہا کہ "میں حکیم ہوں اور حکیم تندرستوں کے لئے نہیں بلکہ بیماروں کے واسطے ہوتا ہے میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کے لئے بلانے آیا ہوں۔ ایک غریب عورت جو گنہگار تھی اس کی اس پُرحقیقت دعوت کو کہ "اے تم لوگو جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہو میرے پاس آؤ" سن کر اسکے اس کلام کی صداقت کو آزمانے کے لئے اسکے پاس آئی اور روتی ہوئی اسکے

قدموں پر گر کر روتے ہوئے انہیں بھگو دیا اور اپنے بالوں سے پونچھ کر چوما۔ تب اس نے جٹاماسی کے عطر کا ایک ڈبا کھول کر تمام عطر اس کے قدموں پر ڈال دیا۔ اس کا ایسی عورت کو اپنے قدموں کے پاس ٹھہر کر ایسا کرنے کی اجازت دینا عام دستور کے خلاف تھا۔ اگر وہ یہودی مذہبی ہوتا تو اسکو نفرت سے اپنے پاس سے نکال دیتا تاکہ چھو کر اسکو ناپاک نہ کر دے۔ لیکن یسوع نے اس عورت کو اپنے پاس ٹھہرنے دیا تاکہ وہ اپنی توبہ اور محبت کا کام پورا کر لے۔ بعد ازاں اس سے ایسی باتیں کہیں جن سے اسکو یقین ہو گیا کہ معافی اور سلامتی اسے حاصل ہو گئی ہے۔

یہ یسوع کی زندگی میں اسکی وسیع ہمدردی کی صداقتوں کے بہت سے ثبوتوں میں سے ایک ثبوت ہے کہ محصول لینے والے اور گنہگار اس کے پاس آتے تھے کیونکہ اس میں کوئی ایسی خوبی تھی کہ ان کے لئے اسکے پاس آنا اور اس سے اپنے گناہ کے بوجھ کا ذکر کرنا اور بہتر زندگی کے حاصل کرنے کے لئے درخواست کرنا آسان تھا۔ چنانچہ اسکے شاگردوں میں ایک محصول لینے والا تھا جب یسوع نے اسکو اپنا شاگرد بنانے کے لئے بلایا تو اسکو اپنے دوستوں میں شامل کر کے اپنے نزدیکیوں میں شامل کیا۔ اور اب اس کا نام آسمانی شہر کی بنیادوں میں سے ایک پر بطور "برے کے رسول" کے کندہ ہے۔

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کی محبت قولاً و فعلاً کیسی فراخ اور وسیع ہے۔ اس کا دل ہر ایک انسان کے لئے رحم سے معمور تھا۔ اسکے پاس برکت تھی جسے وہ ہر ایک روح پر نازل کرنا چاہتا تھا۔ جو چاہتا یسوع کا دوست ہو سکتا تھا اور ان میں شامل ہو سکتا تھا جو اسکے بہت نزدیک رہتے تھے۔ کسی کے لئے اسکا دروازہ بند نہیں تھا۔

ایک اور قسم کے الفاظ بھی ہیں جن سے ان وسیع ہمدردیوں اور اس پُرفضل محبت کی حدبندی کی گئی ہے۔ بار بار یسوع اپنے شاگردوں کو مایوس کر دیتا تھا۔ جب لوگ اسکے پاس آتے تھے تو وہ انہیں کہتا تھا کہ فیصلہ کرنے سے پیشتر اس نقصان کا اندازہ لگا لو جو تمہیں میری پیروی کرنے میں اٹھانا پڑے گا۔ ایک فقرہ میں تین شخصوں کا حال مندرج ہے جو یسوع کے شاگرد بننے کے خواہاں تھے مگر وہ ان کے لئے اپنی پیروی کرنا مشکل اور کٹھن بنا دیتا ہے۔

ایک شخص اسکے پاس آیا اور چکنی چپڑی طرز سے کہنے لگا کہ "جہاں تو جائے میں تیرے پیچھے چلونگا" اس سے بڑھ کر وہ اور کیا کہہ سکتا تھا کوئی شخص اس سے بڑھکر نہیں کر سکتا تھا مگر یسوع نے اس سرگرم فقیہہ کو مایوس کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اسکا مطلب نہیں سمجھتا اور نہیں جانتا کہ اسکو اس میں کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اور شاگردی کی ضروری صفات یعنی سختی کی برداشت اور خود انکاری میں اسکی محبت قائم نہیں رہ سکے گی اسواسطے اس نے جواب دیا کہ "لومڑیوں کی ماندیں اور ہوا کے پرندوں کے لئے بسیرے ہیں مگر ابن آدم کیلئے سر دھرنے کی جگہ نہیں" غرضیکہ اس نے اپنی مفلسی اور بیکسی کی تصویر اس کے سامنے کھینچکر گویا اسے

کہا کہ "تمکو میری پیروی کرنے سے اس حالت میں پہنچنا پڑے گا۔ کیا تم تیار ہو؟"

تب یسوع دوسرے کی طرف متوجہ ہُوا اور اس سے کہا "میرے پیچھے آ" لیکن اسنے مہلت مانگی اور کہا "خداوند پہلے اجازت دے کہ اپنے باپ کو گاڑ آؤں"۔ یہ درخواست بھی واجبی معلوم ہوتی تھی۔ تمام الہامی نوشتوں میں والدین کے فرائض کو اعلیٰ درجہ دیا گیا ہے تو بھی یسوع نے کہا "نہیں" "مُردوں کو اپنے مُردے دفن کرنے دے مگر تو جا کر خدا کی بادشاہت کی منادی کر"۔ اگر مقدس کام میں فوراً مشغول ہونے کے لئے باپ کی محبت کے پاک فرض کو بھی چھوڑ دینا پڑتا ہے تو شاگرد ہونا کیا مشکل ہے۔

یہ سنکر تیسرے شخص نے بھی شاگرد ہونے کی درخواست کی مگر اسنے بھی اجازت مانگی کیونکہ اس نے کہا کہ "میں تیرے پیچھے چلونگا لیکن پہلے میں اپنے گھر کے لوگوں سے رخصت ہو آؤں"۔ یہ درخواست بھی مناسب تھی لیکن جواب اب بھی سخت دیا گیا یعنی "جو کوئی اپنا ہاتھ ہل پر رکھ کر پیچھے دیکھتا ہے خدا کی بادشاہت کے لائق نہیں"۔ جو مسیح کی پیروی کیا چاہتا ہے اسکے لئے گھر کے لوگوں سے آخری الوداع کرنا بھی منع کیا جاتا ہے۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع نے لوگوں کے لئے شاگرد بننا نہ صرف مشکل اور مہنگا کر دیا بلکہ یہ ٹھہرایا کہ شاگرد بننے کے لئے خواہ کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے اور انسانی محبت کے کیسے ہی پاک فرایض کو چھوڑنا پڑے مسیح کی بادشاہت کے کام کو اول درجہ دینا چاہئے۔

اس قسم کی تعلیم کی ایک عمدہ مثال اس جوان سردار کی ہے جس نے زندگی کی راہ پانی چاہی تھی۔ ہم عموماً متلاشیوں کے لئے مسیح کی پیروی کرنا آسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یسوع نے اس دولتمند جوان کے لئے مشکل کام پیش کیا۔ اسکے لئے تمام دولت کو چھوڑ کر خالی ہاتھ نئے مالک کی پیروی کرنا تھا کیونکہ اس نے اس سرگرم متلاشی کو ایسا مایوس کر دیا۔ اس نے اپنے دل میں دیکھا اور معلوم کیا کہ جب میں اپنے پر فتح نہ پاؤں سچا شاگرد ہو نہیں سکتا۔ سوال یہ تھا کہ وہ یا تو روپیہ کو رکھے یا یسوع کو۔ اس کے سامنے ایسی کٹھن راہ پیش کی گئی کہ کم سے کم اس دن وہ جوان یسوع کو چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

فی الحقیقت ہر ایک کو شاگرد بنانے کیلئے اس قسم کا پیمانہ رکھا گیا۔ وہ جنہوں نے اسکی پیروی کی سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ اسکے پیچھے چلے۔ ان سے طلب کیا گیا تھا کہ وہ باپ اور ماں اور بچوں اور زمین کو چھوڑیں اور اپنی صلیب اٹھا کر اسکی پیروی کریں۔

کیا وجہ ہے کہ یسوع کی وسیع بلاہٹیں اپنی عملی صورت میں ایسی تنگ کی گئیں؟ اسکا جواب بہت سادہ ہے۔ یسوع خدا کا مظہر تھا یعنی خدا کا جسم ظاہر ہُوا۔ وہ دنیا میں محض اس لئے نہیں آیا کہ چند بیماروں کو چنگا کرے اور چند ایک گھروں میں ان کے مُردوں کو زندہ کرکے ان میں خوشی لائے اور اخلاقی اور روحانی تعلیموں کا ایک طریقہ قایم کرے اور مہربانی، رحم اور محبت کی خدمت کو شروع کرے بلکہ وہ آیا تھا کہ کھوئی ہوئی دنیا کو بچائے اور

انسانوں کو گناہ کی حالت سے نکال کر پاکیزگی کی حالت میں پہنچا دے۔

اور اس کام کے کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا یعنی کہ لوگ پھر خدا کی تابعداری میں واپس لائے جائیں۔ یسوع کے کلام اپنے عجیب دعووں اور تابعداری کی ذمہ داریوں سے حیران کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر لوگ آرام چاہتے ہیں تو میرے پاس آئیں۔ اگر وہ ہمیشہ کی زندگی چاہتے ہیں تو مجھ پر ایمان لائیں۔ وہ مجھے سب سے بڑھ کر پیار کریں وہ بغیر کسی قسم کی رعایت اور شرط کے میری فرماں برداری کریں۔ وہ اپنے حال اور آئندہ کے تمام منصوبے میرے ہاتھوں میں سپرد کر دیں۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے تئیں خدا کی جگہ رکھ کر اپنے لئے وہ سب کچھ طلب کرتا ہے جو خدا طلب کرتا ہے۔ اور ان سے جو اس کی تابعداری اختیار کرتے ہیں ان سب برکتوں کا وعدہ کرتا ہے کہ جو خدا اپنے فرزندوں کو دینے کا وعدہ کرتا ہے۔

اس طرح سے یسوع لوگوں کو بلاتا یا [illegible] نسبت [illegible] کہ وہ انسانوں [illegible] اور خدا کی [illegible] مجھ پر ایمان لاؤ [illegible] مجھ پر بھروسہ کرو۔ میری پیروی کرو [illegible] بڑی برکتوں تک پہنچ جاؤ گے۔ اگرچہ دعوت تو عالمگیر ہے مگر اس کی برکتیں صرف وہی حاصل کر سکتے ہیں جو فی الحقیقت مسیح کو خدا کا بیٹا قبول کرتے ہیں۔ اگر یسوع نے اپنے پیرووں سے مشکل باتیں طلب کیں تو اس کا سبب یہ تھا کہ لوگ [illegible] طریق [illegible] سکیں۔ اول یہ تھا [illegible] آسمان [illegible] اپنے ساتھ باندھے جائیں۔ اس کے ساتھ پیوست ہو جانے سے ہی وہ خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اگر کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یسوع اپنی شاگردی سے کسی کو مایوس کرتا ہے تو اس کا باعث یہ ہے کہ کوئی نئی زندگی کی نسبت [illegible] کے لئے یسوع لوگوں کو بلاتا تھا دھوکا نہ کھائے۔ وہ کسی کو اپنا پیرو نہیں بنانا چاہتا [illegible] حساب لگا کر یہ فیصلہ نہیں کر لیتا کہ آیا میں اس کے ساتھ جانے کو راضی ہوں یا نہیں۔ لوگ مسیح کے ساتھ ایسی [illegible] جو [illegible] رشتوں سے بڑھ کر ثابت ہو چکی ہو آسمانی زندگی میں داخل ہو سکتے ہیں۔

اس لئے دین مسیحی کے لئے جذبہ ہے [illegible] یہ تھا میرا ایک ہی جذبہ ہے اور وہ مسیح ہے" مسیح کی طرف محبت ایک ایسی طاقت ہے کہ بیس صدیوں سے دنیا کو تبدیل کر رہی ہے۔ شریعت اگرچہ بڑی ڈرانے والی طاقت سے تنبیہہ دی گئی ہے مگر اس سے کبھی یہ کام پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ کامل [illegible] اخلاقی قانون خواہ کیسی ہی اعلیٰ حکومت سے کیوں نہ جاری کیا جائے مگر اندھیرے کو روشنی سے بے رحمی کو رحم دلی سے اور سختی کو نرمی سے نہ بدل سکتا۔ وہ کونسی چیز ہے جو انجیل کو ایسی طاقت دیتی ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ لوگ مذہب یا عقائد نامہ یا اخلاقی نصیحتوں یا کلیسیائی طریق کی طرف بلائے نہیں جاتے بلکہ محبت کرنے اور مسیح کی پیروی کرنے کے بلائے جاتے ہیں۔

مسیح میں کونسی ایسی خوبی ہے جس کے باعث لوگ اس کی طرف کھنچے جاتے اور سب سے زیادہ اس کے لئے وفادار ہو کر اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیتے اور ہر قسم کے خوف اور خطروں کے درمیان اپنی جان تک دے دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ اس کی تعلیم ہے؟ کوئی شخص اس کی مانند کلام نہ کرتا تھا۔ کیا یہ اس کی وہ طاقت ہے جو معجزوں میں ظاہر کی گئی؟ کیا یہ اسکی بے گناہی ہے؟ سب سے بڑا بدخواہ نکتہ چین اس میں عیب نہ پا سکتا تھا۔ کیا یہ اسکے کیرکٹر (سیرت) کی کامل خوبصورتی ہے؟ یہ تو ان میں سے ایک یا سب کے سب مسیح کی طرف عجیب وغریب کشش کا باعث ہو سکتی ہیں۔

اس کا بھید صرف محبت ہے۔ وہ دنیا میں اس لئے آیا کہ خدا کی محبت کو ظاہر کرے۔ وہ انسانی جسم میں خدا کی محبت تھا۔ اسکی زندگی محبت ہی محبت تھی۔ بڑے عجیب طریقے سے اپنی تمام زندگی میں اس نے محبت کو ظاہر کیا۔ لوگوں نے اسکو اسکے چہرے میں دیکھا۔ اس نے چھونے میں محسوس کیا۔ اسکی آواز میں پہچانا۔ یہی بڑی بات تھی جو اسکے شاگردوں نے اسکی زندگی میں محسوس کی۔ اسکی دوستی بے نظیر تھی ایسی نہ انہوں نے دیکھی اور نہ کبھی ان کے خواب وخیال میں آئی۔ یہی باعث تھا کہ وہ اسکی طرف کھنچے گئے۔ اور اسکو دل و جان سے پیار کرتے تھے۔ محبت کے بغیر محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ زور سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پاکیزگی سے پیدا نہیں ہو سکتی انعام دینے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ لوگ تمہارے انعاموں کو لے کر اسکے عوض میں نفرت کرنے لگتے ہیں۔ مگر محبت محبت کو پیدا کرتی ہے۔ دل سے دل کو راہ ہے۔ یسوع نے پیار کیا۔

مگر وہ محبت جو اس نے اپنی زمینی زندگی کے دنوں میں اپنی دلکش اور مرغوب دوستی سے ظاہر کی اسکی محبت کا سب سے اعلیٰ اظہار نہ تھا اسکا سب سے بڑا اظہار اسکا جان دینا تھا۔ "اچھا گڈریا میں ہوں اچھا گڈریا بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے" یہ اسکی محبت کا سب سے عجیب ظہور تھا جو دنیا میں ظاہر ہوا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے خاص اور جانی دوست کے لئے اپنی جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے مگر یسوع نے دشمنوں کی دنیا کے لئے اپنی جان دی۔ اگر اس نے محض اپنے پیارے شاگرد اور بہادر پطرس کے لئے جان دی ہوتی تو ہم اس کا مطلب سمجھ سکتے مگر اس نے اپنا قیمتی لہو جو ابدی خلاصی کا لہو تھا گنہگار انسانوں کے لئے بہایا۔ مسیح کی یہی عجیب محبت ہے جو آدمیوں کو اسکی طرف کھینچتی ہے۔ اسکی زندگی خاصکر اسکی صلیب ہر ایک سے یہ کہتی ہے "خدا تمہیں پیار کرتا ہے"۔ "خدا کے بیٹے نے اپنے تئیں تمہارے لئے دے دیا"۔ یسوع۔ ۲ اس عجیب بھید کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا "اگر میں زمین سے اونچا اٹھایا جاؤں تو سب آدمیوں کو اپنے پاس کھینچ لوں گا"۔ صلیب سے ہی اسکی عجیب اور لاثانی طاقت ظاہر ہوئی ہے صلیب کی کشش کا بھید محبت ہے۔

"اُس نے مجھے پیار کیا اور اپنے تئیں میرے بدلے دے دیا"

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع بطور دوست کے کیسا ہے اور وہ اپنے پہلے شاگردوں کے حق میں کیسا تھا اور آج کیسا ہے؟ اسکی دوستی کامل ہے۔ سب سے عمدہ اور گہرے دنیاوی دوست اس کامل نمونہ کا محض چھوٹا سا جزو ہیں لیکن ہم دنیا میں ان کی بڑی قدر کرتے ہیں وہ ہمارے لئے بیش قیمت جواہر سے بھی قیمتی ہیں۔ ہم اور ساری چیزوں سے محروم ہو سکتے ہیں مگر ان دوستوں کی جدائی گوارا نہیں۔ ان سے ہمکو خوشی۔ تسلی اور پاک خیالات حاصل ہوتے ہیں۔ زندگی بغیر دوست کے سنسان اور خالی معلوم ہوتی ہے۔ سچ مچ محبت سب سے بڑی چیز ہے۔ ساری دنیا میں سوائے اس کے کوئی چیز نہیں جو ہمارے دل کو تسلی سے بھر سکے۔ اگرچہ دنیاوی دوست بہت قیمتی ہوتے ہوتے ہیں مگر اُن کی سب سے نزدیکی اور حقیقی دوستی کامل دوستی کا جزو ہے۔ اس سے ہمکو برکتوں کا چھوٹا سا پیالا حاصل ہوتا ہے۔ کبھی کبھی کمزوری کے باعث ایسے دوستوں کی مروت رک جاتی اور بعض حالتوں میں سختی سے مبدل کی جاتی ہے۔ ان کی سب سے بڑی مدد پر ہمیشہ بھروسہ نہیں ہو سکتا وہ اکثر بے موقعہ اور بے وقت ہوتی ہے۔

مگر یسوع کی دوستی کامل ہے۔ وہ ہمیشہ پُر از مروت اور محبت ہوتی ہے۔ اسکی مدد دانائی سے ہوتی ہے۔ اسکی مہربانی آسمانی حرارت کی مانند ہے جو اس کی زندگی کو قایم رکھتی ہے جو اسے قبول کرتا ہے۔ خدا کی تمام محبت یسوع کی دوستی میں نازل کی جاتی ہے اسکا پیار اپنا ابدی بازوؤں کی پناہ میں آجاتا ہے۔ یسوع کہتا ہے کہ "میں اور میرا باپ ایک ہیں"۔ اس لئے اسکی دوستی باپ کی دوستی ہے۔ وہ جو سچائی سے اسکو قبول کرتے ہیں ان کی زندگیاں برکتوں کی دولت سے مالا مال ہو جاتی ہیں۔

مسیحی زندگی میں عقاید کے لئے جگہ ہے اور اسکے مسایل گویا سچائی کا ڈھانچہ ہیں جنکے ساتھ ساتھ عقاید کی عمارت بنتی جاتی ہے جس سے یہ طاقت حاصل کرتی جاتی ہے۔ عبادت بہت ضروری ہے اگر اسکو ایمان اور روح القدس سے زندہ کیا جائے۔ رسومات کا پاک مقصد یہ ہے کہ ان کے وسیلے نہر کی طرح فضل کی دھارا جاری ہو لیکن تمام روحانی زندگی کی جان یسوع کی دوستی ہے۔ یسوع کی محبت کو جو فہم سے باہر ہے جاننا زندہ دین ہے۔ عقائدنامے۔ عبادتیں اور رسومات اور سیکرمنٹ اسی قدر ہمارے لئے برکت کا باعث ہوتے ہیں جہاں تک وہ اس محبت کو ہم پر واضح کرتے ہیں اور ہم کو مسیح کے ساتھ نزدیکی شخصی رشتوں کی طرف کھینچتے ہیں۔

یسوع کی دوستی ہماری نادار زمینی زندگی کو خاک سے اُٹھا کر خوبصورتی اور برکت کی حالت میں پہنچا دیتی ہے۔ یہ ہمارے لئے ہر ایک چیز کو بدل دیتی ہے۔ یہ ہمکو خدا کے حقیقی اور سچے فرزند بناتی ہے۔ یہ ہم کو ان سب سے ملا دیتی ہے جو پاک اور حق ہے۔ یہ ہم میں

مسیح کے لئے دوستی انسانی اور ہماری زندگی کی تمام لہروں کو نئی اور پاک نالیوں میں بہچانی ہے۔ اس طرح سے یہ ہم کو ہمارے دوست کی بجائے ہم ہیں اور جس کی خدمت کرتے ہیں صورت میں ڈھالتی جاتی ہے۔

اس طرح سے یسوع لوگوں کی زندگیوں کو بنا کر کے دنیا کو بچا رہا ہے۔ وہ آسمان کی بادشاہت کو زمین پر قایم کر رہا ہے۔ وہ نہ تو ہتھیاروں کے زور سے اور نہ شاہیت کے ڈر سے بلکہ محبت کے زور سے اپنی رعیت بنا تا ہے۔ لوگوں کو سکھایا جاتا ہے کہ خدا انہیں پیار کرتا ہے۔ وہ یہ محبت مسیح کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ خیر اس کی صلیب میں جہاں وہ خدا کا برہ ہو کر دنیا کے گناہوں کو اٹھا کر مر گیا۔ اس محبت کی زبردست تاثیر سے متاثر ہو کر وہ اپنے دل آسمانی بادشاہت کے حوالہ کرتے ہیں اس طرح سے محبت کی فتوحات جاری رہتی ہیں۔ یسوع کی دوستی دنیا کے گناہ اور بدی کو آسمانی پاکیزگی اور خوبصورتی میں بدل رہی ہے۔ (مترجمہ مسٹر ایم اسمعیل)

رُوحانی زندگی کے اسرار

۶

خدا کی محبت ——— ہم سے

بائبل سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ "انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا" اس امید افزا فقرہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اخلاقی اور روحانی سرشت خدا کی سرشت کے نمونہ ہی پر بنائی گئی اور کہ ہماری اصلی بناوٹ میں ہمارے اور ہمارے خالق کے درمیان یکساں خاصیتیں پائی جاتی تھیں گو وہ خاصیتیں ایک ہی درجہ تک کی نہ تھیں۔

خدا کی نسبت ہمارے تمام خیالات اس خیال پر مبنی ہیں۔ جب صداقت، ورزدیت اور رحمت خدا کی نسبت مستعمل ہوں تو اگر ان کے ایک معنی ہوں اور جب ہماری نسبت انکا استعمال ہو تو ان کے اور معنی ہوں تو مکاشفہ اور خدا کی نسبت صاف و صریح تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں خدا کا کچھ علم حاصل ہو نہیں سکتا۔ بیشک ہماری سب باتیں محدود ہیں حالانکہ وہ لامحدود ہے اور ہم فانی ہیں جبکہ وہ غیر فانی ہے اور یہ نتیجہ گناہ کا ہے تاہم خدا کے اور ہمارے درمیان ایسی مشابہت ہے کہ جو کچھ ہمیں اپنی نسبت معلوم ہے اس سے ہم اس لامحدود۔ غیر فانی اور نادیدنی وجود کی نسبت نتیجہ نکال سکتے ہیں۔

یہ بالخصوص محبت کی نسبت سچ ہے۔ والدین اور بچہ۔ دوست اور دوست۔ خاوند

اور بیوی کے بیچ جو عجیب تعلق ہے اس کے اظہار کے لئے ہم اِس لفظ محبت کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ ہماری سرشت کا سب سے مضبوط جزو ہے۔ جو دوری کا خیال نہیں کرتا۔ زمانہ کی اسکو پروا نہیں۔ بڑی بڑی رکاوٹوں پر فتح پاتا اور معمولی واقعات اور اشخاص کو آسمانی نور سے منور کر دیتا ہے۔ ہم اسکا بخوبی بیان کر نہیں سکتے۔ ہم صرف یہی جانتے ہیں کہ جب یہ جوش ہم پر غالب آتا تو خودی کا خیال جاتا رہتا ہے اور دوسرے کی بہبودی کا ہمیں ہر دم فکر لگا رہتا ہے۔ پھر اپنے آپ سے ہم خدا کی طرف مڑتے اور کہتے ہیں "انسان کی خدا کو یوں فکر رہتی ہے"۔ "خدا نے دنیا سے محبت کی"۔ "خدا نے مجھ سے محبت کی"۔

خدا کی محبت اسکے عزیز کے وسیلہ ہمکو ملتی ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ باپ ہمسے اسلئے محبت

افسیوں ۱:۷ رکھتا ہے کہ ہمارا نجات دہندہ ہمارے اور اس کے غصہ کے درمیان آگیا اور اسکو ابھارا کہ ہم سے محبت کرے۔ ایسا خیال کفر سے کم نہیں۔ باپ اور بیٹا کے درمیان ہم فرق کر نہیں سکتے۔ کیونکہ خدا ایک ہے۔ جیسا بیٹا ویسا باپ ہے۔ یسوع چاہتا تھا کہ باپ کی نسبت یہ غلط اور خوفناک خیال دُور کر دے اور کہ انسان دیکھے کہ میری اپنی زندگی اور محبت میرے باپ کے دل کی گہرائی کا ٹھیک ٹھیک عکس ہے

خدا کی محبت یسوع کی موت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا سبب ہے۔ خدا نے ہم سے اس لئے محبت نہ کی کہ یسوع ہمارے لئے مُوا بلکہ یسوع اس لئے مُوا کہ خدا نے ہم سے ایسی محبت کی کہ ہم سب کے لئے اسکو بخش دیا۔ ابدیت ہی سے خدا ہم سے محبت رکھتا ہے لیکن پیشتر ازیں کہ ہم اسکی محبت سے فائدہ اُٹھا سکتے ضرور تھا کہ وہ شرع کی خلاف ورزی کے مطالبہ کو پورا کرتا اور اپنی راست بازی کو ظاہر کرکے عادل ٹھہرتا۔ اس لئے یسوع ہیں ہو کر اس نے آپ کو ہمیں دے دیا۔ اور یسوع نے خدا کو جسم میں ظاہر کیا۔ اپنی قربانی سے گناہ کو دور کیا اور رحیم اور وفادار سردار کاہن ہونے کو قدس الاقداس میں داخل ہُوا۔

گو خدا کی محبت عزیز کے سبب نہ تھی اسکے ذریعہ ہمکو ملتی ہے۔ سمندر کی بھرپوری مرد یسوع مسیح کی نہر میں سے ہو کر ہم تک پہنچتی ہے۔ اس میں اس لئے تمام الٰہی دولت اور کثرت اور تمام انسانی حلیمی پائی جاتی ہے۔ ایک ہی اکلوتا اور پیارا بیٹا ایک حوض ہے جس میں خدا کی بڑی محبت جمع رہتی ہے۔ جس قدر ہم اس میں قائم رہیں اُسی قدر ہم اسکی بھرپوری کا اندازہ پائیں گے۔

ہمارے گناہ کرنے سے خدا کی محبت رُک نہ گئی۔ جس دن کہ ہم پیدا ہُوئے ہم گناہوں

افسیوں ۲:۵ اور گندگیوں میں مبتلا باہر میدان میں پھینکے گئے اور ہم سے ہر ایک کو نفرت آتی تھی۔ اس حالت میں اُس نے ہم سے محبت کی۔ ہماری گندگیوں کو دیکھ کر اسکی محبت ہم سے مڑ نہ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ہم کیا ہیں اور کیا کچھ ہوں گے اور اُس کو کیا کچھ غم اور رنج دلائیں گے لیکن پھر بھی اس نے ہم سے محبت کی۔ ہمارا ناکامی اور شکست اور سایہ کی

تاریکی میں پڑنا اس نے پہلے ہی سے دیکھ لیا لیکن کسی بات سے اسکی محبت کی آگ نہ بجھی۔ [illegible] وہ ایسا غنی تھا کہ اپنی دولت میں وہ فضول خرچ ہوسکتا ہے۔

[illegible] کا موجب ہے کہ جس حالت میں کوئی بات اسکی محبت کرنے [illegible] اس نے ہم سے محبت کی کیونکہ ہم میں کوئی نئی بات پانے پر وہ حیران نہ ہوگا [illegible] کے ظاہر ہونے پر کہ جس سے ہم کئی دفعہ دل چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ ہم سے [illegible] جائے گا [illegible] حالت کی تو اس کو پہلے ہی سے خبر ہے۔ اس نے [illegible] لئے محبت نہ کی کہ ہم خوبصورت ہیں بلکہ ہم کو خوبصورت بنانے کے لئے۔ ہم [illegible] یہ کام شروع کیا ہے جب تک کامل نہ کرلے وہ [illegible]

خدا کی [illegible] باہر ہے۔ ہاں ہم اسکو جان تو سکتے ہیں لیکن [illegible] محبت کی چوڑائی اور لمبائی اور اونچائی اور گہرائی [illegible] کا اندازہ پائے بغیر ہم اسکا [illegible] اٹھا سکتے ہیں جیسے کوئی [illegible] سکتا ہے بغیر جانے کہ سمندر کتنی بلند چوٹیاں [illegible] سکتا ہے کہ اپنی پھولوں کی مہک کیسی [illegible] پھولوں کے تختہ کے تختے ہیں انکا خیال [illegible] کیسے آسکتا ہے۔ جب بھی ہم دوسروں سے محبت کا اظہار کریں۔ مسیح کی محبت کا ہمیں کچھ علم حاصل ہوتا ہے لیکن اس کی تفتیش میں گو ہم ابدیت بسر کردیں یہ علم ہمارے [illegible] آگے ہی رہیں گے۔ ہمارے آگے اتنی ہی فضا [illegible] کی ہی ہمارے پیچھے۔ اور لاکھوں سال تک مسیح کے چہرے پر نظر ڈالنے پر بھی اسکی خوبصورتی ایسی ہی تازہ اور [illegible] اور اتھاہ ہوگی جیسی اس دن تھی کہ ہم نے اس کو بہشت کے دروازے سے دیکھا۔

اس کی چوڑائی۔ یہ اتنا چوڑا ہے جتنا نوع انسان۔ روایت ہے کہ ایک خیمہ تھا کہ دالان میں کھولا جائے تو اس سے سارا دالان بھر جاتا تھا لیکن جب میدان میں جہاں [illegible] لگے تھے کھولا جاتا تو سارے لشکر پر سایہ فگن ہوتا تھا۔ یہ سب [illegible] ہوں پر واقعی ہے۔

اس کی لمبائی۔ یہ بے زوال اور بے تبدیل ہے نہ کبھی یہ شروع ہوئی نہ کبھی اس کا خاتمہ ہوگا۔ ہمارے مطالبوں اور فہمائشوں سے یہ تھکتی نہیں۔

اس کی بلندی۔ یہ گھوڑے یا اس سے بھی نیچے صلیب کے پاس کھڑے ہو تو تم یعقوب کی سیڑھی کی طرح اسکو خدا کے تخت کے پاس پہنچتا دیکھوگے۔ یہ وہ سیڑھی ہے کہ جس پر سے گنہگار سے گنہگار بھی زندان بدن سے نکل کر محل میں جا سکتا ہے۔

اس کی گہرائی - کوئی گناہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو - کوئی یاس کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو - کوئی تباہی کیسی ہی ہولناک کیوں نہ ہو - مسیح کی محبت اس سے بھی گہری ہے - ابدی بازو ہمیشہ ہمارے نیچے ہیں "اگر میں عادیث میں اپنا بستر لگاؤں تو دیکھ تُو وہاں بھی ہے"

ان باتوں پر غور کرتے وقت ہم خدا کی آواز صاف صاف سن سکتے ہیں جب اسنے ابرہیم کو فرمایا کہ اپنی آنکھ اٹھا اور اس جگہ سے جہاں تُو ہے اُتر اور دکھن اور پورب اور پچھم چاروں طرف دیکھ کہ یہ تمام ملک جو تُو دیکھتا ہے میں تجھ کو اور تیری نسل کو ہمیشہ کے لئے دوں گا - اُٹھ اور اس ملک کے طول اور عرض میں پھر کہ میں اُسے تجھ کو دوں گا" جب ہم اپنے اپنے لوطوں سے آپ کو جُدا کریں تو یہ زمین ہماری ہے - جس بر اعظم پر ہم آباد ہیں اس کی ساری وسعت ابھی دریافت نہیں ہوئی لیکن ہر سال ہم اپنے مقبوضات بڑھا سکتے ہیں۔

ہ اُکی محبت قربانی کے ذریعہ ظاہر ہوئی - جہاں کہیں سچی محبت ہو وہاں قربانی افسیوں ۵:۲ کے درجہ تک ایثار اور نثار ہونا چاہئے - محبت چھوٹی چھوٹی کم قیمت چیزوں کے دینے سے مطمئن نہیں ہوتی - وہ اپنی عمدہ عمدہ نذریں ہاں خون - زندگی اور اپنا سب کچھ دے دیتی ہے - خدا کی محبت کا بھی یہی حال تھا - اس نے جہان سے ایسی محبت کی کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا" مسیح نے بھی محبت کی اور اپنے آپ کو خدا کے حضور قربانی اور نذر گزرانا"

اور باپ اس سے بہت خوشنود ہُوا - اسکے نزدیک یہ خوشبوئی کی مانند تھا اور ہمکو نذر کی اس قربانی کی یاد دلاتا ہے جس کا استثنا کی کتاب میں ذکر ہے (استثنا ۲۱:۵) ہمیں تو صلیب کا دُکھ بڑا سخت معلوم ہوتا ہے لیکن خداوند کو یہ خوش آیا کہ اسکو مارے - اس محبت میں جو ایسی بے پایاں اور خرچ کا خیال نہ رکھنے والی تھی اور وہ بھی ایسے لوگوں کے لئے جو اس محبت کے بالکل نالایق تھے ایک ایسا نظارہ تھا جس سے سارا آسمان مہک گیا اور خدا کا دل شادماں ہُوا -

مسیح کی محبت دُلہا کے اپنی دُلہن سے محبت کی مانند ہے - عدن میں آدم کو ایک افسیوں ۵:۲۵ رفیق کی ضرورت تھی (پیدایش ۲:۱۸) حیوانات میں کوئی ایسا نہ تھا کہ اس کا رفیق ہو سکتا - اسکی ذات کسی ایسے کے لئے ترستی تھی جو اسکی محبت کا جواب دے - پھر خدا نے عورت کو بنایا - مرد بغیر عورت کے مکمل نہیں - دونو باہم ایک سالم بنتے ہیں - یہ ایک بڑا بھید ہے - کیونکہ ہمارا بنانے والا ہمارا خاوند ہے - خداوند رب الافواج اسکا نام ہے - خدا کو ہماری ایسی ہی درکار ہے جیسی ہم کو خدا کی - ابن اللہ ایسے بحال شدہ کیلئے ترستا ہے جو اسکو اپنی محبت دے - اگستین کا قول ہے کہ خدا نے ہمکو اپنے لئے پیدا کیا اور جب تک کہ ہم اس میں آرام نہ پا لیں ہم آرام پا نہیں سکتے - ہم بڑے ادب سے

کر سکتے ہیں کہ جب تک مسیح اپنی کلیسیا کو پاک اور مقدس کرنے اور اس کے ساتھ ایسی یگانگت پیدا نہ کرلے جو ابدیت ہی میں مضبوط ہوگی۔ اسکو خود چین نہیں آنے کا۔ آہ کیا تعجب اسکو میری محبت کی درکار ہے! وہ مجھ سے محبت کی تلاش کرتا اور اس کے عوض میں اپنی محبت پیش کرتا ہے۔

خدا کی محبت انسانی دلوں میں آتی ہے "خدا باپ اور خداوند یسوع مسیح کی طرف [افسیوں ۶: ۲۳] سے ان میں ایمان کے ساتھ محبت ہو۔ یہ دونو ایک ہی ہیں۔ خدا اور برہ کے تخت سے چشمہ بہتا ہے۔ وہاں سے وہ بحال شدوں کے دل میں آتا اور ان سے ہو کر مرتی دنیا پاس۔

محبت اور ایمان ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ محبت کرنے سے پیشتر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ کسی سے محبت کریں تو اس پر بھروسہ رکھنا سہل ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک کھلی نہر ہے جس میں سے خدا کی محبت ہمارے دلوں میں آتی ہے اور محبت اس نہر کو کشادہ کرتی ہے۔ مصالحدار آئینوں کی طرح جو ایک دوسرے کے محاذی ہوں وہ سورج کی شعاعوں کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتے ہیں اور پھر جب ہم خدا کی نزدیکی میں رہیں ہم اسکی۔ اور نہ اپنی۔ محبت سے سرشار ہوتے ہیں۔ اسکی محبت پھر اسی کی طرف واپس جاتی اور انسان کی طرف بھی۔

مرجھایا ہوا پھول

ہے عجب عالم فضائے باغ پر آیا ہوا   ہر طرف تصویر کا سا ہے سماں چھایا ہوا
غنچہ [illegible] دیکھئے تنا ہے اپنے حسن پر   پھول جو دیکھو جوانی پر ہے اترایا ہوا
سبزہ [illegible] بات تک کرتے نہیں غنچے ذرا   ان کا نخرا آج کل زوروں پہ ہے آیا ہوا
[illegible] صبا کو۔ کچھ [illegible] ہے اکڑا؟   تھی نے سارا جہاں ہے میرا مہکایا ہوا
[illegible] نظر اسکی کشش کے دام میں   شاہد گل کا عجب جوبن ہے گدرایا ہوا
[illegible] ہے۔ دیکھتا ہوں پر اسی گلزار میں   اک طرف کو شاخ پہ اک پھول مرجھایا ہوا

اس پھلے پھولے چمن میں یہ گل پژمردہ ہے
یا کوئی حسرت کا پتلا عاشق دل مردہ ہے

[illegible] کا عجب انداز تھا۔ طرفہ نکھار   تھی محبت سے لئے آغوش میں اسکو بہار
[illegible] بلائیں گرد پھر پھر کر نسیم   پھینکتی تھی اوس موتی اسکے سر پہ وار وار

چاندنا سا مسکراہٹ سے تھا اسکی چارسُو — تھیں ہوائیں اسکے دم سے مشک بیز و عطر بار
کس کے دل میں چٹکیاں لیتی نہ تھی اُسکی ادا ؟ — دیکھ کر صورت کو اُسکی کس کو آتا تھا نہ پیار
لونڈیوں کی طرح جھلتی تھی اسے پنکھا صبا — سر پہ چھتری اسکے تھا کھولے ہوئے ابرِ بہار
نازبردارِ عناصر تھا عجب کہنا اسے۔ — دیکھ کر اس کو نہیں پھولی سماتی تھی بہار

دیکھ پاتا تھا ذرا اس کو جو کوئی گلعذار
چاہتا تھا جھٹ گلے کا اپنے کرلے اسکو ہار

نام کو اسکی ہنسی میں تھا نہ غم کا شائبہ — کیا خبر تھی جلد اڑ جانے کو ہے رنگِ بقا
تھا رگوں میں اس کی گویا موجزن آبِ حیات — اسکو کیا معلوم تھا چلنے کو ہے بادِ خزاں
گود میں بادِ بہاری نے کھلایا تھا اسے — چومتی تھی اسکا ماتھا پیار سے بادِ صبا
کی جو کچھ بادِ سحر نے اس سے آکر چھیڑ چھاڑ — گدگدانے سے یہ اسکے کھلکھلا کر ہنس پڑا
کچھ ہوا اٹھکیلیوں سے اس کی ایسا خندہ زن — ہنستے ہنستے آنکھ میں شبنم کا آنسو آگیا۔
چومتی تھیں اسکا منہ جھک جھک کے شاخیں بار بار — اور لچکنے کو ٹھیلنے کا اک بہانہ تھی صبا

اسکی بو کی باندھتی تھی کل ہوا موجِ نسیم
انقلاب آیا ہے لیکن آج یہ کتنا عظیم

جانتی تھی کل اسے جو شاخ اپنا تاجِ سر — آج ہے اسکے لئے یہ بارِ خاطر سے بتر
درد سے اسکے نہیں بھرتی ہے ٹھنڈی سانس تک — سردمہر ایسی ہوئی ہے آج تو بادِ سحر
ڈھونڈتی تھی کل بہانے اس سے لگ جانے کو تو — آج کترانے لگی ہے اس سے تو کیوں اسقدر؟
آج آنکھیں پھیر لیں گلچیں نے گر اس سے تو کیا — رال اسکی بھی ٹپکتی تھی اسے کل دیکھکر
اپنے اپنے حال میں ہیں مست سکانِ چمن — کسکو پروا ہے کرے جو اس کی حالت پر نظر
کل گلِ تر تھا۔ تو تھا گلگونۂ روئے سخن — صرفِ تشبیہِ عذارِ مہوشاں میں سیمبر

اب زبانِ شعر میں ہم معنیِ حسرت ہے یہ۔
اہلِ بینش کو چراغِ دیدۂ عبرت ہے یہ۔

اے تماشائی! مزے سیرِ چمن کے لوٹ کر۔ — اِس گلِ پژمردہ کی جانب ذرا کرنا نظر
یہ دکھاتا ہے۔ اگر ہوں عقل کی آنکھیں کھلی — کوئی دن کے ہیں سب اس دنیا کے حسن و کر و فر
ہوش کے کانوں سے سُن۔ یہ کہہ رہا ہے صاف صاف — "اس دو روزہ زندگی کو اس طرح کر تو بسر
چارسو پھیلے جہاں میں بو تیرے اخلاق کی — دیکھ کر تجھ کو دلوں سے دور ہو غم کا اثر
کاٹ دے ہنس کھیل کر اس مختصر ہستی کو تو — دے خوشی سب کے دلوں کو اور نہ مت پہنچا ضرر
کل کو چھا جائے نہ آن پر موت کی پژمردگی — انقلابِ دوستاں کی آج ناداں قدر کر

ہے میری پژمردگی تاویل رویائے حیات
میری ایک ایک پنکھڑی تفسیرِ آئینِ ممات

خدا باپ

مرقومہ پادری ڈبلیو ہوپر صاحب ڈی ڈی

ہم مسیحی لوگ اکثر خدا کو باپ کہتے ہیں۔ اور اس کا خاص سبب یہ ہے کہ خود مسیح خدا کو یا اپنا باپ یا عموماً باپ اکثر کہا کرتا تھا۔ یہ محاورہ مسیحی دین کے سوا صرف ایک ہی چھوٹے فرقے یعنی برہمو سماج میں پایا جاتا ہے۔ اور برہمو خود اسکے منکر نہیں کہ ہم نے یہ محاورہ مسیحی دین سے لیا ہے۔ ہاں ہندو لوگ خدا کو باپ کہنا کفر تو نہیں سمجھتے مگر اسکا استعمال کم کرتے ہیں۔ اور ان کی دینی کتابوں میں بھی ایسا ذکر بہت ہی کم آتا ہے۔ اور محمدی لوگ اسکی بڑی مخالفت کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر خدا کو باپ کہنا کفر بھی سمجھتے ہیں۔ پس اسکا کیا سبب ہے کہ مسیحی لوگ یہ مسئلہ کہ "خدا باپ ہے" بڑی سرگرمی سے پکڑے رہتے ہیں؟ یہ کہ اسی سے ان کے دین کے دو بڑے ضروری مسائل یعنی خدا کی شخصیت اور اسکی محبت ثابت ہوتے ہیں۔

آجکل بہت سے ہندوؤں کے خیالات بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ مگر حقیقی ہندو مذہب میں جو شے غیر محدود۔ غیر متبدل اور سب کا مبدا اور منبع ہے اس میں شخصیت نہیں۔ اور جس میں شخصیت ہے وہ ازلی نہیں ہو سکتی اور نہ سب کا مبدا اور منبع ہو سکتی ہے۔ یعنی جس شے کو ہندو لوگ سب کی اصل مانتے ہیں۔ اس میں شخصیت نہ ہونے کے باعث وہ اسکی عبادت نہیں کرتے اور جس کی وہ عبادت کرتے ہیں اسکو وہ سب کی اصل تسلیم نہیں کرتے۔ پس اگرچہ لفظ خدا کا ہندی ترجمہ اکثر ایشور یا پرمیشور سمجھا جاتا ہے پھر بھی دونو کے معنی میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ ہندو لوگ جسے ایشور کہتے ہیں وہ نہ ازلی ہے نہ اصلی اور جسکو وہ ازلی اور اصلی مانتے ہیں وہ ایشور نہیں ہو سکتا۔ لیکن باپ میں شخصیت ہمیشہ پائی جاتی ہے والد سے اولاد خود بخود پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ دیدہ و دانستہ اسکا باپ ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا نے دیدہ و دانستہ مخلوقات کو پیدا کیا۔ پس محمدی لوگ جو اس مسئلہ کے منکر ہیں خدا کو باپ کہنا کیوں کفر سمجھتے ہیں؟ اسکا ایک سبب تو یہ ہے کہ آدمیوں میں اولاد فقط باپ سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ماں سے بھی۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم خدا کو باپ کہیں تو کسی اور کو تسلیم کرنا پڑیگا جو اس سے عورت کا سا تعلق رکھے۔ البتہ یہ تو کفر ہوتا۔ مگر دانشمندوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ انسانی تشبیہ خدا کی طرف صرف ایک خاص حد تک منسوب کی جاتی ہے۔ اور اس پر باپ کا لقب ایسے کامل طور پر صادق آتا ہے جیسا انسان پر مخلوقیت کے باعث نہیں آسکتا۔ لیکن محمدیوں کی مخالفت کا دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ اگرچہ وہ خدا کی شخصیت اور خود مختاری اور قدرت پر بڑا زور دیتے ہیں پھر بھی اسکی محبت سے ناواقف

ہیں۔ اور باپ کو محبت کرنا لازم ہے۔ خدا کی رحمت کا تو وہ بہت ذکر کرتے ہیں مگر رحمت اور محبت میں بڑا فرق ہے۔ رحمت اور مہربانی تو سارے جانداروں پر ہو سکتی ہے مگر محبت صرف ان سے ہو سکتی ہے جو خود محبت کرنے کے قابل ہوں یا ہو سکتے ہوں یعنی محبت صرف انسان سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ کتب مقدسہ میں خدا جو کل مخلوقات کا خالق ٹھہرتا ہے ان سب کا بلکہ نباتات اور حیوانات کا بھی باپ نہیں کہلاتا اور فقط فرشتوں اور آدمیوں کا باپ کہلاتا ہے دیکھو متی ۶: ۲۶۔ جہاں اگر خدا پرندوں کا باپ کہلا سکتا تو ایسا کہلانے کا موقعہ تھا۔ اسکا یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ خدا سب پر مہربان ہے (زبور ۱۴۵: ۹) تو بھی جس طرح باپ اپنی اولاد سے اس واسطے محبت رکھتا ہے کہ وہ شخص ہو کر محبت رکھنے کے قابل ہیں۔ اسی طرح خدا فقط فرشتوں اور آدمیوں سے اس لئے محبت رکھتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت رکھنے کے قابل ہیں۔ لہذا انجیل میں جو خدا کی ابویت کا خاص ذکر ہے اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ "خدا محبت ہے" یہ دونوں ایک دوسرے سے لازمی تعلق رکھتے ہیں۔

لیکن خدا مخلوقات سے جو جو کام رکھتا ہے اسکی اصل اور گویا نمونہ خود خدا کی ذات میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسکی ابویت کی بھی اصل و نمونہ اسی کی ذات میں موجود ہے۔ اگرچہ کتب مقدسہ میں کل فرشتے اور آدمی خدا کی اولاد کہلاتے ہیں مگر پھر بھی ایک ہے جو بالکل خاص طور پر اور خاص معنی میں اسکا بیٹا کہلاتا ہے۔ دیکھو زبور ۲: ۷ کہ جہاں مسیح اپنے کو باقی بنی آدم سے ممیز کر کے کہتا ہے "خداوند نے مجھ سے فرمایا کہ میرا بیٹا تو ہے آج میں تیرا باپ ہوا ہوں"۔ لیکن اس عمیق امر کا ہم اور بیان نہیں کرتے کیونکہ مسیحی کے اگلے پرچہ میں اس کا مفصل بیان کرنے کا ارادہ ہے۔ پس اسوقت دو اور باتوں کا مختصر ذکر کر کے ختم کرتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اگرچہ ہندوؤں کا تریدیو اور مسیحیوں کا ثالوث آپس میں ظاہری مشابہت رکھتے ہیں پھر بھی یہ حقیقی نہیں کیونکہ اُن کے تریدیو کے تینوں بڑے بڑے دیوتے بے شخصیت براہم کے محض مظہر ہیں۔ پس فی الحقیقت ہندوؤں کے نزدیک تریدیو نہیں بلکہ چترِدیو ہے اور چاروں میں سے جو اعلیٰ اور باقی تینوں کی اصل ہے وہ بے شخصیت ہے اسکے برعکس مسیحی دین میں الوہیت کی جو اصل ہے وہ باشخصیت یعنی باپ ہے۔ اور باپ ہونیکے سبب وہ نہ صرف باشخصیت بلکہ پُرمحبت بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب خدا خاص طور پر اور خاص معنی میں مسیح کا باپ ٹھہرا تو جو آدمی مسیح سے ایسے پیوستہ ہیں جیسے درخت میں شاخیں اور بدن میں اعضا پیوستہ ہوتے ہیں وہ بھی مسیح کے سبب سے خاص طور پر اور خاص معنی میں خدا کی اولاد ٹھہرتے ہیں (رومیوں ۸: ۲۹) چنانچہ کتب مقدسہ میں اگرچہ خدا سارے آدمیوں کا باپ ٹھہرا تو بھی یہ محاورہ مسیحیوں کی نسبت بہت ہی زیادہ آتا ہے۔ ہاں لوقا ۱۵: ۱۱-۲۱ سے ظاہر ہے کہ بے دین آدمی بھی آدمیت کے سبب خدا کی اولاد ہیں مگر اسی مقام سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ جب وہ خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں اسی وقت اُن کو اس رشتہ سے کچھ فائدہ ہوتا ہے۔

فلاکت

ترجمہ از شیکسپیر - از پنڈت ارجن ناتھ خلف الرشید پنڈت کشمیری لال صاحب وکیل امرتسر

١

اے فلاکت تحمل شیریں ہیں تیرے — گو بظاہر غوک جاں آزار ہیں۔
گرچہ بد صورت ہیں اور مسموم ہیں — زیب سر پر گوہر شہوار ہیں۔
ہستیٔ انساں کی صورت ہے یہی — کنج تنہائی میں جب ہشیار ہیں۔
ہیں صحیفے مایۂ جوئے رواں — ہر طرف رطب اللساں اشجار ہیں۔
کرتے ہیں تلقین دیں کا وعظ سنگ — بہتریں ہر شے میں کچھ آثار ہیں۔

٢

بند اوّل

تو ہے فلاکت جان کی دشمن — دین کی اور ایمان کی بیرن
رنج و الم کے تجھ میں نشاں ہیں — سوز جہنم تجھ میں عیاں ہیں۔
شکل تیری یہ کالی کالی۔ — بھونڈی صورت آنکھ کی لالی
غنچۂ دل بس دیکھ کے غش ہیں — خودی سے باہر اور بے بس ہیں
صورت ظاہر گر ہے نرالی۔ — سیرت ہے پر موتیوں والی
صورت کو سیرت مت جانو — جھوٹ نہیں یہ دل سے مانو
شجر فلاکت گرچہ برا ہے۔ — میٹھے پھلوں سے خوب بھرا ہے
افعی کہوں گر تجھ کو بظاہر — زہر کا پتلا اندر باہر
صورت یہ گر تیری ڈرائے — دیکھ کلیجہ منہ کو آئے۔
خوشی کی من اک سر پہ گڑی ہے — خوب یہ کس چرٹیے نے جڑی ہے
جان کی دشمن بن کر آئے۔ — گنج گراں تو سر پہ لائے
مارے ہیں پھنکارے بلا کے — پہنچاویں جو در پہ قضا کے
اہل خرد اب سنیئے حقیقت — اس میں نہاں ہے راز طریقت

بند دوئم

چھوڑ کے دنیا جب کوئی آدم۔ — اپنے آپ میں ہو کر بے دم۔

قالب میں جب جان ہو مشکل — قسمت نے جب کیا ہو بے کل
جی چاہے بس کھا کے ہوں بسمل — جان ہو جانبازی پر مائل
چاروں طرف سے چھوڑ سہارے — سنی میں جنگل کو سدھارے
تنہائی وہ رنگ دکھائے — وہم و گماں میں جو نہیں آئے
جنگل میں جنت کے نشاں ہوں — راز نہاں کچھ اور عیاں ہوں
پتوں میں لسانی آوے — دل کی کلی پھٹ ہی کھل جاوے
جنگل کے بہتے وہ چشمے — کیا ہی دکھاویں عجب کرشمے
لہریں تختۂ آب رواں پر — ہیں تفسیر رموز نہاں پر
دشت رحکمت دیدۂ دل ہو — اپنی فلاکت پر قائل ہو
پتھر بھی ہوں ناصح کامل — یوں ہی کھلیں سب عقدۂ مشکل
ہر شئے میں انداز ہوں نیارے — سمجھیں جنہیں کیا لوگ بچارے
تجھ سے فلاکت جو گھبرایا — عقل کا اندھا اسی کو پایا۔
دیدۂ دل سے تجھے جو دیکھا — دیکھا وہ جو تھا اندیکھا۔
ظاہر میں نہیں تین بھی کانے — باطن میں ہیں بھرے خزانے

صبر سے کڑوے گھونٹ کا پینا
ہے بیمار کے حق میں جینا۔

غیر اقوام میں انجیل کی منادی

لاہور سنٹ جانس کالج کے ری یونین پر ایک تجربہ کار واعظ نے یہ مضمون سنایا۔

فرمان المسیح یہ تو ہمارے خداوند کا حکم ہے کہ تم دنیا میں جاکر سب قوموں کو شاگرد کرو جس کی بنیاد پر دنیا کے تمام مشن قایم ہیں تاکہ وہ قوموں کو مسیح کا شاگرد بنائیں۔ چنانچہ ہم سب اِس فرمان کا ظہور ہیں۔

طریق منادی۔ بنیاد تو یہی ہے مگر اس حکم کی کیونکر تعمیل کی جائے۔ پائی جاتی ہے بڑا فرق ہے۔ کہیں کوئی طریقہ ہے کہیں کوئی طریقہ ہے۔ کسی ملک میں کوئی طریق کسی میں کوئی۔ مدعا ہر ملک ہر قوم ہر گروہ کے درمیان مسیحیوں کا ایک ہی ہے کہ لوگ مسیح پر ایمان لاکر نجات پائیں۔

چین جاپان۔ یا ایران اور ٹرکی میں ایک طریقہ منادی کا ہے کیونکہ وہاں ایک ایک مذہب ہے۔ مگر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بیشمار مذاہب ہیں جو گویا قدیم سے

مذہبی مُلک ہے۔ ایک خاص طریق پر انجیل کی منادی مقرر کرنا ناممکن ہے۔ اسواسطے اس سوال کی بابت بہت فکر کی جاتی ہے۔ مدعا اس سوال کا اس موقعہ پر یہ ہے کہ انجیل کیونکر غیر اقوام کے درمیان موثر ہو۔ بہ ایں سبب ہندوستان کے مشنریوں نے عجیب عجیب طریقہ انجیل کی منادی کے ایجاد کئے۔ نہ تو مجھے اُن سب طریقوں کا علم ہے کہ بیان کروں۔ بالفرض اگر ہو بھی تو تحصیل حاصل کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔ لیکن اگر ایک آدھ کا تذکرہ کیا جائے تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔

اوّلاً۔ ڈیونیٹی سکول میں تعلیم دیکر منادی کے واسطے مقرر کرنا۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان جاتے ہیں۔ لیکن اس پر خرچ زیادہ ہوتا دیکھ کر اور آمدنی کم معلوم کرکے ہمارے مشنریوں نے ہر قوم کے لئے الگ الگ مناد مقرر کر دیئے۔ مثلاً محمدیوں کیواسطے محمدی کونورٹ ہندوؤں کے لئے ہندو کونورٹ۔ بہتروں کے واسطے دو اڑھائی روپیہ کا ممبر دار۔ جو سال بھر میں پانچ سات ٹھٹھیوں پہ پانی بھرا دے۔

ثانیاً۔ سکول۔ جو بہتوں کے واسطے آرام کا باعث بھی ہیں۔

ثالثاً۔ ہسپتال۔ یا میجک لالٹین وغیرہ وغیرہ

غلطیاں۔ یہ تو موجودہ طریق ہوئے۔ ان طریقوں سے سوائے بہتر مناووں کے سب سے واقعی انجیل کی منادی ہوتی ہے۔ بعض کسی جگہ مفید ثابت ہوتے ہیں بعض کہیں غیر مفید۔ مگر غیرت سے سب کچھ کیا جاتا ہے ایماندار اس پر اپنا جان و مال فدا کرتے ہیں۔ مگر ہمارے مشنری صاحبان اکثر اس کام میں غلطیاں کرتے ہیں چونکہ وہ انجیل کے خلاف ہوتی ہیں اس لئے برکت کم نظر آتی ہے۔

مثلاً نالایق کو اپنی مہربانی سے اس پاک خدمت پر مقرر کر دینا۔ مگر پیارے خداوند نے یوحنا۔ پطرس۔ پولوس جیسوں کو اس خدمت پر مقرر کیا۔ مگر سب سے نالایق یہ ہو واہ اسکرلوطی کو روپیہ پیسہ کے کام پر۔ آج روپیہ پیسے کا کام تو بی اے ایم اے مشنری لے کے بیٹھے ہیں۔ اور آلو۔ فتو۔ شفو۔ چینو وغیرہ کو انجیل دیکر گاؤں گاؤں میں بٹھا دیا ہے۔ متلاشی پیدا کرو۔ جب پیدا ہوں خبر دو ہم بپتسمہ دے دینگے۔

پھر ایک اور بڑی بھاری غلطی ہے جو روپیہ بچانے کے واسطے کی جاتی ہے۔ اور نتیجہ اسکا بے برکتی ہوتا ہے۔ کہ جب کسی مناد کو باہر بھیجا جاتا ہے تو اکثر اکیلے کو بھیجتے ہیں حالانکہ ہمارے خداوند نے نمونہ بھی دکھا دیا کہ دو دو کر کے بھیجا۔ اکیلا مناد جہاں بٹھایا جاتا ہے وہاں ایسا جمتا ہے کہ بغیر ہلانے نہیں ہل سکتا۔

ایک اور بڑا بھاری نقص ہے ہماری منادی کے طریق میں۔ کہ جب کوئی شخص مناد مقرر کیا جاتا ہے تو وہ خوب محنت کرتا ہے۔ مشنری کے آگے پیچھے لگا رہتا ہے۔ جی۔ حضور۔ خداوند۔ کبھی بوٹ جھاڑ دیا۔ کبھی بادا لوگوں کو بول کے پھول توڑ کر خوش کر دیا۔ شدہ شدہ آنریری نیشن

ے لیا۔ پس جسوقت اس معراج کو پہنچے منادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور جو پوچھو کہ پادری صاحب منادی کو نہیں گئے ۔"اے بھائی پندرہ برس منادی کرتے کرتے تھک گئے ۔ اب آرام بھی کچھ کرنے دوگے" اور یہ ہونا ہی تھا کیونکہ کسی ذاتی لیاقت سے تو یہ درجہ حاصل ہُوا ہی نہیں ۔ میری غرض اس سے یہ ہے کہ مشنری اکثر لوگوں کو آرڈین کرکے منادی کے کام کے آگے ایک بڑی روک کھڑی کر دیتے ہیں۔ اور سست الوجود دیسی پادری کو اُسکے ماتحت منادوں کا راضی کرنا کچھ بہت مشکل نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک جوان مسیحی آزاد طبیعت سے کسی نے کہا کہ تم وہاں جاتے تو ہو مگر وہاں کے دیسی پادری سے مشکل بنیگی۔ اس نے جواب دیا کہ مشکل کیا ہے دو دفعہ صبح اور شام ذرا جھک کے سلام کر دیا۔ میم صاحبہ کو کبھی مہینہ میں ایک دو پیسہ کے انڈے لا دیئے۔ اور بار ا لوگ کو گاہے گودی میں لیکر ایک پیڑا ہاتھ میں دیکر رخصت کیا۔ کہو اب بھی نہ بنے گی۔ لو حاضرین یہ تو ہمارے مناد اور ہماری منادیاں ہیں۔

پھر جو اس سے بھی بھاری نقص ہے وہ یہ ہے کہ منادی پر عموماً نالائق لوگ مقرر کئے جاتے ہیں۔ جنکو کلام کرنے تک کا سلیقہ نہیں ہوتا وہ غیر اقوام کے درمیان جاکر شرمندگی اُٹھاتے ہیں۔ یُوں انجیل بے تاثیر ہوتی ہے۔

ان سب سے بڑھ کر جو نقص ہے وہ ہمارے مشنوں کا گورنمنٹ کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ کہ مقابلہ کے امتحان مقرر کر دیئے جو پاس کرے بس مناد ہے۔ لیکن یہ کہ یہ آدمی خدا کا بلایا ہُوا ہے یا نہیں بس ایک مشنری کا پیش کر دینا کافی ہے۔

کیا کرنا چاہیئے۔ ۱ میرے خیال میں ہر ایک مسیحی مناد ہے۔ پس مناد بنانے کے واسطے سب سے پہلے کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ کلیسیا اور اسکے جوان مسیحی ہوں پھر دیکھئے کس قدر مناد پیدا ہوتے ہیں۔ ۲ روپے کم کسی جگہ نہیں بھیجنا چاہیئے۔ ۳ جن لوگوں کے درمیان مناد بھیجا جائے اُن کی لیاقت۔ تہذیب اور خوبیوں کا اندازہ کرکے مناد مقرر کرنا چاہیئے۔ ۴ یہ خیال جو ہے کہ چوڑھوں کے درمیان چوڑھے مناد ہونے چاہئیں۔ یہ خیال دور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسکا خمیازہ ہمارے مشن خوب کھینچ رہے ہیں۔ ۵ منادی کا طریقہ موجودہ علم اور تہذیب اور شائستگی اور مذاہب کے مطابق ہونا چاہیئے۔ سائنس دانوں کے درمیان سائنس کے مسائل لیکر بیان کرنا کہ انجیل میں کیونکر تمام و کمال روحانی سائنس ہے۔ غرضیکہ رسول پولُس کی طرح حکمت والوں کے درمیان حکمت کی باتیں اور بے علموں کے درمیان اُنکی سمجھ کے موافق کلام کرنا چاہیئے۔ ۶ سچائی اور نور تو وہی ہے جو مسیح ہے۔ اور جہاں کہیں نور اور سچائی ہوگی۔ وہاں ضرور مسیح بھی ہے۔ اور ہم معلوم کرتے ہیں کہ ادیان غیر میں سچائی کی شعاعیں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں تو ان کو چھوڑ نہیں دینا چاہیئے اُنہی کو اپنی منادی کا عنوان مقرر کرنا چاہیئے۔ جیسے رسول ممدوح نے بھی کیا کہ نامعلوم خدا کے لئے۔ ہمارے ہندوستان کے مذاہب میں بہت سچائیاں ہیں اگر ہم اُنکا مطالعہ کریں (جو ہمارے واعظوں کے بڑے رکھو اور مصیبت کی بات ہے) تو وعظ میں ہماری

بڑی مددگار ہو سکتی ہے۔ مثلاً بلہا شاہ کی کافیاں۔ باوا فرید کے بند۔ نانک کے شبد۔ حافظ وسعدی کے اشعار۔ قرآن کی آیتیں۔ ان باتوں پر شروع کرنے سے لوگ دفعتہً بھاگ نہیں نکلتے بلکہ شوق سے سنتے ہیں۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ ہم اس سچائی کو حقیقی صدق پاس لے آئے تو پھر کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ عیسیٰ مسیح پر ڈھال ڈھول کے اُڑ گئے۔ میں نے یہ طریقہ بہت مفید پایا ہے۔ ۷۔ پھر ہماری منادیوں میں خشک باتیں ہی نہ ہوں۔ دلچسپ تمثیلیں بھی ہونی چاہئیں۔ جن کی تاثیر حاضرین کے چہرہ سے معلوم ہو جائے۔ سننے والوں کے مذاق کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ ۸۔ منادی یہی نہیں کہ بازار گئے اور آدھ گھنٹہ بول کے چلے آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا منادسوائے موت کی بُو کے لوگوں کے واسطے اور کچھ ہی نہیں۔ لوگوں سے میل ملاپ اوّل چیز ہے۔ میں نے کسی مسیحی اخبار میں دیکھا تھا کہ ہندو مسلمان مسیحیوں سے میل رکھنا چاہتے نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عیسائی نہیں رکھتے۔ ۹۔ پہلے اعتبار قایم کرنا چاہئے۔ تب تو انجیل متاثر ہوگی۔ اور یہ اعتبار بیچ میں رہ کر ہوتا ہے۔ مشن احاطوں میں رہ کر نہیں۔ مشن احاطوں میں ہم صاحب لوگ ہیں۔ ذلیل کالا آدمی احاطہ سے باہر جاؤ۔ ہمکو ہندو مسلمان غیر اور کانا سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان رہ کر دیکھئے اور اپنا نیک اثر مسیحی نمونہ اُن پر ڈالئے۔ تب آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کے کیسے ہمدرد ہیں اور کس طرح انجیل ان پر اپنا اثر دکھاتی ہے۔ (بپتسموں کا خیال چھوڑ دیجئے) میں نے اپنے ذاتی تجربہ سے اِس بات کو بہت ہی موثر پایا ہے۔ ۱۰۔ پرائیویٹ ملاقاتوں میں موقعہ موقعہ پر انجیل کی خوبیوں کا تذکرہ۔ ہر وقت تو نہیں۔ یوں ہم بکواسی اور بھاڑے کے ٹٹو کہے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تم تنخواہ اسی بات کی پاتے ہو۔ مگر موقعہ پر نہ چوکیں۔ ۱۱۔ اُن کے غم اور خوشیوں میں شریک ہوں۔ غم کے وقت اُن کو بائبل سے تسلی دیں اور ناجائز خوشی سے خدا کا خوف دلا کر روکیں۔ ۱۲۔ منادی میں کبھی آدمیوں کو اکٹھا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسکے طریق الگ الگ موقعہ پر موقوف ہیں۔ گیت وغیرہ سے اکثر اکٹھے ہو جاتے ہیں ... ... کبھی کسی فقیر یا سادھو کو۔ لے کر بیٹھ گئے۔ مگر یہ سورتیں اُسی صورت میں ہو سکتی ہیں۔ کہ جب لوگوں کے درمیان ہماری خوب آمدورفت اور ملاپ ہو۔ ایسا کہ لوگ خود ہمکو کہیں۔ کہ آؤ یہاں آکر بیٹھو۔

یاد رکھنا کہ اگر ہم منادہو کر اپنی خدمت کو پورا نہیں کرتے۔ تو اُن رُوحوں کے جرموں کی باز پُرس ہم سے ہوگی۔ اور اُن کی سزا ہمارے سر پر۔ اگر ہم یقیناً مسیح کے مناد ہیں اور واقعی منادی کرتے ہیں۔ تو ہم سفیر مرحوم کے ہمزبان ہو کر یُوں فخریہ کہینگے۔

زہے طالع سفیر اپنے جو یہ منصب ملا ہم کو
کہ ہم مصلوب عیسیٰ کی خبر سب کو سناتے ہیں

(بقیہ گلدستہ اخبار) - پنجاب میں بھی لاہور - جالندھر اور سیالکوٹ کے مدرسے دیسی مسیحی خاتونوں کی زیر نگرانی بڑی سرسبز حالت میں ہیں - امرتسر کے مدرسہ کی پرنسپل بھی ایک دیسی مسیحی لیڈی رہ چکی ہیں - سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشن سکولوں میں دیسیوں کی یہ لیاقت ظاہر کیوں نہیں ہوتی - ایک وجہ تو یہ ہے کہ نہ ان پر اعتبار کیا جاتا ہے نہ ان کو ذمہ واری دی جاتی ہے - دیکھو امرتسر کے الگزنڈرا اسکول میں کوئی اچھی اُستاد نہیں ٹکتی - . . . . . .

. . . . برٹش اور بیبل سوسائٹی سو برس ہوئے جب قایم ہوئی تو بیبل کے قریب ۵۰ ترجمہ موجود تھے اس وقت ۴۰۰ ہیں - ۱۸۰۷ء میں سوسائٹی کی کل اشاعت ۸۱۰۰۰ تھی - ۱۹۰۰ء میں ۵۰۰۰۰۰ - سوسائٹی کے قایم ہونے کے دن سے کل اشاعت ۱۷۰۰۰۰۰۰ جلدیں ہیں - اسمیں زیادہ تر نئے عہدنامہ ہیں - ان ۴۰۰ زبانوں کے ترجمہ میں سے صرف ۱۰۰ میں پوری بیبل کا ترجمہ ہوا ہے - ۱۰۰ میں نئے عہدنامہ کے - باقی ۲۰۰ میں کسی کتاب یا انجیل کے - یوروپ کی ۷۹ زبانوں میں بیبل کا ترجمہ ہوا پر صرف ۳۵ زبانوں میں پوری بیبل کا - ایشیا کی ۱۳۲ زبانوں میں ترجمہ ہوا - ۳۳ میں سالم - باقی ۱۹۹ ابھی نامکمل ہیں - افریقہ کی ۸۰ زبانوں میں جن میں سے ۹ میں سالم - ملک چین میں جہاں جہاں سخت ایذا رسانی ہوئی تھی واں اب بیبل کی بڑی مانگ ہے - امریکن بیبل سوسائٹی کا ایجنٹ ۱۰۰۰ جلدیں اور ۴۰۰ نئے عہدنامہ کی اپنے ساتھ لایا تھا چند ہفتوں میں وہ بک گئیں - مسٹر سرندرو ناتھ مکرجی بی اے افسوس کہ عالم شباب میں انتقال کر گئے - علاوہ ٹیکہ لگوایا تھا جلد نہ ٹوٹا یہ ہونہار جوان تھے - آرڈی نیشن ہونیوالا تھا - پادری اے سی کلارک انکی نسبت یوں لکھتے ہیں :- مکرجی قریب ایک سال سکول میں رہے - اور لڑکوں اور استادوں سب کا دل موہ لیا - ان کے ہمارے دل تسخیر کر لینے کی کچھ تو وجہ ان کی خوش مزاجی اور پسندیدہ اطواری تھی - اور کچھ ان کا یہ عزم کہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہنے کا - لیکن بالخصوص ہر ایک اچھی اور عمدہ بات سے محبت اور دوسروں سے بلاغرض ہمدردی - وہ اپنے فرایض منصبی کو دل وجان سے سرانجام دیتے تھے اور ہر ایک بات میں مسیح کو پیش کرنے کا موقعہ دیکھتے تھے ..... اُن کی پسندیدہ مسیحی سیرت میں دو خاص باتیں تھیں - اوّل اُن کے مزاج میں سچی آزادی تھی دوم وہ زندگی کی عظمت اور سنجیدگی کو پہچانتے اور مروّج عاتھے - ایک سے زیادہ دفعہ انہوں نے مجھے صاف صاف کہدیا کہ میرے نزدیک آپ کے کام یا انتظام میں فلاں فلاں نقص ہیں - اس سے دوستانہ گفتگو کا موقعہ ملتا اور ہماری دوستی اور بھی مضبوط ہو جاتی اور ان کی طرف سے میرے دل میں محبت اور عزت بڑھ جاتی تھی - جب کبھی اپنی رائے کا ظاہر کرنا اُن کو اپنا فرض معلوم ہوتا وہ بلاخوف لیکن بڑے ادب سے اسکا اظہار کرتے اور ادب یا مسیحی محبت کی کمی کے باعث کسی کا دل نہ دکھاتے تھے - ..... ان کی مستقل سرگرمی اور مسیحی زندگی کا بھید ان الفاظ میں پایا جاتا ہے کہ "وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا" مولوی ڈاکٹر عمادالدین صاحب مرحوم کی بیوہ ۲۷ جون کو بمقام امرتسر رحلت کر گئیں -

---

رسید زر - از ۵ مئی تا ۳۰ جون ۱۹۰۲ء

(۱۰۵) مسٹر آر پیٹران ۱۹۰۲ء ۰—۸—۱
(۱۰۶) مسٹر میسے - ۱۹۰۲ء ۰—۰—۲
(۱۰۷) مسٹر سراج الدین - ۱۹۰۰-۱۹۰۱-۱۹۰۲ ۰—۰—۵
(۱۰۸) مسٹر شاکر - بابت پرچہ ۹۷ وغیرہ ۰—۸—۰
(۱۰۹) مس فیلپوس ۱۹۰۲ء ۰—۸—۱
(۱۱۰) مسٹر کلفنن - " ۰—۸—۱
(۱۱۱) مسٹر راب - " ۰—۰—۲

رجسٹرڈ نمبر ایل ۴۷
جلد (۷) نمبر (۷)
ماہ جولائی ۱۹۰۲ء
قیمت سالانہ
دو (عہ) روپیہ

مسیحی

امرتسر

نمونہ کا پرچہ۔ اگر آپ اِس رسالہ کے خریدار نہیں اور یہ پرچہ آپ کو سپیل ڈاک ملے تو اسکے لینے سے انکار نہ کیجیے۔ اگر پسند ہو تو دو روپیہ کا منی آرڈر منیجر مسیحی کے نام بھیجیئے۔ تاکہ یہ رسالہ برابر آپکی خدمت میں آتا رہے۔ اگر خریداری منظور نہ ہو تو ایک پیسہ کا کارڈ لکھ بھیجیے کہ آپکو پھر تکلیف نہ دی جائے اور یہ رسالہ اپنے کسی دوست کو دیدیجئے۔ جملہ خط و کتابت بنام منیجر مسیحی امرتسر ہونی چاہئیے۔

ہندوستانی کلیسیا کی رائے کا یہ آئینہ ہر انگریزی مہینہ کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ دیسی کلیسیا کی دینی اور سوشیل حالت پر آزادانہ بحث کرنیکے علاوہ اِس میں انگلستان اور امریکہ کے مستند مصنفوں کی تحریرات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اِسوقت پانچ کتابیں مسلسل شایع ہو رہی ہیں تاہم خوبی یہ ہے کہ مسیحی کا ہر ایک نمبر بجائے خود مکمل ہے۔ اس کے مقاصد مختصراً مفصلہ ذیل ہیں۔

مقاصد

۱:۔ مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کا انکشاف کرنا۔ ۲:۔ کتاب مقدس کی تلاوت اور دُعا کیلئے تحریک۔ ۳:۔ مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کرکے مسیحی یگانگت کو قایم کرنا اور پھیلانا۔ ۴:۔ نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا۔ ۵:۔ جہاں تک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا ظاہر کرنا۔

← فہرست مضامین جولائی ۱۹۰۲ء →

دبدبۂ ہند پریس امرتسر

گلدستۂ اخبار

۱۔ ۳ جولائی کو دو غیر مترقبہ خطوط ایڈیٹر کو ملے جو ناظرین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہونگے۔ ایک مسیحی کے ایک بڑے بھاری معاون یوں رقمطراز ہیں "۔۔۔ مسیحی کی حالت سنکر سخت افسوس اور فکر دامنگیر ہوا۔ میں تو شروع ہی سے جانتا اور آپ سے کہتا تھا کہ مسیحی ناکامیاب رہیگا۔ مشنری کام یا مشنریوں کے متعلق آزادانہ رائے کا اظہار کرنا عبث ہے۔ یہ زمانہ حضوری اور خداوندی کہنے کا ہے۔۔"

۲۔ ایک اور معزز مسیحی جو اپنا نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دیتے لیکن جن کی نسبت ہم اتنا اشارہ دینے سے باز نہیں رہ سکتے کہ آپ مشنریوں اور دیسیوں دونو کے نزدیک نیک نام اور صاحب عزت اور دیسی سوسائٹی میں ایک معزز پوزیشن رکھتے ہیں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔ اگر قیصر کی چیزیں قیصر کو دینی چاہئیں تو مسیحی مستحق ہے کہ جو خیالات اس کی بابت میرے دل میں پیدا ہوئے انکا اظہار کیا جائے۔ مگر پیشتر اسکے مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مجھ میں خود پسندی کا مادہ بہت ہے۔ ماسٹر چندولال صاحب نے تو کئی سال تک مسیحی کو دیکھا ہی نہیں۔ پر صرف اوروں سے سنتے رہے۔ اور جب دیکھا تو ایسا پسند کیا کہ گاہے گاہے ایک روپیہ بھیج دینے کا وعدہ کیا۔ مگر میری حالت اُن سے بدتر رہی۔ میں شروع ہی سے مسیحی کا خریدار ہوں جب ماہ بماہ میرے پاس آیا تو میں نے کیا کیا۔ کاغذ لفافہ پھاڑا اور ادھر اُدھر سے ایک سطر پڑھی۔ اگر بہت کیا تو اوّل و آخر کا صفحہ پڑھا اور دو تین منٹ کے بعد پھینکا ردی کاغذوں میں۔ میرے دل میں ہمیشہ یہ خیال سما رہا کہ اردو اخباروں یا رسالوں میں ہوتا ہی کیا ہے۔ جو پیشتر ہی میں نہ جانتا ہوں یا جس سے مجھے فائدہ پہنچ سکے۔ اور اگر چھ ماہ میں ایک فقرہ بھی میرے دل کو پسند ہوا تو سمجھا کہ قیمت کا کافی عوضانہ مل گیا۔ لیکن بایں ہمہ مسیحی کی دو خوبیاں تو ہمیشہ میرے زیر نظر رہیں۔ اوّل کہ یہ دیسی مسیحیوں کا رسالہ ہے جسکے اہتمام و نگرانی میں کسی یورپین صاحب کو دخل نہیں۔ دوم کہ یہ یورپین مشنری صاحبان و دیسیوں کی کوتاہیوں کا ایسا برملا بے محابانہ اظہار کرتا ہے۔ کہ صاحبان مذکورہ بالا کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔ اس نقص کی بابت اکثر دفعہ بعض احباب نے میرے ساتھ تذکرہ کیا۔ مگر مجھے ان کے ساتھ اتفاق کرنے میں ہمیشہ تامل ہی رہا۔ جائے غور ہے کہ بدن کے کسی تندرست حصہ پر اگر کوئی دباؤ پڑے تو درد نہیں ہوتا پر جائے دنبل پر اگر کوئی شخص ذرا سی انگلی بھی لگائے تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر میرے کسی دوست نے میرے کسی نقص پر انگشت زنی کی اور مجھے درد محسوس ہوا تو یہ کافی ثبوت اس امر کا ہے کہ وہ نقص جائے دنبل مجھ میں موجود ہے جسکو جراحی نشتر سے چیرنا چاہیئے۔ تاکہ اندر کی غلیظ آلائش نکل جائے اور وہ حصہ بدن کا صحیح ہو جائے۔ اس امر میں ضرور مسیحی اپنی دلیری و استقلال کے لئے قابل تحسین ہے کہ اگرچہ اسکو بعض

نوٹ اور رائیں

دُنیا کے معاملات میں خُدا کا ہاتھ۔ اِس دَوڑ دھُوپ کے زمانہ میں اندیشہ ہے کہ ہم عملی طور پر خدا کی ہستی کو بھول جائیں۔ اور اپنے معمولی کاروبار یا تجاویز میں آسمان کی طرف نظر نہ اُٹھائیں۔ اسی وجہ سے خدا گاہ بگاہ ہمکو بڑے زبردست طور پر یاد دلاتا ہے کہ ہماری سب تدابیر بغیر اسکی پُرفضل امداد کے ہیچ ہیں۔ شاید تواریخ میں اسکی سب سے بھاری نظیر ماہ گذشتہ میں نظر آئی۔ انگلستان میں شاہ ایڈورڈ کی تاجپوشی کے جشن کی عظیم تیاریاں ہو چکی تھیں اور ایک ایسی عالیشان اور وسیع سلطنت جسکی مثال ابتدائے آفرینش سے اب تک دیکھنے میں نہیں آئی خوشی اور جوش انبساط کے معراج تک پہنچ چکی تھی کہ عین وقت پر شاہ والاجاہ کی علالت نے سب ارادوں اور تدابیر کو یک قلم ملیا میٹ کر دیا۔ کہاں تو لاکھوں بلکہ کروڑوں کے خرچ سے عظیم الشان جشن کی شاہانہ تیاریاں اور کہاں آن کی آن میں تمام سلطنت ماتم کدہ بن گئی۔ یقیناً خدا نے مدبران مملکت اور ہر ایک فرد بشر پر ثابت کر دکھایا کہ میں جو آسمان کا خدا ہوں دُنیا کے شاہاں کے اُوپر سلطان السلاطین ہوں۔ اور میری مرضی کے بغیر انسان کی تمام تدابیر اور انتظام بے سُود ہیں عمل جرّاحی جو شاہ ایڈورڈ پر کیا گیا وہ خطرناک سمجھا جاتا ہے اور آپکی اس عمر میں تو اور بھی خطرہ کا احتمال تھا مگر خدا کا شکر ہو کہ انجام بخیر ہُوا اور ہمارے بادشاہ کی طبیعت جادۂ اعتدال کی طرف بڑی تیز روی کے ساتھ جا رہی ہے بلکہ یقین کیا جاتا ہے کہ ماہ آیندہ کے وسط میں ملتوی شدہ تاجپوشی کا جشن عمل میں آئے گا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ گذشتہ مایوسی کے بعد اس آیندہ موقعہ پر اسی درجہ کی تیاریاں نہیں ہوں گی جو ۲۶ جون کے لئے کی گئیں اور عوام کی خوشی میں بجائے طفلانہ لہو و لعب کے سنجیدگی کی آمیزش ہوگی۔ اگر اِس واقعہ سے شاہ مُلک نے خدا پر زیادہ بھروسہ کرنے کا سبق حاصل کیا اور مشیرانِ سلطنت نے اپنی تجویزوں اور کونسلوں میں خُدا کے دستِ قدرت کو معلوم کرنا سیکھا تو

یہ بیماری یقیناً خدا کے جلال کے لئے تھی۔ اور بھی کئی ایک فوائد اس افسوسناک علالت سے ظہور میں آئے ہیں۔ مثلاً بغیر اِسکے ثابت ہونا محال تھا کہ رعایا کی اپنے بادشاہ کے ساتھ کس قدر محبت اور ہمدردی ہے۔ جو لوگ خدا کی ہستی کے منکر تھے اُن کو بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ کیونکر ہر مذہب اور فرقہ کے لوگ اِس خطرناک موقعہ پر دست بدعا ہوئے ہیں۔ انسان مذہب رکھنے والا حیوان ہے اور خصوصاً اپنی مصیبت اور تنگی کے ایام میں اپنے معبود کے سامنے خم رہنا اور دُعا اور التجا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اور وہ جو آسمانوں پر اپنی مخلوقات کا باپ ہے ضرور اپنے بندوں کی دُعاؤں کو سُنتا اور قبول کرتا ہے۔

وعظ کی تیاری کی ضرورت۔ حال میں مسٹر مائر نے ایک جلسہ میں پاسٹروں کو عملی صلاح دیتے وقت فرمایا کہ "جب تمہاری رُوح الٰہی جوش سے معمور ہو جائے تو اچھی وعظ کی تمام خوبیاں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔ عبارت آرائی اور تقریر کو پھڑکتے ہوئے استعارات سے مزین کرنا یسوع مسیح کی انجیل کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ جب رُوح کی تار نگاہ کا رشتہ کسی ایسے مضمون کے ساتھ پیوستہ ہو کہ جس سے تن من میں جوش کا شعلہ مشتعل ہو جائے اُسوقت پُرزور بیان اور مثالیں اور تمثیلیں اور فصاحت اور بلاغت خود بخود آجاتی ہیں"۔ اگر ان الفاظ کے کچھ معنی ہیں تو یہ ہیں کہ جس واعظ میں رُوح القدس موجود ہے اسکو تیاری کی ضرورت نہیں۔ یہ کوئی نیا خیال نہیں بلکہ ہر زمانہ میں اس خیال کے لوگ ہوتے آئے ہیں جو کہا کرتے ہیں کہ جب رُوح واعظ کی ہدایت کرتی ہے تو تیاری کرنے سے کیا حاصل؟ اور اگر اس کے نتائج پر غور کی جائے تو یہ مسئلہ بہت سی بے سروپا وعظوں پر پردہ ڈالنے کا باعث ہُوا ہے۔ اِسی طرح کاملیت کے ماننے والوں نے اکثر اپنے ابتدائی فرائض سے بھی غفلت کی ہے۔ اِس پر ایک معزز انگریزی ہمعصر کے خیالات اقتباس کے قابل ہیں "رُوح القدس محنت کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے لیکن اگر محنت نہ کریں تو اُس کے بجائے اَور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس زمانہ میں واعظوں کے دل پر اس بات

کے نقش کرنے کی سخت ضرورت ہے کہ اگر وہ ہر روز کلام اللہ کے بغور مطالعہ پر گھنٹوں صرف نہ کرینگے اور اپنے خیالات کو صاف طور پر پیش کرنے کے لئے مثالیں جمع نہ کرینگے اور انکو اچھے طور پر ادا کرنے کی کوشش نہ کرینگے تو نہ تو کسی کو فائدہ پہنچا سکیں گے اور نہ برکت کی توقع رکھ سکیں گے۔ یہ ضرور نہیں کہ سب سے عمدہ طرزِ کلام فصاحت کا مجموعہ ہو۔ پھر تقریر میں سماں باندھنا یا مثال یا تمثیل کو داخل کرنا کوئی الٰہی یا غیر طبعی بخشش نہیں ہے۔ جو خدا کا بندہ ان کو حاصل کرنا چاہتا ہے ضرور ہے کہ وہ محنت اور سعی کرے اور روح القدس کی مدد اُسکے شامل حال ہوگی۔ خدا کی خدمت میں دل اور دماغ دونوں شامل ہو سکتے ہیں ..... ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ خدمت کے لئے کوئی ایسی بلاہٹ خدا کی طرف سے نہیں کہ جس میں خدمت کے کام کیلئے پوری اور سرگرم تیاری نہ کی جائے"۔ اِسی ضمن میں ہم اپنے ناظرین کو اپنے ماہ گذشتہ کے پہلے آرٹیکل کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

مُردوں کو دفن کرنا چاہیے یا جلانا۔ سائنس نے دُنیا کی تجارت اور فنون اور آمد ورفت وغیرہ کے سلسلوں میں بڑا بھاری انقلاب پیدا کر دیا ہے اور اب معلوم ہوتا ہے کہ کلیسیا کی بعض رسوم بھی اُسکے وسیع احاطہ میں شامل ہونے کو ہیں۔ عشائے ربانی کے علیحدہ علیحدہ پیالے اور چمچے تو جا بجا استعمال ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ اب چونکہ سائنس والے لاش کو دفن کرنے کے بجائے جلا دینا بہتر سمجھتے ہیں۔ مسیحی دینداروں میں اسکی نسبت چرچا ہو رہا ہے کہ مذہب کے رُو سے کونسی رسم جائز اور مناسب ہے۔ ہمعصر اپیفنی میں ایک نامہ نگار اپنے دلی شبہات مندرجہ ذیل سوالات کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ جن کے جوابات نہایت مختصر طور پر دئے گئے ہیں۔ سائل۔ مُضطر ہے کہ کچھ عرصہ سے میں غور کر رہا ہوں کہ نعش کو دفن کرنے یا جلا دینے میں سے کونسا طریق بہتر ہے اس لئے مہربانی فرما کر میرے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب باصواب عنایت کریں۔ (۱) کہیں دفن کرنے اور جلانے کے علاوہ کوئی اور طریق نعش کو تلف کرنے کا بھی بنی آدم میں مستعمل ہے۔ جواب۔ پارسی اور بعض دیگر اقوام اپنے

مُردوں کو ہوائی پرندوں کا لُقمہ ہونے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ (۲) دفن کرنے اور جلانے میں سے کونسا طریق زیادہ قدیم ہے۔ جواب۔ اِسکی نسبت یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ کیونکہ نعش کو جلانے سے کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ البتہ قدیم زمانہ کے گاڑے ہوئے مُردوں کے نشانات نظر آسکتے ہیں۔ اور شاید یہی طریق زیادہ سادہ اور قدیم ہوگا۔ غالباً نعش کو پھینک دینا اس سے بھی قدیم رسم ہے۔ (۳) کیا مسیحی مذہب میں کوئی ایسا قانون ہے جسکے رُو سے دفن کرنا جائز اور جلا دینا ناجائز ہے۔ جواب۔ ہمیں معلوم نہیں کہ مسیحیوں نے کبھی اسکی نسبت کوئی قانون وضع کیا۔ مگر مُردوں کا دفن عام مروّج رہا ہے اور مسیح کے دفن ہونے کی وجہ سے ایک مذہبی رسم قرار دیا گیا ہے۔ (۴) اگر آپ دفن کرنا بہتر سمجھتے ہیں تو اپنی وجوہات سے مطلع فرمائیں۔ جواب۔ ہماری رائے میں مسیحیوں کو مسیحی مذہب کی متبرک روایات کو ماننا چاہیئے اور اگر جلانے کا طریق اختیار کیا جائے تو اُسکو بھی مُردوں کو خوشبودار کرنے کے عمل کی طرح دفن کی تیاری سمجھنا چاہیئے۔ (شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ جلے ہوئے مُردے کی راکھ جمع کرکے اسکو دفن کیا جائے جیسا کہ خوشبودار نعشوں کو کیا کرتے تھے۔) بعد ازاں ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مُردوں کو جلانے کا ہندو طریق نہایت مکروہ اور قابل اعتراض ہے خصوصاً جب نیم بریاں نعش کو دریا میں پھینک دیا جاتا ہے۔ زمانہ حال کے مُردوں کو جلا دینے والے خیال کے خلاف ہمارا یہی اعتراض ہے۔ کہ اس طریق سے نعش کے تمام نشانات گم ہو جاتے ہیں اور اگر مرگ بذریعہ تشدد یا زہر خورانی واقع ہوئی ہو تو اسکو شناخت کرنے کا کوئی سامان باقی نہیں رہتا۔ دفن کرنے کی نسبت ہمارا خیال ہے کہ مٹی اور آگ دونوں مُردے کے اجزا کو تحلیل کر دیتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ مٹی میں زیادہ عرصہ درکار ہے۔

مسیحی مضمون نگاروں کی ضرورت

نئے گھر کی آراستگی کے لئے مختلف قسم کے اثاث البیت کی ضرورت ہوا کرتی
ہے بعض روزانہ استعمال کی اشیاء درکار ہوتی ہیں اور بعض محض آرائش کی خاطر
مہیا کی جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ گھر سجایا جاتا ہے۔ ہندوستانی مسیحی کلیسیا کی ضروریات
بھی مختلف انواع اور اقسام کی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ سب کچھ … اس وقت
ہم ایک خاص ضرورت کی طرف توجہ کرینگے جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں عمدہ مسیحی
مضمون نگاروں کی ضرورت ہے تو گویا دوسرے الفاظ میں ہم کہ رہے ہیں کہ ہمیں ایسے
اشخاص کی ضرورت ہے جو ہمارے مسیحی علم ادب کو پیدا اور مہیا کرنیکے مددگار ہونگے۔
مگر کیا کسی ملک کا لٹریچر کسی خاص مذہب سے متعلق ہو سکتا ہے؟ ہاں بیشک۔ کیا
مسیحی مذہب انگریزی علم ادب کے رگ و ریشے میں سرایت نہیں کر رہا۔ اور
ہندوستان کے مختلف مذاہب کے اخبارات میں اپنے اپنے مذہب کے متعلق
الفاظ اور محاورات نہیں ہوا کرتے۔ یا کم از کم خاص مذہبی خیالات کا رنگ الفاظ
کے پتلے پردے میں سے نظر نہیں آتا۔ باوجود اسکے ملک کی ایک عام لٹریچر ہوا کرتی
ہے۔ ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی مسیحیوں میں ابتک نہ تو خاص اور
نہ عام علم ادب کا چرچا کہیں دکھائی دیتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ خاص
لٹریچر کو پیدا کرنا بعض خاص آدمیوں کا کام ہوا کرتا ہے جو اپنے ہمعصروں سے اس
بات میں گوئے سبقت لے جاتے ہیں۔ اور ایسے آدمی خداداد لیاقت کے ساتھ
پیدا ہوتے ہیں انکو کوئی ایجاد یا تیار نہیں کر سکتا۔ غیر مذاہب میں بھی چند ہی
چیدہ اشخاص موجود ہونگے جنہوں نے ہندوستانی زبان میں ایک نئی روح پھونک
کر دکھائی ہے۔ مگر جس بات کے ہم شاکی ہیں وہ یہ ہے کہ اگر مسیحی مذہب کے اخبارات
کا اوروں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ہمیں اپنے مضامین بلحاظ زبان کے بڑے ہلکے

درجہ کے نظر آئینگے۔ اب اِس سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کیا یہ کہ ہم میں کوئی زباندان یا صاحب قلم موجود نہیں۔ یہ ماننا دشوار ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری قلیل استعداد جماعت میں بھی بعض ایسے زبان پرداز اور لائق مضمون نگار موجود ہیں جن پر ہم فخر کر سکتے ہیں۔ اس پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے صاحب لیاقت اشخاص خاموش کیوں بیٹھے ہیں ؟ کیا وہ وقت کی ضرورت سے بے خبر ہیں یا عدیم الفرصتی قلم پکڑنے کی اجازت نہیں دیتی۔

ہم ابھی اشارتاً اپنے مسیحی اخبارات کے خلاف کچھ کہہ گئے ہیں۔ ہم نے اپنے مضامین کو بلحاظ زبان کے ہلکے درجہ کا قرار دیا ہے۔ فی الحقیقت زبان ایک ظاہری لباس ہے اصلی چیز نفسِ مضمون ہے جسکی عمدگی کے بغیر الفاظ ایک طبل تہی سے بہتر نہیں۔ بلحاظ مضامین کے ہمارے اخبارات کی تحریریں عموماً تین قسم کی ہوا کرتی ہیں۔ اوّل بحث مباحثہ جس میں غیر مذاہب پر اعتراض یا غیروں کے حملوں کے جواب شامل ہیں۔ یہ وہ کشادہ راستہ ہے جس پر چلنے والے بکثرت ہیں اس قسم کے مضمون نگاروں میں اچھے اچھے لائق آدمی ہو گذرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں مگر اب کوئی نیا خیال پیدا ہونا محال ہو گیا ہے۔ مباحثہ کے قریب تمام پہلوؤں پر تحریریں ہو چکی ہیں۔ اب اُن پرانی باتوں کو بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ دوسری قسم کی تحریریں کلام اللہ کی بعض آیات یا مضامین بطور تفسیر و تشریح یا پند و مواعظت کے ہوا کرتی ہیں۔ عموماً ان تحریروں کو نئے خیالات یا تشبیہات سے مزین کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اِس لئے اِنکا مزا اُسی درجہ کا ہوا کرتا ہے جو عمدہ پھلوں کے مقابلہ میں چھوٹ کا۔ تیسری قسم کے مضامین تُو تُو میں میں کے جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ زید نے بکر کے خلاف کسی خفیف سے معاملہ میں سلسلہ جنبانی کر دی یا اسکی کسی تحریر پر رائے زنی کی۔ عمرو اس میں دست اندازی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ خالد کو ٹٹی کی آڑ میں بیٹھ کر تیر چلانے کا موقعہ مل گیا۔ اُدھر ولید جو عموماً بے زبان تصور کیا جاتا ہے اِس دل لگی کو غنیمت سمجھ کر خاموش نہیں رہ سکتا۔ غرض ہر ایک شخص رائے زنی اور دخل در معقولات اپنا اعلیٰ فرض اور حق سمجھتا ہے۔ اس کشمکش میں دو فریق ہو جاتے ہیں۔ لطف یہ ہوتا ہے

کہ اصلی معاملہ تو بالائے طاق رہ جاتا ہے اور "واہ صاحب واہ" "کیوں جناب" "اجی حضرت" وغیرہم الفاظ کے وار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور چار دن ایڈیٹر اور نامہ نگاران اپنا اپنا دل بہلا کر کسی اور طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت ایسی تحریرات ہمارے سنجیدہ اخبارات کو ہلکا کرنیوالی ہیں۔ اگر ہم کوئی تواریخی یا علمی مضمون لکھنے کے قابل نہیں تو معمولی قدرتی نظاروں کا لفظوں میں سماں باندھ کر دکھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ بڑی بات ہوئی تو کسی جلسہ کی روئیداد لکھ دی جس میں کسی خاص شخص کی تعریف ملحوظ ہوتی ہے۔ اگر کبھی مشق پر خامہ فرسائی کی تو کسی صاحب کی خوشامد۔ غرض صاف صاف عبارت میں پاکیزہ اور نئے خیالات کا اظہار ہم کو سیکھنا باقی ہے۔

اعلیٰ مضامین کو شستہ زبان میں ادا کرنا کسب کمال ہے۔ اور یہ چند روز میں حاصل نہیں ہو سکتا محنت کا کام ہے۔ سڈنی سمتھ کا قول ہے کہ ہر ایک شخص اخبار کیلئے مضمون لکھنا نہایت آسان سمجھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نالائق لوگ بھی خم ٹھونک کر اس میدان میں نکل آتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس فن میں بھی مشق درکار ہے۔ اگر کوئی ہم سے دریافت کرے کہ مضمون نگاری کو حاصل کرنیکے لئے کیا کرنا چاہیئے تو ہم چند قواعد پیش کرنیکی جرأت کرتے ہیں۔

اوّل۔ قلم ہاتھ میں لینے کے پیشتر مضمون دل میں ہونا چاہیئے۔ شاید یہ قاعدہ فضول معلوم ہو کا کہ بندی اور بعض اوقات تجربہ کار لکھنے والے اس غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ قلم لیکر کچھ لکھنے بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ خود نہیں جانتے کہ کیا لکھنا ہے۔

دوم۔ مضمون نگاری کیلئے خیالات پیدا کرنے کی مشق چاہیئے اور یہ ناممکن ہے جب تک کہ عمدہ کتابوں کا مطالعہ نہ کیا جائے یا لائق اشخاص کے ساتھ گفتگو نہ کی جائے انکی تقریریں نہ سنی جائیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو انگریزی زبان کے خزانوں میں سے قیمتی سامان اخذ کر سکتے ہیں۔ وہ انگلستان کی کیاریوں سے اپنے ہموطنوں کیلئے گلدستے تیار کر سکتے ہیں۔

سوم۔ ہندوستانی زبان سے نا نفیت پیدا کرنا ضروری ہے ہم پنجابی اہلِ زبان کا مقابلہ اس امر میں نہیں کر سکتے مگر اپنے خیالات کو سادہ الفاظ میں ادا کرنا سیکھ سکتے ہیں۔ اگر ہمارے زباندان مسیحی نوجوان اپنی شمشیرِ قلم کو میان سے نکالنا عار سمجھتے ہیں تو ان کا کوئی حق

نہیں کہ اَوروں کی غلطیوں کی نکتہ چینی کریں۔ دبانداٸی کیلٸے یہ ازبس ضرور ہے کہ ہم علم ادب کے چیدہ چیدہ اخبارات اور مستند عالموں کی کتابوں کو پڑھا کریں۔ ورنہ ہم زمانہ کے آخر تک آدے اور جاوے اور وہ (جمع) کی بجاٸے وے اور دیگر متروک الفاظ کا استعمال کرتے جاٸینگے جو اُردو خوان پبلک کے سامنے مضحکہ خیز ہے۔ اور بغیر پڑھنے کے ہم نٸے نٸے الفاظ اور محاورات بھی سیکھ نہیں سکتے۔ اِسی ضمن میں ایک اَور بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ کسی خاص طرزِ تحریر پر زور نہیں دینا چاہیٸے۔ بعض اوقات ہم دوسروں کی نقل سے اپنی چال بھی بھول جاتے ہیں۔ قدرتی طرزِ تحریر حسنِ خداداد کی طرح خود بخود حاصل ہوتا ہے۔

چہارم۔ ہم کبھی نہ بھولیں کہ بلحاظ مسیحی ہونے کے ہمارے خیالات غیر مسیحیوں سے کسی صورت سے کم درجہ کے نہیں ہونے چاہیٸے۔ خدا نے ہمکو دُنیا میں سے چُن کر اپنے بیٹے میں اپنی پہچان ہمکو بخشی ہے۔ اِس لٸے ہمارے خیالات کا مرکز آسمان پر ہونا چاہیٸے۔ جو صاف ہوا ہمارے دل و دماغ کو تازہ کرنے کیلٸے آسمانی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ہمکو نصیب ہے وہ غیر مسیحیوں کو نہیں ہے۔ اور جو خزانے قدیم اور اعلےٰ ترین علم ادب کی کتابِ مقدس میں خدا نے ہمکو عطا کٸے ہیں دیگر مذاہب کے لوگ اُن سے بے بہرہ ہیں۔ وہ کونسا مضمون ہے جسکی افضل سے افضل مثال باٸیبل میں موجود نہیں۔ ہر ایک قسم کی طرزِ تحریر کے نمونے اس میں پاٸے جاتے ہیں۔ اِسلٸے ہم مسیحیوں کیلٸے مضمون نگاری میں کسی سے پیچھے رہ جانا شرم کا باعث ہے۔ جو کچھ عام مضامین کی نسبت کہا گیا ہے وہ نظم پر بھی عاید ہو سکتا ہے جن مسیحی اصحاب میں شاعری کا مادّہ موجود ہو وہ کم از کم کتابِ مقدس کے مضامین کو شیریں اور سادہ الفاظ میں منظوم کر کے خدا کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اور اگر مجموعی طور پر نادر مضامین کا خیال کیا جاٸے تو باٸیبل سے بہتر سامان طبع آزماٸی کیلٸے کہاں ملیگا۔

آخر میں مضمون نگاروں کو لکھتے وقت یہ فیصلہ کر لینا چاہیٸے کہ میں کس مقصد کیلٸے لکھ رہا ہوں۔ کیا فقط طبع آزماٸی یا شہرت اور عزت حاصل کرنے کی غرض سے یا اپنے بھاٸیوں اور ملک کی خدمت اور خدا کے جلال کیلٸے۔ اگر ہم بے تکے لکھنا سیکھیں تو ہمارا مغز پچی کرنا فضول ہے بلکہ ہماری رُوح کے لٸے موجبِ نقصان ہوگا۔ کیونکہ ہم اس بھاری خیال کو ایک لمحہ کیلٸے نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہم اپنی تحریر کے ہر ایک لفظ کیلٸے خُدا کے حضور جواب دہ ہونگے

حیاتِ داؤد

۸

ہردلعزیز

(زبور ۵۹: ۹ و ۱۷)

متن عبرانی الفاظ کا ترجمہ اردو میں "نگاہ رکھنا" اور "مدح کرنا" کیا گیا ہے ان میں باہم بہت کم فرق ہے۔ یہ دونو آیتیں اگر ساتھ ساتھ پڑھی جائیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ یہ کیونکر ہم معنی ہیں۔

آیت ۹ ۔ اے میری قوت میں تجھی پر نگاہ رکھونگا کہ خدا میری پناہ ہے۔

آیت ۱۷ ۔ اے میری قوت میں تیری مدح کروں گا کہ خدا میرا محکم قلعہ ہے۔

عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ زبور کس موقعہ پر تصنیف ہوا۔ "داؤد کا زبور جب ساؤل نے لوگ بھیج کے اس کے گھر کی چوکی دلوائی تاکہ اُسے قتل کرے"۔ نفس مضمون سے عنوان کی تائید ہوتی ہے خصوصاً آیات ۶ و ۱۴ سے۔

"وہ شام کو لوٹتے ہیں۔ وہ کتے کی مانند بھونکتے ہیں اور شہر میں ہر طرف پھرتے ہیں۔ دیکھ وہ منہ سے ڈکارتے ہیں"۔ لیکن داؤد اپنے گھر میں بیٹھا خدا پر نگاہ رکھتا اور صبح کے وقت اُسکی رحمت کے گیت گاتا ہے۔

اوّل ۔ داؤد پر اس حسد کی وجہ ۔ وادیٔ ایلاہ سے فتحمند لشکر جب واپس ہوا تو سارا ملک خوشی و شادمان تھا۔ کسانوں نے کھیت میں کام چھوڑ دیا اور دکانیں بند ہوگئیں۔ گاؤں سے شہروں تک یہ خوشی کی خبر برق کی طرح پھیل گئی اور شہر کی عورتیں ساز و بربط لئے شاہ ساؤل کے استقبال کو نکلیں۔ اُن کے اس گیت سے ساؤل کو نہایت چوٹ لگی کہ

"ساؤل نے اپنے ہزاروں کو مارا پر داؤد نے اپنے دس ہزاروں کو"۔

اُس وقت ساؤل کے دل میں اوّل اوّل رشک کا شعلہ افروختہ ہوا اور بڑھتے بڑھتے اس کی تباہی کا سبب ٹھہرا۔ اسکے لئے کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ اس دوزخی شعلہ کو پاؤں تلے روند ڈالتا یا دعا کے سمندر میں بجھا دیتا۔ لیکن وہ تو اسکو اور بھی روشن کرتا رہا یہاں تک کہ خود اُس سے جل گیا۔ دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے ۔ اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

"اور ساؤل سن کے نہایت خفا ہوا .... کہ وہ بات اُسے بُری معلوم ہوئی اور ساؤل نے اُس دن سے آگے کو داؤد پر خوب نگاہ رکھی"۔

لیکن ساؤل کے دل میں حسد و رشک سے کچھ زیادہ تھا۔ اُس نے خدا کے ارادہ کو توڑنیکی

کوشش کی۔ سموئیل نے اُسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ خدا نے اسرائیل کی بادشاہت تجھ سے چھین کر تیرے ایک ہمسایہ کو بخش دی ہے اور جب اُس نے اس جوان کو جولیت کا سر ہاتھ میں لئے آتے دیکھا اور اسرائیلی عورتوں کا نغمہ سُنا تو اسکے دل میں بے شک یقین سے بدل گیا کہ خدا کا مقرر کیا ہُوا بادشاہ یہی ہے۔ اور اسنے اپنے دل میں یُوں کہا ہوگا جیسے ہیرودیس نے بعد میں کہا کہ بادشاہ تو میں ہُوں اور دیکھوں گا کہ یہ پیشینگوئی کیسے پُوری ہوتی ہے۔ مُردے بادشاہی نہیں کیا کرتے اور قتل کے علاوہ جان لینے کے اور کئی ذریعے ہیں۔ ہونا یہی ہے"۔ اسکا خیال تھا کہ اگر کسی نہ کسی طریق سے داؤد کی جان لے لُوں تو خدا کا ارادہ پورا نہ ہوگا اور سموئیل کی پیشنگوئی جھوٹی ثابت ہوگی۔ یہ آخری شخص نہ تھا کہ جس نے اکھاڑے میں اُتر کر خدا کے ساتھ جنگ کیا اور پس گیا۔ کوئی تواریخ دان جولین مردود کے اس اقرار کو بھول نہیں سکتا جو ہزار اسال کے تجربہ کا اظہار رہتے ہے کہ "اے گلیلی! تُو نے فتح پائی"۔

ساؤل کے اس خونی ارادہ نے کئی طریقوں سے تکمیل پانے کی کوشش کی۔ اگلے ہی دن جب داؤد اسکو بربط سنانے بیٹھا تو ساؤل نے اسکو اپنی برچھی کا نشانہ بنایا لیکن وہ عزیز خدا بال بال بچ گیا۔

پھر ساؤل نے اسکو ایک اعلیٰ فوجی عہدہ دے دیا اس امید سے کہ دنیوی ترقی اور اختیار کی پھسلنی جگہ میں اس کا سر پھر جائے اور وہ کوئی بغاوت کا فعل کر بیٹھے اور موت کا سزاوار ٹھہرے لیکن داؤد اپنی تمام راہوں میں دانشمند رہا۔ ہر ایک گڑھے اور جال سے بچتا رہا یہاں تک کہ بادشاہ کو بھی جو موقعہ کی تاک میں بیٹھا تھا اور بھی یقین ہو گیا کہ داؤد خدا کی حفاظت میں ہے اور اس سے ڈرنے لگا۔

پھر اُس نے اپنی بڑی بیٹی کو اسکے نکاح میں دینے کا وعدہ کیا اور شادی کے وقت اپنے وعدہ پر قایم نہ رہا۔ اسکا منشا یہ تھا کہ اس وعدہ خلافی سے داؤد ناراض ہو کر بغاوت کا مرتکب ٹھہرے لیکن اس کا یہ منصوبہ بھی پورا نہ ہُوا۔

پھر اپنی دوسری بیٹی میکائیل کی اس شرط پر طمع دیکر کہ ایک سو فلستیوں کا چمڑا اُتار کر لائے اس نے اپنے حریف کو ایسی مشکل میں ڈالا کہ جس سے بغیر معجزہ کے وہ سلامت نکل نہ سکتا تھا۔ لیکن داؤد نے دو سو فلستیوں کو قتل کر کے لوگوں کی اور بھی تحسین حاصل کی۔

ہر طرف سے ناکامی اُٹھا کر اس خدا کے رد کئے ہُوئے بادشاہ نے آخر کار یونتن اور اپنے خدام سے کہا کہ جس طرح بن پڑے داؤد سے میرا پیچھا چھڑاؤ لیکن اسکا یہ منصوبہ بھی کارگر نہ ہُوا۔ یونتن تو داؤد کو جی سے چاہتا تھا اور تمام اسرائیل اور یہودا کے لوگ اسکو عزیز رکھتے تھے۔ یونتن نے تو اپنے باپ کے غصّہ کو دُور کرنے کی بہت کوشش کی اور اس سے وعدہ بھی لیا کہ داؤد مارا نہ جائے گا۔ لیکن اس کی منت وسماجت کا اثر دیر پا نہ تھا تھوڑی دیر بعد ہی بربط بجاتے وقت داؤد پھر برچھی کا نشانہ بنا۔ یہ شام کا وقت تھا اور داؤد اپنے گھر کو

بھاگ گیا۔ ساؤل تو اسکے قتل پر تلا بیٹھا تھا۔ سو اس نے داؤد کے گھر لوگ بھیجے کہ اسکے گھر کی چوکی کریں اور صبح کو اسے مار ڈالیں۔ انہیں لوگوں کا ذکر وہ اس زبور میں کرتا ہے۔
میکائیل کی ہوشیاری نے اسکے خاوند کی جان بچائی۔ اس نے کھڑکی کی راہ اس کو نیچے اتار دیا اور اس کی صورت بنا کر بستر پر لیٹ دی۔ لیکن اسکو مکر و فریب کا کوئی موقعہ نہ ملا۔ خدا نے کئی دفعہ ساؤل کے منصوبوں کو باطل کیا اور خود ساؤل اپنی بدکرداریوں کا شکار رہا۔

(۱سموئیل ۱۹: ۲۴)
داؤد کے لئے یہ تجربہ بیشک عجیب ہوگا۔ انسانی طور پر بادشاہ کے اسکو گرفتار کرنے میں کوئی امر مانع نہ تھا لیکن ایمان سے وہ جانتا تھا کہ میں قادر مطلق کے پروں تلے سلامت ہوں۔ خدا کی حضوری سموئیل اور داؤد دونو پر سایہ فگن تھی۔
"وہ ان کو اپنے ڈیرے کے پردہ میں پوشیدہ رکھے گا۔ وہ انکو چٹان پر چڑھائے گا"
دو ہم۔ حملوں کے درمیان بھی داؤد کی سلیمی طبع۔ یہ مصیبت زدہ شخص انسان اور فرشتوں کیلئے نمونہ ہے۔ ساؤل اس کا دشمن جان ہے۔ چاروں طرف اسکے لئے پھندے اور جال لگائے گئے ہیں۔ گاہے گاہے آفتاب اس کے سنہلے بالوں پر چمکتا تھا لیکن اکثر اسکو سیاہ بادل اور گھنگور گھٹائیں دیکھنی نصیب ہوتی تھیں۔ ابھی تو اسرائیل کی عورتیں اسکا استقبال کرتی ہیں لیکن اسکے بعد ہی وہ اپنی بیوی اور بچوں سے جدا کیا جاتا اور جلا وطنی میں دربدر مارا پھرتا ہے۔ لیکن ہر وقت اس کے دل میں تسلی اور اطمینان قایم رہتا ہے اور اپنی حالت دل کا اظہار مدح کے گیتوں سے کرتا ہے۔ اسکے اطمینان دل کا بھید کیا تھا۔
اوّل تو اس امر کا یقین کہ خدا کیا کچھ ہے۔ خدا اس کی قوت تھا یعنی خدا اسکے اندر۔ خدا اُس کا محکم برج تھا یعنی خدا اس کے باہر اور چوگرد۔ وہ خدا رسیدہ تھا اور خدا اس کے ساتھ تھا۔ وہ خدا میں رہتا تھا اور خدا اس میں۔ اس کی کوئی ایسی ضرورت نہ تھی جو خدا پوری نہ کر سکتا تھا۔ کوئی ایسا خطرہ نہ تھا کہ جس سے وہ اسکو بچا نہ سکتا تھا۔ یہ کیسی مبارک حالت ہے۔ کسی بڑے کام کے لئے جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے تم کافی زور نہیں رکھتے۔ تمہارے خیال میں بڑے سے بڑے لایق اور دانشمند بھی اس کو بخوبی سرانجام دے نہیں سکتے لیکن وہ تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ تم رو رو کہتے ہو کہ اے میرے مالک میں کس طرح اسرائیل کو بچاؤنگا۔ دیکھ میرا گھرانا منسّی میں حقیر ہے اور میں اپنے باپ دادوں کے گھرانے میں سب سے چھوٹا ہوں۔
پھر خدا کا روح ظاہر کرتا ہے کہ خدا تمہاری قوت ہے اور کہ دل میں اسکو ایسے قبول کر لینا چاہئے کہ وہ ایک نئی اور آسمانی قوت کی بنیاد ٹھہرے۔ رسول کی خوشی پر غور کرو کہ جب وہ ایک طرف بڑی جانجوکھوں کے کام دیکھتا اور دوسری طرف بڑی مشکلیں اسکو نظر آتیں تو وہ بڑے اطمینان اور یقین سے کہتا ہے کہ مسیح کے وسیلے جو مجھے طاقت بخشتا ہے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ اے کمزوروں کے کمزور ایماندار۔ یسوع مسیح کو یاد رکھ

[redacted]

اور اسکو اپنی زندگی کی قوت بنا۔ اس فصل میں دلاور بن جو یسوع مسیح میں ہے۔

یا ایک اور مثال لو۔ ان مغلوب سپاہیوں کو دیکھو کہ دشمن کیسے بے طرح انکا پیچھا کئے ہیں۔ سامنے پہاڑی پر ایک قلعہ ہے۔ جس کی چار دیواری کے اندر ان کا بال تک بیکا نہیں ہو سکتا۔ جان توڑ کر یہ بھاگتے اور واں جا پناہ لیتے ہیں۔ جو جان خدا کی یوں پناہ لیتی وہ تمام خطروں سے محفوظ رہتی ہے۔ ہمیں تو خدا کی طرف بھاگنا بھی نہیں پڑتا کیونکہ اس سے تو یہ مفہوم ہوگا کہ ہم اس سے پرے ہیں۔ ہمیں تو یہی درکار ہے کہ اس میں قایم رہیں اور جس آزادی سے اس نے ہمکو آزاد کیا ہے اس میں مضبوط رہیں اور یہ جان رکھیں کہ جب تک ہم خدا میں قایم ہیں شیطان جو چاہے کرے ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

جب ہم ان باتوں کی پہچان پائیں اور اس پر یہ خیال ایزاد کریں کہ خدا رحمت کا چشمہ ہے۔ اور جب ہم یہ ایمان رکھیں کہ ساؤل کی نفرت اور ہماری مشکلات میں بھی خدا کی رحمت کا ہاتھ ہے کہ ہماری راہ پر جو تاریک بادل چھائے ہیں ان میں بھی رحمت ہے اور بڑے بڑے سخت اور تلخ تجربوں میں بھی رحمت ہے تو پھر ہم داؤد کے ہمزبان ہو کر یہ زمزمہ پردازی کر سکتے ہیں کہ میں تو تیری قدرت کی ثنا گاؤں گا ہاں میں صبح کو تیری رحمت کے گیت گاؤنگا کہ تو میرا محکم قلعہ ہے اور مصیبت کے دن میری پناہ گاہ۔

دوم۔ خدا کی طرف انسان کا میلان طبع۔ "اے میری قوت میں تجھی پر نگاہ رکھونگا"۔ جس عبرانی لفظ کا ترجمہ نگاہ رکھونگا کیا گیا ہے وہ ان معانی میں استعمال ہوتا ہے کہ چرواہا اپنی بھیڑوں پر نگاہ رکھے۔ یا پاسبان برج پر سے پہرہ دے یا سنتری اوپر نیچے ٹہلتا پھرے۔ کیا ہم بھی عادتاً یوں ہی کرتے ہیں؟ اکثر مسیحی دعا تو کرتے لیکن سیڑھی کی طرف نہیں دیکھتے کہ جس سے فرشتے دعاؤں کا جواب لئے نیچے کو آتے ہیں۔ رات کیوقت کئی جہاز ان اسباب سے لدے ہوئے ہمارے کنارے سے گذرتے ہیں کہ جنکے لئے ہم دن بھر دعا کرتے رہے لیکن واں ہم انکے لینے کو نہیں ہوتے۔ کئی فوجیں تلواریں چمکاتی ہوئی ہماری مدد کو آتی ہیں۔ لیکن ہمارے دروازے بند کے بند ہی رہتے ہیں۔ کئی کبوتریاں ہماری کھڑکیوں پر آ بیٹھتی ہیں لیکن اور باتوں میں ہم اتنے مشغول ہیں کہ انکی آہٹ نہیں سنتے۔ ہم دعا تو کرتے لیکن منتظر نہیں رہتے۔ ہم مانگتے تو ہیں لیکن اسکے پانے کی توقع نہیں رکھتے۔ ہم کھٹکھٹاتے تو ہیں لیکن دروازہ کے کھلنے سے پیشتر واں سے چل دیتے ہیں۔

ہمیں یہ سبق سیکھنا ضرور ہے کہ خدا پر بھروسہ رکھیں۔ رو یا پانے کے لئے ٹھہرے رہیں تمو ئیل کے آنے کا انتظار کریں۔ یہ ایمان رکھیں کہ جس نے ہمکو بھروسہ کرنا سکھایا وہ کبھی ہمکو دھوکا نہ دیگا۔ یقین رکھیں کہ جو اس پر نگاہ رکھتے وہ کبھی شرمندہ نہ ہوں گے۔ اور جو کچھ ہم مانگتے ہیں ایمان رکھیں کہ وہ ہم نے پالیا ہاں اُسے لے کر اپنا بنالیں جس حال کہ ظاہری طور سے اسکا کچھ جواب نہیں ملا۔ یہ ہے خدا پر نگاہ رکھنا۔ اس سے ہم مطمئن اور شادمان رہیں گے گو مصیبتیں ہمیں چاروں طرف سے گھیرے رہیں۔ یوں ہمارا انتظار مدح سرائی سے بدل جائیگا۔

یسوع کے خاص دوست

۷

دوستوں کا انتخاب

دوستوں کا چُننا انسان کی زندگی میں سب سے بڑی اور ضروری بات ہے۔ کئی جوان دوستوں کے انتخاب میں غلطی کر کے اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسے لوگوں کو چُن لیتے ہیں کہ جو اپنے ساتھ انہیں نیچے کھینچ لے جاتے ہیں۔ کئی شخصوں کا اخلاقی تنزل اسی روز سے شروع ہو جاتا ہے جس روز سے انہوں نے کسی نالائق دوست کو چُن لیا ہے۔ کئی عورتوں کی غم اور بُرائی کی زندگی اس دن سے شروع ہوئی ہے کہ جس روز انہوں نے کسی نکمے دوست کو اپنے دل میں جگہ دی ہے۔ برعکس اسکے بہتوں کی خوشی و اقبال مندی اور کامیابی و سرفرازی کی زندگی کا باعث یہ ہوا ہے کہ انہوں نے کسی پاک۔ اشراف نیک اور فراخ دل والے کو اپنا دوست چُن لیا ہے۔

ایک دفعہ مسز براؤننگ نے چارلس کنگسلے سے پوچھا "براہ مہربانی آپ مجھے بتلایئے کہ آپ کی زندگی کا بھید کیا ہے تاکہ میں بھی اپنی زندگی کو ایسا ہی خوبصورت بناؤں"؟ اُسنے جواب دیا کہ "میرا ایک دوست تھا"! بہت سے ایسے ہیں کہ جو اعلےٰ درجہ کے کیرکٹر یا عمدہ زندگی تک اسی طرح سے پہنچ گئے ہیں۔ ان کا ایک دوست تھا جو خدا سے عین وقت پر بھیجا جا کر انہیں مل گیا اُس نے اُن باتوں کو اُبھارا جو اُن کے کیرکٹر میں خوبصورت اور ان کی زندگی میں عمدہ اور نیک تھیں۔

خداوند کا اپنے شاگردوں کا انتخاب ہمارے اپنے دوستوں کے چُننے کے پیرایہ میں متصوّر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ معمولی دوستوں سے بڑھ کر تھے۔ اس نے انہیں اپنا قایم مقام اور اپنی کلیسیا کی بنیاد بنایا تھا۔ تاہم اس ماجرے سے ہم اپنے لئے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

یسوع نے اپنے دوستوں کو بڑے تحمّل سے چُنا۔ اسکے شاگرد مہینوں سے اسکے پاس رہتے تھے۔ اپنی عام خدمت کے شروع کرنے کے کم از کم ایک سال بعد اُسنے بارہوں کو چُنا۔ اسکے پاس وہ وقت تھا کہ وہ اپنے پیروؤں کے گروہ سے واقف ہو۔ اُن کے کیرکٹر کو آزما کر دیکھ لے اور ان کی طاقت اور کمزوری کی ماہیت کو جانچ لے۔

دوستوں کے چُننے کی نسبت بہت سی مہلک غلطیاں ناواجب جلدبازی کے سبب سے سرزد ہوتی ہیں۔ ہم ان کو جنہیں دوست بنانے کا خیال کرتے ہیں جاننے کے لئے کافی وقت خرچ کریں اور ان کے ساتھ دوستی کی سنجیدہ اور پختہ مُہر لگانے سے پیشتر انہیں بخوبی جان لیں۔

یسوع نے دوست کے انتخاب کو ایسا ضروری سمجھا کہ اس کو اس نے اپنی دعا کا مضمون بنا

لیا۔ اُسنے تمام رات خدا کے حضور دُعا مانگی اور صبح شاگرد منتخب کئے۔ اگر یسوع کو اپنے دوستوں کو انتخاب کرنے سے پیشتر ایسی دُعا کی ضرورت تھی تو کتنا ہمکو لازم ہے کہ اپنی زندگی میں نئے دوست بنانے سے پیشتر خدا سے صلاح لیں۔ ہم نہیں جان سکتے کہ اس دوست کا ہم پر کیسا اثر پڑیگا اور اسکے وسیلے ہم کہاں تک لے جائے جائیں یا اسکے باعث سے ہم پر کیسے کیسے رنج اور تکلیفیں آئینگی یا ہماری روح کیسی خوبصورت یا بدصورت بنائی جائیگی ہم کسی کو اپنا دوست قبول نہ کریں جب تک کہ خدا اُسے ہمیں نہ دے۔ جوان اِس سے بڑھ کر کسی اَور بات میں الٰہی دانائی کے محتاج نہیں ہیں کہ وہ فیصلہ کر سکیں کہ کون اُنکا دوست ہوگا۔

یسوع نے اپنے دوستوں کو چُننے میں اُن سے آرام اور مدد حاصل کرنے کا اتنا خیال نہیں کیا جتنا اس نے اس امر کا خیال کیا کہ وہ خود ان کے لئے مدد اور تسلی کا باعث ہو سکے۔ وہ اپنے لئے دوستی کا بھوکا تھا۔ اسکا دل بھی اسکا اسی قدر محتاج تھا جیسا کہ ایک انسانی دل ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی اپنی محبت کے اظہار میں اسکے پاس کچھ لایا اسنے اسکو خوشی سے قبول کیا۔ اس نے غریبوں۔ بچوں اور محتاجوں کی دوستی کو قبول کیا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بیت عنیاہ کا گھر بمعہ اپنے اعتبار۔ آرام۔ پناہ اور دلی محبت کے جو اسکو وہاں حاصل ہوتی تھی اسکے لئے کیسا دلکش تھا۔ انجیل کی تمام رقت آمیز کہانیوں میں سے ایک یہ ہے۔ جب یسوع باغ میں ہمدردی کا بھوکا ہو کر بار بار اپنے انسانی دوستوں کے پاس آتا تھا اس امید سے کہ انہیں محبت میں جاگتا پائے مگر اس نے انہیں سوتے پایا۔ وہ کلمات جو اس موقعہ پر اسکے لبوں سے نکلے کہ "تم ایک گھنٹہ بھر بھی میرے ساتھ جاگ نہ سکے" بڑی مایوسی کے الفاظ تھے۔ یسوع اپنے لئے دوستی کی برکتوں کا بھوکا تھا اور بارھوں کے چُننے میں وہ ان کے ساتھ اپنی رفاقت میں تسلی اور طاقت حاصل کرنے کی امید رکھتا تھا۔

لیکن اسکی سب سے دلی خواہش یہ تھی کہ وہ ان کے لئے برکت ہو۔ وہ خدمت کروانے کے لئے نہیں بلکہ خدمت کرنے کے لئے اور دوست حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ دوست بننے کے لئے آیا تھا۔ اس نے بارھوں کو چُنا تاکہ انہیں عزت اور نیکی میں سرفراز کرے۔ اور ان کی زندگیوں کو پاک۔ صاف اور مفید بنائے تاکہ انہیں اپنے گواہ قرار دے اور کہ وہ اسکی انجیل کو پھیلانے اور اس کی زندگی اور تعلیم کو دُنیا پر ظاہر کرنے کا وسیلہ ہوں۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہتا تھا بلکہ اسکا دل ہر دم بے غرض محبت سے پُر تھا۔

ہم یسوع سے سیکھتے ہیں کہ دوستی کی سب سے ضروری بات یہ نہیں ہے کہ ہم دوستوں کی تمنا رکھیں بلکہ یہ کہ ہم دوست ہونے کی خواہش کریں نہ کہ اَوروں سے فائدہ اور مدد حاصل کریں بلکہ اَوروں تک برکتیں پہنچائیں۔ بسا اوقات دوستی محض خود غرضی کی بنا پر کی جاتی ہے تاکہ اس سے خوشی یا دل کی مراد حاصل ہو۔ برعکس اسکے اگر اَوروں کا بھلا کرنے اور انکی مدد اور خدمت کرنے کے لئے دوست ہونے کی خواہش کی جائے تو ایسی خواہش مسیحی خواہش ہوگی۔ اور زندگی اور کیریکٹر (سیرت) کو بہتر بنائیگی۔

اس خیال سے ہمکو بڑی حیرانگی ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع نے کس قسم کے لوگوں کو اپنا دوست بنانے کے لئے چن لیا۔ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا تھا آسمان سے اتر کر اپنی قوم کے بڑے مہذب اور تعلیم یافتہ آدمیوں کو جو ذی فہم اور عقلمند اور بارعب ہوتے اپنے نزدیکی اور ساتھی بنانے کیلئے چنتا لیکن بجائے اسکے کہ یروشلم کو جا کر ربیوں کاہنوں فقیہوں۔ اور حاکموں میں سے اپنے لئے رسول انتخاب کرے اس نے سادہ اور عام لوگوں خصوصاً جلیل کے مچھوؤں میں سے انہیں چن لیا اسکا ایک سبب یہ تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے اپنے دوست چن لے جو اسکی طرف راغب ہو چکے تھے اور ان میں سے کوئی بڑا عالم یا تہذیب یافتہ نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس نے مرتبہ۔ عزت۔ نام۔ دنیاوی رعب یا انسانی دانائی کی نسبت دل کی خوبیوں کی زیادہ پرواہ کی اس نے انہیں اپنے پاس رکھنا چاہا تاکہ وہ اسکے ساتھ رہ کر اسکا سا مزاج حاصل کرلیں۔ اور اسکے وفادار اور ہمدرد رسول بن سکیں۔

یسوع نے ان پڑھے اور غیر تربیت یافتہ آدمیوں کو اپنے گھرانے میں شامل کیا اور فوراً ہی اپنے بڑے کام کے واسطے انہیں تیار کرنے لگا۔ یہ قابل غور ہے کہ یسوع نے بارھوں کو چنا تاکہ اسکی تعلیم لوگوں میں دور دور تک پھیلائیں اور کہ وہ اسکے کلمات کو جمع کرلیں اور اپنے اثر کو بہت سے شاگردوں پر صاف اور موثر طور سے ڈالیں کہ وہ مٹ نہ سکے۔

اس نے انہیں اپنے نزدیکی رشتہ میں قبول کیا اور اپنی بادشاہت کی بڑی بڑی سچائیاں سکھلائیں۔ اور اپنی زندگی کی مہر ان پر لگائی اور ان میں اپنی روح پھونکی۔ ہم رسولوں کو بڑے آدمی سمجھتے ہیں وہ بڑے آدمی بنگئے۔ ان کے اثر نے بہت سے ملکوں کو بھر دیا اور آج کل تمام دنیا اس سے پر ہے۔ وہ تخت پر بیٹھ کر تمام قوموں کی عدالت کرتے ہیں لیکن جو کچھ وہ بن گئے اس کا باعث یسوع کے ساتھ دوستی تھا۔ اس نے انہیں تمام بزرگی دی۔ اس نے انہیں یہاں تک تربیت دی کہ ان کی جہالت تہذیب میں تبدیل ہوگئی۔ اس میں شک نہیں ہے اس نے خلوت میں بہت سا وقت ان پر خرچ کیا۔ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے۔ انہوں نے اسکی تمام زندگی دیکھی۔

ان کے لئے تین برس تک یسوع کے ساتھ رہنا۔ اسکے ساتھ کھانا۔ اسکے ساتھ پھرنا۔ اس کی تمام گفتگوؤں کو سننا۔ اسکے صبر۔ مہربانی اور فکروں کو دیکھنا ان کے لئے فخر کا باعث تھا۔ اسکے ساتھ رہنا گویا بہشت میں رہنا تھا کیونکہ یسوع خدا کا بیٹا یعنی خدا مجسم تھا۔ جب فیلبوس نے یسوع سے کہا "خداوند ہمیں باپ کو دکھلا کہ یہ ہمارے لئے کافی ہے" یسوع نے جواب دیا "جس نے مجھے دیکھا ہے اس نے باپ کو دیکھا ہے"۔ اس لئے یسوع کے ساتھ رہنا خدا کے ساتھ رہنا تھا۔ اگرچہ اسکے جلال کو انسانیت کے پردے نے کسی قدر دھندلا سا کر رکھا تھا تو بھی اسکی الوہیت میں کچھ کمی نہیں ہوئی۔ تین سالوں تک شاگرد خدا کے ساتھ رہے اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ ان کی زندگیوں میں ایسی تبدیلی ہوگئی اور جو کچھ ان میں بہتر تھا وہ محبت سے

[redacted]

خوشگوار موسم میں کہ جس میں وہ رہتے تھے انگور کی طرح باہر نکل آیا۔

اس نے بارہ کو چنا غالباً اس لئے کہ اسرائیل کی بارہ قومیں تھیں تاکہ یہ تعداد جاری رہے۔ ایک انجیل نویس لکھتا ہے کہ اسنے انکو دو دو کرکے بھیجا۔ کیوں دو دو کرکے بھیجا؟ چونکہ تمام دنیا میں انجیل کی بشارت دینی تھی کیا بہتر نہ ہوتا اگر وہ ایک ایک کرکے بھیجے جاتے۔ اس طرح وہ دگنی جگہوں میں جا سکتے تھے۔ کیا ایک ہی جگہ دو دو کرکے بھیجنا طاقت کا ضایع کرنا نہ تھا؟

اس میں شک نہیں ہے کہ یسوع نے سوچ کر ہی ایسا کیا۔ اگر ایک ایک جاتا تو وہ تنہائی محسوس کرتا مگر دو دو کرکے جانے سے وہ ایک دوسرے کی محبت کا فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ ان دنوں میں انجیل کی بہت مخالفت کی جاتی تھی اور اکیلے کیلئے مخالفت کا سامنا مشکل ہوتا۔ بھائی کی رفاقت دل کو نہایت مضبوط اور دلیر بنا دیتی ہے ہم نہیں جانتے کہ کہاں تک ہم اپنے ساتھیوں کے مقروض ہیں کہاں تک ہمکو ان سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ کتنی دفعہ انکے بغیر ہم دل شکستہ اور مایوس ہو جاتے ہیں۔

علم ادب میں خوشی کی سب سے عمدہ تعریفوں میں سے ایک الیور ونڈل ہومس نے اس طرح کی ہے کہ "خوشی غم سے آتش لدہ پر کنکری ہے"۔ جب اسکی پیاری بیوی گذر گئی اور ایک بوڑھا اسکو تسلی دینے کے لئے آیا تو اسنے سفید سر کو ہلا کر کہا کہ اب بچاؤ کی کم امید ہے سچا ساتھی عجیب تسلی بخش ہے۔ تنہائی دکھدائی ہے تم ایک کوئلے سے آگ نہیں جلا سکتے۔ لکڑی کا اکیلا ٹکڑا نہیں جل سکتا لیکن دو کوئلوں اور لکڑی کے دو ٹکڑوں کو ساتھ ساتھ رکھ دو تو آگ خوب تیزی سے جلنے لگے گی۔ یسوع نے اپنے شاگردوں میں سے دو دو کو جوڑ دیا تاکہ باہمی دوستی سے ایک دوسرے کو اُکسائیں۔

بارہوں کو اس طرح ملانے کا ایک اور سبب بھی تھا ان میں سے ہر ایک کمزور انسان تھا یعنی ان میں سے کوئی ہر ایک امر میں کامل نہیں تھا۔ ہر ایک میں اسکی اپنی خاص طاقت اور خاص کمزوری تھی۔ یسوع نے ان کو اس طرح جوڑ دیا تاکہ ہر ایک دو مل کر ایک نیک آدمی بنجائے۔ جلد باز اور اپنے پر بھروسہ کرنیوالے پطرس کو محتاط اور دیکھ بھال کے کام کرنیوالے اندریاس کی ضرورت تھی۔ توما جو شکی تھا متی جیسے ایماندار کے ساتھ جوڑا گیا۔ کسی اتفاق سے یہ بارہ چھ جفتوں میں تقسیم نہیں ہو گئے تھے۔ یسوع جانتا تھا کہ آدمی میں کیا ہے اور اس نے ان آدمیوں کو ایسے طور سے آپس میں ملا دیا تاکہ ہر ایک میں جو کچھ سب سے بہتر ہے وہ باہر آجائے اور اس طرح سے اُن کی زندگیوں کو جوڑ کر ان کے قصوروں اور کمزوریوں کو خوبصورتی اور طاقت میں بدل دیا۔ اسنے سب کو یکساں بنانے کی کوشش نہیں کی۔ اسکی یہ کوشش نہ تھی کہ پطرس یوحنا کی طرح چپ چاپ اور حلیم بن جائے یا توما متی کی طرح سرگرم اور پکا ایماندار ہو جائے۔ اس نے ہر ایک شخص کی شخصیت کو دیکھ کر اسی کو نشوونما میں لانے کی کوشش کی۔ اسکا پطرس کی تیز سرگرمی کو مستقل مزاجی اور احتیاط میں نقصان گویا پطرس کو اس سے جو اسکی نیچر میں سب سے عمدہ ہے محروم کرنا

تھا۔ اس نے اپنے رسولی گھرانے میں اسقدر مختلف مزاج کے نمونے پائے جسقدر آدمی پائے جاتے ہیں اور ایک میں کسی خاص خوبی کی زیادتی دوسرے کی کمزوری پر غالب آگئی۔
یسوع کے اپنے شاگردوں کو تربیت دینے کے طریقے پر غور کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ سچا دوستی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی دوست کی زندگی کو آسان بنایا جائے بلکہ یہ کہ دوست کو کچھ بنا دیا جائے۔ یہی خدا کا طریقہ ہے۔ وہ ہر ایک بوجھ کو جسکے نیچے وہ ہمیں دبا ہوا دیکھتا ہے جلدی سے اٹھا نہیں لیتا۔ وہ ہماری ان دعاؤں کا جو ہم مشکلات سے رہائی حاصل کرنے کیلئے یا ان آزمایشوں سے بچنے یا ان قربانیوں کے لئے جو ہمکو کرنی پڑتی ہیں مانگتے ہیں فی الفور جواب نہیں دیتا۔ وہ ہمکو سختی یا نقصان یا دکھ سے نہیں بچاتا۔ وہ ہمارے لئے آسانی نہیں کرتا بلکہ ہمکو کچھ بنانا چاہتا ہے۔ ہم بوجھ کے نیچے دب جاتے ہیں۔ والدین بڑی غلطی کرتے ہیں جب وہ اپنے بچوں کو سخت کاموں یا تربیت سے بچانے کا خیال کرتے ہیں۔ وہ جو اپنے پیارے کے لئے محض خوشی اور آرام کی تلاش کرتا رہتا ہے نکما دوست ہے۔ "زندگی میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی شخص ہمکو بہتر سے بہتر کام کرنے کے لائق بنا دے"۔
یسوع سچا اور حقیقی دوست تھا۔ اس نے کبھی کوشش نہیں کی کہ بوجھ کو ہلکا کر دے یا راستے کو صاف یا کشمکش کو آسان کر دے۔ اس نے اپنے شاگردوں کو ایسے آدمی بنانا چاہا کہ جو دنیا کے مقابلے میں کھڑے ہو سکیں۔ وہ جنکے کیرکٹر اسکی زندگی کے ہر ایک کام میں پاکیزگی کی خوبصورتی کا عکس ڈالیں۔ وہ جن کے ہاتھوں میں اسکی انجیل محفوظ رہے جب وہ اسکے ایلچی ہو کر دنیا میں جائیں اس نے ہر ایک رسول کے روبرو اعلیٰ پیمانہ رکھ دیا اور اسکو اس پیمانہ کے مطابق کام کرنے کی مدد دی۔ اس نے انہیں سکھلایا کہ صلیب کا قانون زندگی کا قانون ہے۔ اور کہ اپنی جان بچانا اسکو کھو دینا ہے اور محض اسی وقت جبکہ ہم اپنی جان کھو دیتے ہیں یا جیسا کہ لوگ کہتے ہیں محبت کی خدمت میں دے دیتے ہیں تو ہم فی الحقیقت اسکو بچا لیتے ہیں۔
کسی کو آدمی بنا دینا آسان نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض ملکوں میں وائیلن بنانے والے اپنے کاریگر ہاتھوں سے وائیلن کو توڑتے اور اسکی ازسرنو مرمت کرکے اسے ایسا عمدہ باجہ بنا لیتے ہیں کہ اگر وہ نیا اور ثابت اور مکمل رہتا تو ایسا نہ بن سکتا۔ خواہ وائیلن کی نسبت یہ سچ ہو یا نہ ہو مگر انسانی زندگیوں کی نسبت ضرور سچ ہے ہم بغیر تنبیہ۔ دکھ اور حرج کی طاقت خوبصورتی عزت اور دوسروں کو مدد کرنے کی حالت تک نہیں پہنچ سکتے۔ یسوع کی بابت بھی لکھا ہے کہ وہ بھی دکھوں سے کامل کیا گیا۔ اس میں گناہ نہ تھا تو بھی اسکو یہ کاملیت کشمکش۔ آزمایش۔ دکھ اور غم کے وسیلے حاصل ہوئی تاکہ وہ ہمدرد دوست یا مددگار نجات دہندہ ہو سکے۔ رسولوں میں سے بھی کوئی دکھ اور مصیبت اٹھائے کے بغیر یسوع کی شاہی طاقت کو حاصل کرکے اسکا قایم مقام ہو کر بنی آدم کا مددگار ہونے کے درجہ تک نہیں پہنچا۔ اس دنیا میں کوئی شخص بھی آرام اور سہولیت کی سڑک پر چل کر جس پر پھول بچھے ہوں مفید یا حقیقی عزت کی زندگی تک نہیں پہنچا۔

ہم دُکھ اُٹھانے اور آنسو بہانے کے بغیر کبھی عمدہ اور معزز کام کرنے کے لایق نہیں بن سکتے۔ یہ ہمیشہ سچ ہے کہ " وہ چیزیں جو دُکھ دیتی اور وہ جو روک پیدا کرتی ہیں انسان کی زندگی کو کاملیت کے درجہ تک پہنچاتی ہیں اور صدمے۔ تنگیاں اور مصیبتیں خوشی کے دنوں سے بڑھ کر ہمارے دوست ہیں"۔ ہمارا حال کیسا ہے؟ زندگی ہمارے لئے حقیقی ہو جاتی ہے جب ہم خیال کرتے ہیں کہ خوشی اور غم۔ آرام اور تکلیف۔ کامیابی اور ناکامیابی۔ تندرستی اور بیماری۔ شانتی اور کشمکش کی حالت میں خدا ہمکو انسان بناتا رہتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ آیا ہم کرتے ہیں کہ نہیں۔ ایک شخص ہے جو سخت آزمایش میں سے گذر رہا ہے کئی مہینوں سے اسکی بیوی سخت تکالیف اُٹھا رہی ہے اس تمام عرصہ میں وہ مالی زیرباری۔ ہمدردی کا بوجھ اُٹھا رہا ہے اور ہر ایک لمحہ کا دُکھ جو اس کی بیوی اُٹھا رہی ہے اسکے دل کو تلوار کی طرح کاٹ رہا ہے۔ فکر اور راتوں کی بیداری اور تھکاوٹ کا بوجھ بلکہ بیوی کی بیماری کی سخت تکلیفات خدا کی پُر از محبت رغبت کا یقین دلاتی ہیں مگر اسکی آنکھ زیادہ غور کے ساتھ اس شخص پر لگی ہوئی ہے کہ جو ہمدردی اور تردد کا بوجھ اُٹھا رہا ہے۔ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ آیا وہ شخص اس آزمایش میں قایم رہ سکتا ہے کہ نہیں اور کہ زیادہ سے زیادہ بہتر اور مضبوط بنتا جاتا ہے کہ نہیں۔ مسیحی کی زندگی میں ہر ایک مشکل اور تکلیف وہ بات اس کے لئے نئی فتح پانے اور زیادہ آدمیت کے درجہ تک پہنچنے کا ایک اور موقعہ ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہم شاگردوں کی نسبت بہت تھوڑا جانتے ہیں ان میں سے چند کا کسی قدر زیادہ ذکر ملتا ہے مثلاً پطرس۔ یعقوب اور یوحنا کو ہم بخوبی جانتے ہیں کیونکہ الہامی کلام میں ان کے نام بار بار آتے ہیں متی سے اسکی انجیل کے سبب جو اسنے لکھی ہے واقف ہیں۔ توما کے نام سے بھی اسکے شکوک کے باعث آشنا ہیں۔ اس یہوداہ کا حال جو اسکریوطی نہ تھا بہت کم معلوم ہے۔ باقیوں کی نسبت ہم سوائے ان کے ناموں کے اور کچھ نہیں جانتے۔ بہت تھوڑے بائیبل کے پڑھنے والے ہوں گے جو بارہوں کے نام بھی بتلا سکتے ہیں۔

اناجیل میں رسولوں کا مفصل احوال درج نہ کئے جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ بائیبل صرف ایک ہی نام کی عظمت کو قایم کرتی ہے۔ یہ سوانح عمریوں کی کتاب نہیں بلکہ خداوند یسوع مسیح کی کتاب ہے۔ ہر ایک رسول اپنے مالک کا اکیلا دوست ہے جس میں اور کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ ہم ان کی سنجیدہ تقریروں اور لمبے لمبے سفروں کا جو اس کی گہری رفاقت میں انہوں نے کئے اور دلوں کے کھولنے اور کمزوریوں اور ناکامیابیوں اور بہت دعاؤں کا جو انہوں نے آپس میں ملکر کیں خیال کر سکتے ہیں۔ ہم یقین کر سکتے ہیں کہ ان تین سالوں کے عرصے میں خداوند کے دل کے مبارک انکشاف کے باعث ان میں سے ہر ایک کے دل میں اسکی پاک دوستی کی علیحدہ علیحدہ تشریح تھی۔ لیکن اسکی نسبت تمام نئے عہدنامے میں ایک لفظ بھی درج نہیں ہے کیونکہ ایسے حالات کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔

ہم کو یہ بھی یقین ہے کہ بارہوں میں سے ہر ایک نے یسوع کے صعود کے بعد بہت عمدہ کام کیا لیکن کسی نے اسکو قلمبند کر کے محفوظ نہیں رکھا۔ روایتیں تو ہیں مگر ان میں بہت تھوڑی سی تواریخ ہے۔ کتاب اعمال رسولوں کے اعمال کی کتاب نہیں ہے اس میں یوحنا کا بہت تھوڑا اور پطرس کا کچھ اس سے زیادہ۔ پولس کا بہت زیادہ اور باقیوں کا سوائے اسکے کہ پہلے باب میں ان کے ناموں کی فہرست پائی جاتی ہے کچھ ذکر نہیں ہے۔

ضرورت نہیں کہ ہم اس کی بابت کچھ فکر مند ہوں۔ ہر زمانے کے بھلے اور مفید لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ صرف چند نام محفوظ رہ جاتے ہیں۔ اور بہتوں کے نام فراموش ہو جاتے ہیں۔ دُنیا اپنے مربیوں کا بہت تھوڑا احال محفوظ رکھتی ہے لیکن ایک ایسی جگہ ہے جہاں چھوٹی سے چھوٹی مہربانی جو مسیح کے نام سے کی جاتی ہے لکھی اور یاد رکھی جاتی ہے۔

بہت عرصہ کا ذکر ہے کہ ایک گہری وادی میں ایک خوبصورت پودا اُگا جو ہوا میں لہراتا تھا ایک دن یہ گویا اس امر کی شکایت کرتا ہوا گر پڑا کہ کوئی اسکی خوبصورتی کو یاد نہ کرے گا مگر کچھ دن ہوئے کہ ایک شخص جو علم طبقات زمین کا ماہر تھا اپنی علمی تحقیقات میں اپنا ہتھوڑا لے کر وہاں گیا اُس نے اپنا ہتھوڑا ایک چٹان پر مارا اور اسکے جوڑ میں ایک پودے کی صورت بنی ہوئی دیکھی ہر ایک رگ و ریشہ بلکہ نازک سے نازک پتّوں کی صورت موجود تھی۔ یہ وہی پودہ تھا جو زمانوں پیشتر اُگا اور سبزی کے ڈھیر میں گر گیا یہ تو مر گیا مگر اس کی یادگار محفوظ رہی جو اب تک ظاہر ہے۔

ایسا ہی حال گمنام رسولوں اور ان سارے لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنی خوبصورت زندگیاں خدا اور انسان کے لئے بسر کیں اور دنیا سے غائب ہو گئے۔ کوئی چیز جاتی نہیں رہتی اور نہ فراموش کی جاتی ہے۔ آئندہ زندگی میں یادگاریں قایم رہتی ہیں۔ ایک روز ہر ایک چیز ظاہر کی جائیگی۔ مکاشفات کی کتاب میں لکھا ہے کہ آسمانی شہر کی بنیادوں پر برّے کے بارہ رسولوں کے نام لکھے ہیں۔ اگرچہ نیا عہد نامہ ان کی لایق زندگیوں کے واقعات بیان نہیں کرتا مگر ابدی چٹانوں میں ان کے نام کھودے گئے ہیں جہاں ہر ایک آنکھ ہمیشہ تک انہیں دیکھتی رہے گی۔

ان چُنے ہوئے دوستوں کی زندگیوں پر یسوع نے اپنی صورت نقش کی اس کی مبارک الٰہی انسانی دوستی نے ان کو انسان بنا کر اس لایق کر دیا کہ اس کا نام لے کر دُنیا کی حدوں تک جائیں۔ یہ ایک نیا اور عجیب اثر تھا جو دُنیا پر پڑا یعنی یسوع مسیح کی پاک دوستی رسولوں کے دلوں اور زندگیوں میں شروع ہوئی اور فی الفور اس پرانی دُنیا کو نئی بنانے لگی وہ جو ایمان لائے انہوں نے اپنے دلوں میں اس عجیب دوستی کو حاصل کیا۔ اُنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو ایسے طور سے پیار کیا کہ لوگوں نے اس سے پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ مسیحی ایک ہی خاندان کے طور پر آپس میں مل جل کر رہنے لگے۔

پینتیکوست کے دن سے یسوع کی یہ عجیب دوستی جہاں کہیں انجیل پہنچائی جاتی ہے پھیلتی رہتی ہے اس نے اپنی عجیب محبت کے باعث دُنیا کو مسیحی گھرانے دیئے ہیں اس نے ہسپتال

اور کوڑھی خانے بنائے ہیں اور ہر مقام میں جہاں کہ خوشخبری سنائی گئی ہے ہر قسم کے خیراتی کام جاری کئے گئے ہیں۔ یسوع کی صلیب سے موسم بہار کی خوشگوار ہوا کی مانند نرمی کی لہر تمام دُنیا پر پھیل گئی ہے یسوع کی دوستی نے جو دنیا کے لئے بطور وراثت کے اسکے شاگردوں کے دلوں میں چھوڑی گئی عجیب کام کیا ہے۔ اور اسکی خدمت اور اثر بڑھتا رہے گا جب تک کہ ہر ایک چیز جو بُری معلوم ہوتی ہے دنیا سے جاتی نہ رہے گی اور خدا کی محبت تمام زندگی میں پھیل جائیگی۔

(مترجمہ مسٹر ایم اسمٰعیل)

رُوحانی زندگی کے اسرار

۷

ہماری محبت۔ خدا سے

محبت مسیحی دین کا بنیادی اصول ہے۔ مسیح کے کتب سے باہر اسکا کچھ کچھ نشان ملتا تو ہے لیکن اس میں نقص مثلاً خود غرضی اور صفات بہیمی کے نشان پائے جاتے ہیں جنکے باعث وہ خدا کے نمونہ تک پہنچ نہیں سکتی۔ بیبل کے رُو سے محبت رُوح کا پھل ہے۔ ہو تو سکتا ہے کہ اسکا پیوند عام مزاج کے ساتھ لگایا جائے لیکن یہ رُوح ہی کی پیداوار ہے"۔

دُشمنوں کی نسبت ایسے نیک خیال رکھنا جیسے دُنیا دوستوں سے رکھتی ہے۔ مینہہ اور سورج کی طرح راستوں اور ناراستوں دونو پر اُترنا۔ کریہ منظر اور ناپسندیدہ لوگوں کی ایسے مدد کرنا جیسے خوبصورت حسین اور پسندیدہ لوگوں کی کرتے ہیں۔ اپنے مزاج میں ہمیشہ سلیم اور مستقل رہنا نہ یہ کہ گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ۔ لوگوں کے عیبوں ہی کو دیکھتے نہ رہنا۔ بجُز و بار ہونا صداقت سے خوش ہونا۔ سب باتوں کی برداشت کرنا۔ ایمان اور امید رکھنا اور کبھی اس میں قاصر نہ رہنا۔ یہ ہے محبت اور ایسی محبت صرف رُوح اقدس ہی کی تحصیل ہے۔

خدا کا ہمیں چُننا اسکی محبت پر وال ہے۔ انسان خدا کے انتخاب کا بعض اوقات ایسے ذکر کرتا ہے کہ جس سے علیحدگی اور غرور پایا جاتا ہے۔ کہ گویا خدا کی پسند ایک چار دیواری ہے جس میں صرف چند برگزیدہ ہی پناہ لیتے ہیں تاکہ اُنکا پھل اور پھول لوگوں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رہے۔ ایسا خیال خدا کے سارے ارادہ کی غلط فہمی کرتا ہے۔ [افسیوں ۱: ۴]

ہم اس امر سے تو انکار نہیں کرتے کہ خدا نے ہمکو جنگل و بیابان سے محفوظ رکھا ہے اور کہ اسکو ہماری بڑی فکر ہے۔ لیکن اس نے یہ ساری تکلیف ہمارے لئے یا اپنے لئے نہیں اُٹھائی بلکہ اس لئے کہ ہماری محبت کی مہک دُور دُور تک پھیلے اور ہم اُجاڑ جگہوں کو زرخیز کریں

بھوکی پیاسی رُوحیں ہمارے نایاب پھل سے جو رُوح القدس کے وسیلہ سے ہم میں لگتا ہے تازہ کام ہوں۔ ہم محبت کرنے کے لئے چُنے گئے تھے کہ سب سے بڑھ کر خدا سے محبت کریں اور انسان سے بھی جو اس کی صورت پر بنایا گیا۔

اگر کوئی شخص اپنے چُنے جانے پر غرور اور علیحدگی کی رُوح سے فخر کرے تو اُس نے اپنی بُلاہٹ کا مدعا اور مقصد نہیں سمجھا اور اسکے احاطہ سے بیشک باہر ہے۔ خدا کا ازلی ارادہ اس نو یافت خوشی میں نہیں بلکہ اس نو یافت محبت میں ظاہر ہوتا ہے۔ خدا کی محبت اُسکے ہمارے چُننے کا ثبوت ہے۔ اگر تم محبت نہیں کرتے تو اپنے چُنے جانے پر جتنا چاہو فخر کرو تمہارا اس میں نہ حصہ ہے نہ بخرہ۔ لیکن اگر زندہ ایمان سے ہم مسیح میں قایم ہوں تو ہم محبت کرنے کیلئے چُنے گئے ہیں اور الٰہی طور سے محبت کرنا نہ صرف ممکن بلکہ سہل ہونا چاہئے۔ جب خدا ہمیں کسی امر کے لئے چُنتا ہے تو اُسکی بجا آوری کی وہ ہم کو توفیق بھی دیتا ہے۔

ایمان اور محبت ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے۔ اگر یسوع مسیح پر ہمارا ایمان ہو تو تمام
[افسیوں ۱: ۱۵] مقدسوں سے محبت بھی ہمارے دل میں پیدا ہوگی۔ کیونکہ ایمان کے وسیلہ ہم خدا کو دل میں لیتے ہیں۔ ایمان خدا کو قبول کرنا ہے۔ ایمان خدا کی ذات کو اپنا بنا لینا ہے جیسے بچے والدین کی بخشش کو اپنا بنا لیتا ہے۔ ایمان ایک نہر ہے جو خدا کی بھرپوری کو انسانی ضرورتوں تک پہنچاتی ہے۔ اس لئے جہاں کہیں ایمان ایماندار کو خداوند یسوع سے پیوند کردیتا ہے تو اُسکی ذات جو محبت ہے منتظر اور امیدوار دل کے اندر آتی ہے اور پھر تمام مقدسوں لئے باہر کو بہ جاتی ہے۔

خدا کی محبت کسی خاص فرقہ کی آشنا نہیں۔ وہ کسی خاص خیال کے لوگوں کی اعانت نہیں کرتی لیکن ہوا اور سورج کی مانند سب کو یکساں مستفیض کرتی ہے۔ وہ عالمگیر اور ساری دُنیا کے لئے ہے۔ کسی خاص مسیحی فرقہ کی چار دیواری میں تم اسکو محبوس نہیں کرسکتے۔ تمہاری بندشوں پر وہ مسکرا دیتی ہے اور کلیسیا کی ہر اطراف سے گواہ اور جھنڈا بردار کھڑے کردیتی ہے۔ جیسے ہم خدا کی صورت پر ڈھلتے جائیں ہم اپنی تنگ خیالیوں کو چھوڑ کر تمام مقدسوں کو خوش آمدید کہتے اور ساری دُنیا سے محبت رکھتے ہیں۔

جیسے ہم محبت کریں ہم مسیح کی محبت کو جانتے ہیں۔ رسُول کی یہ دُعا تھی کہ افسی مرید رُوح کے وسیلے رُوحانیت میں مضبوط ہوں۔ کہ مسیح ایمان کے وسیلے ان کے دلوں میں قایم رہے "تا کہ محبت میں جڑ پکڑ کر وہ اور مقدسوں کے ہمراہ مسیح کی محبت کے پہچاننے میں مضبوط ہوں۔ لفظ مضبوط پر کتنا زور دیا گیا ہے؟ محبت کا مضبوطی سے ایسا کونسا ضروری تعلق ہے؟ کیا یہ اس لئے ہے کہ ہم اپنے آقا مسیح کی چھوٹی سے چھوٹی تحریک کے ماننے کو مضبوطی پائیں؟ یا کیا یہ اس لئے ہے کہ ہمکو طاقت درکار ہے کہ اس نئے جذبہ کو جو ہمارے دلوں میں پیدا ہوا ہے اپنے میں زور پکڑنے دیں؟ یا کیا یہ اس لئے ہے کہ الٰہی محبت کا پودہ اپنی کامل صورت

میں مضبوط تر نہیں پیوند ہو سکتا ہے؟ یہ سب خیال درست ہو سکتے ہیں۔ لیکن خداوند کے ہم میں پورے طور پر رہنے سے پیشتر ہمکو مضبوط ہونا لازم ہے۔ اور اسکے ہمارے اندر رہنے کا ایک خاص نتیجہ یہ ہے کہ ہم اسکی محبت کو جاننے کی توفیق پائیں گے۔

محبت میں جڑ پکڑ کر۔ جڑیں جو درخت کو زمین سے پیوند رکھتی اور اسکی نشوونما کے لئے رس پیدا کرتی ہیں بڑی کمزور اور نازک ہوتی ہیں۔ یونہی لوگوں کی بہبودی کے لئے روح ہمیں جن جن کاموں کی تحریک دلاتی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ چھوٹے اور کم قدر معلوم دیں۔ لیکن ہر ایک ہمیں استقلال اور طاقت دیتا ہے اور مسیح کی محبت کو پہچاننے کی توفیق بخشتا ہے۔

محبت میں بنیاد قایم کر کے۔ عالیشان ایوانوں کے لئے مضبوط بنیاد کا ہونا لازم ولابد ہے اور جو لوگ خدا کی محبت کو اسکی کامل صورت میں ظاہر دیکھنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ گمنامی اور خود فراموشی کی تاریک گہرائی میں بے غرض نیکی کے کام سرانجام دیں۔ جو کچھ ہم مسیح کی خاطر اوروں کے لئے کرتے ہیں اور جو نیک خیال ہم ان کی نسبت رکھتے ہیں وہ ایک بڑی قیمتی تعلیم ہے کہ اسکی محبت کو جاننے کے لئے ہمیں تیار کرتی ہے۔ محبت آمیز کام سرانجام دو۔ اوّل اوّل ان کی بجا آوری سے خواہ تم چوکتے ہو ان کے کرنے کا ارادہ تو کرو۔ اگر تم راحت کے لئے ان کو نہیں کر سکتے تو فرض ہی کے خیال سے کرو۔ ہوتے ہوتے انکی بجا آوری سے تم کو خوشی ہوگی اور تم اپنے آپ سے یوں کہو گے کہ "یسوع بھی میری نسبت ایسے ہی خیال رکھتا ہے"۔ محبت محبت کو پہچانتی ہے۔

لیکن محبت کبھی اکیلی نہیں رہتی۔ وہ تمام مقدسوں کو اپنی مدد کے لئے بلا لیتی ہے۔ کوئی مقدس یا دیندار عالموں کا مکتب خدا کی ساری محبت کو ماپ نہیں سکتا۔

ہمارے کلیسیائی تعلقات کی فضا محبت ہونی چاہئے۔ روح کی یگانگت یا یکتائی ایک (افسیوں ۴: ۲ و ۵ و ۱۶) ایک الٰہی حقیقت ہے جو ہمکو بنانی نہیں بلکہ قایم رکھنی ہے۔ ہم جتنی چاہیں کوشش کریں اسکو ذرا بھی اور کامل بنا نہیں سکتے۔ کسی قسم کے عقاید و اقرار نامہ۔ کونسلیں اور کانفرنسیں اسکو انجام دے نہیں سکتیں۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ حتی المقدور کوشش کریں کہ جہاں تک ممکن ہو مقدسوں میں یہ الٰہی نمونہ تکمیل پائے۔ یہ تو کبھی ممکن نہیں کہ لوگوں کے خیال یکساں ہو جائیں لیکن اتحاد و یگانگت کا ہونا ممکن ہے۔ ستار کی تاریں موٹائی اور لنبائی میں ایکساں نہیں ہوتیں نہ ان کی آواز ہی یکساں ہوتی ہے لیکن ایک ہی ضرب سے وہ بجتی اور ایک ہی سُر نکالتی ہیں۔

ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ایسی ہر ایک بات سے محتاط رہیں جو روح کی اندرونی یگانگت میں خلل انداز ہو۔ رشک۔ غیبت۔ سخت کلامی۔ غلط بیانی چاہئے کہ یہ سب باتیں پُر محبت روح کی سرزنش تلے ہوں۔ محبت سے ہمیں ایک دوسرے کی برداشت کرنی چاہئے۔

اکثر ہمکو صداقت کا اعلان کرنا ضرور ہوتا ہے۔ کہ پبلک سے اسکی حمایت کریں یا خلوت میں۔ یا ایسے لوگوں سے اسکا چرچا کریں جنکو اسکا ذکر ناگوار ہو لیکن چاہیئے کہ محبت تقریر کی تحریک کرے اور خیالات پر قابو رکھے۔ صرف صداقت کا ذکر کر دینا ہی کافی نہیں۔ لازم ہے کہ اسکا ذکر محبت سے کیا جائے۔ ایک خادم الدین کا ذکر ہے کہ اُسنے مقدس مکچین صاحب سے بیان کیا کہ پچھلے ہفتہ میں نے بے دینوں کی تباہ حالی پر وعظ کہا تو آپ نے جواب دیا "مجھے امید ہے کہ آپنے وعظ بڑی محبت سے کہا ہوگا"۔ خدا کرے کہ رسُولوں کی رُوح ہمارے زمانہ میں بھی پیدا ہو کہ وہ صلیب کے دشمنوں کا ذکر رو رو کر کرتے تھے۔

جب ہمارے اور دیگر ایماندارों کے مابین کامل محبت ہو تو خدا کا فضل ایک سے دوسرے تک پہنچتا ہے۔ اگر ہماری کسی سے رفاقت نہ ہو تو نہ ہم سے ان کو فضل پہنچتا نہ ان سے ہمکو۔ لیکن اگر ہمارے بدن میں محبت کا خون سرایت کرے تو محبت ہم میں مضبوط ہوتی اور نکلتی ہے۔ ہر ایک دوسرے کو دیتا اور جیسے دیتا تو پاتا بھی ہے۔

چاہیئے کہ انسانی محبت الٰہی محبت کے نمونہ پر صورت پکڑے۔ ہم کسی معمولی محبت حاصل کرنے کے لئے بلائے نہیں جاتے۔ خواہ خاندانی حلقہ میں جہاں (افسیوں ۵: ۲، ۲۵، ۲۸ و ۳۳) خاوند اور بیوی باہم رہتے یا زندگی کی روزانہ رفتار اور گفتار میں خدا کے عزیز فرزندوں کی طرح ہمیں اسکا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ہمیں ایسی محبت کرنی چاہیئے جیسے مسیح نے کی۔ ہمارا ہدف اور مطلع یہی ہونا چاہیئے کہ "جیسے مسیح نے محبت کی"۔

دشمنوں سے ایسی محبت کرنی کہ ان کی دُشمنی دوستی سے بدل جائے۔ طعن اور شرم کے سامنے محبت کرنی ہاں خود نثاری اور خود ایثاری کے درجہ تک محبت کرنی۔ ناپاکوں سے ایسے محبت کرنی کہ ناپاکی کی جگہ پاکیزگی اور خوبصورتی آجائے۔ یہ ہے مسیح کی محبت۔ چاہیئے کہ ہم اسکے قدموں میں بیٹھ کر اُس سے سیکھیں یہاں تک کہ ہم میں اسکا عکس ظاہر ہو اور جلال سے جلال تک ہم اسکی صورت پر ڈھل جائیں۔ اُوہ! مبارک آقا! تیری طرح محبت کرنا۔ ہمیں اس محبت کرنے کی توفیق دے اور اپنی محبت سے ہمیں ایسا بھرپور کر دے کہ ہمارا پیالہ چھلکے۔

چاہیئے کہ ہماری محبت صادق ہو۔ اکثر ہیں جو "خداوند خداوند" کہتے ہیں لیکن جو کچھ وہ فرماتا ہے اُسکی بجا آوری نہیں کرتے۔ (افسیوں ۶: ۲۴) لفاظی کو کام میں لانا اور بڑا جوش دکھانا اور پھر بھی بیدل اور بے محبت رہنا ممکن ہے۔ ایسے لوگ سچے طور سے محبت نہیں کرتے۔ وہ اس پتھریلی زمین کی طرح ہیں جہاں بیج گرتے ہی جڑ پکڑتا اور فوراً سوکھ جاتا ہے کیونکہ اسکے نیچے چٹان ہے۔ افسیوں کے لئے رسُول کوئی کلمۂ برکت زبان پر نہیں لاتا۔ لیکن جہاں کہیں مسیح کے لئے سچی محبت ہو تو شاگرد کیسا ہی کمزور اور ناداں کیوں نہ ہو وہ نادیدنی کلیسیا کا عضو ہے اور ہماری برکت کا مستحق ہے۔ تم خواہ ہماری شبلوتھ نہ بولو اور ہمارے عقیدہ کو نہ مانو اگر تم یسوع سے سچی محبت رکھتے ہو تو ہم تمکو خوش آمدید کہتے اور تمہارے

لئے فضل چاہتے ہیں۔
اے خدا کے رُوح! خدا کی مقدس آگ کا ہمیں بپتسمہ دے تاکہ ہم مقدس شعلہ سے افروختہ ہوں اور سچّا۔ روشن وجود ٹھہریں۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں"

(رسولوں کے زمانہ میں اس وعدہ کی تکمیل)

اعمال کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح نے کیونکر ایک ہی پشت میں اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ اس کتاب کے واقعات میں قریب اُسی قدر عرصہ صرف ہوا جس قدر انجیل کے واقعات میں یعنی تینتیس[۳۳] سال۔ اور اس میں مندرج ہے کہ مسیح نے اپنے صعود وسعود کے بعد اپنی وفاداری اور صداقت کو کیونکر ظاہر کیا۔ جس نے شاگردوں کو یہودیہ اور سامریہ اور زمین کی انتہا تک منادی کیلئے بھیجا وہی آخر تک اُن کے ساتھ رہا۔

جب کبھی عہدِ عتیق میں ایسا موقعہ آتا کہ جس میں مقدسوں کو کسی مشکل میں سے رستہ نکالنا پڑا تو خدا کا یہ وعدہ ہمیشہ اُن کو سنایا گیا کہ "میں تمہارے ساتھ ہوں" اسی طرح جب عہدِ جدید میں ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے کہ جس میں کلیسیا غیر ممالک میں نئے نئے دشمنوں کے مقابل نکل جانے کو ہے تو یہ وعدہ پھر دُہرایا گیا ہے۔

اعمال کی کتاب میں اس وعدہ کے پورا ہونے کے کم از کم بارہ[۱۲] ثبوت ہیں۔ یعنی

۱۔ چار دفعہ رُوح القدس کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ یروشلم میں یہودیوں پر۔ سامریوں پر۔ قیصریہ میں رومیوں پر اور انسس میں یونانیوں پر۔ ان چاروں واقعات سے جو کام کے شروع میں مختلف اقوام پر معرض ظہور میں آئے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی رُوح جیسی یہودیوں کیلئے ویسی ہی سامریوں اور رومیوں اور یونانیوں کے لئے یا دیگر الفاظ میں تمام دُنیا کے لئے تھی۔

۲۔ کارندے منادی کے لئے بھیجے گئے۔ چنانچہ نویں باب میں مسیح نے ساؤل ترسیسی کو اور تیرھویں باب میں برنباؔ اور ساؤل کو نام لے کر بلایا اور رُوح قدس نے اُن کو پہلے مشنری دورہ پر روانہ کیا۔

۳۔ کارندے پہلے ہی سے اپنے کام کے لئے تیار کئے گئے۔ مسیح نے ساؤل کی نسبت فرمایا کہ وہ میرا چنا ہوا وسیلہ ہے اور اس پر ظاہر بھی کیا کہ جیسا کمہار کے ہاتھ میں مٹی ویسا ہی تو میرے ہاتھ میں ہے اور میں اس سے کارآمد باسن تیار کروں گا۔ یسوع مسیح نے کام سے پیشتر ہی کارندوں کو تیار کرنے سے اپنی حضوری کا ثبوت دیا۔ پھر وہ کارندوں کو خود

ہدایات دیتا تھا چنانچہ پولس کو بتونیہ جانے سے روکا اور ایک مکدنی آدمی کی رویا دکھا کر فلپی میں کام کرنے کے لئے بُلایا۔

۴۔ خداوند دروازے کھول دیتا ہے ۔ اب پولس اور برنباس پہلے دورہ سے واپس آئے تو اُنہوں نے انطاکیہ میں کلیسیا کو جمع کر کے ان کے سامنے بیان کیا کہ خدا نے غیر قوموں کیلئے دروازہ کھول دیا ہے ۔ پھر یروشلم کو جاتے ہُوئے بھی وہی قصہ سنایا اور وہاں کونسل کے روبرو بھی اسی کا چرچا کیا۔ مگر انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہ کیا کہ ہم نے انہیں اپنی حکمت سے دروازہ کھولا ہے ۔

۵۔ خطرہ کے وقت خداوند تسلی دیتا رہا ۔ چنانچہ جب صدر مجلس نے رسولوں کو بُلا کر دھمکی دی کہ اگر تم مسیح کے نام کی منادی کروگے تو مارے جاؤگے تو وہ واپس اپنے لوگوں کے پاس گئے اور بلند آواز سے ایک دل ہو کر یہ دُعا مانگی کہ "اے خداوند اپنے بندوں کو توفیق دے کہ وہ تیرا کلام کمال دلیری کے ساتھ سنائیں اور تو اپنا ہاتھ شفا دینے کو بڑھا" خدا نے اس مکان کو جہاں وہ جمع تھے ہلا دینے سے اپنی حضوری کو اُن پر ثابت کیا اور ان کو تسلی اور دلیری عنایت کی ۔ اور بعد ازاں اُن کو انسان کے جسم اور رُوح پر بڑا اختیار بخشا ۔

۶۔ جب ستفنس کی شہادت کا وقت آپہنچا تو اُن کو آسمان کی طرف نظر کرنے اور یسوع مسیح کو کھڑا دیکھنے کی توفیق عطا ہُوئی ۔ یہ کیوں کہا گیا کہ وہ کھڑا تھا ۔ اُسکی نسبت تو کہا جاتا ہے کہ اپنے صعود کے بعد وہ خدا کے تخت کی دہنی طرف بیٹھا ہے ۔ مگر ستفنس نے اسکو اپنے وکیل اور مددگار کی صورت میں کھڑا دیکھا گویا وہ اس دُنیوی منظر کو دیکھ کر اس پہلے شہید کو دلیری دینے کی خاطر اپنی جلیل مسند سے اُٹھا اور خدا کے تخت کے پاس کھڑا ہو گیا تھا ۔

۷۔ اس کتاب کے شروع سے آخر تک دُعاؤں کے جواب کا ذکر ہے ۔ دَس دن تک دُعا کے بعد پنتکست کا واقعہ ہُوا ۔ پطرس نے کوٹھے پر دُعا مانگی اور چادر کی رویا دیکھی ۔ کلیسیا نے پطرس کی قید سے چھٹکارے کیلئے دُعا کی تو عجیب طور پر رہائی ملی ۔ پولس کو دُعا کے بعد کرنتھس کی رویا نصیب ہُوئی ۔ اس عجیب تواریخ میں مسیح بار بار دُعا کے جواب میں ظاہر ہوتا رہا بعض اوقات شخصی طور پر مثلاً اُسی کرنتھس کی رویا میں اس نے پولس پر ظاہر ہو کر کہا کہ "خوف نہ کر بلکہ کہے جا اور چپ نہ رہ ۔ میں تیرے ساتھ ہُوں ۔ کوئی شخص تجھ پر حملہ کر کے ضرر نہ پہنچا سکے گا ۔ اس شہر میں میرے بہت سے لوگ ہیں"۔

۸۔ مسیح نو مریدوں کو جمع کرنے سے اپنی حضوری کو ظاہر کرتا ہے ۔ پنتکست کے دن تین ہزار نو مرید اکٹھے کئے گئے اور کچھ عرصہ بعد ان کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ گئی ۔ پھر کاہنوں کی ایک بڑی بھاری گروہ ایمان کی تابع ہُوئی علیٰ ہذا القیاس نو مریدوں کی تعداد ترقی کرتی چلی گئی جنہیں سب سے مشہور ساؤل ترسیسی تھا ۔ جسکو مائل کرنے کی خاطر یسوع مسیح خود ظاہر اور حاضر ہُوا۔

۹۔ بعض عجیب چھٹکاروں کا ذکر ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اپنی کلیسیا میں موجود تھا۔ جب خدا کے فرشتے نے رسولوں کو قیدخانہ کے دروازے کھول کر رہائی دی اور کہا کہ

"جاؤ ہیکل میں کھڑے ہو کر یہ تمام زندگی بخش باتیں لوگوں کو سناؤ۔" پھر پطرس چار چار سپاہیوں کے پہرے میں سے صاف نکل گیا۔ اس کی زنجیریں کھل پڑیں اور لوہے کا پھاٹک آپ سے آپ اس کے لئے کھل گیا۔ پولس بھی خدا کے ظاہر ہونے کے بعد اپنے تمام ساتھیوں سمیت جہاز شکنی کی بلا سے بچ گیا۔

۱۰۔ بعض اوقات آفت نازل کرنے کے ذریعہ مسیح کی حضوری ظاہر ہوئی۔ حننیاہ اور سفیرہ مر کر گر پڑے اور پطرس نے صاف صاف کہا "تو نے آدمیوں سے نہیں بلکہ خدا سے جھوٹ بولا۔" گویا وہ اس موقعہ پر مسیح کی جگہ کھڑا تھا۔ پھر بارہویں باب میں ایک بڑی بھاری سزا کا ذکر ہے۔ جب ہیرودیس یعقوب کو قتل کر دا کر پطرس کو مروانے کی فکر میں تھا تو اس نے خدا کی بجائے اپنی تمجید کی اور کیڑے پڑ کے مر گیا۔ اسی طرح الیماس جادوگر اس رومی حاکم کو برگشتہ کرنے کی پاداش میں اندھا کیا گیا۔

۱۱۔ یسوع مسیح سے عام طور پر نشانیاں اور اچنبھے ظاہر ہوتے رہے۔ مثلاً وہ عجیب نقشہ قابل غور ہے جو انیسویں باب میں مذکور ہے۔ کہ جب افسس کے جادوگر خدا کے کلام پر ایمان لائے تو انہوں نے اپنی جادو منتر کی کتابیں جن کے ذریعہ وہ عام کو دھوکا دیا کرتے تھے جمع کر کے سب آدمیوں کے سامنے جلا دیں۔ ان کی قیمت قریب پچاس ہزار روپیہ کے تھی۔ اس زمانہ میں یہ کوئی چھوٹی رقم نہ تھی۔ اس موقعہ پر مصنف کا یہ کہنا نہایت باموقعہ ہے کہ "اسی طرح خداوند کا کلام زور پکڑ کر پھیلتا اور غالب ہوتا گیا۔"

۱۲۔ مسیح نے اپنی کلیسیا کے روزانہ انتظام میں اپنی حضوری ظاہر کی۔ مثلاً وہ نو مریدوں کی طرف اپنی خاص ذاتی توجہ رکھتا تھا۔ حبشی خوجہ کی خاطر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور خدا کی روح اور فلپس سب مل کر ایک متلاشی حق کو خدا کی طرف لانے میں مصروف ہیں۔ اگلے باب میں یسوع ساؤل پر ظاہر ہوتا اور اس سنانے والوں کے سردار کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیتا ہے۔ دسویں باب میں ایک فرشتے اور خدا کی روح نے کرنیلیس اور پطرس کے ساتھ عجیب برتاؤ کیا۔ گویا آسمان اور زمین یسوع مسیح کے زیر حکم ایک روح کو نجات کا علم بخشنے کیلئے متفق ہو رہے ہیں۔

غرض اعمال کے اٹھائیس ابواب مسیح کے اس وعدہ کی تکمیل کی ایک روئداد ہیں کہ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔" (مترجمہ ڈاکٹر ناصر از مشنری ریویو)

شعر اطبع آزمائی کریں۔ آئندہ۔ اپنے آنے والے دنوں کی فکر چھوڑ۔ اسکو اپنے اطمینان دل میں خلل نہ ڈالنے دے۔ اپنے بندوں کی فکر خدا کو آپ ہے۔ انکی ضروریات کو وہ مہیا کریگا۔ تو اسکو اپنا رہنما بنا۔ ۲۔ اپنے آنے والے دنوں کو اسکے ہاتھوں میں چھوڑ دے۔ اسکے حکموں کی راہ پر چل۔ وہ تجھ کو کبھی ترک نہ کریگا اور نہ اپنے قدیمی وعدہ کو توڑیگا۔ ۳۔ اپنے آیندہ کی فکر نہ کر جس چیز کی حفاظت خدا اپنے ذمہ لے وہ اسکو کبھی نہ چھوڑیگا۔ وہ تیرا محافظ اور رہنما ہوگا۔ اپنے برگزیدوں کی ضروریات خدا خود مہیا کریگا۔

خدا بیٹا

(مرقومہ پادری ڈبلیو ہوپر صاحب ڈی ڈی)

ماہ جون کے رسالہ مسیحی میں ہم نے بتایا کہ مسیحی دین میں خدا اس لئے باپ کہلاتا ہے کہ اسکی ذات میں شخصیت اور محبت ظاہر ہیں۔ اب ذرا سوچیں کہ شخصیت کے لئے کیا کچھ لازم ہے۔ سب ذی عقل اشیاء میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے سے متفرق اشیاء کو وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں معلوم کر سکتی ہیں اور انسان میں اسکے علاوہ یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ ایسی شے کو معلوم کر کے اپنے سے متعلق جان سکتے ہیں۔ پس اگر خدا میں شخصیت ہے تو یقین ہے کہ وہ بھی اپنے سے متفرق اشیاء کو معلوم کرتا ہے اور یہ بھی معلوم کرتا ہے کہ وہ شے اگرچہ مجھ سے متفرق ہے پھر بھی میرے علم کا مورد اور اس طرح مجھ سے بالکل متعلق ہے۔ لیکن وہ شے کیا ہو سکتی ہے؟ البتہ جب سے مخلوقات خلق ہوئی اسی وقت سے وہ خدا کے علم کا مورد ہے۔ لیکن خلقت سے پہلے وہ مورد کیا تھا۔ کیا خدا ازل سے باشخصیت نہیں ہے؟ یا اسکی ازلی شخصیت ثابت کرنے کے لئے کیا ہم دنیا کو بھی ازلی تسلیم کریں۔ ہرگز نہیں۔ یہ دونو خیال کفر کے ہوتے۔ پس رہا یہ کہ خدا کی ازلی شخصیت ثابت کرنے کے لئے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اسکے علم کا مورد اس سے علیحدہ نہیں بلکہ اسکی ذات میں شامل ہے۔ اور دونو کا علاقہ بھی اسی ذات میں شامل ہے۔ پس خدا کی شخصیت اور انسان کی شخصیت میں یہ ایک بڑا فرق ٹھہرا کہ خود شناسی کے لئے جو تین اشیاء لازم ہیں یعنی عالم اور معلوم اور دونو کا ملانیوالا علاقہ ان میں سے دوسرا اور تیسرا انسان کی ذات سے تو علیحدہ مگر خدا کی ذات میں شامل ہے۔

ان میں سے تیسری شے کا اور بیان ہم اسوقت نہیں کرتے اگلے پرچہ میں کرنے کا ارادہ ہے۔ لیکن دوسری شے کی بابت اور دو باتیں اس وقت کہتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ چونکہ خدا کے علم کا مورد خود خدا کی ذات میں شامل ہے اس لئے یقین ہے کہ (اگر الٰہی اسرار پر دنیوی تشبیہیں صادق آسکیں) وہ خدا کے لئے آئینے اور شیشے دونو کا کام دیتا ہے یعنی ایک تو خدا کے لئے ازلی عکس ہے۔ جس میں خدا ہر دم اپنے آپ کو بے کم و کاست بالکل صاف صاف دیکھتا رہتا ہے۔ اور دوسرے جب سے خلقت ہوئی اس وقت سے وہ ایسا وسیلہ ٹھہرا ہے جس سے خدا مخلوقات کو دیکھتا رہتا ہے۔ اور ان دونو کاموں کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خدا جب اسکے وسیلے سے دنیا کو معلوم کرتا ہے تو نہ صرف اسکے واقعہ حال کو دیکھتا ہے بلکہ دنیا کا جو حال کر دینے کا ارادہ خلقت کے وقت اسکے دل میں تھا خصوصاً وہی حال اپنے علم کے اسی مورد میں عکس کے طور پر دیکھتا ہے۔ بلکہ ازل سے بھی جب دنیا خلق نہ ہوئی تھی خدا

وہی ارادہ اسی وسیلہ میں معلوم کرتا تھا - اور جس طرح سے وہ خدا کے علم کا وسیلہ ہے اُسی طرح خدا جو کچھ کرتا ہے سب اُسی وسیلہ سے کرتا ہے - چنانچہ دُنیا کی پیدائش اور اُس میں کی خواہ خود مختار خواہ غیر مختار چیزوں کا انتظام یہ سب خدا اُسی وسیلہ سے کرتا ہے - اِس سبب سے یوحنّا کی انجیل کے شروع میں لکھا ہے کہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں - اور جو کچھ پیدا ہُوا ہے اس میں سے کوئی چیز اُسکے بغیر پیدا نہ ہوئی۔ پھر عبرانیوں کے خط کے شروع میں ذکر ہے کہ اُسکے وسیلے سے خدا نے عالم پیدا کئے - اور کُلسیوں کے خط کے پہلے باب کی ۱۵ سے ۱۷ آیت تک یہ ذکر ہے کہ وہ اَن دیکھے خدا کی صُورت ہے - کیونکہ اُسی میں ساری چیزیں پیدا کی گئیں ...... ساری چیزیں اسی کے وسیلہ سے اور اُسی کے واسطے پیدا ہُوئی ہیں - ...... اور اسی سے ساری چیزیں قائم رہتی ہیں - پھر قدیم زمانہ کے مسیحی مصنف اکثر اُسے آفتاب الوہیت کی کرنوں کا مجموعہ اور چشمۂ الوہیت میں سے دریا کہا کرتے تھے - بلکہ عبرانیوں کے خط مذکورہ بالا میں بھی وہ خدا کے جلال کی رونق اور اُسکی ذات کا نقش کہلاتا ہے - (پہلے باب کی تین آیتیں) اِن سب تشبیہوں سے یہ دریافت ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کی ذات میں شامل ہو کے تین طرح سے وسیلہ کا کام دیتا ہے - یعنی خدا کی خود شناسی کا - خدا کے دنیا کو معلوم کرنے اور اُس میں کام کرنے کا اور مخلوقات کے خدا کو پہچاننے کا وسیلہ وُہی ہے -

لیکن اِن سب تشبیہوں میں ایک بڑا نقص ہے یعنی یہ کہ ان میں شخصیت کی طرف کچھ اشارہ نہیں - فی الحقیقت خدا کی شخصیت اور ان کی شخصیت میں جو فرق اوپر مذکور ہُوا اس کے سوا ایک اَور فرق یہ بھی ہے کہ خدا کی خود شناسی کے لئے جو معلوم شئے اور عالم اور معلوم کا جو علاقہ ضروری ہے - وہ نہ صرف اسکی ذات میں موجُود ہے بلکہ خود باشخصیت بھی ہے - خدا کا جو ازلی عکس ہے وہ نہ صرف خدا سے جانا جاتا بلکہ خود اسکو جانتا بھی ہے اور خدا اور دنیا کا جو دائمی وسیلہ ہے - وہ خود ان دونو کو جانتا ہے جن کا وہ وسیلہ ہے - اِسی شخصیت کے ظہور کے لئے وہ جو کتب مقدسہ کے تھوڑے سے مقاموں میں کلام کہلاتا ہے - بے شمار مقاموں میں خدا کا بیٹا کہلاتا ہے - اور کلیسیا میں اگرچہ وہ دونو ناموں سے مشہور ہے - پھر بھی بیٹے کے نام سے بہت ہی زیادہ مشہور ہے - لیکن اسکے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا ضرور ہے - کہ اس کی ابنیّت اور انسان کی ابنیّت میں زمین و آسمان کا فرق ہے - ایک تو جیسا ہم کہ چکے ہیں اِس ولادت میں ماں کے ہونے کی کچھ ضرورت نہیں اور دوسرے آدمیوں میں جو بیٹا باپ کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے یہ بات خدا بیٹے پر صادق نہیں آتی بلکہ اسکی ولادت اصلی ہے - یعنی کوئی ایسا وقت کبھی نہ تھا جس میں وہ مولود نہ رہا ہو ازل سے وہ خدا باپ سے مولود ہوتا بھی ہے اور ہُوا بھی ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ خدا کی خود شناسی کا وسیلہ باشخصیت کس طرح ثابت ہو سکتا ہے تو

ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ محبت بھی جیسا ہم اُوپر کہہ چکے ہیں خدا کی ذات میں شامل ہے اور محبت کو محبوب کی شخصیت لازم ہے۔ خدا کی ازلیت اور دُنیا کی مخلوقیت کے ثابت کرنے کے لئے جس طرح اسکے علم کے مورد کا اس کی ذات میں شامل تسلیم کرنا ضرور ہے اسی طرح اسکی محبت کے مورد کا اسکی ذات میں شامل تسلیم کرنا بھی ضروری ہے اور محبت کا مورد صرف شخص ہی ہوسکتا ہے یعنی صرف وہی ہوسکتا ہے جو نہ صرف محبوب بلکہ مُحب بھی ہوسکتا ہے اور یہی ازلی طرفین کی محبت جو خدا کی ذات میں شامل ہے اس بات کا خاص سبب ہے۔ کہ خدا کا بیٹا یقیناً کہلاتا ہے۔ شخصیت تو بیٹے کے سوا خادم اور اور بہت قسم کے رشتہ داروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر باپ بیٹے کے بیچ میں جو محبت ہوتی ہے وہ بالکل مخصوص ہے۔ اور کتب مقدسہ کے بہت سے مقاموں میں مثلاً یوحنا ۳: ۳۵+۱۴: ۳۱+۱۵: ۹-۱۷: ۲۲-۲۴-۲۶+ افسیوں ۱: ۶+ کلسیوں ۱: ۱۳ میں اس بات کا مفصل بیان ہوا ہے۔

یوگنڈا میں آدم اور حوّا کی قدیم روایت

پہلے بادشاہ کا نام کنتو تھا کہتے ہیں کہ کنتو اُوپر سے آیا تھا۔ خالق نے اپنے پوتے کنتو کو کہا کہ اپنی بیوی نمبی کو ساتھ لے کر اُتر جاؤ اور زمین کو آباد کرو۔ اور یہ بھی تاکید کی کہ بہت تڑکے اُٹھ کر روانہ ہونا مبادا تمہارے بھائی موت کو خبر ہو جائے کہ تم کہاں جاتے ہو اور وہ تمہارے ہمراہ جا کر تمہاری اولاد کو مار ڈالے۔ جب خالق ضروری ہدایات دے چکا تو کنتو نے کہا کہ میں آپکا ارشاد بسر و چشم بجالاؤں گا اور علی الصبح روانہ ہونے کا انتظام کیا۔ پو پھٹنے سے پیشتر اپنا بوریا بندھنا تیار کر کے زمین کی طرف روانہ ہُوا۔ رستہ میں اسکی بیوی کو یاد آیا کہ ایک مُرغی کے بچہ کے لئے گھر میں کچھ اناج پڑا تھا وہ ساتھ نہیں لائے سو اُس نے اپنے خاوند کو کہا کہ مُرغی کے لئے جو اناج رکھا تھا وہ برآمدے میں پڑا رہ گیا ہے۔ میں ضرور اسکو جا کر لے آؤں گی۔ اُسکے خاوند کنتو نے منع کیا کہ مت جاؤ کیونکہ تمہارے وہاں جانے سے موت کو خبر لگ جائیگی۔ مگر وہ اپنی ہٹ سے کب باز رہنے والی تھی۔ اپنے خاوند کو رستہ پر چھوڑ کر اناج لینے کو واپس چلی گئی۔ نمبی نے اناج کی گٹھری برآمدے میں سے نکال کر زمین کی طرف آنے کا قصد کیا ہی تھا کہ موت اس سے دوچار ہوا اور پوچھنے لگا کہ میرے شفیق مجھے یہاں کیوں چھوڑ گئے ہو۔ غرض وہ بھی اُس ضدی عورت کے ہمراہ روانہ ہُوا جب کنتو نے خالق کے پاس گلہ کیا کہ موت کا بھی بھوت ہمارے پیچھے پیچھے چلا آتا ہے تو اسکو جواب ملا کہ میں نے تاکید نہ کی تھی کہ صبح سویرے روانہ ہونا۔ میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ اور مجھ سے کچھ صلاح نہ پوچھو۔ چلے جاؤ۔ کنتو نے یہ سن کر اپنی بیوی کو کوسنا شروع کیا اور اُس سے یوں ہمکلام ہُوا کہ تم موت کو ساتھ لے آئی ہو تمہارے سبب سے میں جیتے جی مرگیا ہوں۔ اس سخت کلامی کے بعد وہ زمین پر اُتر آیا۔ اور جب اُسکے اولاد پیدا ہوئی تو موت نے اسکو مار ڈالا۔

وقت

(از احمد اللہ بیگ آثر۔ منقول از مخزن)

اے وقت! وقت پیارے پچھتا رہے ہیں کھو کر　　ممکن نہیں جو ہو تو مر کر بھی اب میسر۔
کیا تیری خوبیوں کا اظہار ہو کسی سے　　قیمت نہیں ہے تیری انمول ہے جواہر
وہ غفلتوں کا پردہ ہم پر پڑا ہوا تھا　　دیکھا نہ ہم نے تجھ کو کھولی نہ آنکھ دم بھر
تعریف کیا۔ صفت کی۔ پہچان تیری کچھ بھی　　آئی نہ ہم کو ہرگز۔ افسوس! بیخودی پر
لیکن عزیز تجھ کو جس جس کسی نے سمجھا　　گھوڑے اڑا رہے ہیں وہ آج کل ہوا پر
ذی قوم آج وہ ہیں اقبال ہے انہیں کا　　قسمت انہیں کی اچھی وہ ہی تو ہیں سکندر
ڈنکے بجے ہوئے ہیں عالم میں اب انہیں کے　　ان کی خوشی کے نعرے ہیں چرخ چنبری پر
یورپ کی دھاک ساری دنیا میں بندھ گئی ہے　　یورپ کا ذکر جاری ہر ایک کی زباں پر۔
وقعت ہے گر تو ان کی شہرت ہے گر تو ان کی　　کیا وجہ! کیوں ہوا یہ؟ اسکا سبب بھی آخر؟
یہ اس لئے کہ یہ سب تیری عنایتیں ہیں　　ممتاز جانتے تھے تجھ کو یہ سب سے بڑھ کر۔
اک اک منٹ کی قیمت تھی جان سے زیادہ　　ایک ایک گھڑی کے بدلے تھا آبرو کا منبر۔
کچھ بھی ہوا بلا سے کچھ بھی گیا بلا سے　　جو کام آج کا تھا چھوڑا نہ اس کو کل پر
جب ہی تو ان کا ثانی ڈھونڈے سے بھی نہ پایا　　جب ہی تو وہ ترقی امکان سے ہے باہر
اک قوم ہے ہماری جو محض بے خبر ہے　　عشرت پسندیوں نے چھوڑا اسے مٹا کر
تجھ سے نہ اسکو الفت واقف نہ ملک سے یہ　　دونوں سے ہاتھ دھوئے قربان یک رخی پر
ہوتے نہ یوں پشیماں کرتے نہ یوں تاسف　　یوں ٹھوکریں نہ کھاتے پھرتے نہ ہائے دردر
گر قدر جانتے ہم کرتے نہ ہم تکاہل۔　　گر بات مان لیتے چھوٹے بڑوں کی سن کر
ہوتے ذلیل ایسے ہوتے نہ خوار ایسے۔　　روتے نہ ہم کسی پر۔ ہنستا نہ کوئی ہم پر۔
گر اب بھی ہوش آئے کچھ بھی نہیں ہے بگڑا　　کرنا ہے جو وہ کرلیں۔ اٹھیں بڑھیں سنبھل کر
دیکھیں ہوا کدھر کی عالم میں چل رہی ہے　　سمجھیں یہ کس طرف کو بہتا چلا سمندر
وہ کام اب نکالو جو نام لے کے نکلے۔　　وہ جام اب پیو تم جو ہوش کا ہو ساغر
انساں کو چاہیئے یہ سب کام وقت پر ہوں　　کل پر نہ رکھے کوئی ہرگز کبھی اٹھا کر۔
جس نے کہ وقت پیارے تجھ کو عزیز جانا۔　　وہ کامیاب نکلا دیکھا گیا ہے اکثر
یہ تھی صدا آثر کی یہ تھا بیان اس کا　　کرتا ہے نظم اپنی اب ختم وہ دعا پر

توفیق دے الٰہی پہلی سی پھر وہ ہمکو
جو نام پھر ہمارے دنیا میں ہوں منور۔

کائنات میں خدا کا جلوہ

(کاؤپر کی نظم کا ڈائن بنجرا کا ترجمہ)

ہر شے میں جلوہ گر ہے اک پاک ذات پیارے — ساری ہے جسم و جاں میں کرتی ہے کام سارے
مخلوق ہے اُسی کی کل کائنات سحرا — سنسان جنگلوں میں جس رہ ہے اُس کا پیدا
پھل ہائے رنگیں جو تحت باغباں ہیں — افلاک میں اُسی کی آثار زیر عیاں ہیں۔
تیج کی زینتیں ہیں فیض کرم سے اُس کے — ترتیب سال و مہ بھی دست کرم سے اُس کے
ہر ماہ کے واسطے ہے اک خاص حد مقرر — بڑھنے نہ پائے آگے تا اس سے وہ قدم بھر
جاڑے کی اس لئے کم کی گئی ہے شدت — خنکی سے اُس کی پہنچے مخلوق کو نہ کلفت
تخموں کو اس طرح سے محفوظ کر رکھا ہے — پہنچے جو نہ کو اس کی کوئی مجال کیا ہے۔
کہ فصل گل گذرنے پائی نہیں کہ فوراً — پھولوں سے دوسری کے آراستہ ہے گلشن
پروردگار عالم ہے سب میں جلوہ افگن — روح رواں سے اسکی ہے جسم و جاں ہیں روشن
معمار گو ہے فطرت علت وہی خدا ہے — یکتا ہے لم یزل ہے۔ مختار دوسرا ہے
پھولوں میں شجر میں ہر برگ میں ثمر میں — نقش و نگار قدرت مضمر ہیں مستتر ہیں
پھولوں کی شوخ رنگت اور بھینی بھینی خوشبو — چشمان مست و میگوں جلہ میں سر تا ہو
ان میں مثل نیزہ اشکال ہیں جو پنہاں — ان سے زمیں کو کرتا آباد ہے وہ ذیشان
مقصد جو ان کے دلنشیں وہی ہے — معمور ہے جو اس سے آباد دل وہی ہے
اور گل ہو یا نسیم یا بوئے نسترن ہو — شمشاد ہو سہی ہو یا سبزۂ چمن ہو
ہوا ہے کل نے رکھتی ہے اسکو ہر آں — ان سب کی دید و بینش یاد خدا میں قرباں

محی الدین صدیقی

مراقبات

۱۔ خداوند خدا ایک آفتاب ہے۔ زبور ۸۴: ۱۱

دینداروں کو خدا کا عرفان حاصل ہے اور جو اس پر توکل رکھتے ہیں۔ انکے لئے خدا کا ایک جلالی نشان ہے۔ اسکا کام اوروں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ کوئی چیز اس کی ...ل کو روک نہیں سکتی۔ ہاں کئی چیزیں انکے سامنے تو آسکتی ہیں لیکن ان کو چھپا نہیں ... صرف یہی درکار ہے کہ اس کی طرف رُخ کئے رہیں اور ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ...ی فضا میں بادل چھائے ہوں۔ سورج کی کرنیں ہمیں روشنی بخشتی۔ گرمی پہنچاتی اور خوشی دیتی ہیں اور پھیلتی بھی کیسی کثرت سے ہیں۔ ہر لمحہ میں دس کروڑ مربع میل

کرنیں زمین پر پڑتی ہیں اور پھر ان کی آن میں اتنی ہی اور کرنوں کو راہ دینے کے لئے غائب ہو جاتی ہیں۔ سورج گویا ہمارے لئے دُنیا کا دروازہ کھولتا اور نیچر کو ہم پر ظاہر کرتا ہے۔ اِس کے بغیر کسی امر کا علم یا فایدہ حاصل نہ ہوتا۔

اِن سب باتوں سے ہمیں فضل کے خدا کا کیسے پتہ ملتا ہے۔ خداوند یسوع مسیح کے وسیلے ہم اسکی روشنی کی راہ میں آتے ہیں۔ ہمارا فہم روشن۔ ہمارے دل گرم اور ہماری رُوحیں خوش و خرم ہو جاتی ہیں۔ ہم خدا کی کائنات سے فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ ہم عجیب روشنی میں آجاتے ہیں۔ اور جیسے قدرت کا آفتاب ہر ایک چیز پر ایسے چمکتا ہے کہ گویا خاص اُسی کے لئے پیدا کیا گیا اور ساری دُنیا کو ہر ایک کے فایدہ کے لئے پھلدار اور آسمان و زمین کو اسکی راحت کے لئے دلکش بناتا ہے۔ یُوں ہی خدا اپنے ہر ایک فرزند کو محبت کی ایک لامحدود معموری دیتا ہے اور عجیب طور سے ہر ایک کا اپنا بن جاتا ہے۔ (بوون)

رہو اُس پہ شاکر جو تم کو ملا ہے

لب بحر کتا کوئی جا رہا تھا اور اک روٹی منہ میں لئے۔ کھا رہا تھا
اُسے پانی آئینہ دکھلا رہا تھا سبھی عکس اپنا نظر آ رہا تھا
وہ سمجھا۔ ہے ہم جنس میں کیوں نہ جاؤں
جھپٹ کر یہ اس کی غذا چھین لاؤں
اِسی چاہ سے منہ میں پانی بھر آیا اِسی حرص نے رشک اس کو کھلایا
اِسی فکر نے پل میں پاگل بنایا اِسی کشمکش میں بہت تلملایا
وہیں منہ کو کھولا کہ جائے لپک کر
گری اپنی روٹی بھی پانی کے اندر
وہ کرنے لگا پھر تو افسوس جی میں بنا دشمن جان کس دل لگی میں
غنی تھا مگر اب تو ہوں مفلسی میں لیا رنج دانستہ میں نے خوشی میں
میرے پاس دیکھو تو اب کیا رہا ہے
جو تھا بحر میں۔ وہ بہا جا رہا ہے۔
کرو غور تھوڑا سا اس پر عزیزو پڑیں ایسے لالچ پہ پتھر عزیزو
قناعت ہے ہر شے سے بڑھ کر عزیزو بگڑتی نہیں بات بن کر عزیزو
یہ داناؤں نے کیا نکتہ کہا ہے۔
رہو اس پہ شاکر جو تمکو ملا ہے۔

پی۔ ایل۔ شاکر

صاحبان سے اپنی تحریر کے لئے شکر رنجی بھی ہوئی۔ تاہم اس نے طرز کا بدلنا مناسب نہ سمجھا۔
شاید وہ اسکو مکاری کا پہلا زینہ سمجھتا ہے۔ گذشتہ پرچہ پر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ عنوان
"گلدستۂ اخبار" میں کیا کیا جائے ڈنبل کو چھوا ہے۔ مگر بعض ہندوستانی گرجوں میں "وعظ کے
متعلق دیسی یا پردیسی واعظ کی تشریح بھی مناسب تھی۔ ایسے واعظ کی بابت کسی نے کہا ہے۔
؎ نہیں کلام کے معنی نہ تجربہ کا بیاں ۔ ہے یاوہ گوئی ہے جسکی ہے تجھ کو واعظ۔ اسی پرچہ کو میں
اپنے حسب دستور دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک فقرہ پر میری نظر پڑی۔ جسکو پڑھتے ہی میں دم بخود سا ہو
گیا۔ کیونکہ اسی مضمون کی مجھے مدت سے تلاش تھی اور اس معما کے حل میں میں نے مدتوں
ناکامیابی سے بڑا زور لگایا تھا۔ تب میں نے اس مضمون کو شروع سے لیکر آخر تک حرف بحرف
دوبارہ سہ بارہ چہار بارہ پڑھا۔ اور کالج کے طالب العلموں کی طرح عمدہ اور اپنی حالت کے مطابق
کے فقرات کو بالائے خط کیا۔ پھر ساتھ کے اور دو مضمون بھی حیرت سے پڑھے اور ان میں بھی چند
ایسے فقرات پائے جن کے مضامین بھی قابل غور عمیق اور میرے روحانی حال کے بالکل مطابق
تھے۔ اس پرچہ سے مجھے ایسی روحانی مدد ملی ہے کہ اسکا اظہار میں نے مسیحی کا حق سمجھا۔ مجھے یقین
ہے کہ اور بھائیوں کو بھی اس سے بہت مدد ملتی ہوگی۔ مخزن نامی اردو علم ادب کی دلچسپیوں
کا ایک ماہوار مجموعہ لاہور سے شایع ہوتا ہے۔ کوئی رسالہ ایسا نہیں ہوتا جس میں کم از کم دو چار مضمون
نثر و نظم کے ڈگری یافتہ اصحاب مثلاً ایم اے اور بی اے۔ ڈپٹی اور منصف۔ وکیل اور بیرسٹر۔
معلم اور پروفیسر صاحبان کے قلم سے نکلے ہوئے نہ ہوں۔ مخزن کو دیکھ کر دل میں حسرت پیدا ہوتی
ہے کہ دیسی مسیحی ڈگری یافتہ اور دیگر لایق اصحاب ملکی علم ادب سے کیوں ایسے غافل ہیں۔ مسٹر
ذفضلی۔ پادری طالب الدین بی اے۔ پروفیسر سراج الدین بی اے کچھ ایسی غفلت کی نیند میں
پڑے ہیں کہ ان سے خط کا جواب تک نکالنا دشوار ہو گیا ہے۔ پادری علی بخش وعدے تو بہتیرے
کرتے ہیں لکھتے ایک لفظ تک نہیں۔ پادری جوئیل واعظ لال ایم اے کے دو چار نظم و نثر کے
مضمون مسیحی میں چھپ چکے ہیں کیسا پاکیزہ کلام ہے لیکن چھ ماہ کے بعد خط کا جواب بھی دیتے ہیں
تو یہی کہ فرصت نہیں۔ پادری سیموئیل گھوش بی اے بڑی شستہ اور منجھی ہوئی اردو لکھنے والے
ہیں۔ لیکن آپ مسیحی کے وجود کے ساتھ ہی دمدار ستارے کی طرح ظاہر ہوئے تھے اور
تھوڑی دیر چمک کر ٹیڑھی راہ سے نور افشاں کے کالموں میں جا چھپے افسوس۔ مسٹر اکبر مسیح مختار
باندہ اور انکے کلید ڈاکٹر شایق ہماری کسی تعریف کے محتاج نہیں لیکن ہائے عرصہ سے بے طرح خاموش ہیں۔ ڈاکٹر
یم بی عطارد اچھے نظم لکھنے والوں میں سے تھے مدت سے قلم توڑ بیٹھے ہیں۔ پادری کیدار ناتھ منت
واقعی بلبل ہزار داستان ہیں لیکن مدت سے چہکتے نہیں۔ مسٹر اڈورڈز بی اے نے سوسو
تقاضا کے بعد سات سال کے عرصہ میں صرف ایک مضمون مسیحی کیلئے تحریر فرمایا۔ مسٹر گولک ناتھ
بی اے ایل ایل بی بیرسٹر۔ پروفیسر گولک ناتھ چٹرجی ایم اے۔ پروفیسر مکرجی بی اے ایل ایل بی کی
لیاقت مسلمہ ہے لیکن اردو لٹریچر کو ترقی دینے کی طرف سے بالکل غافل ہیں۔ ماسٹر چندو لال

نکٹ بک کمیٹی کی کتابوں کا ترجمہ تو دن رات کرتے ہیں لیکن مسیحی لٹریچر کے لئے سوائے دو ایک خطوط کے کچھ نہیں لکھا اور ان کے صاحبزادے تو شاید اردو بولنا بھی عار سمجھتے ہیں۔ انکے علاوہ ڈاکٹر چیٹرجی۔ پادری فسنج مسیح صاحب۔ پنڈت جانکی ناتھ۔ رائے بہادر متیا داس۔ ڈاکٹر فلپس۔ پادری پی سی اوپل وغیرہ وغیرہ پنجاب بیبل اور ریلجس بک سوسائٹی کی اردو کمیٹی کے ممبر ہیں۔ لیکن ان اصحاب کا کوئی تصنیف یا تالیف کردہ رسالہ یا مضمون کسی اخبار میں ہماری نظروں سے نہیں گذرا۔ ہمیں شاکی نہیں۔ رسالہ ترقی میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لکھتا۔ تحفہ سرحد اور طبیب عام اور نور افشاں میں بھی جس قسم کے مضمون چھپتے ہیں ہمارے بیان کے محتاج نہیں۔ آجکل کے نئے گریجوایٹوں کی تو پوچھو ہی نہ۔ ایک خط بھی اچھی طرح سے اردو میں لکھ نہیں سکتے۔ مسیحی اردو علم ادب کو ترقی کون دیگا؟ اسکے لئے بھی کیا ہم مشنری صاحبان ہی پر نگاہ رکھیں۔ امرتسر الگزنڈر اسکول کی لڑکیوں کو حکم ملا ہے کہ اپنے والدین کو لیڈی سپرنٹنڈنٹ کا ایک نوٹس بھیجدیں۔ جس میں منجملہ دیگر احکامات کے یہ اطلاع درج ہے کہ "تعطیلوں میں اگر کوئی اسباب سکول میں چھوڑا جائے تو مس الجیلی ذمہ وار نہ ہونگی" جن لڑکیوں نے دور دور جگہوں یا پہاڑ یا گاؤں یا مختلف احباب کے ہاں جانا ہو وہ بچاری کیا کریں۔ سال بھر کے کپڑے اور کتابیں اور دیگر اسباب کہاں لئے لئے پھریں سکول تو لڑکیوں کا گھر ہونا چاہیئے یہ تو سرائے ہوئی۔ لیڈی سپرنٹنڈنٹ اور دیگر استادوں کا اسباب کہاں رہیگا؟ مسٹر سریندرو ناتھ نکرجی بی اے کا میموریل قایم کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ لاہور سنٹ جانس چیپل کے چینل میں سنگ مرمر کا فرش لگایا جائیگا اور ہوسٹل کے بڑے کمرے میں ان کی تصویر آویزاں کی جائیگی۔ خرچ قریب چار سو روپیہ کے ہوگا۔ جو صاحب ۲ روپیہ چندہ دیں ان کو مسٹر مکرجی کی ایک تصویر ملے گی۔ زر چندہ پادری ایم ای وگرم بمقام لاہور کے نام بھیجنا چاہیئے۔ ڈاکٹر ... بہ روز انتقال کر گئے۔ مسٹر یونا پا سابق پروفیسر امرتسر مشن کالج اس دار ناپائیدار سے چل بسے

رسید زر۔ جولائی ۱-۲۰ ۱۹۰۲ء

۱۱۲	مس بی بی بوس	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۳-۰-۰	۱۲۲	مسٹر ایس چندو لال	۱۹۰۲	۲-۰-۰
۱۱۳	مس وارن	,,	۲-۰-۰	۱۲۳	ڈاکٹر شیلر	,,	۲-۰-۰
۱۱۴	مس ایل ڈکسن	,,	۲-۰-۰	۱۲۴	مسٹر سلامت علی	۱۹۰۱ و حساب ۱۹۰۲	۲-۰-۰
۱۱۵	مسٹر جی کرنیلیس	۱۹۰۱	۱-۸-۰	۱۲۵	پادری سکاٹ	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۳-۸-۰
۱۱۶	پادری آلنٹ	,,	۲-۰-۰	۱۲۶	پادری کنتھومل	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۲-۰-۰
۱۱۷	پادری پارٹن	,,	۴-۰-۰	۱۲۷	پادری رلا رام	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۴-۰-۰
۱۱۸	مس نین بی	,,	۱-۸-۰	۱۲۸	پادری جوکھن لعل	۱۹۰۲	۰-۱۲-۰
۱۱۹	مس کے ایم بوس	۱۹۰۱	۱-۰-۰	۱۲۹	ڈاکٹر سٹنٹن	,,	۲-۰-۰
۱۲۰	پادری ای وگرم	۱۹۰۲	۲-۰-۰	۱۳۰	پادری اے سی کلارک	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۳-۸-۰
۱۲۱	ڈاکٹر ایوئنگ	,,	۲-۰-۰	۱۳۱	پادری سمتھ	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۳-۸-۰

اگست و ستمبر ۱۹۰۲ء
نمبر ۸ و ۹ — جلد ۷
قیمت سالیانہ دو (عہ) روپیہ

مسیحی

ہندوستانی کلیسیا کی رائے کا یہ آئینہ ہر انگریزی مہینہ کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ دیسی کلیسیا کی دینی اور سوشل حالت پر آزادانہ بحث کرنیکے علاوہ اس میں انگلستان اور امریکہ کے مستند مصنفوں کی تحریرات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس وقت پانچ کتابیں مسلسل شایع ہو رہی ہیں تاہم خوبی یہ ہے کہ مسیحی کا ہر ایک نمبر بجائے خود مکمل ہے۔ اسکے مقاصد مختصراً مفصلہ ذیل ہیں۔

مقاصد

۱:- مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کا انکشاف کرنا۔ ۲:- کتاب مقدس کی تلاوت اور دُعا کے لئے تحریک۔ ۳:- مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کرکے مسیحی یگانگت کو قایم کرنا اور پھیلانا۔ ۴:- نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا۔ ۵:- جہانتک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا اظہار کرنا۔

فہرست مضامین اگست و ستمبر ۱۹۰۲ء

دبیر ہند پریس امرتسر

گلدستۂ اخبار

قرونِ وسطیٰ کے تاریک دنوں میں بعض ممالک یورپ میں ایک سرکاری محکمہ ہوتا تھا کہ جسکی بلامنظوری کوئی کتاب شایع نہ ہو سکتی تھی۔ عندیہ یہ تھا کہ بغاوت بابدعت آمیز خیالات پھیلنے نہ پائیں۔ آن دنوں میدانِ جنگ سے بھی کوئی خبر ایک افسر سرکاری کی بلامنظوری ہم تک نہیں پہنچتی۔ ہمارے مشنری بورڈنگ سکولوں میں بھی کچھ ایسا ہی انتظام ہے۔ اور تو اور والدین کے خطوط بھی پڑھے جاتے اور کبھی کبھی بچوں کو دیئے نہیں جاتے۔ اور بچوں کے خطوط والدین کو بھیجے نہیں جاتے۔ بٹالہ سکول کے ایک لڑکے نے اپنے والد کو لکھا کہ میں بیمار رہتا ہوں اور مجھ سے پڑھائی ہو نہیں سکتی۔ والد بھی اس سے پیشتر پرنسپل صاحب کو لکھ چکے تھے کہ میرا بیٹا بیمار رہتا ہے گھر بھیج دو۔ پرنسپل نے لڑکے کا خط والد کو نہ بھیجا۔ لیکن انکو اطلاع کر دی کہ تمہارے بیٹے نے اس مضمون کا خط لکھا تھا ہم نے بھیجا نہیں۔ کارخیلڈ صاحب تو اتنا بھی نہ کرتے تھے۔ والد کو درد ہُوا۔ لکھا کہ لڑکا فوراً گھر بھیجدو ورنہ بذریعہ عدالت چارہ جوئی کی جائیگی۔ پرنسپل تکلیف اُٹھا کر ریل اور یکہ کا سفر کر کے فوراً والد کے ہاں پہنچے اور مصالحت چاہی۔ ہم دیسیوں سے کوئی انگریز تھوڑی بھی مہربانی کرے تو اسکے غلام ہو جاتے ہیں۔ والد نے اُلٹی معافی مانگی۔ خط واپس لیا۔ لڑکے کو سکول میں رہنے دیا۔ پرنسپل کے گرویدۂ احسان ہو گئے۔ وڈ صاحب کی دانشمندی۔ فروتنی اور دینداری قابلِ تحسین اور نمونہ کے قابل ہے۔ الگزنڈرا سکول امرتسر کی نسبت مسٹر واعظ لکھتے ہیں۔ مَیں نے مس اجلی سے زبانی گفتگو کی اور کہا کہ ہم غریب آدمی ہر بار اس قدر خرچ کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے۔ آپ اسباب مہربانی سے رکھ لیں۔ مس اجلی۔ ہم ذمہ وار نہیں۔ چوری ہو جائے۔ خراب ہو جائے۔ و۔ آپکا اسباب کہاں رہیگا آ۔ ہمارے نوکر ہیں حفاظت کرینگے۔ و۔ ہمارے بچوں کے واسطے چوبدار نوکر رکھے ہوئے ہیں۔ آ۔ (غصہ سے) ہم نہیں جانتے ہم ذمہ وار نہیں۔ و ہمارے بچے خانہ بدوش نہیں۔ آ۔ ہم نہیں جانتے۔ و۔ اچھا آپ نہیں جانتے اور نہ ذمہ وار ہیں۔ کل آپ کہیں گے کہ ہم لڑکیوں کے بھی ذمہ وار نہیں بہتر ہے کہ لڑکی بھی اسباب کے ساتھ دیدیں۔ آ۔ لے جاؤ۔ و۔ پھر میری لڑکی سکول میں نہیں آئیگی۔ آ۔ اچھا نہ آئے۔ و۔ لائیے اسباب اور لڑکی۔ آ۔ اسباب دینے کی فرصت نہیں۔ لڑکی ۲ تاریخ سے پہلے نہیں مل سکتی۔ و۔ اچھا اسباب ہی دے دو۔ مَیں ساتھ لیتا جاؤں۔ لڑکی کو تو مصیبت نہ ہوگی اور مجھے دوبارہ خرچ کی زیر باری نہ ہوگی۔ آ۔ میں نے کہا کہ میٹرن کو فرصت نہیں۔ ایڈیٹر۔ مس اجلی کی متعدد شکایتیں ہمارے پاس پہنچی ہیں۔ ہمیں ان سے بڑی ہمدردی ہے۔ بعض والدین سپرنٹنڈنٹوں کو بڑا دق کرتے ہیں اور نہایت ناواجب خط لکھتے رہتے ہیں لیکن مس اجلی بھی اگر فروتنی۔ دانشمندی اور محبت سے کام لیں تو بہت سی شکایتیں رفع ہو جائیں۔ غرور۔ رعونت۔ حکومت اور ولایتی ردیہ کا جھوٹا فخر مشنری کام میں بڑی بھاری رکاوٹیں ہیں۔ سی ایم ایس کے ایک سربرآوردہ مشنری صاحب نے اثنائے گفتگو میں کسی دوست سے کہا

نوٹ اور رائیں

واعظوں کے لئے اشارات - ہمارے واعظوں کو بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔ اس لئے اگر ان کی ضروریات کا باربار چرچا کیا جائے تو فایدہ سے خالی نہیں ہو سکتا - ہمیں سرگرم وعظ کرنے والوں کی ضرورت ہے - ہماری جماعتیں ٹھنڈی اور پھیکی وعظوں سے بیزار ہیں - اگر خفتہ رُوحوں کو بیدار کرنا ہے تو ضرور ہے کہ متکلم کے کلام میں زندگی ہو - محض پندونصایح یا فصیح تقریروں سے کیا ہوگا - اسکی نسبت ایک نہایت زبردست اور کامیاب واعظ کے الفاظ اس قابل ہیں کہ ہمارے گرجوں کے پاسٹر اور خادمان دین ان کو حرز جان بنائیں - یہ مشہور و معروف واعظ آپ بیتی کا قصہ بیان کرتے وقت اتفاقیہ اپنے زمانہ کے واعظوں کا ذکر بھی کرتا ہے جو ہمیشہ اسکے طرز تقریر اور الفاظ پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے - وہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم ایسی سادہ تقریر کروگے تو ہمارے ڈونٹی سکولوں کا نام بدنام ہو جائیگا۔ اس پر وہ واعظ رائے زن ہے کہ ہمارے علم الہٰیات کے طلبا کو عوام کے ساتھ سرگرم گفتگو میں مسیح کا چرچا کرنا سکھایا نہیں جاتا بلکہ بجائے اِسکے اُن کو تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنی وعظوں کو لکھ کر پروفیسروں اور دیگر طلبا کے روبرو نکتہ چینی کی غرض سے پڑھیں - اس طریق پر مضمون نگاری تو حاصل کر سکتے ہیں مگر وعظ کرنا کوئی نہیں سیکھ سکتا - شاید علم ادب کے شایق ان کے الفاظ پر عش عش اور مرحبا اور آفرین کرینگے مگر اس سے روح کی سیری نہیں ہوتی اور نہ ایسی وعظوں میں روحوں کو مسیح کے پاس کھینچ لانے کی طاقت ہے"! "ذرا غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ پلپٹ پر کھڑے ہو کر ان غیر فانی روحوں کو جو ابدی موت کے آستانہ پر ہیں فصاحت اور بلاغت کے الفاظ سنانا کیسا سخت نامناسب ہے - - - - - آگ بجھانے والی کمپنی کا کپتان شہر کو آگ لگی ہوئی دیکھ کر اپنے کارندوں کے سامنے کبھی فصیح تقریر یا عمدہ مضمون پیش کرنے کا خیال نہیں کرتا - ایسے نازک وقت پر وہ یہی کوشش کرتا ہے کہ میری تقریر کا ہر ایک لفظ سننے والوں کی سمجھ میں آجائے - اور سامعین بھی اسکی نکتہ چینی

کرنے کا خیال نہیں کرتے۔ بعینہ اسی طرح جب کوئی شخص دلی جوش سے کلام کرتا ہے تو اُسکے الفاظ باموقعہ اور سادہ ہوتے ہیں.... بڑی فصیح وعظوں سے سامعین وعظ کی تعریف کرتے ہیں۔ اور عمدہ وعظوں سے نجات دہندہ کی ستایش کی جاتی ہے"۔

پسندیدہ آیات منجملہ اُن عادات اور اوصاف کے جو زمانہ حال کی تہذیب پیدا کر رہی ہے ایک یہ ہے کہ عوام میں ہر قسم کی مختلف اشیا کے مجموعے فراہم کرنے کا شوق بڑھ گیا ہے۔ کوئی پرانے سکے جمع کرتا ہے۔ کوئی مختلف ممالک کی ٹکٹوں کا ذخیرہ کرنا بھی اپنی زندگی کا ضروری کام سمجھتا ہے۔ کسی کو مختلف انواع اور اقسام کی چڑیوں اور کسی کو ان کے انڈوں کے مجموعہ پر ناز ہے۔ تتلیاں۔ گھونگے۔ سیپیاں غرض ہر قسم کی اشیا جمع کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ زمانہ ماضی یا حال کے مشاہیر کے دستخط تلاش کرنے میں بہت محنت اور زر کثیر صرف کرتے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا کہ امریکہ کے ایک شخص نے دنیا کے دو ہزار نامی اشخاص کی طرف لکھ کر دریافت کیا کہ کتاب مقدس کی کونسی آیت یا باب آپکو خاص طور پر پسند ہے۔ اکثروں نے جواب دینے سے انکار کیا۔ بعض نے خیال کیا کہ مستفسر فقط دستخط حاصل کرنے کے پیچھے پڑا ہے۔ ایک شخص نے جواب میں "لوقا ۱۸ باب کی ۱۸ آیت ارسال کی۔" میں تیری منت کرتا ہوں کہ میری طرف سے عذر کر" (یعنی مجھے معاف رکھئے) کنٹربری کے اسقف اعظم نے جواب دیا کہ کوئی خاص باب یا آیت میرے مرغوب خاطر نہیں ہے۔ چرچ مشنری سوسائٹی کے ایڈیٹوریل سکرٹری مسٹر سٹاک نے لکھا کہ میں آپکو وہ آیت ارسال کرتا ہوں جو میں نے اکثر غیر ممالک کو جانے والے مشنریوں کو بطور الوداعی پیغام کے دی ہے یعنی "جب میں کمزور ہوتا ہوں اسی وقت زور آور ہوتا ہوں"۔ ینگ منس کرسچن ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ نے یوحنا ۱: ۲۷ سے ۳۰ آیات بھیجیں۔ چین کے وسطی مشنوں کے باپ پادری ہڈسن ٹیلر صاحب نے جنکے ایمان اور توکل کا پادری مائر صاحب اکثر ذکر کیا کرتے ہیں جواب میں لکھا "خدا پر اعتقاد رکھو۔ مرقس ۱۱: ۲۲ (لفظی طور پر خدا کی ایمانداری پر بھروسہ رکھو)"۔ افریقہ کے مشہور سیاح سٹنلی نے لکھا کہ "جو کام تیرا ہاتھ کرنے پائے اُسے اپنے مقدور بھر کر" (واعظ ۹: ۱۰) یہودیوں کے سردار ربی نے جواب دیا "مجھ کو صبح کے وقت اپنی شفقت کی آواز سنا۔ کیونکہ میرا توکل تجھ پر ہے۔ اپنی راہ کہ جس میں مَیں چلوں مجھے بتا کیونکہ میں اپنی روح کو تیری طرف

اُٹھاتا ہوں (زبور ۳۰:۱۴۹)"۔ انگلستان کے موجودہ ملک الشعرا نے لکھا "اُجالا ہو پیدائش ۳:۱۱"۔ مکتب مسیح میں دُعا کی تعلیم اور دیگر مشہور کتب کے مصنف پادری مرے صاحب نے جواب دیا "خدا تم پر ہر طرح کا فضل کثرت سے کر سکتا ہے تاکہ تمکو ہمیشہ ہر چیز کافی طور پر ملا کرے۔ اور ہر نیک کام کیلئے تمہارے پاس بہت کچھ موجود رہا کرے۔ ۲ کرنتھیوں ۹ : ۸" "اُسکے نقش قدم پر" کے مصنف پادری شیلڈن صاحب نے جنہوں نے موجودہ بناوٹی مسیحیت کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے لکھا کہ "تجھ کو کیا۔ تو میرے پیچھے ہو لے۔ یوحنا ۲۱ : ۲۲"

مسیح زندگی کی روٹی۔ ہم اپنی ہندوستانی کلیسیا کی مُردہ حالت کا الزام خواہ اپنے پادریان دین یا پاسٹروں کے سروں پر تھوپیں مگر ہم خود کسی طور سے اپنی شخصی ذمہ واری سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ وہ بزرگ جو ہمارے چوپان مقرر کئے گئے ہیں اپنی خدمت میں تساہل کیلئے خدا کے حضور جوابدہ ہوں گے مگر کیا انجیل ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ کیا وہ غیر زبان میں ہے جسکو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ کیا وہ لوگ جو مشن کے احاطوں یا کلیسیاؤں کی حدود سے باہر ہیں مسیح کو اپنی روزانہ خوراک نہیں بنا سکتے؟ کیا اس روٹی کو کھانے کے لئے کسی دھرم ماں باپ کی ضرورت ہے؟ جب خدا نے فرمایا کہ "زندگی کی روٹی میں ہوں"۔ تو اُس کا یہی مطلب تھا۔ کہ میں عالمگیر خوراک ہوں۔ اور قسم کی خوراک محدود علاقوں میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر روئے زمین پر جہاں بنی آدم آباد ہیں وہاں روٹی پیدا ہو سکتی ہے۔ بعض اشیا کو ہضم کرنے کے لئے طبیعت کو مانوس کرنا پڑتا ہے۔ مگر روٹی ہر ایک شخص ہضم کر سکتا ہے۔ بعض چیزیں سال کے بعض خاص ایام میں ہوا کرتی ہیں مگر روٹی سال بھر کھائی جاتی ہے۔ ہم اکثر خوردنی اشیا کے بغیر گذارہ کر سکتے ہیں مگر روٹی کے بغیر غریب سے غریب کا گذر بھی نہیں ہو سکتا۔ قابل لحاظ ہے کہ جب مسیح نے اپنی نسبت فرمایا کہ "میں زندگی کی روٹی ہوں" تو اس موقعہ پر ان کے خیال میں جَو کی روٹیاں تھیں۔ یہ خوراک دنیا کے سب سے مفلس لوگ بھی مہیا کر سکتے ہیں۔ جو انجیل غریبوں اور دنیا کے پست لوگوں کیلئے نہیں وہ کسی کام کی انجیل نہیں۔ مگر اس روٹی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ضرور ہے کہ اسکو بھوک ہو اور وہ کھا کر ہضم کی جائے۔ اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے۔ جو روٹی کھائی جاتی ہے وہ جسم کا

حصہ بن جاتی ہے۔ ہڈی کا جُزو ہڈی ہیں اور گوشت کا مادہ گوشت میں جا ملتا ہے مگر یہ تبدیلی کیونکر پیدا ہوتی ہے کوئی آدمی سمجھ نہیں سکتا۔ اور اسی طرح کوئی مسیحی اپنی زندگی کے تجربہ یا مسیح کو کھا کر ہضم کرنے کے اسرار کو سمجھ نہ سکتا اور نہ اوروں کو سمجھا سکتا ہے مگر باوجود اس کے یہ تجربہ صحیح ہے جو ایک کم عقل مسیحی بھی اپنی روح کی سیری اور اپنی زندگی میں معلوم کر سکتا ہے۔

معما حل طلب۔ ڈین فیرر صاحب نے ایک مضمون میں اس سوال پر بحث کی ہے کہ محنتی لوگ گرجے میں جانے سے کیوں غافل ہیں" یہ سوال انگلستان کے لوگوں کی نسبت ہے۔ جناب موصوف فرماتے ہیں کہ فی زمانہ کلیسیا کے سامنے یہ بڑا مشکل معما ہے کہ محنتی لوگ اس کے (یعنی کلیسیا کے) ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت خوفناک خیال ہے کہ اس درجہ کے لوگوں میں سے بمشکل پانچ فیصدی گرجوں کی عبادت میں حاضر ہوتے اور ایک فیصدی عشائے ربانی میں شریک ہوتے ہیں۔ کلیسیا کا فرض ہے کہ اسکی وجہ دریافت کرے اور ان لوگوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش اور سعی کرے"۔ اس سوال کے جواب میں کہ کلیسیا کا قابو محنتی لوگوں پر کیوں نہیں رہا۔ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ایک سبب تو یہ ہے کہ انکی طبیعت شراب خوری اور قمار بازی کی طرف زیادہ مائل ہے"۔ مگر ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے جسمیں کم از کم ایک سوال حل طلب مل میں پیدا ہوتا ہے۔ فیرر صاحب کی رائے میں ایک دوسرا بڑا بھاری سبب یہ ہے کہ دُعائے عمیم کی کتاب محنتی فرقہ کی ضرورت اور سمجھ کے مناسب حال نہیں ہے۔ جو لوگ لنڈن کے غربا میں کام کرتے ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ کلیسیائے انگلستان کی عبادت کی ترتیب مقررہ الفاظ اور لہجہ کی سخت پابند اور لمبی ہے۔ اسکی عبارت بلاریب نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ مگر وہ عوام کے حیطۂ ادراک سے بعید ہے۔ اگر ان لوگوں کو قابو رکھنا منظور ہے تو ان کی خاطر کوئی آسان ترکیب وضع کرنی ضرور ہے"۔ قابل لحاظ ہے کہ جس ملک میں صدیوں سے دعائے عمیم کی کتاب مروج ہے اگر وہاں یہ حال ہے کہ عوام اسکو سمجھ نہیں سکتے تو ہمارے ملک کے عام مسیحیوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ قدیم بزرگان کلیسیا کے چیدہ الفاظ کے مجموعہ کو کما حقہٗ سمجھ سکیں گے۔ یہ بالکل راست اور واقعی امر ہے کہ یہ کتاب ہمارے کلیسیا کے مناسب حال نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دعائے عمیم والوں کے گرجے خالی نظر نہیں آتے۔ آخر کچھ تو ہے جس نے ان مرمٹنے والے پروانوں کو جمع کر رکھا ہے۔ اگر شمع کے ساتھ لو نہیں تو اس جاں نثاری کا کوئی اور راز ہوگا۔

رنج وغم کا مکتب

جب تک ہم دُنیا میں ہیں ہمکو مسیح کے مکتب میں بہت کچھ حاصل کرنا ہے۔ مدرسہ میں کئی ایک مضامین کی تعلیم ہوتی ہے پادری اینڈریو مرے صاحب نے مکتب مسیح میں دُعا کی تعلیم پر ایک رسالہ لکھا ہے مگر اس مکتب میں اور بہت سے مضامین سکھائے جاتے ہیں۔ یا یُوں کہو کہ مسیح کی یونیورسٹی میں خاص خاص مضامین کے مدرسے اور کالج ہیں جن میں سے ہر مبتدی کو مسیح کے قد کے پورے اندازے تک پہنچنے کیلئے عبور کرنا ضرور ہے۔ آج ہم دیکھیں گے کہ مسیح ہمکو رنج وغم کے مکتب میں کیا سکھاتا ہے۔ وہ جو مردِ غم اور آشنائے رنج تھا وہ جو اذیتوں سے کامل کیا گیا اس مضمون کا بہترین معلم ہو سکتا ہے۔ اگر دُنیا میں کوئی ایسی کسوٹی ہے جس پر مذاہب اور انکے بانی پرکھے جاسکتے ہیں تو وہ رنج وغم کی کسوٹی ہے۔ کچھ عرصہ ہُوا کہ راقم کے ایک معزز ہندو دوست کا ایک ہی جوان اور ہونہار فرزند انتقال کر گیا۔ اسکے گذر جانے سے سارے خاندان کا چراغ گُل ہو گیا باپ کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور اُسکی زندگی کے آگے ایک نہایت تاریک پردہ چھا گیا جسمیں سے کوئی کرن روشنی کی دکھائی نہ دیتی تھی۔ وہ شخص بے عیب زندگی رکھنے والا اور پرلے درجہ کا دیانتدار ہے۔ جب اس نے ہندو دھرم میں اپنے غم کا علاج تلاش کیا تو سوائے مایوسی کے اَور کچھ نظر نہ آیا۔ بہت سے فقیروں کی سیوا کی مگر کسی نے یہ امید نہ دلائی کہ آیندہ کبھی اپنے عزیزوں کو ملنا نصیب ہوگا۔ ہر چند مسیحی امید اُسکے پیش کی گئی مگر جب تک مسیحی زندگی اختیار نہ کی جائے مسیح کی طرف سے تسلی اور اطمینان کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں غم کے مارے ہُوؤں میں سے جو دُنیا میں تسلی کے لئے جدّوجہد کر رہے ہیں یہ شخص بطور ایک مثال کے ہے۔ اور فقط ایک جُدائی کا غم ہی تسلی کا محتاج نہیں ہر قسم کی دُکھ بیماری ہر قسم کا نقصان مختلف تکالیف اور مصائب ایسی کالی گھٹائیں ہیں جن کے لئے روشنی درکار ہے۔ اور یہ روشنی مسیح کی ذات کے سوا روئے زمین پر کہیں پائی نہیں جاتی۔

مزمور نویس فرماتا ہے کہ "بھلا ہُوا کہ میں نے دُکھ پایا کہ میں تیرے قواعد کو سیکھونگا" عیش وراحت کے وقت یہ الفاظ کیسی آسانی سے ہمارے منہ سے نکلتے ہیں۔ اور شاید ہم اپنے زعم میں انکا مطلب بخوبی سمجھ جاتے ہیں مگر جب ہم خود خدا کے ہاتھ کے تلے دب جاتے ہیں تو اُسوقت ہمکو پتہ لگتا ہے کہ یہ الفاظ کچھ اَور معنی رکھتے ہیں اور یہ میرے واسطے ہیں۔ یہی پہلا سبق ہم سیکھتے ہیں کہ اس قسم کے جو کلمات لکھے گئے وہ ہمارے واسطے ہیں تب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ غم کے طوفان ہمارے سر پر سے گذر رہے ہیں ہمارے پاؤں خدا کے کلام کے مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔ شاید ہمیں اوّل مرتبہ یہ امتیاز حاصل ہوتا ہے کہ خدا کا کلام دل کے خیالات اور ارادوں کا جانچنے والا ہے۔ اور ہمارے دل میں اُسکی قدر پیدا ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اَور کتابوں اور ہمدرد دوستوں سے مدد ملے مگر بائبل کی تسلی نہایت شیریں ہوتی ہے

پھر مصیبت اور غم کے وقت ہمارے دل میں تنبیہ کا خیال پیدا ہوتا ہے اور اس سے توبہ کی ضرورت محسوس ہوگی۔ غم کے وہ سبق حاصل ہوتے ہیں جو کسی اَور صورت سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ بعض کو دنیا کی ناپائداری کا خیال بڑے زور سے پیدا ہوگا اور اگرچہ بارہا سُنا اور پڑھا بلکہ گایا ہوگا کہ "دنیا میں دل نہیں لگانا" مگر اب خاص طور پر یہ سبق حاصل ہوتا ہے۔ شاید ایک اَور شخص اپنی سُستی گرمی کو زیادہ محسوس کرکے دلی خلوص کی طرف مائل ہوگا۔ وقتاً فوقتاً مذہبی جوش اور ولولے دل میں پیدا ہوئے اور گویا ان کو ہم نے خدا کی جگہ ٹھہرایا مگر جب آفت سر پر آپڑی تو پھر آنکھ کھلی کہ یہ تو مسیح دل کے دروازے پر کھٹکھٹا رہا ہے اور سارا دل اسی کا حق ہے۔ آرام اور خوشی کے زمانہ کے مذہبی خیالات کا ہلکا پن نظر آنے لگتا ہے اور رُوح بیقرار ہو کر تھرتھراتی ہوئی اور آنسوؤں کے ساتھ خداوند کی صلیب کو گلے لگانے کیلئے دوڑتی ہے۔ شاید بعض کی زندگی میں یہ اوّل موقعہ ہوتا ہے جب توبہ کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اور مصیبت کا وقت نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

اگر غم کو نفس کُشی کی طرف پہلا قدم یا تنبیہ سمجھیں تو اس میں بھی ایک قسم کی تسلی پائی جاتی ہے۔ کن شاخوں کو خداوند چھانٹ کر درست کرتا ہے۔ انہیں کو جو پھل لاتی ہیں تاکہ وہ زیادہ

پھل لائیں۔ کون ہمکو تنبیہ کرتا ہے۔ رُوحوں کا باپ۔ تاکہ ہم اس میں اور اُسکے ساتھ جئیں۔

پھر اُن تاریکی کے ایام میں ہم خدا کے ساتھ اپنی رُوح کے شخصی تعلق کی نسبت سیکھتے ہیں۔ خدا ہمارے ساتھ مجموعی طور پر برتاؤ نہیں کرتا بلکہ فرداً۔ اس لئے وہ ایک روح کو اُسکے حسبِ حال صلیب اُٹھانے کا سبق سکھاتا ہے۔ رنج و راحت۔ کامیابی اور مایوسی ہماری سیرت کو پختہ کرنے کے سامان ہیں۔

یہ رنج وغم کے اوقات روحانی عالم کی حقایق کا یقین ہمارے دل میں قایم کرتے ہیں۔ عیش و راحت کے دنوں میں دنیا کا شور وغل وقت کی تنگی گھر بار کی خوشی اور آرام۔ دوستوں کی صحبت اور دیگر مشاغل اس نادیدنی عالم کو ہماری نظروں سے اوجھل کر دیتے ہیں۔ مگر جب مصیبت سامنے نظر آتی ہے تو روح تاریکی میں خدا کو پکارتی ہے۔ اُسوقت ہمیں دُنیا میں اور کچھ نہیں سوجھتا۔ اور اس تنہائی کی حالت میں خدا اپنی حضوری سے ہمکو تسلی بخشتا ہے۔ اور ہمارے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ شاید ہم اسکو پہلے نہیں پہچانتے مگر آخر وہ ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر ہم غم کے وقت مسیح کے ساتھ خدا کے پہاڑ پر اُس کے جلال کا مشاہدہ کریں خواہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ہو اسکا کچھ نہ کچھ اثر ہماری باقی زندگی پر ضرور رہیگا۔ ہم میں سے اکثر دُعا کی زندگی بسر کرنا بڑی محنت کا کام سمجھتے ہیں مگر غم کے وقت اس محنت کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس نادیدنی عالم کی حقایق ہمکو صاف صاف نظر آنے لگتی ہیں۔ اور رنج و ماندگی کے ایام میں ہمکو ان گذشتہ اوقات کی جھلک تازہ دم کرتی ہے۔ اس سے ہمیں شکرگذاری کا سبق حاصل ہوتا ہے۔

شاید ہم یہ شکرگذاری کا سبق کبھی کامل طور پر اس دُنیا میں نہیں سیکھتے۔ خدا نے ہمارے ایک عزیز کو بلا لیا ہے۔ بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ ہم خدا کے شکرگذار رہوں مگر وہ وقت روح کی زندگی میں پیش آتے ہیں جب اسکو اس شکرگذاری کا احساس حاصل ہوتا ہے۔ بعض کو کسی رُوح کو دُکھ کی آگ میں سے خدا کی طرف ترقی کرتے ہوئے دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ اور اس سے دل میں شکرگذاری پیدا ہوتی ہے۔ فی الحقیقت کسی شخص کو موت کے سایہ کی وادی میں سے گذرتے ہوئے آسمانی نور کی کرنوں سے منوّر دیکھنا نہایت خوشی کا

باعث ہے۔

مصیبت اور غم سے رُوح پر ثابت ہو جاتا ہے کہ خدا اسکو پیار کرتا ہے۔ اُس پر یہ بات زیادہ روشن ہو جاتی ہے کہ خدا نے کبھی اسکو ایک لمحہ کے لئے بھی ترک نہیں کیا۔ کیونکہ خدا اپنے عزیزوں کو کسی نہ کسی صُورت سے اس درجہ تک پہنچائیگا جہاں تک اس کی مرضی ہے۔ اس حالت میں وہ وقت آتا ہے جب ہم نہایت تنگی اور پستی کی حالت میں اپنی مصیبت کے لئے خدا کا شکر کرتے ہیں ہم خدا کا شکر کرتے ہوئے اور خداوند کو مبارک کہتے ہوئے آگ میں چلنا سیکھتے ہیں اور خدا کا فرشتہ اُس بھٹی کو ہمارے لئے گلزار بنا دیتا ہے۔

غم ہم کو زندگی کا حقیقی مدعا سکھاتا ہے۔ خدا اپنے ایک بندے کو جلدی اور دوسرے کو دیری میں لے لیتا ہے۔ جب رُوح اسکے لائق ہو جاتی ہے وہ اسکو اعلیٰ زندگی کی طرف بُلا لیتا ہے۔ جو آگے چلے گئے اُن کو آرام اور خوشی اور پاکیزگی حاصل ہوگئی اور جو باقی ہیں ان کے لئے اب تک تلوار اور بھاری بوجھ کا متحمل ہونا ہے۔ مگر جُوں جُوں ہماری عمر گذرتی ہے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ کسی کی عمر کی لمبائی دنوں اور سالوں سے شمار نہیں کی جاتی۔ اس لئے کسی شخص کا جلدی گذر جانا غم کا باعث نہیں ہونا چاہئے۔

آخر میں غم اعلیٰ زندگی کی طرف ایک بُلاہٹ ہے۔ غم اور مصیبت کے ایام میں اور اس کے بعد نئے فرایض اور خود انکاری کے لئے موقع نظر آتے ہیں۔ شاید بظاہر کوئی تبدیلی معلوم نہیں ہوتی مگر جنہوں نے اپنی روح میں خدا کی آواز کو سُنا ہے ان کی زندگی ضرور بدل جائے گی۔ دُعا۔ دھیان۔ گیان۔ رفاقت کی عادت اور دُنیا سے زیادہ علیحدگی حاصل ہو جائے گی اور ان ایام کی یاد نہایت شیریں ہوگی جب غم نے ہمکو خدا کی حضوری کے جلوہ سے منور کر دیا۔

حیاتِ داؤد

۹

تیروں کا پیغام

یونتن کی بات اسکا باپ اکثر مانتا تھا۔ بڑا یا چھوٹا کوئی ایسا کام نہ تھا کہ جسکو ساؤل اس پر ظاہر نہ کرتا تھا۔ اپنے عزیز اور باپ دونوں کی خاطر اُس نے کوشش کی کہ اس چرواہے۔ مغنی اور سپاہی اور اپنے باپ اور بادشاہ کے درمیان صلح کرادے۔ غالباً یونتن داؤد سے بہت بڑا تھا۔ لیکن اسکی محبت پاک اور شریف تھی۔ ایک سے زیادہ مرتبہ اُس نے داؤد کا ذکر خیر اپنے باپ سے کیا اور اس سے وعدہ بھی لے لیا کہ داؤد مارا نہ جائیگا۔ جب داؤد نیوت سے ساؤل کو نیوت کرتا چھوڑکر بجلدی تمام واپس آیا اور یونتن سے اپنا حال دل دردو بیان کیا کہ میں نے ایسی کونسی خطا کی ہے کہ جہاں پناہ میری جان کے خواہاں ہیں اور کہ مجھ میں اور موت میں فقط ایک قدم کا فاصلہ ہے تو یونتن نے اُسکو یقین دلایا کہ جو کچھ تیرا جی چاہے میں تیرے لئے وُہی کروں گا۔

نئے چاند سے پہلی رات کا ذکر ہے کہ ساؤل نے اپنے امیروں وزیروں کی دعوت کی اور ان دوستوں نے باہم مشورہ کیا کہ ساؤل کے دلی خیالات دریافت کرنے کا یہ اچھا موقعہ ہے داؤد نے یہ رائے پیش کی کہ میں کھانے پر حاضر نہ ہوؤں اور اپنے شہر بیت لحم کو چلا جاؤں۔ تیسرے دن تک میں باآسانی واپس آسکونگا۔ اس دوران میں یونتن اپنے باپ کے طور و طریق اور لب و لہجہ سے اس امر کی دریافت کرے گا کہ داؤد کی نسبت اس کا خیال کیا ہے۔ عام طور پر یہ مشورہ تو کھل ہی میں ہُوا۔ لیکن ایک نے دوسرے سے ایسی دوستی کی باتیں کی تھیں۔ ایسے ایسے محبت آمیز الفاظ سے کام لیا تھا۔ ایسا رقت انگیز عہد آپس میں باندھا تھا۔ باتیں ایسے رازدار طریق سے کرتی تھیں کہ مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ کسی علیحدگی میں یہ ملاقات ہو جہاں نہ کوئی اُن کو دیکھے نہ اُن کی آہ و گریہ کا شور کسی کے کان میں پڑے۔ بیشک ایک اور اس موقعہ کا شاہد تھا کیونکہ یونتن بڑا دیندار شخص تھا۔ وہ اسرائیل کے خدا کی حضوری میں رہا کرتا تھا اور جب اُس نے اپنے دل کا حال اپنے دوست سے کہا یا ابد اسکی منت کی کہ میرے ساتھ کرم کیجیو اور جب کہ خداوند تیرے سارے دشمنوں کو زمین پر سے نیست و نابود کرے تو ہمیشہ میرے اہل بیت پر بھی اپنا کرم موقوف نہ کیجیو تو اُس نے خدا کو شاہد کیا۔

مسیحی

بیشک جلبوعہ کا خون رُلانے والا سماں یونتن کے دل پر پہلے ہی سے اپنا عکس ڈال رہا تھا۔ اور اس کے دل میں ابھی سے یہ بات کھٹک گئی کہ جب داؤد کو قوت و اختیار حاصل ہوگا تو تخت کے دعویداروں کے امکان تک مٹانے کے لئے شاہی نسل کو بالکل تباہ کر دیگا۔ اِسی فکر سے اُس نے داؤد سے دوبارہ قسم لی اور اپنی جدتِ طبع اور فراست سے ایک انوکھا طریق چُنا کہ جس سے تاربرقی کی طرح داؤد تک یہ راز پہنچ جائے کہ اُسکی سلامتی ہے یا یاس اُس کا نصیب ہے۔

اِس واقعہ کے پڑھتے ہی تار گھر کے چپڑاسی یا ڈاکخانہ کے چٹھی رساں یاد آتے ہیں جو لوگوں کو خطوط پہنچاتے ہیں بلا جانے کہ وہ مکتوب الیہ کی خوشی کا موجب ہیں یا رنج کا۔ یہ تیر اب بھی اِدھر اُدھر اُڑ رہے ہیں اور چٹھی رساں لڑکے اب بھی اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اکثر وہ نشان تک نہیں پہنچتے اور پھر نشان سے آگے جا پڑتے ہیں وہ نشان سے پرے عموماً کیوں جاتے ہیں؟ اے قوی بازو توان کو ایسی تیزی سے کیوں پھینکتا ہے؟ اے ہوا تو اُنکو ایسی سُبکی سے کیوں لے جاتی ہے؟ کمان کے کھینچتے ہی کیئوں کے دل ٹوٹتے ہیں۔ چند قدموں کی کمی بیشی کے باعث کئی زندگیوں کی حالت بالکل بدل جاتی ہے۔

اوّل۔ تیروں کا یہ مفہوم تھا کہ دراصل میں ایک شریف اور مضبوط دوست کھڑا ہے۔ یونتن واقعی ایک دُرِ نایاب تھا۔ تیر و کمان کے استعمال میں اسکا کوئی ثانی نہ تھا۔ میدان کارزار میں اِس سا دلیر ڈھونڈے سے نہ ملے گا۔ عقاب سے زیادہ تیز رفتار۔ شیر سے بڑھ کر مضبوط۔ لیکن عورتوں سا حلیم مزاج۔ صادق دوست۔ اَوروں کا دل ایسے موہ لیتا تھا کہ اسکے پہلو میں سلاح بردار کو بھی اکیلے لشکر پر حملہ کرنے کی جرأت پیدا ہو جاتی تھی۔ اپنے اصُولوں کا ایسا پکا کہ باپ کے اَدبار میں بھی اس نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا گو اس سے نفرت اور بےعزتی اُٹھا چکا تھا۔

دوستی کے مقدس نام میں اس نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا وہ کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا۔ اور اپنے غیرحاضر دوست کی حامی بھرنے میں اس نے جو کچھ طعن وتشنیع سُنی غالباً وہ اُسکے لئے تیار تھا۔ پہلے دن ساؤل نے داؤد کی غیرحاضری کو ملحوظِ خاطر تو کیا لیکن کچھ نہ کہا۔ دوسرے دن جب اُس نے پھر داؤد کی جگہ خالی دیکھی تو اُس نے یونتن کو خفگی کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا کہ "کیا سبب ہے کہ یسّی کا بیٹا کھانے کو نہ کل آیا ہے نہ آج"۔ یونتن نے اسکا پہلے سے گھڑا گھڑایا جواب دیا کہ داؤد بیت لحم کو گیا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو دیکھے اور مجھ سے رُخصت لے گیا ہے۔ رخصت کے نام سے تو ساؤل نہایت آشفتہ خاطر ہُوا اور اسکے غصّہ کی کوئی حد نہ تھی۔ اس نے یونتن کی ماں ہاں اپنی بیوی کی طرف بھی ایک نہایت بُرا اشارہ کیا اور اس بیٹے کی گرفتاری کا موجب ٹھہرایا۔ اور اُسکو ایسے ایسے طعن دیئے کہ جن سے یونتن کے دل میں بھی اندیشہ پیدا کرنا مقصود تھا جو خود ساؤل کے دل میں تھا اور نیز یہ بھی حکم دیا

کہ داؤد کو مجھ پاس پکڑ لا کہ وہ واجب القتل ہے۔ اِن سب باتوں سے ساؤل نے اپنے دلی ارادہ صاف صاف ظاہر کیا کہ داؤد کا نام ونشان تک دُنیا میں نہ رہے۔ یونتن نے ناراض بادشاہ کو سمجھانے کی عبث کوشش کی لیکن شاہ نے غصّہ سے اندھے ہو کر اُسکی طرف بھالا پھینکا۔ اِس سے یونتن کو یقین ہوگیا کہ اسکے باپ نے داؤد کے قتل کا پورا ارادہ کیا ہے اور بڑے قہر کے ساتھ دسترخوان پر سے اُٹھ گیا اور اپنے دوست کے لئے نہایت دلگیر ہُوا کیونکہ باپ نے اُسے رُسوا کیا۔

اپنے دوست کا اعتراف کرنے سے کبھی شرمندہ نہ ہوؤ۔ اُس شخص کو اپنا دوست نہ سمجھو جسکے نام لینے سے تمکو شرم آتی ہو اور جس کا ساتھ دینے سے تم عار کھاتے ہو۔ لیکن اگر کسی رُوح کو تم نے اس مبارک تعلق میں لے لیا ہے اور اس سے ایسے محبت رکھتے ہو جیسے یونتن داؤد سے رکھتا تھا تو بلا لحاظ اپنے آرام وتعلّقات کے اسکی حمایت کرو۔ "گمنام اور مفلس اور شاہی دربار سے خارج ہونا" یہی ایک بڑی وجہ ہے کہ کیوں تم کو اسکی طرفداری کرنی چاہیئے۔ اگر کسی رنگین اور عشرت پسند مجلس میں جہاں فیشن اور غرور مسلّط ہو کوئی شخص کسی ایسے سچے کام کی اعانت کرے جسے عام لوگ پسند نہیں کرتے یا کسی مقدس مردِ خدا کی پاسداری کرے جسکو لوگ حقیر سمجھتے ہیں تو یہ بڑی بہادری اور شرافت کا کام ہے۔ قلعہ کا فتح کرلینا آسان ہے بہ نسبت استہزا اور نفرت کی برداشت کرنے کے۔

کسی قسم کی مجلس میں خداوند یسُوع کا اقرار کرنا اور بھی شریف کام ہے۔ داؤد کی طرح اب خداوند گمنام اور بدنام ہے۔ اسکا نام عزیز عام نہیں۔ اُس کی انجیل ٹھیک طور پر بیان نہیں کی جاتی۔ اس کے پیروؤں کا استہزا کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں رسمی مذہب کے علاوہ کسی اور صداقت کی اعانت کرنا بڑا خطرناک ہے۔ اِسی لئے ہم نہ ڈریں بلکہ جیسا ہمیں یقین ہے کہ وہ باپ اور فرشتوں کے آگے ہمارے نام کا اقرار کرے گا ہم بھی اس سے شرم نہ کھائیں۔ یونتن کے تیوروں سے ظاہر تھا کہ داؤد کی تن تنہا اعانت کرنے سے وہ تامّل نہ کرتا تھا ہم اس کو یقین دلائیں کہ اُس کے پیارے نام کی خاطر ہم استہزا اور گمنامی بلکہ موت بھی گوارا کرینگے۔

صداقت کے حق میں گواہی دینے سے کبھی شرمندہ نہ ہوؤ۔ دُنیوی مصلحت اکثر ہم کو شش کرتی ہے کہ کھانا ختم ہو لینے دو۔ اپنے آپ کو باعثِ تمسخر نہ بناؤ۔ خلوت میں تنبیہ دینے کا شاید موقعہ ملے۔ چُپکے رہو۔ دیکھو ابھی کیا بنتا ہے۔" یونتن نے شریف طریق اختیار کیا۔ خوانِ نعمت اُسکے آگے دھرا تھا لیکن اس نے اس کو چھُوا تک نہیں۔ پیالہ اُس کے ہاتھوں میں تھا لیکن اس نے اسکو لبوں سے نہ لگایا۔ باپ اُسکے سامنے بیٹھا تھا اور اُسکی عزت وادب کا مستحق تھا ہاں اسکا بادشاہ وہاں تھا کہ جسکو اُسکی زندگی اور موت کا اختیار تھا لیکن وہ خاموش رہ نہ سکا۔ اگر محض اس کی اپنی پوزیشن یا عزت۔ اخلاقِ حمیدہ یا بوڑھوں کے ادب کرنیکا سوال ہوتا تو وہ چُپکا رہتا۔ لیکن سوال صداقت۔ راست بازی اور عدالت کا تھا اور اگر وہ چُپکا رہتا

تو دیوار مل کے بیتھرا سکے خلاف چلا اُٹھتے اور وہ اپنی ہی تمیز (کانشنس) کی عزت کھو بیٹھتا۔
لیکن یہاں یہ سوال اُٹھ سکتا ہے کہ اپنے سے بوڑھوں اور زیادہ لایق اصحاب کے سامنے ترائے زنی کرنا کیا نامناسب نہیں؟ لیکن محض راؤں کے جو ہم اَوروں سے لیں اور صداقت۔ اخلاق اور حق کے اصولوں کے مابین جن کی شہادت ہماری اپنی تمیز دے۔ بڑا فرق ہے۔ جب تم ان کی حمایت میں کھڑے ہو تو تم اپنی خوبی پر فخر نہیں کرتے نہ اس سے فایدہ اٹھانا چاہتے ہو بلکہ صرف علم کو پاؤں میں پایمال ہونے سے بچاتے ہو۔ چاہئے کہ تیر اِس امر کی شہادت دیں کہ ہر ایک عمدہ اور اچھی بات کی تم کیسے پیروی کرتے ہو۔

دوم۔ تیروں نے ایک بڑے خطرہ کی اطلاع دی۔ یونتن جانتا تھا کہ میرے باپ نے داؤد کے قتل کا پورا ارادہ کیا ہے" "جب لڑکا دوڑا تو یونتن نے ایسا تیر لگایا کہ اس چھوکرے سے بہت دُور جا گرا .... اور جب وہ چھوکرا روانہ ہوا تب داؤد دکھن کی طرف سے نکلا اور زمین پر اُوندھا ہو کے گرا اور تین سجدے کئے اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو چوما اور باہم روئے پر داؤد بہت رویا" یونتن کو تشریح کرنا ضرور نہ تھا۔ داؤد جانتا تھا کہ خداوند نے مجھے روانہ کیا ہے۔ (آیت ۲۲)

"کیا تیر تجھ سے اُس طرف نہیں" تم نے اُمید کے خلاف اُمید رکھی۔ تم نے اپنی پوزیشن قایم رکھنے کی کوشش کی۔ تم نے اپنا فرض پورا کیا۔ اپنے کام کی حمایت میں زور لگایا۔ دوستوں سے مدد طلب کی۔ دُعا اور گریہ زاری کی۔ لیکن سب بے فایدہ۔ تیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جا ہو جلا وطنی میں دربدر پھرو۔ صبح روشن تو تمہارے پیچھے رہی۔ تمہارے سامنے سیاہ بادل چھائے ہیں۔ دوست بیوی۔ خاندان۔ عزت و ہر دلعزیزی تو سب تمہارے پیچھے رہا۔ تمہارے سامنے جلا وطنی کی زندگی ہے۔ دل تو اپنے عزیزوں کی طرف جاتا ہے لیکن اِن تیروں کے پیغام سے مُنہ موڑنا مشکل ہے۔ سوائے اِسکے کوئی اَور راہ نہیں کہ اپنے عزیزوں سے جُدا ہو۔ جان کو ہتھیلی پر رکھو اور نامعلوم راہ پر چل نکلو۔ لیکن اپنی تسلّی کے لئے اِن خیالات پر فکر کرو۔

(۱) بعض ایسی چیزیں ہیں جو ہم کبھی پیچھے چھوڑ نہیں جاتے۔ اپنے دوست کی محبت ایک ایسی جائداد تھی جو اسکے قبضہ سے منتقل ہو نہ سکتی تھی۔ لوگ اس پر دلدادہ تھے۔ خدا کی مہربانیوں اور بخششوں کی یاد ہر دم اسکے دل میں تازہ تھی۔ اسکی بچانیوالی حفاظت کا تجربہ اسکو حاصل تھا۔ اسکی الٰہی حضوری ہمیشہ اسکے ساتھ تھی اور زبور جو اس نے اپنے اور دنیا کے لئے تصنیف کئے تھے اس کے تصرف میں تھے۔ ہماری زندگی کے بعض رگ و ریشے کبھی نکالے نہیں جا سکتے۔

(۲) الٰہی ارادہ ہمارے طریق کی ہدایت کرتا ہے۔ چھوکرے کے نزدیک شہزادہ تیروں سے یونہی کھیل رہا تھا۔ اسکو بس یہی معلوم تھا۔ اپنے آقا کے ارادہ سے اسکو مطلق آگاہی

دیتی ہوا اسکے خیال میں بھی نہ تھا کہ ہر ایک تیر خدا کے ترکش سے نکال کر یونتن پھینک رہا ہے۔ مرد نیک کی زندگی میں کوئی امر اتفاقیہ واقع نہیں ہوتا۔ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی دستِ قدرت کو دیکھنا چاہیئے۔ ہم ایمان رکھیں کہ تیر کی تیزی میں بھی ہمارے آسمانی باپ کا پُر محبت ارادہ ہے۔ وہ ہمیں بھیج رہا ہے۔

(۳) زیادہ خوشی حاصل کرنے کے لئے ہمارا چلا جانا ہی ضرور ہے۔ اگر داؤد محل میں ٹھہرتا تو اسکی جان بھی سلامت نہ رہتی اور جس برکت اور جلال سے اسکا پیالہ بعد میں چھلکا اس سے وہ محروم رہتا۔ تخت پانے کا طریق یہی تھا۔ سموئیل نے مدت ہوئی جو اسکے کانوں میں خوشخبری سنائی تھی وہ یوں ہی پوری ہو سکتی تھی۔ یہ پہاڑی درہ سرسبز وادی میں پہنچنے کی راہ تھی۔ اسکا آشیانہ توڑا گیا تاکہ وہ پرواز کی قوت حاصل کرے۔ اسکی زندگی کی قیمتی شراب ایک برتن سے دوسرے برتن میں انڈیلی گئی تاکہ اسکی تازگی باقی رہے۔

تیر کی ذرا پیروی کرو۔ دوستوں کے اس حلقہ سے پرے جہاں تم اتنی دیر پناہ گزین رہے جو جنوبی زمین سے پرے گرجا منجمد ہیں۔ معلوم سے پرے نامعلوم میں۔ ابراہیم کی طرح اس ملک میں جاؤ جو خدا انہیں دکھائے۔ کولمبس کی طرح جس طرف سورج غروب ہوتا ہے اپنا جہاز لے جاؤ اور داؤد کی اس تسلی کو اپنا بنا لو کہ

"تو میری جان کو قبر میں رہنے نہ دے گا اور تو اپنے قدوس کو سڑنے نہ دے گا۔
تو مجھ کو زندگانی کی راہ دکھائے گا"۔

سوم۔ تیر اس سے یہ مراد تھی کہ انسانی محبت میں جدائی ضرور ہے۔ مدت تک پھر ان شریف دوستوں کی آپس میں ملاقات نہ ہوئی۔ یونتن کی موت سے پیشتر ان کی آپس میں تھوڑی دیر کے لئے ملاقات ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لابد ہے۔ یونتن کے دل میں خصوصاً یہ خیال جڑ پکڑے تھا کہ پھر ہماری ملاقات نہ ہوگی۔ اسی لئے اس نے داؤد سے یہ رقت انگیز عہد لیا کہ میری نسل سے وفادار رہنا اور جب تمہارے سب دشمن مر مٹیں تو ہماری محبت کو یاد رکھنا۔ آخر کو جب یونتن میں اس جدائی کے درد کی اور تاب نہ رہی تو اس نے داؤد سے کہا کہ "سلامت چلا جا" کیونکہ ہم نے آپس میں عہد کیا ہے کہ میرے تیرے درمیان اور میری تیری نسل کے درمیان ابد تک خدا ہو"۔ پس داؤد اٹھ کے روانہ ہوا۔ اب وہ جلا وطن اور بے کس بدر تھا اور ہر دم اسکو خطرہ تھا کہ گرفتار ہو کر قتل کیا جاؤں۔ ادھر یونتن بیچارا متفکر و مغموم شاہی محل کو واپس آیا کہ اپنی باقی عمر ایک ایسے شخص کے ساتھ بسر کرے جسکو اسکے شریف خیالات سے بالکل ہمدردی نہ تھی اور جو اس کی بلند خیالی کی ہنسی کرتا رہتا تھا۔

یہی وہ وقت ہے جو دلوں پر زخم چھوڑ جاتا اور بالوں کو سفید کر دیتا ہے۔ دنیا اپنے دھندوں میں ایسی لگی ہے کہ افسوسناک واقعات کی جو اسکے چاروں طرف واقع ہو رہے ہیں اسکو

بالکل آگاہی نہیں۔ نوجوان دل اتنی مصیبتیں اٹھاتے ہیں کہ ان کو پھر مصیبت مصیبت معلوم نہیں دیتی۔ بوڑھے اپنی گذشتہ مصیبتیں بھول نہیں سکتے اور کسی ایسے واقعہ کے مدت بعد اسکی یاد سے آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ لیکن ان تاریک ساعتوں میں مسیح ہمارے پاس یوں آتا ہے جیسے وہ اپنے شاگردوں پاس آیا جب اُن کو اپنے آقا کے وداع ہونے کا حال معلوم ہُوا۔ "تمہارا دل نہ گھبرائے . . . مجھ پر ایمان رکھو"۔ ایسی تسلی کہیں اور ملتی نہیں۔ یہ ایمان رکھنا کہ ہر ایک امر کی وہ تحریک دلاتا ہے۔ کہ اسکے ہر ایک خیال اور فعل کی تحریک اس کی محبت کرتی ہے۔ اسکی گود میں بیٹھ کر اس پر کلیۃً طور پر تکیہ کرنا جدائی کی خندق پر کسی اَور طریق سے پُل باندھ نہیں سکتا۔

یسوع کے خاص دوست

۸

احسان فراموش دوست

اس دُنیا میں محبت کا اکثر عوض نہیں دیا جاتا۔ بہتوں نے پاک اور خالص محبت سے پیار کیا مگر اُن کو اس محبت کا کوئی عوضانہ نہیں دیا گیا۔ ماں باپ کی محبت کا اکثر کچھ بھی بدلہ نہیں دیا جاتا۔ والدین اپنے بچوں کے لئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب وہ بیکس اور معصوم ہی ہوتے ہیں تو وہ ان پر اپنی محبت ظاہر کرنا شروع کرتے ہیں۔ وہ ان کیلئے محنت کرتے۔ ان کیلئے دُکھ اُٹھاتے۔ اُن کو آرام دینے کیلئے اپنے آرام کو ترک کر دیتے۔ اُنکے بوجھ اُٹھاتے۔ جب وہ بیمار ہو جاتے ہیں تو اُن کی بیمارداری اور خبرگیری کرتے۔ اُنکے لئے دُعا مانگتے اور ان کو تعلیم دیتے ہیں۔ دُنیا کی تمام محبتوں میں سے والدین کی محبت بہت کچھ خدا کی محبت سے مشابہ ہے۔ اِنسانی خوبیوں میں سے یہی ایک خوبی ہے جو آدم کے گناہ میں مبتلا ہونے کے وقت سے اب تک بغیر کسی قسم کے نقص کے ویسی ہی چلی آتی ہے۔ دُنیا میں بہت تھوڑی چیزیں بچوں کے والدین کی فرماں برداری کرنے سے جو بعض بعض گھرانوں میں دکھلائی دیتی ہے۔ زیادہ خوبصورت ہوں گی لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اس اِلٰہی محبت کا کچھ تبادلہ نہیں دیا جاتا۔ اکثر اس محبت کا جو بنی آدم کی بھلائی کیلئے ظاہر کی جاتی ہے بہت کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔ بہت سے اپنی تمام زندگی اَوروں کی بھلائی میں بسر کرتے ہیں مگر کوئی صلہ نہیں پاتے۔ بہتوں نے اپنے ملک کی بےغرض اور وفاداری سے خدمت

کی ہے مگر کچھ صلہ نہیں پایا بلکہ بعض صورتوں میں دکھ میں چھوڑ دیئے گئے اور مفلسی اور فراموشی کی حالت میں مر گئے۔ اکثر قید خانہ میں ڈالے گئے یا قتل کئے گئے یا اس ملک سے جلاوطن کئے گئے کہ جو اپنے جلال اور بزرگی کے لئے انکی حب الوطنی اور وفادار خدمت کا ممنون تھا۔ بہتوں کے دل ناشکرگزاری کے باعث ٹوٹ جاتے ہیں۔

یسوع دنیا کا سب سے بڑا مربی تھا۔ کسی نے کبھی اس کی مانند نہ تو قوم کو پیار کیا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ وہ الٰہی ایلچی تھا جو دنیا کو بچانے کے لئے آیا۔ اسکی تمام زندگی محبت کا مکاشفہ تھی۔ وہ محبت جو یسوع مسیح میں ظاہر ہوئی وہ محض انسانی محبت نہ تھی بلکہ خدا کی محبت تھی جسکی گہرائی۔ مضبوطی اور ملایمی لا انتہا ہے۔ تو بھی اسکی اس عجیب و غریب محبت کا عوضانہ ناشکرگزاری حاصل ہوا۔ "وہ دنیا میں تھا اور دنیا اس سے بنائی گئی اور دنیا نے اسکو نہ جانا"۔ صرف چند شخصوں نے اسے پہچانا اور اس کی محبت کو قبول کیا لیکن بہتوں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ اس میں خوبصورتی نہ دیکھی اور اسکی برکتوں کو رد کیا۔ اس نے سب کی برداشت کی اور سب کی بھلائی کی اور اپنی محبت کو ایسی منتوں اور سماجتوں سے کہ جنکی طرف کچھ توجہ نہ کی گئی ضایع کیا۔ یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے ایک روز اسکو مصلوب کیا بدیں خیال کہ اس طرح سے ہم اسکے تمام دل کے محبت بھرے جوش کو بجھا دینگے۔

یسوع کی پاک دوستی کی نسبت احسان فراموشی کے اظہار کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ان میں سے پہلی مثال وہ سلوک ہے جو ناصرت میں اسکے ساتھ کیا گیا جہاں اس نے پرورش پائی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے تیس برس تک اس کی زندگی کو جو اس نے اس گاؤں میں بسر کی تھی دیکھا تھا۔ وہ اسکے بچپن کی حالت سے واقف تھے جبکہ وہ ان کی گلیوں میں کھیلا کرتا تھا۔ جب وہ طاقتور جوان ہو کر وہاں رہتا تھا تو وہ اسے روز بروز اپنے بیچ میں بڑھئی کا حقیر پیشہ کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔

یسوع کی بے گناہ زندگی کا جو ان تمام سالوں میں بسر کی گئی خیال کرنا دلچسپ ہوگا۔ اسکے سر پر کسی قسم کا حلقہ نہ تھا مگر اسکا انسانی کیریکٹر روشن تھا۔ اسکے ہاتھوں سے سوائے فرایض۔ وفادار خدمت یا مہربانی کے معجزوں کے کوئی اور معجزہ نہیں کیا گیا تو بھی ہم شک نہیں کر سکتے کہ اسکی وہ زندگی جو ناصرت میں بسر ہوئی غیر معمولی فضل اور خوبصورتی کی زندگی تھی جس میں کامل بے غرضی اور اعلیٰ مددگاری کے نشان ظاہر ہوتے تھے۔

آخرکار وہ ناصرت سے چلا گیا تاکہ بطور مسیح کے اپنی پبلک خدمت کو شروع کرے۔ اس وقت سے لوگوں نے اسے پھر نہ دیکھا۔ بڑھئی کی دوکان بند کی گئی۔ ہتھیار بے استعمال پڑے رہے اور وہ صورت جسکو وہ روز روز دیکھا کرتے تھے اب ان کی گلیوں میں دکھائی نہ دیتی تھی۔ ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ کے بعد ایک دن وہ اپنے قدیم پڑوسیوں سے ملاقات کرنے کے لئے واپس آیا۔ اور کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہرا اور سبت کے روز اپنے گاؤں کے عبادتخانہ

میں گیا جہاں وہ ان دنوں جایا کرتا تھا جبکہ وہ ناصرت میں رہتا تھا۔ جب اسکو موقعہ دیا گیا تو تو اس نے یسعیاہ نبی کی کتاب کھول کر وہ مقام پڑھا جہاں مسیح کے مسح ہونے اور اسکی خدمت کا مختصر مگر عجیب بیان پایا جاتا ہے۔ جب وہ پڑھ چکا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ نبوت اب تمہاری شنید میں پوری ہو چکی ہے یعنی کہ میں وہ مسیح ہوں جسکے مسح ہونے اور کام کی نسبت نبی نے پیشین گوئی کی ہے۔ کچھ دیر تک لوگوں نے اسکے پُرفضل الفاظ کو بڑی خاموشی اور توجہ سے سُنا مگر بعد ازاں یہ دیکھ کر کہ وہ جس کی نسبت ہم جانتے ہیں کہ ہمارے گاؤں میں بڑھئی کا کام کرتا تھا اب ایسا حیران کرنیوالا دعویٰ کرتا ہے غصہ سے بھر کر اُٹھے اور اسکو عبادت خانہ سے باہر نکال دیا اور اگر وہ ان کے بیچ سے نہ نکل جاتا تو وہ اسکو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیتے۔

وہ محبت سے اعلیٰ برکتیں لے کر اُن کے پاس آیا تھا مگر انہوں نے بمعہ برکتوں کے اُسے نکال دیا۔ وہ ان کے بیماروں کو چنگا کرنے۔ ان کے اندھوں کو بینائی دینے اور لنگڑوں کو ٹانگیں دینے اور کوڑھیوں کو پاک صاف کرنے اور غمزدوں کو تسلی دینے کے لئے آیا تھا لیکن اسکو وہاں سے رحم کے کاموں کو کئے بغیر جانا پڑا۔ اور مصیبت زدہ برابر دُکھ اٹھاتے رہے اور اسکی اس دوستی کا صلہ جو وہ اپنے قدیم پڑوسیوں سے رکھتا تھا ناشکر گذاری ملا۔

یسوع کی زندگی میں احسان فراموش دوست کی ایک اور مثال وہ دولتمند جوان ہے جو اسکے پاس آیا۔ اِس جوان کے کیریکٹر میں کئی عمدہ خوبیاں تھیں اور وہ سچائی کا سرگرم متلاشی بھی تھا۔ ہمیں صاف طور سے بتلایا جاتا ہے کہ یسوع اسکو پیار کرتا تھا۔ جیسا کہ مرتھا۔ مریم اور لعزر کے ساتھ اسکی محبت کا ذکر ہے ویسا ہی اس شخص کے ساتھ اسکی محبت کا بیان ہے۔ لیکن اس کی محبت کا کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا جوان آدمی مسیح کی طرف بہت کچھ راغب ہوا اور چاہا کہ اسکے ساتھ چلے مگر وہ شاگردی کی شرائط پوری نہیں کر سکا اس لئے واپس چلا گیا۔

یہ خیال کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اگر وہ مسیح کو چن لیتا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا تو اسکا کیا نتیجہ ہوتا۔ وہ ابتدائی کلیسیا میں اعلیٰ جگہ حاصل کرتا اور تمام آنے والی نسلوں میں اس کا نام یاد کیا جاتا مگر اس نے اپنے روپے کو مسیح سے زیادہ پیار کیا اور صلیب کی راہ کو جو اسکے لئے مقرر کی گئی تھی رد کیا۔ اس نے یسوع کی دوستی سے انکار کیا اور اس طرح سے اسکو جو زندگی میں بہتر تھا پھینک دیا۔ محبت کو اپنے دل سے باہر نکالنے میں اسنے اپنے تئیں محبت سے باہر نکال دیا۔

یسوع کی زندگی میں احسان فراموش دوستوں کی تمام مثالوں میں سے یہوداہ کا حال سب سے افسوسناک ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس طرح مسیح کا شاگرد بن گیا اور کب وہ پہلے پہل یسوع کے پاس آیا یا کون اسکو لے آیا لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ رسول چنے جانے سے کچھ عرصہ پیشتر مسیح کا پیرو ہوا ہوگا۔ یسوع نے ان کے لئے جنہوں نے اسکے ساتھ رہنے کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا تھا فکر کیا۔ رات بھر دُعا مانگنے کے بعد ان میں سے بارہوں کو چن لیا تاکہ اسکے خاص ایلچی اور گواہ ہوں۔ اس نے ان سب کو پیار کیا اور اپنے گہرے اور نزدیکی

رشتہ میں شامل کیا۔

خیال کرو کہ ان کے لئے یسوع کے ساتھ رہنا کیسا اعلیٰ حق تھا۔ انہوں نے اسکی تمام باتیں سنیں۔ اسکی زندگی کے ہر ایک پہلو کو دیکھا۔ بعض دوستوں کی نسبت بہتر ہے کہ ہم انہیں بہت اچھی طرح نہ جانیں۔ وہ اپنی پرائیویٹ زندگی میں ایسے نیک نہیں جیسا کہ اپنی پبلک زندگی میں۔ ان کی زندگی ایسی ہے کہ زیادہ نزدیک ہو کر دیکھنے سے بہت عمدہ معلوم نہیں ہوتی ہم ان میں ایسی باتیں۔ عادتیں۔ طریقے۔ مزاج اور غرضیں دیکھتے ہیں کہ جو اُن کی اس چمک دمک کو جو ہم دور فاصلے سے ان میں دیکھتے ہیں مات کر دیتی ہیں۔ ان کے ساتھ گہری رفاقت دوستی کو کمزور کر دیتی ہے لیکن برعکس اس کے ایسے بھی ہیں کہ جس قدر ہم ان کی پرائیویٹ زندگی سے واقف ہوتے جاتے ہیں اسی قدر زیادہ انہیں پیار کرتے ہیں۔ اُن کے ساتھ گہری رفاقت۔ ان کے کیریکٹر کی خوبی۔ روح کی عمدگی۔ دل کی کشادگی، اور مزاج کی شیرینی یعنی انکی عادتیں۔ مزاج اور اعلیٰ خود انکاریاں جن سے زندگی کی خوبصورتی بڑھتی اور ہمارے دوست کی شخصیت دلکش معلوم ہوتی ہے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ہمکو یقین ہے کہ یسوع کے ساتھ گہری رفاقت ہی اسکے دوستوں کیلئے دلکش اور خوبصورت بنا دیتی ہے۔ یہوداہ اس پرفضل شخصیت کے سایہ اور اس عجیب محبت کے اثر میں مہینوں تک رہتا رہا۔ اُسنے یسوع کی خالص اور پاک زندگی کے مختلف پہلو دیکھے۔ اسکی باتیں سنیں۔ اسکے کاموں کو دیکھا۔ بلاشبہ خداوند کے ساتھ اپنے شخصی رشتہ میں اس نے شخصی دوستی اور محبت کے بہت سے نشانات محسوس کئے۔

اناجیل کو بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ کو اکثر اس گناہ سے جس میں گر کر وہ آخر کار ہلاک ہوگیا بار بار خبردار کیا گیا تھا۔ بار بار یسوع لالچ کے خطرے کی نسبت گفتگو کرتا رہا۔ پہاڑی وعظ میں اس نے اپنے شاگردوں کو تاکید کی کہ اپنا خزانہ زمین پر جمع نہ کریں بلکہ آسمان میں اور کہا کہ کوئی شخص خدا اور دولت دونو کی خدمت نہیں کر سکتا۔ اور یہوداہ ایسا ہی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک سے زیادہ تمثیلوں میں دولت کے خطرے پر زور دیا گیا تھا کیا ہم شک کر سکتے ہیں کہ ایک ہی مضمون کی نسبت ان تمام نصیحتوں اور عبرتوں میں خداوند کے ذہن میں یہوداہ یاد رہتا تھا۔ وہ وفادار دوست کی طرح اسکو اس گناہ سے جو اس کی زندگی کو نقصان پہنچا رہا تھا بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

لیکن یہوداہ نے یسوع کی سچی اور گہری محبت کو رد کیا۔ اسکا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس عرصہ میں اسکے اندر روپیہ کا خوفناک لالچ بڑھتا رہا۔ پہلے اس نے اسکو چور بنایا۔ وہ روپیہ جو یسوع کے دوست اسکو دیتے تھے تاکہ وہ اپنی حاجتیں رفع کرے یا غریبوں کیلئے استعمال کرے آخر کار یہوداہ چوری سے اپنے لئے چرانے لگا۔ یہ پہلا قدم تھا۔ دوسرا قدم یہ تھا کہ اس نے اپنے خداوند کو تیس روپے کے لئے بیچ دیا۔ یہ اسکے لالچ کا جسکو وہ اپنے دل میں پالتا رہا چوری سے زیادہ خوفناک پھل تھا۔ چرانا بذاتہ برا ہے مگر یہوداہ کی طرح کلیسیا کے خزانہ کو چرا لینا بہت کمینہ قسم

کی چوری ہے۔ لیکن دوست کو پکڑوا کر روپیہ لے لینے سے بڑھ کر اور کیا کمینہ گناہ ہو سکتا ہے؟۔ اس دوست کو روپے کے لئے پکڑوا دینا جس کی ہمرازی اور اعتبار میں برسوں بسر کئے ہوں جس کے ساتھ رہ رہ کر رکھا ہو اور جس کی دوستی کی برکت مہینوں بلکہ برسوں سے آرام پایا ہو۔ کیا ایسے گناہ کی شرمناک سیاہ تصویر کو کھینچنے کے لئے کافی الفاظ مل سکتے ہیں؟

ان سب کے نام پر جو اس مبارک جمعہ کے روز جرم میں شریک ہوئے تواریخ کے صفحوں میں رسوائی کا خاص داغ لگا ہوا ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ گہری رسوائی کا داغ یہوداہ کے نام پر لگا ہے جس نے رذیل ہو کر چند روپیوں کے لئے اپنے عمدہ ترین دوست کو کمینہ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار کروا کر دغابازی کی۔

یسوع کی اس دوستی کا جو اس نے یہوداہ سے کی یہ انجام ہوا۔ یہ ان برسوں کی محبت کا پھل تھا کہ جن میں وہ صحبت تعلیم دیتا رہا۔ خیال کرو کہ یہوداہ کیا بن سکتا تھا۔ وہ رسول ہونے کے لئے چنا اور بلایا گیا تھا۔ یسوع کے دل میں کوئی وجہ نہ تھی کہ یہوداہ سچا اور رسولانہ بن سکتا تھا۔ خدا کا ارادہ کسی کی نسبت یہ نہیں ہے کہ وہ گناہ میں رہے۔ خدا کے مقاصد میں یہوداہ کی نسبت دغابازی اور رسوائی نہ تھی اگر یہوداہ کے لئے سچا اور نیک بننا ناممکن ہوتا تو یسوع اسکو بارہوں میں انتخاب نہ کرلیتا۔ یہوداہ گر گیا اس لئے کہ اس نے پورے طور سے اپنے تئیں خدا کے حوالہ نہ کیا تھا۔ اس نے خدا اور دولت دونوں کی خدمت کرنے کی کوشش کی لیکن دونو اس کے دل میں نہیں ٹھہر سکتی تھیں بجائے دولت کو باہر نکالنے کے دولت نے مسیح کو اس کے دل سے باہر نکال دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات انسانی دل میدان جنگ بن جاتا ہے گویا وہ میدان واٹرلو ہے جہاں قسمتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ تم کسکو چاہتے ہو؛ خدا یا دولت کو۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا ہر ایک روح کو جواب دینا چاہئے۔ تمہاری روح میں اس لڑائی کا کیا حال ہے؟ تمہارے میدان جنگ میں کون فتح مند ہے؟ مسیح یا دولت؟ مسیح یا عیش و عشرت؟ مسیح یا گناہ؟ مسیح یا خودی؟ یہوداہ نے لڑائی ہار دی اور شیطان نے فتح پائی۔ مقام برسلز میں ایک تصویر ہے جس میں یہوداہ خداوند کو پکڑوانے کے بعد رات کے وقت ادھر ادھر پھر رہا ہے۔ اتفاق سے وہ اس جگہ آ پہنچا ہے جہاں ایک کاریگر یسوع کے واسطے صلیب تیار کر رہا ہے۔ پاس ہی آگ جل رہی ہے جس کی روشنی ان شخصوں کے چہرے پر پڑ رہی ہے کہ جو اب سو رہے ہیں۔ یہوداہ کا چہرہ کسی قدر سایہ میں ہے مگر جو ہیں اس دغاباز کی آنکھیں صلیب اور ان اوزاروں پر پڑتی ہیں کہ جو صلیب کے بنانے میں استعمال کئے گئے ہیں جس پر اسکا دوست اسی کے پکڑوانے کے باعث کھینچا جائے گا تو اسکے چہرے پر غم اور کشمکش کے آثار دکھائی دیتے ہیں اگرچہ وہ گناہ آلودہ ضمیر کا دکھ اٹھا رہا ہے مگر اپنی تھیلی کو رات کے وقت بڑی مضبوطی سے پکڑ کر اٹھائے پھرتا ہے۔ اس تصویر سے یہوداہ کے گناہ کا پھل ظاہر ہوتا ہے۔ وہ تھیلی بھی جس میں تیس روپیہ

پڑے ہوئے بہت جلد مایوسی کے باعث پھینک دی جانے کو ہے۔
احسان فراموش دوستی۔ ایمان اس مبارک دوستی کو اپنے دل سے باہر رکھ کر یہوداہ نے ابدیت کو اپنے دل سے باہر رکھا۔

ان سب باتوں سے بڑی نصیحت یہ حاصل ہوتی ہے کہ یسوع مسیح کی دوستی کو رد کرنا کیسا خطرناک ہے۔ اس کی دوستی ہی نجات اور ہمیشہ کی زندگی کو حاصل کرنے کی اکیلی راہ ہے۔ وہ لوگوں کو بلاتا ہے کہ اُسکے پاس آکر اسکی پیروی کریں اور اسکے دوست بنیں۔ وہ صرف اسی طرح خدا کے پاس آسکتے ہیں اور اس کے گھر لے نہیں قبول کئے جاسکتے ہیں۔

جب ہم اس نتیجہ کا خیال کرتے ہیں کہ جو اس سچائی سے سیکھ سکتے ہیں تو بڑا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک روح کو خدا کی تمام محبت کے لئے اپنے دل کو بند کر دینے اور اس محبت کی لامحدود برکتوں کو رد کر دینے کی کیسی طاقت حاصل ہے۔ ممکن ہے کہ ہم زندگی بھر مسیح کے نزدیک رہیں۔ دیکھ [illegible] اسکا فضل ایک سمندر کی مانند ہمارے آس پاس پر رہے تو بھی ہمارے دل الٰہی محبت سے [illegible] برکت نہ پائیں۔ ہم خدا کی محبت کو ویسے ہی بے فائدہ بنا سکتے ہیں جیسے سورج کی کرنیں جہاں تک [illegible] سے ہمارا تعلق ہے بیابان کی ریت پر پڑ کر بے فائدہ ہو جاتی ہیں۔ وہ محبت [illegible] اور انہیں کیا جاتا اور جو ہمارے دلوں میں گھس کر انہیں گرم اور نرم نہیں کر [illegible] ہماری زندگی کو عمدہ۔ ملائم اور پربرکت نہیں بنا دیتی بے فائدہ ظاہر کی جاتی ہے۔ یہ [illegible] بے ایمانی کے سبب بے فائدہ بنائی جاتی ہے ہم اپنے لئے روح کی موت کو بھی بے فائدہ بنا دیتے ہیں یعنی جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس قیمتی زندگی کو ضایع ہوا ظاہر کرتے ہیں۔ [illegible] کی محبت کو اپنے دل میں آنے نہیں دیتے تو یسوع کا مرنا ہمارے لئے بیفائدہ ہے۔

[illegible] محبت کی احسان فراموشی دل کو کڑوا کر دیتی ہے۔ جب پاک دوستی کی بے قدری [illegible] اور اسکو رد کیا جاتا ہے اور جب کسی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میں نے بے فائدہ محبت [illegible] اور [illegible] انکاری کی جبکہ مجھے محبت کے پاک اور مفت اظہاروں کے بدلہ میں [illegible] اور [illegible] حاصل ہوئی تو ایسی صورت میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دل اپنی مٹھاس [illegible] اور سخت ہو جاتا اور بھلائی کرنے سے رک جاتا ہے۔ لیکن یسوع کے دل کی محبت اور دوستی کی احسان فراموشی سے ایسا اثر نہیں ہوا۔ بہت شخصوں کی زندگی میں جیسا [illegible] شخص ان کی مہربانی اور نیکی کے تمام کاموں کو روک دینے اور محبت کے چشموں [illegible] کرکے آنے والی [illegible] ان کی نیکی کی دولت سے محروم کر دینے کو کافی ہے لیکن باوجودیکہ [illegible] کی محبت رد کی گئی اور اس کا بدلہ بدی دیا گیا تو بھی اسکا دل ماں کی طرح مہربان اور محبت [illegible] لئے زور آور اور میٹھا بنا رہا۔

[illegible] زندگی بسر کرنے کے متعلق بھاری سوالوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم کس طرح زندگی کے سخت تجربوں میں بھی اپنے دل کو ہر گرم محبتی اور مدد کرنے والا رکھ سکیں۔ ہم وقتاً

فوقتاً اوروں سے دُکھ سہنے کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ خواہ ہم کیسی ہی راست بازی کی زندگی بسر کریں تو بھی اوروں کی بے انصافی کا دُکھ سہنا پڑے گا۔ کئی دفعہ جبکہ ہم نے اوروں کے ساتھ بھلائی کی ہے ہمیں اسکا صلہ ناشکر گذاری حاصل ہوا ہے۔ بہت سے اُن مہربانیوں کو جو اُن پر کی جاتی ہیں بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جنکو یاد نہیں رہتا کہ ان کی ضرورت اور دُکھ کے وقت اوروں نے ان کی مدد کی ہے اور وہ اوروں کی ضرورت کے وقت مدد نہ کرنے کے باعث اپنی دوستی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض وقت اعلیٰ درجہ کی مہربانی کے عوض سخت ظلم اُٹھانا پڑتا ہے۔

جب محبت کے سلوک کا صلہ ناشکر گذاری اور بُرائی حاصل ہوتا ہے تو دل کی محبت کے چشمہ کا کڑوا ہو جانا آسان ہے لیکن اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ ہم زندگی کے حقیقی مقصد کو جس سے ہماری بھلائی ہوتی اور جسکو ہر قسم کے ایسے تجربوں سے کہ جن میں ہو کر گذرنا پڑتا ہے نقصان نہیں پہنچتا کھو بیٹھتے ہیں۔ ان کی طرف سے جنکا ہم بھلا کرتے ہیں کسی قسم کی احسان فراموشی بے انصافی یا نالائقی ہماری سچی محبت کی مٹھاس کو کڑواہٹ سے تبدیل نہ کر سکے۔ تازہ پانی کے چشموں کی طرح جو سمندر کے کنارے کے نزدیک ہوتے ہیں جن کے اوپر اگرچہ کھارے پانی کی لہر آجاتی ہے مگر جب وہ لہر گذر جاتی ہے تو ویسے ہی میٹھے رہتے ہیں ہم بھی احسان فراموشی کے تمام تجربوں کے درمیان ہمیشہ میٹھے۔ اوروں کے لئے فکرمند۔ بے غرض اور فیاض رہیں۔

آدھی رات۔ کتاب مقدس میں آدھی رات خدا کی بڑی مداخلت اور مخلصی کا وقت ہے چنانچہ آدھی رات کے وقت بنی اسرائیل بڑے زبردست ہاتھ کے ساتھ مصر سے نکالے گئے۔ آدھی رات کے وقت خدا کے فرشتہ نے اسور کے لشکر کو مارا۔ آدھی رات کے وقت لوہے کا پھاٹک آپ سے آپ کھل گیا۔ آدھی رات کے وقت قیدی پولس اور سیلاس کے گیت سُن رہے تھے۔ نیم شب کے سماں زندگی کے خداوند نے اپنی چٹانی قبر میں بیدار ہو کر کہا کہ "میں اُٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤنگا" چنانچہ لکھا ہے کہ "میں آدھی رات کو اُٹھونگا کہ تیری صداقت کے انفصالوں کے سبب تیری شکرگذاریاں کروں"۔ جب وہ شکرگذاری ادا کر چکا تو اس نے لوہے کے بینڈے کاٹ دیئے اور موت کے دروازے توڑ ڈالے۔ (رابرٹ گل)

یسوع شاگردوں کے پاؤں دھوتا ہے۔ انجیل کے نئے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے کھانا کھاتے وقت اپنے شاگردوں کے پاؤں دھوئے۔ عموماً قاعدہ ہے کہ مسافروں یا مہمانوں کے پاؤں کھانے سے پہلے دھوئے جاتے ہیں۔ مگر خداوند نے عین کھانے کے درمیان اس خدمت کو ادا کیا۔ کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ کھانے سے پیشتر کسی کو اسکا خیال نہ آیا۔ تعجب نہیں کہ شاگرد اسی موقعہ پر تکرار کر رہے تھے کہ ہم میں سے کون سب سے بڑا ہے (دیکھو لوقا ۲۲: ۲۴)۔ پطرس دل میں کہتا ہوگا کہ کیا میں زمین پر بیٹھ کر یوحنا کے پاؤں دھوؤں۔ اور یوحنا سوچتا ہوگا کہ کیا میں یہوداہ اسکریوطی کا خادم بنوں۔ اور کام تو میں کر سکونگا مگر یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا۔ مسیح سب کچھ دیکھتا رہا اور آخر اپنے کپڑے اُتار کر اور رومال کمر میں باندھ کر اپنے نمونہ کے ذریعہ سے انکو شرمندہ کرتا ہے۔ تعجب نہیں کہ وہ ہر ایک کے پاؤں کی نسبت دل میں کچھ نہ کچھ سوچتا ہوگا۔ یہ پاؤں پہاڑوں کے اوپر خوشنما ہونگے اور یہ پاؤں مجھے پکڑوانے کو آگے بڑھیں گے۔ مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ آیندہ زمانہ میں جب جب رسولوں کے پاؤں دھوئے گئے انہوں نے اس شام کے واقعہ کو یاد کیا ہوگا۔

رُوحانی زندگی کے اِسرار

۱

رُوح القدس

رُوح القدس کا خاص وعدہ باپ نے ان کے ساتھ کیا ہے جنکو زندہ ایمان کے وسیلے اُسکے بیٹے کے ساتھ یگانگت حاصل ہے۔ ہمارے خداوند نے فرمایا کہ "باپ کے اُس وعدہ کے پُورا ہونے کے منتظر رہو جس کا ذکر تم مجھ سے سُن چکے ہو"۔ اور باپ کے دہنے ہاتھ پر سرفراز ہوتے ہی اُس نے رُوح القدس کا وعدہ پایا۔ اور اسکو کلیسیا پر نازل کیا۔ اور یہ وعدہ ابھی تک ان سے بھی ہے جنکو خُداوند ہمارا خدا اپنے پاس بُلائے گا" (اعمال ۲: ۳۹) اگر تم اُن بُلائے ہُوؤں میں سے ہو تو اپنے لئے اس انمول بخشش کا دعویٰ کرو۔ اور وعدہ کی رُوح القدس کا مُبارک تجربہ پاؤ۔

وہ ہمارے ورثہ کا بیعانہ اور مُہر ہے۔ جو جان اپنے آپ کو خدا کے سپُرد کر دے اُس پر (افسیوں ۱: ۱۳) مُبارک رُوح اُترتا ہے اور یسوع کی صُورت اور شبیہ اس پر نقش کر دیتا ہے۔ پگھلے ہوئے سونا اور چاندی ہی سے سکہ ضرب کیا جاتا ہے۔ نرم مٹی ہی ڈھانچے میں ڈھالی جاتی ہے۔ گرمی سے نرم کی ہوئی لاکھ ہی پر مُہر نقش ہوتی ہے۔ شکستہ اور تائب دل ہی پر آسمانی نقش منقش ہوتا اور قایم رہتا ہے۔ اگر تمہیں یہ حالت نصیب ہو تو رُوح القدس کا اثر اپنے دل پر ہونے دو۔ یسوع کی شبیہ وہ تم پر نقش کرے گا اور جلال سے جلال تک اسکی صورت میں بدلتا جائے گا۔

یہ کام خدا کے تصدیق کرنے کی مُہر ہے۔ اس سے وہ گویا صاف صاف کہتا ہے کہ یہ رُوح میری ہے۔ میرے اپنے تصرف کے لئے یہ بحال کی گئی ہے۔ اور جس دن میں اپنے موتی جمع کروں گا تو یہ میری ہوگی۔ جو چیز ہماری اپنی بلاشرکت غیرے ہو اور ہو بھی قیمتی اس پہ ہم اپنی مُہر لگاتے ہیں۔ پس یسوع کی شبیہ جو رُوح القدس کے وسیلہ ہم پہ نقش کی گئی اس امر کو نشان ہے کہ خدا ہم کو اپنا ٹھہراتا اور ہمکو اپنا خاص خزانہ سمجھتا ہے۔

یہ ہمارے ورثہ کا بیعانہ بھی ہے۔ اس مبارک رُوح کے اثر سے جو محبت اور خوشی اور سلامتی ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی ہے ان میں آسمان کی خوبصورتی اور مہک پائی جاتی ہے۔ یہ اسکال کے انگور ہیں۔ وطن کے انار۔ فرشتوں کے گیت کی نوا۔ ابدی موسم بہار کے پہلے پھُول۔ ایسی صبح کی پہلی کرنیں جس کے روز روشن پر رات کی تاریکی نہیں چھاتی ہم جانتے

ہیں کہ پاکیزہ خوشی کا ایک مُلک ہے کیونکہ ہم نے اسکے پھل چکھے ہیں۔ ٹھیک جیسے بڑی پرندوں کو دیکھ کر کولمبس نے جان لیا کہ زمین نزدیک ہے۔ ہاں اس سے بھی کچھ زیادہ۔ رُوح القدس کے مبارک کام کے تجربہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان کی برکت کیسی ہوگی۔ گو اسکی لامحدود وسعت کا ہمکو خیال نہیں آسکتا۔ رُوح کا کام وعدہ نہیں بلکہ ہمارے ورثہ کا نمونہ ہے۔

دُعا کی تحریک بھی یہی دلاتی ہے۔ جائے پیدائش یا مذہبی دستورات میں مقدسین [افسیوں ۲: ۱۸] ایک دوسرے سے کیسا ہی اختلاف کیوں نہ رکھتے ہوں سچی اور دلی دُعا کرنے میں وہ باہم ایک ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک ہی درمیانی کے وسیلہ وہ اسکی حضوری میں آتے اور ان کی دعائیں ایک ہی مقدس فارقلیط سے تحریک پاتی ہیں۔

دو وکیل یا فارقلیط ہیں۔ ایک تو بہشت پر بیٹھا ہے۔ یسوع مسیح جو صادق ہے۔ دوسرا ہمارے دلوں میں ہے۔ رُوح القدس (۱ یوحنا ۲: ۱ + رومیوں ۸: ۲۶) اور چونکہ وہ تمام مقدس دلوں میں ہے جیسے انگریزی باجہ کی مختلف نالیوں میں ہوا۔ وہ ان کو ایک بنا دیتا ہے۔ یہودی اور غیر اقوام سب ایک ہی رُوح کے وسیلہ باپ پاس رسائی پاتے ہیں۔ اس لئے وہ ایک دوسرے کے نزدیک اجنبی نہیں بلکہ بھائی ہیں۔

ہمارے خداوند نے فرمایا کہ اگر تم میں سے دو شخص زمین پر..... اتفاق کریں۔ اسکے لئے عبرانی میں جو لفظ آیا ہے اسکے معنی ہم سُری کے ہیں۔ سب تاریں ایک ہی آواز تو نہیں دیتیں لیکن وہ ہم سُر ہوتی ہیں۔ اور ستار سے بڑی نوائے دلکش پیدا ہوتی ہے۔ یُوں ہی جب ہمارے دلوں پر رُوح القدس کی ضرب لگے تو گو مختلف پہلوؤں سے وہ باہم اختلاف رکھتے ہوں ان سے ایک ہی دُعا نکلتی ہے۔ پطرس اور کرنیلیس۔ سولس ترسیسی اور انانیاس۔ گو مزاج اور طبیعت میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے پر آپس میں ہمدرد اور مشفق تھے۔ اور ایسا اتفاق خدا کے ارادہ کا اظہار ہے۔ وہ کلیسا میں سکونت کرلی ہے۔

[افسیوں ۲: ۲۱-۲۲] اور آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ فرداً فرداً ایمانداروں کے دل میں سکونت رکھتی ہے تاکہ ہر ایک مسیحی جماعت خداوند میں ایک پاک مقدس بنتی جائے۔ وہ قدوس اور عظیم الشان خدا جو ابدیت میں رہتا ہے تائب اور شکستہ دلوں میں اپنا مسکن بناتا ہے۔ وہ تجھ میں اور مجھ میں رہتا ہے اگر صرف ہم اسکی حضوری کو محسوس کریں۔ علاوہ ازیں جب ایمانداروں کی گروہ یسوع کے نام میں فراہم ہو تو وہ خدا کا مسکن ٹھہرتی ہے۔ "میں ان کے بیچ میں ہوتا ہوں"۔

اس سے شاگردوں کی ہر ایک جماعت کو کھولنے اور باندھنے کی عجیب قوت ملتی ہے۔ چونکہ ان کے کام رُوح القدس کی تحریک سے اور زندہ نجات دہندہ کی حضوری میں سرانجام پہنچتے وہ الٰہی تعلقات پاتے اور ... ابدی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ مقدسین کو

روح خدا کی مرضی سے آگاہی دیتی اور اُن کی دُعائیں اور فیصلہ پھر خدا پاس پہنچا دیتی ہے۔ یُوں کلیسیا آسمان کے ہم پلہ رہتی اور خدا کے ارادے ظاہر کرتی ہے۔

وہ مکاشفہ کی رُوح بھی ہے۔ پُولس رسُول خدا کی گہری اور چھپی ہوئی اور راز دار باتوں کا اکثر [افسیوں ۳: ۵] ذکر کرتا ہے۔ "انسان کی آنکھیں نہ ان کو دیکھ سکتی ہیں نہ اس کے کان سُن سکتے نہ اسکا دل ان کو پہچان سکتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فہیم و دانا اس کی قدرت سے سرگرداں ہیں۔ لیکن وہ باتیں ہم پر ظاہر کی گئی ہیں اور وہ بھی نور اور رحانیت کے ذریعہ سے نہیں بلکہ یہ بھی رُوح القدس کے فضل سے ہے۔ خدا نے ان کو ہم پر رُوح کے وسیلہ ظاہر کیا"

اسی کا وعدہ مسیح نے کیا تھا کہ جب وہ یعنی حق کی روح آئیگی تو تمکو تمام حق کی راہ دکھائے گی اور مجھ سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گی۔ چاہئے کہ ہم اپنے استاد کے شاگرد رشید بنیں۔ اس کی ہدایت پر چلنے کو راضی ہو اور تم جانو گے۔

رُوحانی قوّت کا یہ منبع ہے۔ جو روحانی قوت ہم حاصل کر سکتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں۔ [افسیوں ۳: ۱۶] جماعت کی نسبت جو داؤد پاس اس وقت آئے جب وہ حکم مقاتوں میں چھپا تھا یوں لکھا ہے کہ ان میں جو کمتر تھا سو جوان کا اور وہ جو سب سے بڑا تھا ہزار کا مالک تھا (۱ تواریخ ۱۲: ۱۴) اور ہم میں سے ہر ایک کی نسبت حق ٹھہر سکتا ہے "میکہ کی طرح ہم بھی خداوند کی رُوح کے سبب سے قوّت اور راستی اور دلاوری سے لبالب ہو سکتے ہیں" (میکہ ۳: ۸)

ہم کو صرف ایک ابتدائی شرط پوری کرنی ہے کہ کمزور بنیں ہاں کامیابی کے ان وسائل کو چھوڑ دیں جن پر ہم فخر کرتے ہیں۔ راضی ہوں کہ جسم میں کانٹا یا پطرس کا دریا میں ڈگمگانا یا یعقوب نے گھاٹ پر یعقوب کی کشتی ہماری کمزوری و ناتوانی کو ظاہر کرے تاکہ مسیح کی قوّت ہم پر ٹھہرے۔ تب ہم کمزور نہیں۔ تو زور آور ہوں گے۔ جب ہم کیڑہ ہوں، تو خدا ہمیں مضبوطی دیگا کام کرنے کی طاقت دیگا۔ جب ہمارے چاروں طرف ایسی باتیں ہوں جو پسندیدہ اور نیک کہلاتی لیکن اصل میں ایسی نہیں تو خدا ہمکو ایسے استعمال کرے گا کہ ان کو فی الواقعی پسندیدہ اور نیک بنا دیں۔

اتحاد و یگانگت کا بھید اسی میں ہے۔ ایک ہی بدن ہے یعنی مسیح کا نادیدنی بدن اور جیسے [illegible] انسانی بدن گو اسکے اعضا مختلف ہیں رُوح حیات کے سبب منفرد ہے ویسے ہی کلیسیا باوجود ہے مختلف انتظام اور خیالات کے ایک ہی ہے کیونکہ وہ ایک ہی رُوح القدس سے نکلتی ہے۔

اکثر سرگرم مقدسین ان اصحاب سے ظاہری شراکت نہیں رکھتے جو اُن کی اپنی جماعت سے متعلق نہ ہوں لیکن چونکہ رُوح القدس ان سب میں سکونت رکھتی ہے وہ باہم ایک ہی ہیں۔ ابدیت کے کنارے پر ان کو یہ پہچان ملے گی۔

ہمیں احتیاط رکھنی چاہئے کہ رُوحِ پاک کی طرف ہمارا رویّہ کیا ہے۔ وہ محض ایک تاثیر [افسیوں ۴: ۳۰ + ۵: ۱۸] نہیں۔ وہ ایک شخص ہے اور جلدی رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ خدا کا کبوتر حلیم اور نازک ہے اور آشیانہ میں اگر کانٹے ہوں تو وہاں وہ ٹھہر نہیں سکتا۔ جن جن باتوں سے

وہ رنجیدہ ہوتا ہے ان کو مقدس رُوح باطنی نُور سے پہچان لیتی ہے اور اُن کی تفصیل اس طرح دی گئی ہے کہ تلخی۔ غضب۔ غصہ۔ کاوش۔ بدگوئی۔ انتقام۔ رُوحانی زندگی کا بھید اسی میں ہے کہ رُوح کی حضوری رنجیدہ ہوئے بغیر ہمارے دلوں میں رہے۔

لیکن ہم اس ت بھرپُور ہونے کی کوشش بھی کریں۔ مسیح نے جب پیالہ ہمارے لبوں سے لگایا تو ہم نے اسکو پی لیا لیکن جب تک وہ ہم میں پانی کا چشمہ نہ بن جائے جس میں سے حیاتِ اَبدی نکلے ہم چین نہ لیں۔ رُوح القدس ہر ایک ایماندار میں ہے تو لیکن ہر ایک اس سے بھرپُور نہیں۔ گھڑے کی تہ میں چند قطرہ پانی کے ہوں اور ایک بھرا کنواں ہو تو ان دونو میں کتنا فرق ہے۔ پھُولوں کے ایک گلدستہ اور گلستاں کے درمیان کتنا تفاوت ہے۔

رُوح کی بھرپُوری پنتیکوست کی برکت تھی لیکن یہ ہمارے لئے بھی ہے۔ لاریب ہمیں تو حکم ملا ہے کہ رُوح سے معمُور ہوتے جاؤ۔ یہ حکم صاف اور صریح ہے۔ اِس کی تابعداری کے سوا ہماری کوئی اَور پسند نہیں۔ چونکہ اسکا ذکر اس پیراگراف میں ہُوا ہے جس میں خاوند کے بیوی سے محبت کرنے اور بچّے کے والدین کی تابعداری کرنے کا حکم ہے ان کی طرح یہ بھی لابُد ہے۔ چاہیئے کہ ہم میں سے کوئی چین نہ لے تاوقتیکہ ایمان کے وسیلہ اس مبارک بخشش کو جو خدا ہمکو کثرت سے دینا چاہتا ہے پا نہ لے۔ ایمان سے بلاحذبہ اسے پاؤ۔ اسے اپنا سمجھو اور اپنے افعال سے اسکا اظہار کرو۔ خدمت اور دُعا دونو میں ہمیں اس کی احتیاج ہے۔ شیطان کے ساتھ مقابلہ کرنے میں خواہ
افسیوں ۶: ۱۷-۱۸ ہمارے اپنے تجربہ میں یا رُوحوں کو اسکے پنجہ سے چھڑانے میں رُوح کی تلوار سے بڑھ کر جو خدا کا کلام ہے کوئی اَور ہتھیار ایسا مفید اور کارگر نہیں۔ ہمارے خداوند نے شیطان کے حملوں کو ان الفاظ سے روکا کہ "یوں لکھا ہے"۔ اور ہم اس طریق پر کچھ اصلاح نہیں کرسکتے۔ دشمن کے اسلحہ پر سوائے اس تلوار کے جو رُوح القدس کی آسمانی آگ میں تیار ہُوئی ہے کسی اَور اوزار سے اثر نہیں پڑتا۔

اگر تم شفاعتی اور سرگرم دُعا کی عادت ڈالو یا تک کہ اس میں محتاط اور مستقل رہو اور تم مقدسوں کے لئے منت وسماجت کرو تو تم صرف رُوح القدس میں ہی کرسکتے ہو۔ صرف وہی یہ مقدس ہنر سکھا سکتا ہے۔ اور رُوح کو یہ مزاج بخشتا اور اسکی مشق دیتا ہے۔ اِس سے ہم اسکو پانے کی کوشش کریں کیونکہ ہر دم دُعا کے باہر نکالنے اور خدا کی بھرپوری کے اندر پلنے سے بڑھکر کوئی اَور چیز رُوح کو ایسی پاک وصاف اور مضبوط نہیں بناتی۔

کل۔ جاڑے کی رات تھی اور سردی شدّت سے پڑ رہی تھی۔ میں نے عزم کیا کہ "کل" سے میں ازسرِنو زندگی شروع کرونگا۔ جاڑا کٹ گیا اور بہار بھی آگئی اور میں ویسا ہی سُست رہا۔ پھر گرما کا موسم آنیکو تھا۔ میں نے کہا "کل" سے کام شروع کرونگا۔ گرمیاں گذر گئیں اور میں نہ بدلا۔ اسی طرح ماہ وسال گذرتے جاتے ہیں اور میں "کل" کہہ کر ٹالتا رہتا ہوں۔ مگر موت میرے سر پر کھڑی ہنستی ہے اور کہتی ہے "ہاں! بیشک! کل"۔
(پی۔ بی مارسٹن)

ناوکِ جگر دوز

سنسکرت کی مشہور زمانہ کتاب "رامائن" میں ایک نہایت دردناک روایت ہے جسکا ترجمہ منشی ظفر علی خان صاحب بی اے نے کیا ہے۔ راجہ جسرتھ اپنی زندگی کا ایک افسوسناک واقعہ بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ اس سے نادانستہ ایک اندھے جوگی کے اکلوتے بیٹے کو تیر لگ گیا۔ اور اس جوگی کی بددعا تھی کہ اُسے بھی بیٹے کا غم کھا جائے۔ کوئی نرم دل شخص اس قصہ کو بغیر چشم تر کئے نہیں پڑھ سکے گا۔ (مخزن)

ہوا ایک دن ابر تر قطرہ بار
کیا صاف جس نے زمیں کا غبار
گھر آنے سے بادل اُچھلنے لگا
خوشی سے میرا جی اُچھلنے لگا
شجر اور حجر کو جلاتا ہوا
ڈھلانے کو سورج چھپاتا ہوا
دم سرد بھرنے لگی اب صبا
تمازت کا چہرہ اترنے لگا۔
خوش آیند تھا بادلوں کا سماں
تنے سر پہ تھے جابجا سائباں
چکور اور مینڈک تھے صرفِ طرب
ہرن مست تھے شادمانی میں سب
پرندوں کے بھیگے تھے پانی میں پر
تمام اُن کا دامن تھا باراں سے تر
وہ بیٹھے ہوئے سب سرِ شاخسار
پر اور بال اپنے رہے تھے سنوار
نظر آتے تھے مینہ کی بوچھار سے
تل اور کوہ پانی کے انبار سے
یہاں تک کہ پہلو سے انکے رواں
ہوئے سیل کرتے خروش و فغاں
چلے پتھروں کو بہاتے ہوئے
قوام آب و گل کا ملاتے ہوئے
ہر اک سیل یوں پیچ کھاتا چلا
کہ لہرائے جیسے کوئی اژدہا
یہ ساعت کچھ ایسی طرب خیز تھی
ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی کچھ ایسی چلی
کہ آیا مرے جی میں بے اختیار
کروں جا کے جنگل میں سیر و شکار
لئے ہاتھ میں اپنا تیر و کماں
میں بن کو چلا خرم و شادماں
مری ہر طرف پڑ رہی تھی نظر
سرِ شام پیاسا کوئی جانور
مگر گھاٹ پر پانی پینے کو آئے
گذرتا ہوا میرے رستے سے جائے
یکایک دھندلکے میں میں نے سنا
کہ ندی سے قلقل کی اُٹھی صدا
یہ سنتے ہی میں نے کماں کو سنبھال
لیا اپنے ترکش سے تیر اک نکال
کماں میں وہیں میں نے جوڑا اسے
اور آواز کے رُخ پہ چھوڑا اُسے
چلایا تھا انکل سے میں نے۔ مگر
قضا بن گئی تیر کی راہبر۔
کسی نے بھری آہ اک دردناک
کیا جس نے میرے کلیجے کو چاک
رشی کوئی تھا بن میں مسکن گزیں
یہ لختِ جگر اس کا تھا بالیقیں
جسے میرا پیکان جاکر لگا
جو ندی میں مجروح ہو کر گرا
یہ لڑکے نے بیتاب ہو کر کہا
مجھے آہ مجروح کس نے کیا
میرا باپ بیچارہ ہے اک رشی
نہ دی جس نے ایذا کسی کو کبھی
میں آیا تھا ندی کے اس گھاٹ پر
کہ گاگر میں جل بھر کے لیجاؤں گھر
یہ کس نے کیا مجھ کو زخموں سے چُور
کیا میں نے تھا کیا کسی کا قصور
نہیں مجھ کو افسوس اپنا ذرا
مجھے ہے خیال اپنے ماں باپ کا
وہ ہیں ناتوان و ضعیف و حزیں
نظر ان کو آنکھوں سے آتا نہیں

میں اُن بوڑھی آنکھوں کا تارا تھا ایک
بڑھاپے کا اُنکے سہارا تھا ایک
گذراں اُن کا ہوگا اکیلے محال
خدا جانے کیا اُن کا اب ہوگا حال
نہیں اک مجھے ہی لگا ہے یہ تیر
گیا بلکہ اُن کا بھی پہلو ہے چیر"
یہ سُن کر میں ششدر تھا۔ کہ جس کا کبھی
یہ منشا نہ تھا۔ اور یہ نیت نہ تھی
کہ مجھ سے کسی کو بھی پہنچے ضرر
لگا خوف سے کانپنے سر بسر
سنا جب کہ وہ نوحۂ جاں گسل
پھٹی میری چھاتی۔ ہلا میرا دل
کھڑا رہ گیا میں حیراں کا نشاں
گرے ہاتھ سے میرے تیر اور کماں
گیا لڑکھڑاتا میں آخر وہاں
جہاں میرا بسمل تھا نالہ کناں
میں کیا دیکھتا ہوں کہ طفل اک حسیں
مسیں جسکی اب تک تھیں بھیگی نہیں
پڑا ہے سسکتا ہوا خاک پر
ہے لبریز حسرت اس کی نظر
ہے بکھری ہوئی اُسکی بھوری جٹا
وہ ہے خاک اور خوں میں لتھڑا ہوا
گھڑا ایک مٹی کا ٹوٹا ہوا
قریب اُسکے ہے اک طرف کو پڑا
جگر تھام کر میں نے دیکھا اُسے
اور اُس نے نظر بھر کے دیکھا مجھے
میرا دل ہوا رنج و غم سے کباب
کیا جب کہ یوں اس نے مجھ سے خطاب:
"تیرا میں نے۔ راجہ۔ بگاڑا تھا کیا
مجھے آہ کیوں تو نے گھائل کیا
بھلا اس پہ کیوں تو نے ڈھایا ستم
لیا گھر رشی کے ہو جس نے جنم
جگر ماں کے بیٹے کے اور باپ کے
گئے تو نے چھلنی اس اک تیر سے
میری ماں کو اور باپ کو انتظار
میرا کر رہا ہوگا اب بیقرار
انہیں لگ رہی ہوگی اسوقت پیاس
بندھی ہوگی میرے گھر آنے کی آس
میرے باپ کے پاس اب جلد جا
یہ بپتا میری ساری اُنکو سُنا۔
شراپ اس نے ورنہ مجھے گر دیا
بھسم جل کے راجہ تو ہو جائیگا
مگر پہلے ہے تجھ سے میرا سوال
یہ پیکان سینے سے میرے نکال
کہ جانِ حزیں میری نکلے کہیں
قرار آئے مجھ کو دمِ واپسیں"
یہ کہہ کر نظر اس کی پتھرا گئی۔
گراں اس پہ تھا عالمِ جاں کنی
بآہستگی کھینچکر میں نے تیر
نکالا۔ وُہی اسکا دم تھا اخیر
کیا تھا جو بھولے سے میں نے گناہ
خیال اُسکا تھا سخت ہی رُوح کاہ
میرا دل تھا پامالِ رنج و تعب
کہ میں نے کیا کیا ستم کیا غضب
کھڑا تھا میں اس فکر میں سرنگوں
تلافی میں اس جرم کی کیا کروں
اسی بات کو رہ میں پھر سوچتا
رشی کے مکاں کی طرف میں چلا
نظر مجھ کو آیا پہنچ کر وہاں
کہ بیٹھے ہیں لڑکے کے باپ اور ماں
ہیں دونوں کے دونوں وہ کور اور ضعیف
بہت ناتواں اور نہایت نحیف۔
وہ دو ایسی چڑیوں کے مانند تھے
جنہیں پر کتر کر کوئی چھوڑ دے
نہ ان کا کوئی آسرا تھا وہاں
نہ ان کا کوئی رہنما تھا وہاں
انہیں اپنے بیٹے کا تھا انتظار
وہ یاد آ رہا تھا انہیں باربار
سُنی پائوں کی میرے آہٹ جونہیں
ہوا اُسکے آنے کا ان کو یقیں
رشی میری جانب مخاطب ہوا
ملامت کے لہجے میں کہنے لگا:-
"لگائی کہاں تو نے دیر اس قدر
تو مصروف تھا کھیلنے میں مگر
ہمیں جلد اک گھونٹ پانی پلا۔
ذرا پیاس بیٹا ہماری بجھا
بڑی دیر سے تیری دکھیاری ماں
ہے فکر اور چنتا میں بیٹھی یہاں
گھر آ پیارے جلدی اُٹھا کر قدم
لگائیں تجھے اپنی چھاتی سے ہم
ہماری ملامت کا گر ہو خیال
اگر تجھ کو اس سے ہوا ہو ملال
کہ ماں باپ نے دی ہے جھڑکی تجھے
تو دل سے بھلا اپنے بیٹا اُسے
سکھاتا ہے تیرا دھرم یہ تجھے
کہ بدلا بُرائی کا نیکی سے دے
ہے ہم بے پناہوں کو تو ہی پناہ
ہے ہم بے نگاہوں کی تو ہی نگاہ
ہے چُپ چاپ کس واسطے کچھ تو بول
خدا کے لئے پیارے منہ کو تو کھول

ہے تو ہی فقط اک ہماری خوشی
ہماری تو ترے دم سے ہے زندگی"
میں سکتے کے عالم میں سہما ہوا۔
یہ باتیں جگر دوز سنتا رہا
سکت بات کرنے کی مجھ میں نہ تھی
زباں میرے منہ میں نہ تھی کام کی
بصد رنج و اندوہ و درد و عذاب
دیا میں نے آخر اسے یہ جواب:-
"میں افسوس بیٹا نہیں ہوں ترا
میں راجہ ہوں کمبخت اس ملک کا
شکار آج میں کر رہا تھا ادھر
ہوا ایک ندی پہ میرا گذر
وہاں پانی بھرتا تھا بیٹا ترا
لگا تیر بھولے سے اس کو مرا
بس اب آپ کیا اے رشی ہیں کہو
فقط تیری کرپا کا محتاج ہوں"
مری اس حکایت نے ڈھایا ستم
نہ تھی کچھ یہ بجلی کے گرنے سے کم
رشی نے جب اس ماجرے کو سنا
تو غش کھا کے دھم سے زمیں پر گرا
بہت دیر میں ہوش آیا اسے۔
وہیں میں نے جھک کر اٹھایا اسے
اک آہ جگر سوز اس نے بھری
جھڑی اشک کی اسکے منہ پر لگی
دیا یہ جواب اس نے آخر مجھے
ٹپکتی تھی یاس جسکے ہر لفظ سے:
"اگر خود بخود تو نہ آتا یہاں
اور اس ماجرا کو نہ کرتا بیاں
تو اس خونِ ناحق کا بارِ گراں
مٹاتا زمانہ سے تیرا نشاں۔
مجھے باور آیا کہ تیرا گناہ
دکھایا ہے جس نے یہ روزِ سیاہ
نہیں تجھ سے دانستہ سرزد ہوا
نہیں اس میں کچھ بھی کسی کی خطا
نہ اے راجہ تو ورنہ بچتا کبھی۔
تری نسل برباد ہوتی سبھی
ہمیں لیکے چل اب وہاں جلدتر
وہ سویا پڑا ہے جہاں بے خبر
وہ ہے گرچہ آغشتۂ خاک و خوں
اجل نے کیا اسکو پست و زبوں
مگر دل کا ارماں نکالیں گے ہم
اسے آخری بار دیکھیں گے ہم"
غرض مار کر ڈھاڑیں روتے ہوئے
جگر تھامتے جان کھوتے ہوئے
وہ پہنچے مرے پیچھے پیچھے وہاں
مرا ان کا بیٹا پڑا تھا جہاں
گرے لاش پر دونوں تفتہ رواں
ہوا باپ اس طرح نوحہ کناں:-
نہیں کرتے کیوں مجھ کو بیٹا سلام
ہے کیوں میرے پہچاننے میں کلام
پڑے ہو یہاں کس لئے خاک پر
خفا ہو گئے ہم سے بیٹا مگر
گئے بھول یا تم وہ آگے کی ریت
نہیں دل میں باقی ہماری پریت
نہ اتنا بھی روٹھو اٹھو میری جاں
کھڑی ہے تمہارے منانے کو ماں
سدا حکم تم مانتے تھے مرا
کبھی تم نے ٹالا نہ ماں کا کہا
نہیں اٹھ کے لگتے گلے کس لئے
نہیں بولتے چالتے کس لئے
مرے پاس تڑکے اب آئیگا کون
مجھے شاستر اب سنائے گا کون
پھل اور پات اب بن سے لائیگا کون
مجھے لا کے کھانا کھلائیگا کون۔
تری بوڑھی اور دکھیا ماں کو بھلا
میں اندھا اپاہج سنبھالونگا کیا
ابھی سرگ کو پیارے تو مت سدھار
یہیں کر ابھی اور اک دن قرار۔
چلیں گے ترے ساتھ ہم بھی تو کل
پڑے گا نہ چین اب ہمیں ایک پل
جدا ہم سے بیٹا ہمارا ہوا
نہ جنگل میں کوئی سہارا رہا
رہا نہ ہوا اپنا سامان تو
سدھاریں گے اب ہم بھی بیکنٹھ کو"
غرض کر کے یہ نوحۂ پُر الم
کیا اس نے بیٹے کا کریا کرم۔
میں مبہوت و بیخود کھڑا پاس تھا
پلٹ کر رشی نے یہ مجھ سے کہا:-
"میرا ایک ہی تھا یہ لختِ جگر
مگر تو نے مجھ کو کیا بے پسر
اب اے راجہ مجھ پہ بھی کر ایک وار
کہ غم سے رہا ہو یہ جانِ نزار
مگر تیری قسمت میں بھی ہے لکھا
کہ بیٹے کا غم تجھ کو لے جائیگا"

حسن اسرارِ قدرت کی جلوہ گاہ ہے۔ اگر حسن نہ ہوتا تو قدرت اپنا آپ ظاہر نہ کر سکتی۔ (گوئٹے)

رُوح القدس

ازپادری ڈبلیو گولڈ صاحب ڈی ڈی

ہم کہہ چکے ہیں کہ خدا کی شخصیت انسان کی شخصیت سے دو باتوں میں اختلاف رکھتی ہے۔ یعنی ایک تو خدا کے علم اور اُسکی محبت دونو کا مورد اسکی ذات میں شامل ہے۔ اور پھر عالم معلوم اور محب محبوب میں جو علاقہ ہے وہ بھی خدا کی ذات میں شامل ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اُس مورد اور اُس علاقہ دونوں میں شخصیت بھی ہے۔ یہی وہ سر ہے جسے مسیحی لوگ ثالوث کہتے ہیں۔ اور اگرچہ غور کرنے سے ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ عقل کے برخلاف نہیں بلکہ عقل خوب روشن ہو کے اُسے چاہتی بھی ہے۔ پھر بھی عقل خود بخود یعنی الٰہی مکاشفہ کے بغیر اُسے کبھی دریافت نہ کر سکتی تھی۔ ایک شخص کی ذات میں تین علیحدہ علیحدہ شخص کس طرح شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر تو ہے اس واسطے کہ ہمارے تجربہ سے بعید ہے۔ لیکن انجیل کو جو کوئی غور اور بے تعصب پڑھے۔ اس پر یقیناً روشن ہوگا کہ اس میں جو باپ۔ بیٹا اور رُوح القدس کہلاتے ہیں وہ نہ صرف الٰہی ذات میں شامل ہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ شخصیت بھی رکھتے ہیں۔

اِس مسیحی عقیدے کی طرف قرآن میں جو کہیں کہیں اشارہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی خبر نہایت بڑی غلطی کے ساتھ محمدؐ صاحب کو ملی تھی۔ کیونکہ جب ثالوث کا تیسرا اقنوم کنواری مریم سمجھی گئی تو نہ صرف حقیقی اور نفرتی کفر کا خیال دل میں آیا بلکہ مسیحی عقیدہ سے ایسا بڑا فرق آ گیا کہ عدد کے سوائے دونوں میں کچھ مشابہت بھی معلوم نہیں ہوتی۔

لیکن اسلام میں دو اور مسائل ہیں جو ثالوث سے تو کچھ واسطہ نہیں رکھتے لیکن مسئلہ مذکورہ بالا کی نسبت مسیحی عقیدہ سے کچھ زیادہ متعلق ہیں۔ ایک تو اُس دین میں جبرائیل فرشتہ روح القدس کہلاتا ہے۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ سب فرشتے انسان سے نہایت مقدم اور نہایت مقدس بھی ہیں۔ اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ فرشتوں میں سے جو خاص مقرب ہیں اُن میں سے جبرائیل فوقیت رکھتا ہے۔ لیکن وہ بھی مخلوق ہے۔ اور ہم کسی مخلوق کو روح القدس نہیں کہہ سکتے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ قدسیت کا چشمہ نہیں ہو سکتا اور دوسرے اس لئے بھی کہ توریت۔ زبور۔ انبیاء کے صحائف اور انجیل میں جو روح القدس کہلاتا ہے اسکا ایسا ذکر ہوا ہے کہ اُسے الٰہی ذات میں شامل مانے بغیر کتب مقدسہ سمجھے نہیں جاتے۔

دُوسرے قرآن میں مسیح خود روح اللہ کہلاتا ہے۔ اِس سے البتہ مسیح کی الوہیت جس کے سب مسلمین منکر ہیں ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اگر مسیح نہ صرف خدا کی رُوح کی قدرت سے پیدا ہُوا بلکہ پیدا ہو کے بھی روح اللہ کہلاتا ہے تو یقین ہے کہ اس میں انسانیت کے سوائے الوہیت

بھی شامل ہے۔ لیکن مسیحی لوگ اس مسئلہ کو تسلیم کر نہیں سکتے کیونکہ وہ الٰہی ثالوث میں مسیح کلمتہ اللہ اور روح اللہ یعنی روح القدس کو اور مانتے ہیں۔

لیکن روح کسے کہتے ہیں۔ ہندو لوگ تو دو طرح سے آتما بتاتے ہیں۔ یعنی پرماتما اور جیوآتما۔ چونکہ پرماتما ایک ہی مانا جاتا ہے اور جیوآتما بے شمار۔ اس لئے بہت سے اردو بولنے والے سمجھتے ہیں کہ ہم پرماتما کو خدا اور جیوآتما کو مخلوق روح کہہ سکتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا ترجمہ کرنے سے بڑا دھوکا کھایا جاتا ہے۔ ایک تو پرماتما نہ تو عالم سمجھا جاتا ہے۔ نہ معلوم۔ نہ تو محب نہ محبوب۔ نہ تو معبود نہ عابد۔ غرض نہ تو فاعل نہ مفعول۔ اور دوسرے جیوآتما کے لئے بھی شخصیت لازم سمجھی نہیں جاتی۔ کیونکہ سب جمادات اور نباتات میں بھی جب حس و حرکت ہیں جیوآتما تسلیم کئے جاتے ہیں لیکن روح کو شخصیت لازم ہے۔ جو روح ہے وہ خود شناس اور خود مختار ہے لیکن مخلوق روحوں میں۔ مثلاً انسان اور فرشتگان میں خود شناسی اور خود مختاری محدود ہیں۔ اس لئے ہم انہیں ارواح مطلق نہیں کہہ سکتے۔ مگر جب مسیح نے کہا (یوحنا ۴: ۲۴) کہ خدا روح ہے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ خدا روح مطلق ہے۔ یعنی اس کی خودشناسائی اور خود مختاری لامحدود ہے۔

پس جب کتب مقدسہ میں اس علاقہ کی طرف جو باپ اور بیٹے کے بیچ میں ازل سے ہے۔ شخصیت منسوب کی جاتی ہے تو وہ بھی الٰہی ذات میں شامل ہونے کے باعث روح مطلق ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱کرنتھیوں ۲: ۱۰ و ۱۱ میں وہ خدا کی ذات و صفات کی گہری باتوں کا دریافت و کشف کرنے والا ٹھہرتا ہے۔ اور تمام کتب مقدسہ میں وہ خدا کے سب کاموں کا کامل کرنے والا ظاہر ہوتا ہے۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ خدا کے سب کاموں کا وسیلہ تو اسکا بیٹا مذکور ہوا۔ لیکن یہ ذکر ہر جگہ پایا جاتا ہے کہ جب روح القدس مخلوقات میں ہر قسم کی مخلوق کی قابلیت کے بموجب سکونت رکھتا ہے۔ اسی وقت خدا کا مطلب اور خصوصاً ارادہ جو مخلوقات کے لئے پایا جاتا ہے پورا ہوتا ہے۔

حسنِ قدرت۔ حسن ہر جگہ موجود ہے۔ ہاں چشم بینا چاہئے۔ بہار کے گلہائے رنگا رنگ میں اسکا جلوہ ہے۔ درختوں کی شاخوں اور سبزہائے نودمیدہ میں اسکی نیرنگیاں ہیں۔ سمندر کی تھاہ اور زمین کے مرکز میں یہ جاگزیں ہے اور وہاں سے آبدار موتی اور لعل و جواہر کا روپ لیکر نکلتا ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں پر کیا حصر ہے۔ خود بحر و بر۔ کوہ و راغ۔ مہ و خورشید نورِ حسن سے منور ہیں۔ ستاروں کو دیکھئے۔ سورج کو نکلتے ہوئے دیکھئے۔ ڈوبتے ہوئے دیکھئے۔ ایک سے ایک دلکش نظارہ ہے۔ سارا جہان حسن کا مندر ہے۔ اور جو اس کے وجود سے آشنا ہیں وہ ہر حال میں اور ہر آن اپنے تئیں حسن سے محصور سمجھتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

دل اگر دانا بود در ہر سخن اسرار ہست   چشم گر بینا بود یوسف بہر بازار ہست

غائب شدگان

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں نے شام کی خانگی عبادت میں تھسلنیکیوں کے نام کے پہلے خط کا چوتھا باب پڑھا سونے سے پیشتر میں اپنی آرام چوکی میں بیٹھے بیٹھے اس باب کے ان الفاظ پر سوچنے لگا۔ "کیونکہ جب ہمیں یہ یقین ہے کہ یسوع مرگیا اور جی اُٹھا تو اسی طرح خدا ان کو بھی جو سوگئے ہیں یسوع کے وسیلے سے اسی کے ساتھ لے آئے گا۔ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے۔ کیونکہ خداوند آسمان سے اتر آئے گا۔ اسوقت للکار اور خدا کے مقرب فرشتے کی آواز سنائی دے گی۔ اور خدا کا نرسنگا پھونکا جائیگا۔ اور پہلے تو مسیح میں مُوئے ہوئے جی اُٹھیں گے۔ پھر ہم جو زندہ باقی ہونگے اُن کے ساتھ بادلوں پر اُٹھائے جائیں گے تاکہ ہوا میں خدا کا استقبال کریں۔ اور اِس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہینگے۔" اِن آیات پر غور کرتے کرتے مجھ پر نیند کا عالم طاری ہوگیا اور میں نے ایک نہایت حیرت افزا خواب دیکھا۔ بیداری کی نسبت میرے ہوش وحواس تیز اور صاف معلوم ہوتے تھے۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ صبح کے وقت میری آنکھ کھل گئی ہے اور میں متعجب ہوتا ہوں کہ حسب معمول میری بیوی اپنے بستر پر موجود نہیں ہے۔ میں نے خیال کیا کہ کہیں اُٹھ کر اِدھر اُدھر گئی ہوگی اور ابھی واپس آجائے گی۔ مگر جب ایک معقول عرصہ تک انتظاری کے بعد اس کی صورت نظر نہ آئی تو میں نے بستر سے اُٹھ کر کپڑے پہن لئے۔ میری بیوی کے کپڑے وہیں پڑے تھے جہاں اُس نے خوابگاہ جاتے وقت اُتار کر رکھے تھے۔ مجھے اس سے یقین ہُوا کہ وہ ضرور کہیں گھر ہی میں ہوگی۔ میں اپنی بیٹی جولیا کے کمرے کی طرف گیا تاکہ اس سے دریافت کروں کہ تمہاری ماں کہاں ہے۔ میں نے کئی مرتبہ دروازہ کو دستک دی مگر جواب ندارد۔ آخر اندر جاکر دیکھا کہ لڑکی بھی غائب ہے۔ میں بڑا حیران ہُوا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ عجیب معاملہ ہے دونوں ماں بیٹی کہاں گم ہوگئیں۔ میں اسی حیرت میں اپنے بیٹے فرنک کے کمرے کی طرف گیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی کپڑے پہن کر تیار ہے۔ اس قدر سویرے اُٹھنا اسکی معمولی عادت کے خلاف تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ میں رات بھر بے چین رہا ہوں اور اس لئے آج جلد بستر سے اُٹھ بیٹھا ہوں۔ میں نے اُسکو اس کی ماں اور بہن کے غائب ہوجانے کا حال سنایا اور درخواست کی کہ ڈھونڈ کر کہیں سے اُن کا پتہ نکالو۔ فرنک اُنکی تلاش میں پھرنے لگا اور میں اس عرصہ میں منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو بیٹھا۔ اُس نے واپس آکر بیان کیا کہ باہر کے سب دروازے بند اور مقفل ہیں مگر اُن کا کوئی پتہ نہیں۔ ہم دونو سخت متحیر تھے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ ہم دوبارہ جولیا کے کمرے میں گئے اور وہاں پر اُسکی بائیبل کھلی پڑی تھی جس میں سے اِس نشان کی ہُوئی

آیت کی طرف میری خاص توجہ کھینچی گئی کہ "تم بھی تیار رہو۔ کیونکہ جس گھڑی تمہیں گمان بھی نہ ہوگا اُس میں ابن آدم آئے گا"۔ اس آیت کی نسبت میری بیوی ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ یہ اُس وقت کی طرف اشارہ کرتی ہے جب مسیح اپنے مقدسوں کو لینے آئے گا اور میں اصرار کیا کرتا تھا کہ نہیں اس سے موت کی تیاری مُراد ہے۔ خیر۔ میں نے اور فرنک نے صلاح کی کہ حاضری کا انتظار کرنا فضول ہے بہتر ہے ہم مختلف اطراف میں نکل جائیں گے اور اپنے دوستوں کے گھروں میں اپنے عزیزوں کی تلاش کرینگے۔

میں اوّل اپنی سالی کے مکان پر گیا۔ وہ اور اسکا خاوند مسیحی کلیسیا کے اچھے معزز رکن تھے مگر کچھ دُنیا پرست تھے۔ چند مرتبہ دستک دینے کے بعد وہ اندر سے نکلی اور معذرت کرنے لگی کہ مجھے معاف فرمایئے میں نے آپکو اتنی دیر تک منتظر رکھا میں آج بڑی مشکل میں پڑی ہوئی ہوں کیونکہ ہماری نوکر چھوکری جسکو میں بڑی دیندار مسیحی سمجھتی تھی آج ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے اور کھانا مجھے خود پکانا پڑا ہے۔ نہ تو اُس نے اطلاع دی پر چلی گئی ہے اور نہ اپنے چلے جانے کی کسی کو خبر دی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ تمام کمرے اندر سے بند ہوتے ہی نکل کیسے گئی۔ اس پر میں نے بھی سخت حیرت کا اظہار کیا اور اپنے آنے کا مقصد مفصل کہہ سنایا۔ جب اُس نے میری بیوی اور چھوٹے بچوں کے گم ہو جانے کا حال سُنا تو نہایت متردد ہوئی۔ میں اُسکی یہ حالت دیکھ کر بات ٹال گیا اور کہنے لگا کہ اگر حاضری تیار ہو تو مجھے بھی کچھ کھانے کو دو۔ جب اُس کے خاوند نے میری داستان سُنی تو اسکو بڑا ہلکا معاملہ خیال کر کے مجھے سمجھانے لگا کہ تمہاری بیوی نے تمکو صبح تڑکے اُٹھنے کا سبق سکھانے کی خاطر یہ دل لگی کی ہے۔ ماں بیٹی دونو کہیں گھر میں چھپی پڑی ہونگی اور واپس جا کر ضرور تمکو مل جائینگی۔ کھانے کے وقت میری سالی نے کافی بغیر دودھ کے بیٹے کو دی اور کہا کہ ہمارا گوالا جو بڑا معتبر آدمی ہے آج نہیں آیا۔

تھوڑی دیر میں فرنک نہایت مضطرب اور پریشان خاطر اندر آیا اور بیان کرنے لگا کہ میں نے اپنی ماں کو ہر طرف تلاش کیا اور جس گھر میں جا کر دیکھا سب اسی مصیبت میں گرفتار ہیں جو ہمارے سر پر آ پڑی ہے۔ سب لوگ اپنے اپنے غائب شدگان کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ کوچے پُرجوش لوگوں سے اٹے پڑے ہیں اور بہتیرے اِدھر اُدھر کھلے گئے پھرتے ہیں اور بہت سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ ہمارے کھاتے وقت کئی اشخاص دروازے پر اپنے غائب شدہ ہمسائیوں کا پتہ دریافت کرنے آئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے بیان سے ہمکو سخت حیران کیا کہ میرے دو چھوٹے بچے دس اور بارہ برس کی عمر کے اپنی نانی کے ساتھ جو چند سال سے چارپائی پر سے ہل نہ سکتی تھی کہیں نکل گئے ہیں۔ اس پر میری سالی کے خاوند نے خوف زدہ ہو کر بیان کیا کہ کل میں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ جس کے مذہبی خیالات کو میں بدعت آمیز سمجھتا تھا ایک عجیب گفتگو کی تھی۔ وہ اس بات پر زور دیتا تھا کہ کلیسیا کے شرکاء کا بڑا حصہ نام کے مسیحی ہیں "خدا کی نسبت عیش وعشرت کو زیادہ پسند کرنے والے"۔ اور عوام میں مذہبی باتوں کا شوق نہایت کم درجہ پر ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی یقین دلایا کہ کتاب مقدس میں صاف صاف تعلیم مندرج ہے کہ جب مسیح کی کلیسیا کے برگزیدوں کی تعداد پوری ہو چکے گی تو مسیح ناگہاں آئیگا جیسا چور رات کے وقت آتا ہے اور اپنے مقدسوں کو

جو زندہ یا قبروں میں ہوں گے اپنے ساتھ ہوا میں ملاقات کرنے کے لئے بلائے گا۔ یہ تبدیلی ایک چشم زدن میں واقع ہو جائیگی اور اگرچہ یہ ہلاہٹ بڑے نعرہ اور ترہی کی آواز کے ساتھ ہوگی مگر سوائے ان کے جنکے لئے مخصوص ہے کوئی سُن نہیں سکے گا۔ اسوقت مسیح کے ان الفاظ کی صداقت ظاہر ہوگی کہ اُس رات دو آدمی ایک چارپائی پر سوتے ہوں گے ایک اُٹھا لیا جائے گا دوسرا چھوڑ دیا جائے گا۔ دو عورتیں ایک ساتھ چکی پیستی ہوں گی ایک اُٹھائی جائیگی دوسری چھوڑی جائے گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ وقت آچکا ہے اور افسوس کا مقام ہے کہ ہم چھوڑے گئے۔

اب دن بہت چڑھ گیا اس لئے ہم نے صلاح کی کہ اپنے اپنے کام پر جانا چاہیئے۔ فرنک اپنے دفتر کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور میں بھی دل پر کوہ غم اٹھائے ہوئے ایسی روش پر ہولیا جہاں مغموم مشورت مردوں اور عورتوں کا ایک جم غفیر تھا۔ شہر میں کاروبار کا یہ حال تھا کہ بہت سی دکانیں بند پڑی تھیں اور جو کھلی تھیں ان میں کچھ کام نہیں ہو رہا تھا۔ شرابخانے حسب معمول کھلے تھے اور ان کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم تھا جو بڑی فکر کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے معلوم ہوتے تھے۔ جب میں ٹاؤن ہال کے پاس سے گذرا تو اسکے چاروں طرف پولیٹکل طواف کرنے والوں کی تعداد میں کمی نظر نہ آئی تھی۔ اپنی دکان میں پہنچکر کیا دیکھتا ہوں کہ میرا دفتری اور برسوں کا وفادار بوڑھا چوکیدار اب تک نہیں آئے۔ میرے دو محرّر حاضر تھے مگر بیکار بیٹھے تھے اور میرا دل بھی نہ چاہتا تھا کہ اُن سے کام لوں۔ میں اُٹھ کر اس مقام کی طرف گیا جہاں سوداگروں کی مجلس جمع ہُوا کرتی ہے۔ آج وہاں پر اُن لوگوں کی ایک بڑی بھاری تعداد موجود تھی۔ مگر بجائے خرید و فروخت کے شور و غل اور ملازموں اور چپڑاسیوں کی آمد و رفت کے کچھ اَور ہی سماں نظر آیا۔ تمام حاضرین کے چہروں پر عجیب پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ اُس آفت کی وجہ سے جو اُن پر پڑ رہی تھی سب نے متفق الرائے ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ جو قرضے اس دن پر واجب الادا ہیں اُنکو اَور تین دن رعایت دی جائے۔ میں اُن دلائل اور تصوّرات کا ذکر کرنے کی کوشش نہیں کروں گا جو موجودہ آفت کی نسبت پیش کئے جاتے تھے مگر ایک بات پر سب متفق تھے کہ یہ بلا خرق العادت ہے اور کسی نہ کسی وجہ سے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں اُنہیں کا اپنا قصور ہے۔

دوپہر کے بعد سب نے مِل کر کاروبار بند کر دیا اگر کہیں رونق نظر آتی تھی تو میخانوں کے گرد۔ جہاں سخت ابتری پھیل رہی تھی۔ بعض مجمعوں میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ گفتگو ہو رہی تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک آدمی مقدس نوشتوں سے واقف معلوم ہوتا تھا اور جب میں اس طرف کو گیا تو یہ کہہ رہا تھا کہ یہی وہ دن ہے جسکا ذکر مسیح نے کیا۔ مگر ہم میں سے کوئی یاد نہ کرتا تھا اور اب ہم اپنی حماقت پر سر بگریباں ہیں۔"

شام کے وقت شہر میں قریب ہر ایک گرجا کھلا تھا اور عبادت میں حاضر ہونے والوں کی کثرت سے اُن میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ہر ایک شخص اس بھاری بلا کا سبب اور مدعا دریافت کرنے کا مشتاق تھا اور معلوم کرنا چاہتا تھا کہ گم گشتہ امیدوں کو دوبارہ کیونکر حاصل کیا جائے۔ بہت سے

پاسٹر غائب ہو گئے تھے مگر بعض اپنی جماعتوں میں موجود تھے۔ گرجوں میں عبادت کی کوئی ترتیب نہ تھی اور سخت شور اور گڑبڑ ہو رہا تھا۔ پاسٹر جماعت کے سر پر الزام تھوپتے تھے اور جماعت کے لوگ پاسٹروں پر الٹی تہمت لگا رہے تھے کہ اگر تم اپنے فرائض ادا کرتے اور بجائے منطقی دلائل اور اخلاقی تقریروں کے اپنے گلوں کو بائیبل کی سادہ صداقتیں سکھاتے تو اس وقت ہمارا یہ حشر نہ ہوتا۔ میرے اپنے گرجا میں پاسٹر موجود تھا اور بہت سے ایسے اشخاص بھی نظر آئے جو کبھی بمشکل عبادت میں شامل ہوتے تھے۔ اکثر سرگرم کارندے اور بلاناغہ شامل ہونے والے غیر حاضر تھے۔ آہ و غم کی صدائیں ہر طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ بعض لوگ اپنے بچوں بعض اپنے خاوند یا بیوی یا ماں یا باپ کے لئے بلاپ کر رہے تھے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو پاسٹر حاضرین سے منت کر رہا تھا کہ "اپنے دلوں کو تسکین دو" تم میں سے کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے اپنی خدمات کے نتائج سے کیسی مایوسی حاصل ہوئی ہے۔ مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے اس زندگی کے معاملات کی نسبت حد سے زیادہ اور آسمانی حالت اور آنے والی چیزوں کی بابت بہت کم وعظ و نصیحت کی ہے۔ اور اس غضبناک آفت کی ناگہانی آمد سے جو آج ہم پر آپڑی ہے بے خبر رکھا ہے۔ اس اتہام کے جواب میں میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو علم الٰہیات میں نے کالج میں سیکھا تھا وہی تمہیں سکھایا ہے یعنی یہ کہ بائیبل بہت کچھ روحانی استعارات اور تشبیہات کی کتاب ہے۔ لیکن اب میں اقرار کرتا ہوں کہ میں سخت غلطی پر تھا۔ کیونکہ موجودہ واقعہ سے میرے دل میں یقین پیدا ہو گیا ہے کہ خدا کا کلام لفظی طور پر درست ہے۔ میں تمہاری تسلی کے لئے خوشی کے ساتھ اس کا اظہار کرتا ہوں کہ آج صبح میں نے مقدس نوشتوں میں اپنی موجودہ حالت کی نسبت دیکھ بھال کی ہے جس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ ہمارے لئے ہنوز امید باقی ہے۔" اس پر بہت سے لوگ پکار اٹھے کہ "اس امید کے لئے خدا کا شکر ہو۔" بعد ازاں پاسٹر نے یہ بھی کہا کہ "اگرچہ ہم کو مبارک مومنین کی جلیل منزلت حاصل نہیں ہوئی تو بھی نجات ہمکو مل سکتی ہے بشرطیکہ ہم اس کو خاکساری اور صدق دل سے قبول کریں۔ شاید ہمکو نہایت سخت مصائب اور تکالیف سہہ کر اس بادشاہی تک پہنچنا پڑیگا مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائیگا۔"

عین اس وقت ہمارا برقی چراغ گل ہو گیا اور گھر میں ایسا دہشت انگیز شور اٹھا کہ میں خوف زدہ ہو کر چوکی پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میری بیوی جو ملحق کمرے میں تھی میری ہڑبڑی میں اٹھنے کی آواز سن کر بھاگی آئی۔ میں اسکو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوا اور جب مجھے معلوم ہوا کہ میرا خوفناک تجربہ محض ایک خواب تھا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا۔ بعد ازاں میں جس قدر اس پر غور کیا کرتا تھا مجھ کو کتاب مقدس کی وہ صداقتیں جن کو میں نے خواب کی حالت میں دیکھا تھا اسی قدر متبرک معلوم ہوتی تھیں۔ اور میرے دل پر اپنی مشعلوں کو درست اور روشن رکھنے اور دولہا کے استقبال کے لئے تیار رہنے کی ضرورت زیادہ نقش ہوتی گئی۔

(ترجمہ ڈاکٹر تامر تصنیف جے ڈبلیو)

باغِ عدن کی تصویر

پہلا باب

چونکہ میں اب کنارہستی پر کھڑی ہوں۔ مناسب سمجھتی ہوں کہ اُدھر کا رُخ کرنے سے پیشتر آدمزاد کو آپ بیتی سنا جاؤں۔ میں اپنی عجیب اور جلالی شباب کا ہی بیان کرنا نہیں چاہتی بلکہ اونٹ کٹاروں اور کانٹوں کی سیاہ زمین کا جہاں میں اب برسوں سے رہتی ہوں افسوسناک واقعہ بھی ان کو سنانا چاہتی ہوں۔ میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ میں باغِ عدن سے یا جسے میں ہمیشہ باغِ عشرت کے نام سے پکارتی تھی کیوں نکالی گئی اور اب اس ملک میں جہاں غم اور موت اور جُدائی انسان کا ورثہ ہے کیوں رہتی ہوں۔

میرا نام حوّا ہے اور میں پہلی عورت ہوں۔

آدم کا بیان ہے کہ حوّا کے معنی تمام زندوں کی ماں ہے۔ اس زمین پر سب سے عظیم اور پُرمعنی لفظ ماں کا ہے اور جب خدا نے میرا اُولار قائن۔ میرا پہلوٹھا بیٹا میری گود میں ڈالا تو اُسنے مجھے یہ نام دیا۔

لیکن قائن کا حال مجھ سے اسوقت نہ پوچھو ورنہ میرا دل ٹوٹ جائیگا۔

اے میرے بیٹے اور بیٹیو میں ایسے وقتوں کا حال تم سے کہا چاہتی ہوں جواب تمہارے نصیب نہیں ہو سکتا اور ایسے باغ کا جہاں تم اب رہ نہیں سکتے۔

یہ خوشی تمہارا ورثہ تھی اور یہ باغ تمہارے لئے تھا لیکن چونکہ میں تمہاری ماں نے ایک جھوٹ کا یقین کیا اور خداوند خدا اپنے مالک کو بھول گئی۔ باغِ عشرت کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے بند کئے گئے۔

اِس واقعہ کے بیان سے مجھے سخت درد ہوتا ہے تاہم اسکا بیان کرنا ضرور ہے کیونکہ یُوں ہی تمکو معلوم ہو سکتا ہے کہ تم نے کیا کچھ کھویا اور اِسی سے تم کو اس امید کی کچھ کچھ پہچان ملے گی جس نے میری راہ کو روشن کر دیا ہے۔

آدم نے اس عجیب صبح کا مجھ سے اکثر بیان کیا ہے جب گہری نیند سے اُٹھ کر اُسنے مجھ کو اپنے پاس کھڑے پایا۔ اسکی باتوں کی یاد سے ابھی تک میرے رُخساروں پر رنگ آجاتا اور میری آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اس نے اپنی محبت اور رحاجت کا بیان کیا ہے اور اس دلی یگانگت اور اتحاد کا بھی جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہی ہمیں مل گیا۔ اُس نے مجھے بتایا ہے کہ کیونکر ہم نے گھٹنوں کے بل گر کر خدا کا جس نے ہم کو ایک دوسرے کی تسلی اور اپنے جلال کیلئے پیدا کیا تھا۔

شکر ادا کیا۔

میرے بیٹے اور بیٹیو۔ باغِ عشرت میں وقت نامعلوم تھا۔ یہ تو سچ ہے کہ وہاں دن اور ہفتے اور مہینے اور سال ہوتے تھے لیکن ان سے ہم میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوتی تھی۔ آدم اور میں سدا اپنے کامل شباب کی پہلی بہاریں میں رہتے تھے۔ باغ میں پھول کبھی مرجھاتے نہ تھے اور پرند اور درند نہ کسی قسم کی تکلیف اٹھاتے۔ نہ مرتے تھے۔ وہاں نہ جدائی تھی نہ موت۔ نہ غم تھا نہ درد۔

موسم تو ہمارے یہی تھے لیکن فرق اتنا تھا کہ موسم سرما آرام کا وقت تھا۔ نہ برف پڑتی تھی نہ شدت کی سردی ہوتی تھی۔ پودے سردی سے مرتے اور مرجھاتے نہ تھے۔ ساری کائنات (نیچر) گویا آرام کرتی اور بہار کی منتظر رہتی تھی۔ موسم سرما بہار کی پیدائش کا انتظار کرتا تھا۔

بہار کی آمد کی ہمکو آپ ہی آپ آگاہی ہو جاتی تھی کیونکہ دُنیا کے رُخ پر اور ہی رونق آجاتی۔ پھلدار درختوں پر بُور آجاتا اور پرند نغمہ سرائی میں لگے رہتے تھے۔ اور موسم گرما کی یہ پہچان تھی کہ کبوتر سارا دن گوٹر گوں کرتے رہتے تھے اور بلبل ساری رات چہکتی رہتی تھی۔ گلاب سے سارا باغ بھرا رہتا اور سوسن سے ہوا معطر رہتی تھی۔

خزاں میں پھل اور اناج پیدا ہوتا اور ہم ان کو سرما کے لئے جمع کرتے تھے۔

ہر ایک موسم اچھا تھا اور ہماری خوشی پر کوئی بادل چھایا نہ تھا

تم نے یہ تو سُنا ہوگا کہ خداوند خدا نے آدم کو یہ بھاری کام دیا کہ باغ کے درند اور پرند کو نام دے۔ جب تک دُنیا قایم ہے اسکے یہ دیئے ہوئے نام زبان زدِ عام رہیں گے۔ اس نے پھولوں اور پھلوں کو بھی نام دیئے اور میں اُس کی بیوی نے اسکی مدد کی۔

باغِ عشرت میں سب کا بادشاہ آدم تھا۔ بالخصوص وہ میرا بادشاہ تھا۔ اسکو میں محبت کرتی اور اس کی فرماں برداری سے مجھے راحت ہوتی تھی۔

وہ کامل خوشی کے دن تو دُور جاتے رہے لیکن ان کا بیان کرتے وقت ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ ذرا آنکھ بند کرلوں تو وہ پرانے نظارے میری آنکھوں کے آگے سے پھر جاتے اور میں اُن پرانی جگہوں میں جا بیٹھتی ہوں۔ درختوں کی شاخوں میں پرندے بیٹھے پھر چہچہاتے ہیں اور پھول جا بجا مہکتے ہیں۔ آدم اپنی قوت میں خدا کی مانند ہے اور میں صبح صادق کی خوبصورتی سے حسین ہوں۔ کیا یہ ایک خواب ہے کہ میں نے ایک جھوٹ پر یقین کیا اور کہ میں نے گناہ کیا؟ اور کیا یہ بھی محض ایک خواب ہے کہ کروبیم ننگی تلواریں لئے باغ کا پہرہ دیتے ہیں تاکہ کوئی انسان جو عورت سے پیدا ہوا اس میں پھر داخل نہ ہو۔

ایک صبح کا ذکر ہے کہ پھل ابھی پک رہے تھے کہ میں نیند سے اُٹھکر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ میں ایک دیوار کے سایہ میں لیٹی تھی اور پرندوں کے چہچہانے سے اپنی خواب راحت سے اُٹھ بیٹھی۔ میں نے سر اُٹھا کر اس دلکش باغ پر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ میرے دل میں کامل شانتی اور اطمینان تھا۔ اور میں کسی خطرہ سے بھی آگاہ نہ تھی۔ اپنی آنے والی تکلیف اور آفت کا تو مجھے

خیال تک نہ تھا۔
میں نے جلدی اُٹھ کر آدم کو بلایا سو وہ کچھ پھول لیکر میری طرف آیا۔ اس نے اپنے مضبوط ہاتھ میرے کاندھوں پر رکھ دیئے اور مجھ پر نگاہ محبت ڈالی۔ میں نے اسکی نگاہ کا جواب دیا اور مجھے ایسا معلوم ہُوا کہ ہم ایک دوسرے کے دل کو دیکھ سکتے ہیں
اس ساری دُنیا میں آدم کے چہرہ سا عظیم اور جلالی اور پُر رونق چہرہ کسی کا نہ ہوگا۔ وہ اس کاملیت سے کامل تھا جو خدا نے اسکو بخشی تھی پیشتر ازیں کہ گناہ نے اُس کو آلودہ کیا اور غم اور بڑھاپے سے پیشانی پر چین پڑ گئے اور آنکھوں میں درد پیدا ہُوا۔
اس پیاری آواز نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ "حوا آج صبح تم اپنے معمول سے بڑھ کر حسین ہو۔ سارے باغ میں تم سا حسین کوئی نہیں۔ تم میری آنکھوں کے نور ہو اور میری جان تم سے وابستہ ہے اور میں تم کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز رکھتا ہوں"۔
اس کے جواب میں میں نے صرف مسکرا دیا اور میرا یہ تبسم لنبے چوڑے فقروں سے کہیں زیادہ پُر معنی تھا۔
اور میں بولی بھی تو اتنا ہی کہ "میں نہایت خوش ہوں اور یہاں رہنا اچھا ہے"۔ اس پر آدم نے مجھے بوسہ دیا اور درختوں پر سے پرندوں نے نغمہ سرائی شروع کر دی گویا کہ اپنی اور ہماری محبت کے سرود سے وہ اپنے آپ میں سماتے نہ تھے۔
"میں ٹھنڈے ٹھنڈے ہی چاشت کے لئے پھل جمع کر لوں" اور یہ کہکر میں اپنے کاپر راحت پر چل نکلی۔
جیسا میں نے ابھی کہا یہ پھل پکنے کا وقت تھا اور میں نے مختلف اقسام سے اپنی پسند کر لی تھی۔ انگور کے پتوں اور شاخوں کی ایک ٹوکری بناکر میں نے اُسکو سیب۔ ناسپاتی اور انگوروں سے بھرا۔ درختوں کے نیچے ٹہلتے ٹہلتے میں ایک درخت کے سایہ تلے آٹھہری اور اس کے دل لبھانے والے پھلوں کو نگاہِ شوق سے دیکھنے لگی۔ دیکھنے میں وہ سنہلی رنگت کے تھے اور اُن کی خوشبو سے ہوا معطر تھی۔
میرے دل میں بڑا شوق پیدا ہُوا کہ اسکے پھل کو چکھوں اور اسے توڑنے کو آگے بڑھی لیکن آپ سے آپ رُک گئی۔ یہ نیک اور بد کی پہچان کا درخت تھا اور خداوند خدا نے اسکے پھل کھانے سے منع کیا تھا۔
واں سے واپس میں آدم پاس گئی۔ لیکن سارے وقت مجھے اسی کا خیال لگا رہا اور اس کے لئے میرا اشتیاق بہت بڑھ گیا۔
جب ہم دونو پہلو بہ پہلو بیٹھے اور پرندا درند حسب معمول ہمارے چوگرد اکٹھے ہوئے تو میں نے آدم سے کہا کہ "آدم خدا نے کیوں فرمایا ہے کہ ـــــ؟"
بولتے بولتے میں رُک گئی کیونکہ آدم سر پھیر کر میری طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"خدا نے کیوں ـــــ؟" اُس نے پوچھا۔ میں نے جواب دیا کہ "خدا نے کیوں فرمایا ہے کہ ہم نیک اور بد کی پہچان کے درخت کا پھل نہ کھائیں"۔
اسکا جواب اُس نے یہ دیا کہ "جس دن ہم اسکو کھائیں ہم مر جائیں گے"۔
میں نے پوچھا کہ "بھلا یہ کیوں؟ کچھ وجہ بھی؟"
آدم۔ "مجھ سے کیوں؟ اور وجہ؟ نہ پوچھو۔ خدا کی یہ مرضی ہے اور یہی کافی وجہ ہے"۔
آدم نے جب مجھے یُوں جواب دیا تو میرا دل اندر سے افروختہ سا ہو گیا۔ اور میں نے انگور اور ناسپاتی سے ہاتھ اُٹھایا اور چاشت نہ کھایا۔
میرے خاوند نے بڑے پیار سے کہا کہ "تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم خدا سے ناراض ہو؟"
"نہیں۔ میں ناراض تو نہیں صرف اس درخت کے پھل کے لئے میرا جی ترستا ہے"۔
اُس نے میرے نزدیک ہو کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
"کیا یہ کوئی بڑی بات ہے جو خدا ہم سے طلب کرتا ہے۔ چونکہ ہم اس سے محبت رکھتے ہیں کیا ہم بلا سوال کئے اس کی فرماں برداری نہ کریں"۔
میں خاموش رہی اور میری آنکھیں زمین سے لگی رہیں۔ کچھ دیر بعد میں نے سر اُٹھا کر اوپر کو دیکھا۔ آسمان پر ایک بادل چھایا تھا اور صبح کا وہ نُور جاتا رہا تھا۔ میں نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ پرندوں نے چہچہانا بند کر دیا اور پاس سے ایک شیر نے غرّانا شروع کیا۔
"یہ سچ ہے کہ میں خداوند خدا سے محبت کرتی ہوں تاہم اُس درخت کے پھل کیلئے میں ترستی ہوں"۔ میں نے یُوں اپنے آپ سے کہا۔
آدم نے اُٹھ کر کہا کہ "اسکا خیال چھوڑ دو۔ خداوند نے فرمایا ہے کہ ہم اس کا پھل نہ کھائیں۔ یہی کافی ہے"۔
جب اُس نے یہ کہا تو نیچے کو جھک کر مجھے دیکھا اور میں نے آنکھیں اُوپر کو اُٹھا کر اس پر نگاہ کی۔ ہائے اسکی وہ کیسی صورت پھر کبھی مجھے دیکھنی نصیب نہ ہو گی۔ اس کی شوکت بیداغ تھی۔ اس کی قوت لاثانی اور اسکے خداکے سے چہرے پر گناہ کا کوئی داغ یا فکر کی نگاہ نہ تھی۔
"اس آزمائش سے منہ پھیر لو اور وہ خود تمہارا پیچھا چھوڑ دے گی۔ خداوند ہمارا خدا ہے اور اس کے فرمان ہماری راحت ہیں۔ وہ جس نے ہم کو سب کچھ عنایت کیا ہم سے کچھ بہت طلب نہیں کرتا۔ ہم کون ہیں کہ اس کی مرضی پر سوال اُٹھائیں؟ کیا باغ ہمارے لئے نہیں اور کیا چرند اور پرند اور پھل اور پھول ہمارے نہیں اور کیا اُس نے ہمیں ایک دوسرے کو نہیں دیا؟ کیا ہم آپس میں محبت نہیں کرتے؟ کیا یہ بڑی گہری اور دلی محبت جو ہمیں ایک دوسرے سے ہے ہمارے لئے بس نہیں؟ تاہم یہی سب بخششیں نہیں جو خداوند خدا نے ہمیں دی ہیں۔ ذرا اپنی آنکھیں اُٹھا کر اوپر آسمان کو دیکھو۔ ذرا خیال کرو کہ جس خدا نے آسمان کو پیدا کیا اسی نے ہمکو خلق کیا۔ اس نے اپنی صورت پر اور اپنے جلال کے لئے ہمکو بنایا۔ وہ ہم سے محبت کرتا

ہے۔ وہ باغ میں ہمارے ساتھ چلتا ہے۔ وہ ہم سے رُوبرُو کلام کرتا ہے۔ اور یہ بس ہے۔ کیا اسکا حکم سخت ہے؟ وہ صرف ہماری محبت کو آزماتا ہے "۔

آدم نے منہ پھیر لیا گویا اپنے اظہار دل کے لئے اُسے لفظ ملتے نہ تھے۔ اور میں بیٹھ کر سوچ میں پڑگئی۔

آسمان پر کالا بادل گہرا اور تاریک ہوتا گیا اور سناٹا سا کا عالم ہو گیا گویا ساری کائنات (نیچر) کسی امر کی منتظر تھی۔

پرندوں کا چہچہانا بند ہو گیا تھا اور درندے بھی دہشت زدہ سے جوق در جوق کھڑے ہو گئے۔

ایک ہلکی سی ہوا نے سب سے اُونچے درخت کی چوٹی کو ایک دم بھر کے لئے ہلایا اور پھر جاتی رہی۔ پھر وہی سناٹا کا عالم ہو گیا۔

آدم کے الفاظ میرے دل میں گھر تو کر گئے تھے لیکن میرا میلانِ طبع نہ بدلا۔ زندگی میں پہلی دفعہ مجھے معلوم ہُوا کہ میری کوئی ایسی خواہش بھی ہے جو پوری نہیں ہوئی اور میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اس خیال سے میں چھٹکارا پا نہ سکی۔ یہ مجھے ستاتا اور حیران و ششدر بناتا رہا۔

اور میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر خداوند خدا فرماتا ہے کہ میں یہ پھل نہ کھاؤں تو میں اس کا حکم مانوں گی لیکن جا کر میں اسے دیکھ تو آؤں۔ اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

پس اُس بڑھتی تاریکی میں دبے پاؤں میں اُدھر کو چل نکلی۔ کچھ تو یہ ڈر تھا کہ کہیں آدم مجھکو دیکھ نہ لے اور کچھ یہ آرزو بھی تھی کہ وہ بھی آجائے۔ اور میں درخت کے نیچے جا ٹھہری۔ اور بھی سناٹا ہو گیا اور اس منظر پر رات کی سی تاریکی چھا آئی۔ لیکن اتنی روشنی تھی کہ ان سنہلے پھلوں کو میں دیکھ سکتی تھی اور ان کی عجیب خوشبو سے میرا دماغ معطر ہو رہا تھا۔ دفعتہً مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی اور مشکل سے میں نے اپنے ہاتھوں کو پھل کے توڑنے اور منہ میں ڈالنے سے باز رکھا۔ آدم کی تنبیہہ کو میں بھول گئی اور جس کے کھانے سے خداوند خدا نے منع کیا تھا میرا جی اسکے لئے ترسنے لگا۔

پھر نظر اُٹھا کر میں نے ایک موہومی صُورت دیکھی اور ایک منٹ بعد میرے کانوں میں ایک آواز سنائی دی۔ آواز تھی تو آہستہ لیکن میرے کانوں میں گھر کر گئی اور میرے دل پر بڑا اثر کیا اور مارے شوق کے میں دیوانی سی ہو گئی۔

" کیا یہ سچ ہے کہ خدا نے کہا کہ باغ کے ہر درخت سے نہ کھانا؟"

میں نے جواب دیا کہ " اس درخت کا پھل ہم نہیں کھاتے۔ جس دن ہم اس سے کھائینگے ضرور مر جائیں گے "۔

اس آواز نے کہا کہ " تم ہرگز نہ مروگے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائینگی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے ہو گے "۔

میرا دل دھڑکنے لگا۔ کیا اس حکم کا عندیہ یہی تھا؟ کیا خدائے عظیم الشان اور قدوس

اور نیک جھوٹا ہے ؟ کیا یہ آواز جو ایسی دل لبھانے والی اور مؤثر ہے سچ کہتی ہے ؟ دم زدن میں میں نے اُس جھوٹ کو جس نے ساری دُنیا کی ہیئت بدل دی سچ جان لیا ! - جذبہ سے مغلوب اور شوق سے دیوانی میں نے ہاتھ اُٹھا کر پھل کو توڑ لیا - اس کی سُنہلی صُورت کو دیکھ کر میں نے اُسے لبوں کو لگایا اور کھا لیا -

میں نے اُسکو ابھی منہ میں ڈالا ہی تھا کہ ایک ہاتھ نے مجھے چھُوا - میں پیچھے کو مُڑی - سر پر بادل ایسا گھنا تھا کہ مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن میں نے آدم کا چہرہ پہچان لیا - اس کا چہرہ بدلا ہُوا تھا - اس کی آنکھوں میں ایک ڈراؤنی اور حیرت بھری نگاہ تھی - اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا -

" تم نے یہ کیا کیا ؟ "

میں نے جواب دیا کہ میں نے اس درخت کا پھل کھا لیا ہے - " تو بھی کھا اور خوف نہ کر - ہم ہرگز نہ مرینگے - لیکن نیک و بد کی پہچان پائیں گے ہاں ہم خدا کے سے ہو جائینگے - کھا اور اپنے ورثہ پر دعویٰ کر - تم خدا کے برابر ہو گے ! "

مجھے خود معلوم نہیں کہ کیسے میں نے اسکو ورغلایا - شاید چونکہ میں عورت تھی اور وہ مجھ سے محبت کرتا تھا - جب میں نے پھل اسکے لبوں سے لگایا خدا کی صُورت اس کے چہرے سے جاتی رہی - اس نے پھل لے کر کھا لیا -

ٹھیک اس وقت - جیسے ہی آدم نے پھل لبوں سے لگایا بادل کے وسط سے بجلی ظاہر ہُوئی - غیر معمُولی خوبصورتی سے اس نے باغ کو منوّر کر دیا - اور اس نور میں سے وہ جھوٹ جس کو میں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی دھوئیں کی طرح غائب ہو گیا - بجلی ایسے زور سے کڑکی کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا فضا ہی پھٹ چلی ہے اور جب طوفان اُٹھا تو آدم اور میں نے جانا کہ ہم نے کیا کیا ہے

دُوسرا باب

میدان میں خیمہ

دو تن آور لڑکے ایک خیمہ کے باہر کُشتی کر رہے تھے - میں اُن کی ماں بیٹھی اُن کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہی تھی - سُورج اپنی مغربی منزل پر پہنچنے کو تھا اور شام کی قربانی کا وقت نزدیک تھا - لڑکے سرو قد اور قوی تن تھے اور ظاہر تھا کہ بڑے ہو کر نہایت خوبصورت نکلیں گے - میری نظر جب اُن پر پڑتی تو گویا میرا دل آنکھوں کی راہ باہر آ جاتا اور ان کی نسبت میں میٹھے خواب دیکھتی تھی - جس دن سے کہ میرا پہلا بیٹا قائن میری گود میں پڑا میرا یہی معمول تھا - قائن اب عالم شباب میں تھا اور بڑا مضبوط اور مغرور سا اور دلاور اور خوش طبع تھا اور اسکا بھائی ہابل بھی بڑا چھبیلا جوان تھا لیکن محبتِ مادری قائن کے لئے مضبوط تھی -

رہتے۔ وہ باغ میں ہمارے ساتھ چلتا ہے۔ وہ ہم سے رُوبرُو کلام کرتا ہے۔ اور یہ بس ہے۔ کیا اسکا حکم سخت ہے؟ وہ صرف ہماری محبت کو آزماتا ہے۔"

آدم نے منہ پھیر لیا گویا اپنے اظہار دل کے لئے اُسے لفظ ملتے نہ تھے۔ اور میں بیٹھ کر سوچ میں پڑ گئی۔

آسمان پر کالا بادل گہرا اور تاریک ہوتا گیا اور سناٹا کا عالم ہو گیا گویا ساری کائنات (نیچر) کسی امر کی منتظر تھی۔

پرندوں کا چہچہانا بند ہو گیا تھا اور درندے بھی دہشت زدہ سے جوق در جوق کھڑے ہو گئے۔ ایک ہلکی سی ہوا نے سب سے اُونچے درخت کی چوٹی کو ایک دم بھر کے لئے ہلایا اور پھر جاتی رہی۔ پھر وہی سناٹا کا عالم ہو گیا۔

آدم کے الفاظ میرے دل میں گھر تو کر گئے تھے لیکن میرا میلان طبع نہ بدلا۔ زندگی میں پہلی دفعہ مجھے معلوم ہُوا کہ میری کوئی ایسی خواہش بھی ہے جو پوری نہیں ہُوئی اور میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اس خیال سے میں چھٹکارا پا نہ سکی۔ یہ مجھے ستاتا اور حیران و ششدر بناتا رہا۔

اور میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر خداوند خدا فرماتا ہے کہ میں یہ پھل نہ کھاؤں تو میں اس کا حکم مانوں گی لیکن جا کر میں اسے دیکھ تو آؤں۔ اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

پس اُس بڑھتی تاریکی میں دبے پاؤں میں اُدھر کو چل نکلی۔ کچھ تو یہ ڈر تھا کہ کہیں آدم مجھکو دیکھ نہ لے اور کچھ کچھ یہ آرزو بھی تھی کہ وہ بھی آجائے۔ اور میں درخت کے نیچے جا ٹھہری۔ اور بھی سناٹا ہو گیا اور اس منظر پر رات کی سی تاریکی چھا آئی۔ لیکن اتنی روشنی تھی کہ ان سنہلے پھلوں کو میں دیکھ سکتی تھی اور ان کی عجیب خوشبُو سے میرا دماغ معطر ہو رہا تھا۔ دفعۃً مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی اور مشکل سے میں نے اپنے ہاتھوں کو پھل کے توڑنے اور منہ میں ڈالنے سے باز رکھا۔ آدم کی تنبیہ کو میں بھول گئی اور جس کے کھانے سے خداوند خدا نے منع کیا تھا میرا جی اسکے لئے ترسنے لگا۔

پھر نظر اُٹھا کر میں نے ایک موہومی صُورت دیکھی اور ایک منٹ بعد میرے کانوں میں ایک آواز سُنائی دی۔ آواز تھی تو آہستہ لیکن میرے کانوں میں گھر کر گئی اور میرے دل پر بڑا اثر کیا اور مارے شوق کے میں دیوانی سی ہو گئی۔

کیا یہ سچ ہے کہ خدا نے کہا کہ باغ کے ہر درخت سے نہ کھانا؟"

میں نے جواب دیا کہ "اس درخت کا پھل ہم نہیں کھاتے جس دن ہم اس سے کھائینگے ضرور مر جائیں گے۔"

اس آواز نے کہا کہ "تم ہرگز نہ مرو گے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھُل جائینگی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے ہو گے۔"

میرا دل دھڑکنے لگا۔ کیا اس حکم کا عندیہ یہی تھا؟ کیا خدائے عظیم الشان اور مقدس

اور نیک جھوٹا ہے؟ کیا یہ آواز جو ایسی دل لبھانیوالی اور مؤثر ہے سچ کہتی ہے؟ دم زدن میں میں نے اُس جھوٹ کو جس نے ساری دُنیا کی ہیئت بدل دی سچ جان لیا! جذبہ سے مغلوب اور شوق سے دیوانی میں نے ہاتھ اُٹھا کر پھل کو توڑ لیا۔ اس کی سنہلی صُورت کو دیکھ کر میں نے اُسے لبوں کو لگایا اور کھا لیا۔

میں نے اُسکو ابھی منہ میں ڈالا ہی تھا کہ ایک ہاتھ نے مجھے چھُوا۔ میں پیچھے کو مُڑی۔ سر پر بادل ایسا گھنا تھا کہ مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن میں نے آدم کا چہرہ پہچان لیا۔ اس کا چہرہ بدلا ہُوا تھا اس کی آنکھوں میں ایک ڈراؤنی اور حیرت بھری نگاہ تھی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تم نے یہ کیا کیا؟"

میں نے جواب دیا کہ میں نے اس درخت کا پھل کھا لیا ہے۔ تو بھی کھا اور خوف نہ کر۔ ہم ہرگز نہ مرینگے۔ لیکن نیک و بد کی پہچان پائیں گے ہاں ہم خدا کے سے ہو جائینگے۔ کھا اور اپنے ورثہ پر دعویٰ کر۔ تم خدا کے برابر ہو گے۔"

مجھے خود معلوم نہیں کہ کیسے میں نے اسکو ورغلایا۔ شاید چونکہ میں عورت تھی اور وہ مجھ سے محبت کرتا تھا۔ جب میں نے پھل اسکے لبوں سے لگایا خدا کی صُورت اس کے چہرے سے جاتی رہی۔ اس نے پھل لے کر کھا لیا۔

ٹھیک اس وقت۔ جیسے ہی آدم نے پھل لبوں سے لگایا بادل کے وسط سے بجلی ظاہر ہُوئی۔ غیر معمُولی خوبصورتی سے اس نے باغ کو منوّر کر دیا۔ اور اس نور میں سے وہ جھوٹ جس کو میں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی دھوئیں کی طرح غائب ہو گیا۔ بجلی ایسے زور سے کڑکی کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا فضا ہی پھٹ چلی ہے اور جب طوفان اُٹھا تو آدم اور میں نے جانا کہ ہم نے کیا کیا ہے

دُوسرا باب

میدان میں خیمہ

دو تن آور لڑکے ایک خیمہ کے باہر کُشتی کر رہے تھے۔ میں اُن کی ماں بیٹھی اُن کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہی تھی۔ سُورج اپنی مغربی منزل پر پہنچنے کو تھا اور شام کی قربانی کا وقت نزدیک تھا۔ لڑکے سرو قد اور قوی تن تھے اور ظاہر تھا کہ بڑے ہو کر نہایت خوبصورت نکلیں گے۔ میری نظر جب اُن پر پڑی تو گویا میرا دل آنکھوں کی راہ باہر آجاتا اور ان کی نسبت میں بیٹھی خواب دیکھتی تھی۔ جس دن سے کہ میرا پہلا بیٹا قائن میری گود میں پڑا میرا یہی معمول تھا۔ قائن اب عالم شباب میں تھا اور بڑا مضبوط اور مغرور اور دلاور اور خوش طبع تھا اور اسکا بھائی ہابل بھی بڑا سجیلا جوان تھا لیکن محبتِ مادری قائن کے لئے مضبوط تھی۔

شاید اسکی یہ وجہ تھی کہ جب آدم اور میں باغِ عشرت سے نکالے گئے تو قائن پہلا شخص تھا جو ہماری تسلی کا موجب ہوا۔

جب میں بیٹھی لڑکوں کو دیکھ رہی تھی تو آدم میرا خاوند میرے پاس آبیٹھا۔ میری آنکھوں میں تو یہ وہی پہلا سا آدم تھا لیکن اس کی صورت بہت کچھ بدل گئی تھی۔ اسکی آنکھوں میں اُداسی تھی۔ بال سفید ہوگئے تھے۔ پیشانی پر شکن پڑے تھے۔ یہ شکن گویا اسی غم کا اظہار تھے جو ہمیشہ اس کے دل میں رہتا تھا کیونکہ اسے گناہ کی یاد اسکو دن رات رہتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ میں کس اعلیٰ جگہ سے گرا ہوں اور کہ میں اس کی بیوی نے اس گناہ کی ترغیب دی تھی۔

تاہم اس کی محبت مجھ سے جوں کی توں مضبوط رہی اور میں تو اسکو پیشتر سے کہیں بڑھ کر محبت کرتی تھی۔ میرے نزدیک تو دُنیا میں وہ سب سے عظیم اور بڑا شخص رہے گا۔ اور اس کی اِس غمناک حالت میں میری ہمدردی پہلے سے زیادہ حقیقی اور گہری تھی

آدم نے اب میرے کاندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور ہم دونوں اپنے بچوں کی طرف دیکھنے لگے۔

کچھ دیر بعد میں بولی کہ وہ کیسے جلدی بڑھتے ہیں۔ وہ جلد جوان ہو جائیں گے۔ وہ شیر بچوں سے مضبوط ہیں۔ وہ دُنیا کو مغلوب کرینگے۔

میرے خاوند نے جواب دیا کہ "دُنیا مُدتوں میں مغلوب ہوگی۔ لیکن جیسا تم نے کہا وہ مضبوط ہیں اور جلد مرد ہو جائیں گے۔"

آدم یہ کہہ ہی رہا تھا کہ لڑکوں نے کشتی چھوڑ کر دوڑ شروع کی اور دیکھتے دیکھتے پہاڑی کے سرے پر جا پہنچے۔

آدم پھر بولا کہ کانٹے اور اونٹ کٹارے زمین میں گہری جڑیں پکڑتے جاتے ہیں اور میں اُنکو اُکھاڑنے کی بے فائدہ کوشش کرتا ہوں۔"

میں نے جواب دیا کہ کیا خداوند خدا نے فرمایا نہ تھا کہ زمین ہمیشہ کانٹے اور اونٹ کٹارے اُگلے گی۔"

اُس نے جواب دیا کہ "ہاں یہ سچ ہے۔ یہ بھی لعنت کا ایک حصہ ہے۔"

اس پر میں نے کہا کہ "زمانہ اب کیسا بدل گیا ہے۔ درندوں کی حالت بھی اب پہلی سی نہیں رہی۔ کل رات میں بالکل سو نہ سکی کیونکہ شیر اپنے شکار کے پیچھے غراتے رہے۔"

میں اپنے کلام کو ختم نہ کر سکی۔ میں نے قائن کو پہاڑی سے بھاگتے آتا دیکھا۔ پھولوں کے گلدستے اور پکے پھل اُس کے ہاتھ میں تھے۔

پاس پہنچ کر اُس نے کہا کہ دیکھو میری محنتوں کا ثمرہ۔ یہ پھول اور پھل میں خداوند خدا کو نذر دُوں گا۔ اس کی آنکھیں فتح و نصرت کے اظہار میں روشن تھیں اور اس کے رُخساروں پر ایک عجیب رونق تھی۔

خداوند اپنے چہرے کا نور مجھ پر جلوہ گر فرمائے گا اور میں اُسکو اپنی بہتر سے بہتر اشیاء کا

ہدیہ گذرانوں گا۔ یہ پھول اور پھل میری محنت کا ثمرہ ہیں۔ برسوں تک میں نے دن کو سورج کی گرمی اور رات کی اوس کی برداشت کی۔ میں خداوند کو وہ چیز نذر دیتا ہوں جس پر میری بہت محنت خرچ ہوئی۔

اس کے باپ نے بڑے پیار سے کہا کہ بیٹا اس امر کا خیال رکھنا کہ تمہاری نذر خداوند تمہارے خدا کے حضور مقبول ٹھہرے۔ اپنے زور و قوت کے غرور میں خدا کے حضور آنا نہیں چاہئیے۔

پیشتر ازیں کہ قائن اپنے باپ کی بات کا جواب دیتا۔ چھوٹا بیٹا ہابیل۔ صبح صادق سے بڑھ کر حسین۔ خوش و شادمان۔ پہاڑی سے نیچے آیا۔ اس کی آنکھوں سے محبت جھلکتی تھی اور اسکی رفتار سے فروتنی اور سنجیدگی ظاہر تھی۔

اور اس نے آن کر کہا کہ میں اپنا پلوٹھا برّہ لایا ہوں کہ خداوند خدا کی نذر کروں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند مجھ پر مہربان ہو اور میری قربانی کو منظور فرمائے۔

قائن کے چہرے پر حیرانی اور غصّے کے آثار ظاہر ہوئے

اور اس نے ہابیل سے کہا کہ تمہاری قربانی خوبصورت نہیں۔ دیکھو میں خداوند کی نذر دینے کو کیا لایا ہوں۔ سنہلے پھل اور رنگ رنگ کے خوشبودار پھول۔ ضرور وہ اس کی نظروں میں مقبول ٹھہریں گے۔

چھوٹے لڑکے نے جواب دیا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ خدا مجھ پر مہربان ہوگا اور اسکے چہرے کی صورت بدل گئی۔ اور یہ صورت ایک دفعہ پہلے میں نے دیکھی تھی۔ اس کے معنی مجھے تب تو معلوم نہ تھے لیکن بعد میں معلوم ہو گئے۔

اور کہا کہ شام کی قربانی کا وقت ہولیا ہے۔ آؤ خداوند کے مذبح پر قربانی چڑھائیں۔

بولتے وقت اس نے وہاں سے ذرا دور ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کیا جہاں مذبح کھڑا تھا۔ اور اُدھر بھاگا چلا گیا اور قائن اسکے پیچھے ہولیا۔

میری طرف پھر کر آدم نے کہا کہ میرے دل میں ڈر پیدا ہوتا ہے مجھے لڑکوں کی طرف سے ڈر ہے۔ قائن بڑا مغرور ہے اور بے عزتی اور خاکساری کی برداشت اس سے نہ ہوگی۔

میں نے پوچھا کہ کیا خدا اسکی قربانی قبول نہ فرمائے گا۔

آدم نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن مجھے ایک قسم کا ڈر سا ستا رہا ہے خداوند خون اور زندگی طلب کرتا ہے۔ ہابیل کی قربانی یعنی بھیڑ بکریوں کا پلوٹھا خدا قبول کرے گا۔ یہ بات عجیب اور فہم سے بعید ہے۔

بولتے وقت اس کی آنکھیں مجھ پر لگی تھیں اور اسکے دل کی کشمکش کا عکس اس کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔

میں نے کہا کہ میں کچھ کچھ اسکا مطلب سمجھنے لگا ہوں۔ آدم کیا یہ نشان کے باعث ہے؟

آدم نے حیرانی سے پوچھا کہ کیا؟ نشان؟

میں نے جواب دیا کہ ہاں نشان۔ کسی کسی وقت میں زمانوں کی درازی میں سے ایک شخص کا چہرہ چو مار آگیا مقابلہ دھندلا سا دیکھتی ہوں۔ خون اس کا نشان ہے۔ باغِ عشرت میں ہم جو کچھ کھو چکے ہیں وہ سب کچھ اپنی موت سے بحال کر دے گا۔ میں اس کا چہرہ دھندلا سا دیکھتی ہوں۔ لیکن وہ سب کچھ بحال کر دے گا۔

یہ الفاظ میرے لبوں ہی پر رہے۔ ایک لڑکا پہاڑی پھاند کر میرے پہلو میں آ کھڑا ہوا۔

"نامقبول" اور یہ کہ کر اپنے پھل اور پھول اسنے میرے پاؤں پاس دے پھینکے۔ "خداوند نے میرے بھائی ہابیل کے ہدیہ کو قبول کیا اور میرے ہدیہ کو نامنظور کیا اور میرا جی غصہ ہے اور میں اپنے بھائی ہابیل سے سخت نفرت کرتا ہوں"۔

اُس کے منہ سے لفظ رُک رُک کر نکلتے تھے اور غصہ سے اسکا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ایک ایسی نگاہ تھی کہ جس سے میرے دل میں بھی خوف پیدا ہو گیا۔ میں نے اپنے ہاتھ اُٹھا کر اسے وہ مادرانہ تسلی دینی چاہی جس سے اب تک اس پر بڑا اثر ہوتا تھا لیکن میرے پیار کی اُسنے پرواہ نہ کی۔

"میں اپنے بھائی ہابیل سے سخت دشمنی کرتا ہوں" یہ فقرہ دُہرا کر وہ پہاڑی سے نیچے ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہابیل آن کر خیمہ کے دروازہ میں باپ کے اور میرے پاس آ بیٹھا۔ اور کہا کہ "خداوند نے مجھ پر بڑی مہربانی کی اور میں نہایت خوش ہوں"۔

میں نے کہا کہ تمہارا بھائی قائن تم سے غصہ ہے اور اس کے لئے مجھے نہایت رنج ہے۔

ہابیل نے کہا کہ قائن کو چاہیئے کہ میری بھیڑ بکریوں میں سے لے کر خداوند کے حضور قربانی چڑھائے کیونکہ خداوند خون جو زندگی ہے طلب کرتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اسکا مفہوم کیا ہے لیکن کچھ کچھ اسکا مطلب مجھے معلوم ہے۔

میں نے پیار سے جواب دیا کہ میرے بیٹے تم پر خدا کی چھپی ہوئی باتیں ظاہر کی گئی ہیں گو رویا ہی میں۔

ہابیل نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں ڈال دیا اور اپنی نیلی آنکھوں سے مجھ پر نگاہ ڈالی لیکن کچھ بولا نہیں اور ہم دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہے یہاں تک کہ شفق جاتی رہی اور رات کا اندھیرا چھا گیا۔

آخر ہم رات کو لیٹ گئے لیکن قائن واپس نہ آیا۔ میں بے چین تھی اور فکروں سے میری جان دبی تھی۔

آدم نے پوچھا کہ "آج بے چین کیوں ہو؟"

میں نے جواب دیا کہ قائن ابھی تک واپس نہیں آیا۔ دوپہر سے اُس نے کچھ کھایا نہیں۔ بھوک سے وہ بے حال ہوگا اور جنگل میں کہیں درندوں کا شکار نہ بن جائے۔

لیکن آدم کو کوئی اس قسم کا خوف دامنگیر نہ تھا اور اس نے مسکرا کر آہستہ سے جواب دیا۔ قائن اپنی کم فہمی کے لئے خدا کے ساتھ جنگ کر رہا ہے۔ جب خدا غالب آئے گا تو اسکو پھیر

اطمینانِ دل حاصل ہوگا اور وہ گھر واپس آئے گا۔
میں نے کہا۔ لیکن اگر غصہ غالب نہ آیا تو۔ آدم نے کہا کہ اپنے طریق پر وہ ضرور غالب آئیگا۔ اور چونکہ وہ دن بھر کا تھکا ماندہ تھا کروٹ بدل کر سو گیا۔

لیکن میں۔ قائن کی ماں سو نہ سکی۔ میں اسکے آوازِ پا کی منتظر رہی لیکن وہ نہ آیا۔ وقت گذرتا گیا۔ جنگل میں سے درندوں کے غرانے کی آواز میرے کانوں میں آتی تھی اور میرا دل دھڑکتا تھا۔ تاریکی میں لیٹے لیٹے طرح طرح کے خیال میرے دل میں آتے تھے اور اپنے گناہ کی یاد مجھے ستاتی تھی۔ اس خوش و خرم وقت کی یاد مجھے آتی تھی جب ہم باغ میں تھے اور پھر اس غم و رنج کی بھی جب ہم وہاں سے نکالے گئے۔ اور پھر اس خوشی کی کہ جب خدا نے مجھ پر رحم کیا اور میری تسلی کیلئے مجھے ایک بیٹا دیا اور مادریت کا تاج میرے سر پر رکھا۔ اپنے ننھے بچے کے نرم نرم ہاتھ مجھے پھر چھوتے معلوم دیتے اور اسکا پھول سا چہرہ پھر میری آنکھوں کے سامنے سے پھر گیا۔ پہلے دنوں میں تو میرے پیار سے اسکا غصہ جاتا رہتا تھا اور میری محبت سے اسکا غم و فکر دور ہو جاتا تھا۔

وہ دن اب جاتے رہے تھے اور قائن ضدی۔ مضبوط اور خود رائے ہو گیا تھا۔ محبت اور غصہ دونو اس کے دل پر قابض تھے۔ ان پہلے دنوں میں قائن مجھ سے کیسی محبت کرتا تھا۔ سارا سارا دن وہ میرے قدموں میں بیٹھا رہتا محض اسی لئے کہ میں تھکی ہوتی اور اس کے چھوٹے پن سے میری تھکاوٹ جاتی رہتی اور میں اپنی بدحالی کو بھول جاتی تھی۔ بڑے بڑے اونچے چٹانوں پر وہ عقاب کے بچوں کے پیچھے چڑھ جاتا تھا۔ وہ دلاور بھی بڑا تھا! میں نے دیکھا ہے کہ جنگل کے شیر بھی اس کی نگاہ سے ڈر کر بھاگ جاتے تھے۔ بڑے بڑے زہریلے سانپوں سے اس نے زہر نکال دیا۔ ایک دفعہ ہابیل کے بازو پر ایک زہریلے سانپ نے ڈنگ مارا تو اس نے سارا زہر چوس کر اگل دیا۔ لیکن باوجود اس محبت اور دلاوری کے وہ خدا کے قوانین اور فرامین کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے اشتعال سے نہایت غصہ ہو جاتا اور مارے غضب کے دیوانہ ہو جایا کرتا تھا جب وہ بڑا ہوا تو کبھی کبھی اسکے دل پر عجب یاس کا عالم چھا جاتا تھا۔ اور وہ دنوں تک بیابان میں تن تنہا رہتا تھا۔

ہابیل کی سیرت اور مزاج بالکل مختلف تھا۔ جب ہم باغ میں رہتے تھے تو اسوقت جو صورت آدم کے چہرے پر دن رات رہتی تھی اور جو پھل کھانے کے ساتھ ہی اسکے چہرے سے جاتی رہی ہابیل کے چہرے پر کچھ کچھ اب بھی دکھائی دیتی تھی۔ وہ بڑی سوچ اور دھیان میں رہتا اور تنہائی میں پھرا کرتا تھا۔ لیکن اس کی حلیمی ہی اسکی قوت تھی اور جن کے ساتھ اسکا سابقہ پڑتا ان پر اسکا اثر عجیب ہوتا تھا۔ اسکے ہوتے ہوئے بے صبر ہونا یا خدا کی بخششوں پر کڑکڑانا یا اپنی اس پست حالت پر غم کھانا مشکل تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ ایسا جادو تھا کہ اس کے چھونے سے تسکین آتی تھی۔ اور اس کے چہرے پر ایسی سلامتی تھی کہ خدا نے جو سلامتی کا بانی ہے گویا اپنی وہ مُہر اس پر لگائی تھی۔ اسکو مجھ پر۔ اپنے باپ اور بھائی پر بھی ایک عجیب قابو حاصل تھا۔ خونخوار درندے بھی

اُسکے سامنے حلیم ہو جاتے اور ضرر رساں اسکے ہوتے ہوئے ضرر نہ پہنچاتے تھے۔

اس شب تاریک میں میرا خیال لڑکوں کی طرف لگا رہا۔ قائن کی طرف سے تو میرے دل میں خوف و گھبراہٹ جاگزین تھی اور ہابیل کے لئے میں خوش تھی جب دیر تک قائن واپس نہ آیا تو خوشی کا خیال جاتا رہا اور خوف نے غلبہ پایا۔ دبے پاؤں اُٹھکر میں نے ہابیل کے بستر پاس جاکر اُسے جگایا۔ میرے چھوتے ہی وہ اُٹھ بیٹھا اور میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"اماں جان آپ بے چین کیوں ہیں؟"

"مجھے قائن کی فکر لگ رہی ہے۔ صبح ہونے کو ہے اور وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

ہابیل۔ صبح ہوتی ہے تو میں جاکر اس کی تلاش کرتا ہوں۔ وہ خدا سے غصہ ہے۔ جب وہ اپنی بُری رُوح پر غلبہ پائے گا۔ تو اسکو اطمینان دل حاصل ہوگا۔

میں ہابیل کے پاس بیٹھ گئی اور اپنی آنکھوں کے نور کو دیکھ دیکھ کر مجھے تسلی ہوئی۔ تاہم میرا فکر کم نہ ہوا۔

ہابیل۔ میں اپنی بھیڑ بکریوں میں سے قائن کو ایک برہ دوں گا۔ اسکو چاہئے کہ خدا کے حضور ایسی قربانی گزرانے جو اسکی نظروں میں مقبول ٹھہرے۔

میں نے ہابیل کا ہاتھ پیار سے اور بھی مضبوط پکڑ لیا۔ اور کہا کہ میرا فکر کم نہیں ہونے کا۔ تم صبح کا انتظار کیوں کرتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ وہ کہاں پھرا کرتا ہے تمہاری ہمدردی سے اُسے تسلی ہوگی۔ اور واپس گھر آجائے گا۔ اور میرے دل کو چین آئے گا۔

ہابیل۔ نہیں اماں جان۔ میں قائن سے خوب واقف ہوں جب اسکی رُوح پر غم و یاس کی گھٹا چھا آتی ہے تو مجھے دیکھ کر اُسے اور بھی غصہ آتا ہے۔ لیکن آپ فرماتے ہیں تو میں ابھی جاکر اُسے ڈھونڈ لاتا ہوں۔

میں نے کہا کہ ہاں میرے لال تم ابھی جاؤ۔ باپ کے سوتے سوتے اُسے واپس گھر لے آؤ۔ جاؤ کیونکہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

ہابیل "ہاں اماں جان آپ جانتی ہیں کہ آپ مجھے کیسی عزیز ہیں"۔ اس نے اُٹھکر مجھے پیار سے گلے لگایا اور باہر کو چل دیا۔ دیر تک میں اسکی آواز پا سُنتی رہی اور اپنے فکر مٹانے اور تسلی پانے کی کوشش کی۔

تیسرا باب

وادی یاس

صبح کے وقت میری آنکھ لگ گئی۔ اور سوتے میں میں نے ایسے ہولناک خواب دیکھے جو میرے جاگتے وقت کے فکروں سے بھی زیادہ مہیب تھے۔ ساری رات مجھے قائن ہی کا فکر دامنگیر

دیا۔ اسکا غم میرا غم تھا۔ اسکی بے عزتی اور درد سے میرا دل چھد گیا۔
بار بار یہی دُعا میرے لبوں پر آتی تھی کہ اے خداوند میرے خدا قائن کو اپنی رحمت سے یاد فرما اور اسکو اس قربانی کے گذراننے کی ہدایت کر جو تیری نظروں میں مقبول ٹھہرے۔
لیکن اپنی صبح کی نیند میں مجھے قائن کا نہیں بلکہ ہابیل کا فکر لگا تھا جب میں اُٹھی تو ہابیل کا نام میرے لبوں پر تھا۔ اور میں نے بیٹھ کر چاروں طرف نگاہ کی۔ دونو لڑکے اس وقت تک واپس آگئے ہوں گے۔
میں نے آواز دی کہ ہابیل کیا تم واپس آگئے ہو اور کیا بھائی تمہیں ملا؟
اسکا کچھ جواب نہ ملا اور میں نے دیکھا تو خیمہ خالی پایا۔ اس خوف کو جو پھر میرے دل میں پیدا ہُوا تھا دور کرنے کی کوشش کی۔ میں اُٹھ کر خیمہ کے دروازہ میں جا کھڑی ہوئی۔ آدم اپنے سخت کام یعنی کانٹوں اور اونٹ کٹاروں کو اُکھاڑ کر زمین کے ہموار کرنے میں لگا تھا۔ سورج چڑھا ہُوا تھا اور اسکی پیشانی سے پسینہ رواں تھا۔ میں نے اسکو نام لے کر پکارا لیکن وہ اپنے کام میں ایسا مشغول تھا کہ اس نے میری آواز نہ سُنی۔ آخر میں خود اسکے پاس جا کھڑی ہوئی اور اسے پُوچھا کہ لڑکے کہاں ہیں؟ تم نے انہیں دیکھا تو نہیں؟
آدم۔ نہیں۔ لیکن آج تم معمول کے خلاف اتنے دن چڑھے اُٹھی ہو۔ غالباً لڑکے اپنے اپنے کام میں لگے ہوں گے۔
لیکن قائن کل رات بالکل گھر نہیں آیا۔ میں ساری رات اُسکے انتظار میں بیٹھی رہی لیکن وہ نہ آیا۔ علی الصباح ہی میں نے ہابیل کو جگا کر بھائی کی تلاش میں بھیجا اب وہ دونو گھر نہیں میرے دونو بیٹے۔
آدم۔ ماں کا دل بیٹوں کے لئے اُداس ہے۔
اس نے یہ ایسے محبت آمیز لہجہ سے کہا کہ میرا دل بھر آیا۔
اور میں نے کہا مجھے تو اُن کی فکر لگ رہی ہے۔ میرے دل میں تو اُن کی طرف سے خوف سا پیدا ہو رہا ہے۔ ضرور ان پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے۔
آدم نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہ خوف مادری ہے۔ خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ ہابیل نے ضرور اپنے بھائی کو ڈھونڈ لیا ہوگا اور وہ ہابیل کی بھیڑ بکریوں کے لئے نئی نئی چراگاہوں میں پھرتے ہوں گے۔ شام کو وہ دونو گھر آجائیں گے۔
یہ کہہ کر آدم اپنے کام میں پھر لگ گیا اور میں چاشت تیار کرنے کے لئے خیمہ کو واپس آئی۔ لڑکوں کے نہ آنے کی جو وجہ اس نے بتائی اُس سے مجھے تسلی نہ ہوئی۔ کام میں بھی مجھے یہی فکر لگی رہی اور جب آدم کی چاشت کے لئے میں نے پھل اور روٹیاں اور مزیدار گوشت تیار کیا تو میرے کان لڑکوں کے پاؤں کی آہٹ سننے کے منتظر رہے۔
آدم نے چاشت کھالی اور میں اُسکے پاس بیٹھی رہی۔ میں خود کچھ کھا نہ سکی۔ میری بناوٹ ہی

کچھ ایسی ہے کہ مجھے کسی بات کا فکر ہو تو ٹھوک مجھے جواب دے جاتی ہے۔

وہ دن میں کبھی نہ بھولوں گی۔ سورج اس دن ایسا تیز تھا کہ دوپہر کے وقت آدم نے بھی خیمہ میں آپناہ لی جہاں میں اُسکے ساتھ بیٹھی رہی۔ آدم میرے درد دل کو فوراً تاڑ جاتا تھا اور آج بھی اس نے جان لیا۔ لڑکوں کے لئے میری طرح اسکو کسی قسم کا خوف تو نہ تھا لیکن میرے فکر سے وہ نڈھال تھا۔

اس نے بڑے پیار سے کہا کہ مجھے کچھ گا کر سناؤ تو تم اپنی فکر بھول جاؤ گی۔ گاؤ تو جیسا تم باغ میں گایا کرتی تھیں۔ تمہاری شیریں آواز تو میں ذرا سنوں۔

میں نے بھی اس پر محبت سے نگاہ ڈالی لیکن او وہ کسی گیت کے گانے سے میں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو کیسے بھول سکتی تھی۔

آدم نے پھر کہا کہ میری عزیز بیوی گاؤ تو۔ اپنی گذشتہ حالت کا کوئی گیت گاؤ۔ اور اس نے جھک کر مجھے بوسہ دیا۔

میں نے کچھ دیر سوچ کر یہ گیت گایا۔

اے پرندو اب تو جو ہے اُوپر ہوا کے اڑ رہا	اور خوش آوازی سے گائے نغمہائے دلربا
ابر تاریکی و فکر اُڑ جائے۔ باندھ ایسی ہوا	باغ عشرت کی خدارا پھر مجھے صورت دکھا
اے خور تاباں۔ دکھا پہلے دنوں سی آب و تاب	روک اے وقت۔ اب یہ اپنی تیز رفتاری شتاب
ہائے او وہ پیارا زمانہ ہو گیا فی الفور خواب	باغ عشرت کی خدارا پھر مجھے صورت دکھا
اے ہوا مغرب کی۔ جاگ اس نیند سے۔ اتنا ہو	اپنے تسکین بخش فراٹوں سے میری رُوح کو
راحت و آرام کی منزل میں پہنچا۔ جلد ہو	باغ عشرت کی خدارا پھر مجھے صورت دکھا

میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے ہچکیاں لے لے کر کہا او وہ باغ کی یاد سے میرا دل خون ہوتا ہے۔ میری پہلی حالت مجھے یاد آتی ہے۔ میرا دل بے چین ہے اور چین مجھے پھر حاصل نہیں ہونے کا۔ او وہ باغ عشرت کی صورت خدا مجھے پھر دکھائے۔

آدم نے بھی رقت انگیز ہو کر کہا "اور ٹھنڈے ٹھنڈے وقت پھر خدا کے ساتھ چلنا۔ باغ کے بغیر تو میں خوشی بسر کر سکتا ہوں لیکن اسکی حضوری کے ساتھ نہ ہونے کے باعث میرا دل تڑپتا ہے۔ اُس کی آواز اب مجھے بُلاتی نہیں۔ نہ میں اُسکو رُوبرُو دیکھتا ہوں"۔

آدم ایک سرد آہ کھینچکر اپنے کام کو چلا گیا۔ میں خیالوں میں غرق خیمہ کے دروازہ میں دیر تک بیٹھی رہی۔ گذشتہ اور موجودہ حالت کے اکثر خیال میرے دل میں آتے تھے۔ اور میرے فکر دمبدم بڑھتے گئے کیونکہ میرے بچے ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔

ہوتے ہوتے شام ہو گئی۔ گھاس پر سورج کا سایہ دراز ہونے لگا اور میں نے ارادہ کیا کہ جا کر آپ لڑکوں کی تلاش کروں۔

آدم سے میں نے کہا کہ مجھ سے اب اور انتظار ہو نہیں سکتا۔ میں خود اُن کی تلاش کو جاتی ہوں۔

آدم: سورج غروب ہُوا چاہتا ہے۔ بھیڑ بکریاں لے کر وہ ابھی واپس آجائیں گے۔ خوف کی کوئی بات نہیں۔

میں دیوانہ وار پکار اُٹھی۔ مجھے چین نہیں آنے کا! ۔ مجھے چین نہیں آنے کا!

میرے خاوند نے مجھ پر ایسی محبت بھری نگاہ ڈالی کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسکا دل آنکھوں کی راہ باہر نکل آیا ہے۔

اور اس نے کہا۔ تو پھر۔ میری عزیز بیوی۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہُوں۔ لیکن ذرا ٹھہرو۔ میں اِس بیل کو خیمہ کے دروازہ پر چڑھا لوں۔ سورج کی کرنیں اس سے باہر رہیں گی۔

مجھ سے تو اور صبر نہ ہو سکا۔ میرا خوف دمبدم بڑھ رہا تھا اور میں نے کہا کہ میں تو ابھی جاتی ہُوں۔ آپ میرے پیچھے آجانا۔ میں اُس راہ سے جاؤں گی جو پہاڑی پر سے وادیٔ پاس کو جاتی ہے۔

چلتے وقت میں نے خیمہ پر ایک نگاہ ڈالی جہاں لڑکوں کا کھانا پڑا تھا اور پھر میں تلاش میں چل نکلی۔ میرا دل دھڑکتا تھا۔ میرے اندر خوف سا اُٹھ رہا تھا۔ پہاڑی پر پہنچ کر میں دوسری طرف سے نیچے کو اترنے لگی۔ میرے سامنے وادیٔ پاس تھی اور میرے دہنے ہاتھ پر خداوند کا مذبح کھڑا تھا۔ میں جانتی تھی کہ شام کی قربانی کا وقت پھر ہو لیا ہے۔

اسی وقت میرے دل میں خیال آیا کہ مذبح کے پاس ذرا انتظار کروں۔ شاید لڑکے پھر اپنی نذریں گذراننے آئیں۔ ہٹ کر میں مذبح کے بائیں طرف سایہ میں کھڑی ہو گئی اور سورج کو ڈوبتے دیکھتی رہی۔ مغرب کی طرف خون کی سی سُرخی ظاہر تھی لیکن مشرق کی طرف سیاہ بادلوں کی گھٹ چھائی تھی۔

جب میں وہاں منتظر کھڑی تھی تو میرے کانوں میں آوازیں سنائی دیں۔ اِنہی آوازوں کے سُننے کو پہلے سے میں بے چین تھی۔ میرا دل امید کے پنکھوں پر پھر سرفراز ہو گیا۔ فرطِ انبساط سے میری زبان تالُو سے جا لگی اور میرے منہ سے لفظ تک نکل نہ سکا۔ لڑکوں کی آوازیں نزدیک آتی جاتی تھیں اور میں نے اپنے بیٹے ہابیل کو اپنے بھائی سے یُوں کہتے سُنا۔

تو مجھ سے جو تمہاری ماں کا بیٹا ہُوں سارا دن غصہ رہے لیکن اب شام ہو گئی ہے آؤ مصالحت کر لیں۔ یہ قربانی کا وقت ہے۔ یہ لو میری بھیڑ بکریوں میں سے برہ۔ اسکو خداوند کے حضور نذر گذرانو اور وہ قبول فرمائے گا۔

میں سایہ میں کھڑی تھی اور قائن کے ٹھیک ٹھیک الفاظ سُن نہ سکی۔ لیکن اس کے لب و لہجہ سے غصہ مترشح تھا اور گو میں نہ چاہتی تھی کہ لڑکے مجھے دیکھیں میں بے اختیار باہر کو نکل آئی۔ میں اُن سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تھی لیکن وہ باہم ایسے مشغول تھے کہ کسی نے مجھے نہ دیکھا۔

قائن ایسے غصہ میں معلوم ہوتا تھا کہ لفظ صاف صاف اسکے منہ سے نہ نکلتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ یونہی ایک لمحہ کے لئے وہ چُپ سا ہو گیا اور اُسی وقت ہابیل نے اپنی آنکھیں اوپر کو اُٹھائیں اور آسمان کی طرف نظر کی۔ اس کے چہرے پر نور برستا تھا۔ پھر ایک نعرہ مار کر جس کی گونج خالی دُنیا

میں ایک سرے سے دوسرے تک پھیلی ہوگی قابیل ۔ میرے بیٹے نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی ہابیل کو زمین پردے مارا ۔

میرے پاؤں کیوں رک گئے ؟ میری زبان بند کیوں ہوگئی؟ میں وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی اور وہاں سے مطلق ہل نہ سکی۔ اسکی وجہ مجھے معلوم نہیں ۔ نہ کبھی معلوم ہوگی ۔ دن بھر تو درد و خوف سے میں بے چین رہی تھی لیکن اس وقت نہ مجھے خوف معلوم ہوتا تھا نہ درد ۔

کوئی سو گز کے فاصلہ پر ہابیل زمین پر پڑا تھا ۔ قابیل نے جھک کر اُسے چھوا ۔ پھر میں نے دیکھا کہ قابیل بڑا اکڑ کر کھڑا ہوگیا اور اس نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالی ۔ اس کی آنکھوں میں دہشت تھی اور اسکے ہونٹ دل کی درد سے باہم جدا تھے ۔ جس ہاتھ سے اس نے اپنے بھائی کو زمین پر گرایا تھا وہ ہاتھ اس نے اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ لیا ۔ گویا کہ ڈوبتے سورج کی روشنی سے اس کی آنکھوں کو چوٹ لگتی تھی ۔ اس نے پھر ایک نعرہ مارا جو اس دفعہ بڑا ہلکا تھا لیکن دنیا کے آخر تک ایسا دردناک نعرہ کبھی سنائی نہ دیگا ۔ اور دہشت زدہ سا ہو کر وہ میرے پاس ہاں اپنی ماں کے پاس سے ایسے بھاگ گیا کہ گویا خود خوف اسکا تعاقب کر رہا تھا ۔ بھاگتے وقت میں نے اُسے کہتے سنا گویا وہ کسی کے سوال کا جواب دے رہا ہے کہ "کیا میں اپنے بھائی کا نگہبان ہوں"

اس پہاڑی کے پیچھے جہاں سے میں اُفتاں و خیزاں ابھی آئی تھی وہ غائب ہوگیا ۔ اور وہ نوجوان صورت جو نہ ہلتی تھی نہ بولتی تھی اور میں اُسکی ماں باہم اکیلے رہ گئے ۔

دبے پاؤں میں اُس پاس گئی ۔ میں خائف نہ تھی ۔ نہ مجھے درد تھا ۔ لیکن میری تمام حسیں مردہ ہوگئی تھیں ۔ میں نے کبھی کسی کو ایسے چپ چاپ لیٹے دیکھا نہ تھا ۔ لیکن نہ مجھے حیرانی تھی نہ خوف ۔

ہابیل کے اوپر جھک کر میں نے پوچھا ۔ "بیٹا کیا تمہیں چوٹ آئی ہے ؟"

کچھ جواب نہ ملا ۔ کھلی ہوئی نیلی آنکھوں نے مجھے نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا ۔ نہ اس کے لب مجھے دیکھ کر مسکرائے ۔

گھٹنوں کے بل ہو کر میں نے بیٹے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ اس کے پیارے پیارے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر زلفوں کو ابروؤں سے ہٹا دیا ۔ دن بھر تو مارے خوف کے بیحال رہی تھی لیکن اب مجھے کسی قسم کا خوف نہ تھا ۔ وہ صرف سو پڑا تھا ۔ اگر اسے درد ہوتی تو وہ چلا اُٹھتا ۔ وہ تو گہری نیند سویا تھا ۔ مجھے خیال آیا کہ صبح کو بہت سویرے ہی میں نے اس کو جگا دیا تھا اور وہ تھکا ہے ۔ اور جب اسکے بھائی نے مار کر اس کو زمین پر گرا دیا تو خدا نے اسکو نیند بھیج دی ۔

میں نے لوری دیکر کہا میرے دُلارے خوب آرام سے سوؤ ۔ ماں ویسے ہی تمہاری نگہبانی کریگی جیسے وہ اسوقت تمہاری نگہبانی کرتی تھی کہ جب تم اس کی چھاتی پر لیٹتے تھے ۔ میرے جگر کے ٹکڑے

خوب آرام سے سوؤ۔ ماں تمہارے پاس بیٹھی ہے۔ ماں تمہارے پاس ہے۔

اپنے بچے پر میں جھکی تو پہلی دفعہ میں نے ملاحظہ کیا کہ اسکو سانس نہ آتا تھا اور اسکے چہرے پر جو تبسم تھا ویسا تبسم میں نے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ پھر بھی مجھے کچھ خوف نہ تھا۔

اپنے دل کو میں یہی دلاسا دیتی رہی کہ وہ سوتا ہے۔ خوب میٹھی نیند سوتا ہے۔

میں اپنے بیٹے کے پاس بیٹھی رہی یہاں تک کہ مغرب میں سورج غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے۔

آخر کو میں نے کہا کہ اے میرے بچے اپنی نیلی نیلی آنکھیں بند کر لو۔ اگر کھلی رہیں تو تم سارے وقت ستاروں ہی کے خواب دیکھوگے۔ میرے خواب دیکھو۔

لیکن میرے الفاظ ان کانوں پر پڑے جنہوں نے مطلق توجہ نہ کی اور اسکی آنکھیں آسمان ہی پر لگی رہیں۔ میں نے اسکے ہونٹوں پر بوسہ دیا لیکن وہ سرد تھے۔ اِس سے مجھے خیمہ کی گرمی کا خیال آیا اور میں نے اسکو وہاں لے جانا چاہا۔

لیکن میرا بچہ وہاں سے نہ ہلا۔ اور گو پہلے آہستہ۔ پھر زور سے۔ اور پھر اور بھی زور سے میں نے اسے پکارا اس نے جواب نہ دیا۔ میں نے اسکے دل پر ہاتھ رکھا تو اسکو چلتا نہ پایا۔ میرے آنسو اس کے چہرے پر گرنے لگے۔ اسکی بھی اسکو خبر نہ ہوئی۔

میں نے کسی کے پاؤں کی آہٹ سُنی اور آنکھیں اُٹھا کر کیا دیکھتی ہوں کہ آدم آ رہا ہے۔ میں نے اپنے سوتے بیٹے کو جگانا چاہا تھا لیکن اب میرا ارادہ بدل گیا اور اسکے آرام میں خلل ڈالنا نہ چاہا۔ وہاں سے میں اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے لبوں پر انگلی رکھ لی۔

اور اشارہ سے آدم کو کہا کہ دبے پاؤں چلنا۔ وہ تھکا ہے اور سویا ہُوا ہے۔ خدا نے اس کو نیند بھیجی ہے۔ اسکا دل حرکت نہیں کرتا۔ اس کی آنکھیں کھُلی ہیں۔ اگرچہ میں نے اسکو کہا بھی ہے وہ ان کو بند نہیں کرتا۔ دیکھو وہ ستاروں کی طرف دیکھ رہا ہے۔ شاید وہ ان کے خواب دیکھ رہا ہے اور اسکے خواب پسندیدہ ہیں کیونکہ وہ تبسم کر رہا ہے۔

یونہی آدم نے مجھ پر نگاہ ڈالی اور پھر لڑکے کے پاس گھٹنوں کے بل ہو بیٹھا۔ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ دل کی حرکت کو محسوس کیا اور کھُلی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ پھر آدم میرا خاوند اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے اپنے ہاتھ پھیلا کر مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس کی مدد کے بغیر میں گر پڑتی۔ کیونکہ اس خوفناک علم کی درد نے جو اسکی آنکھوں نے مجھے دیا لیکن جسکا اظہار اسکے لب کر نہ سکے میرے دل کو تلوار سے بھی تیز چھید ڈالا۔

قائن کبھی گھر واپس نہ آیا۔ اور ہم نے ہابیل کو وہیں جہاں وہ گرا تھا وادی پاس میں دفن کر دیا۔

اس واقعہ کو مدت گذر چکی ہے اور میں ان لڑکوں کی ماں اب لب گور کھڑی ہوں۔ میں نے تمام خوشی کی کاملیت پائی ہے اور تمام غم کی گہرائی بھی۔ لیکن اب جو میں اُسوقت کی منتظر ہوں کہ جب اپنے بیٹے ہابیل سے پھر جا ملوں گی تو میں بے امید نہیں۔ کیونکہ اُس آدم ثانی کی رویا جو وہ

وہ کچھ جو ہم باغ عشرت میں کھو چکے ہیں پھر بحال کریگا بار بار میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔ اور میں جانتی ہوں کہ زمانہ کی حد سے پرے ایک اور باغ ہے اور جو اس میں داخل ہوتے کبھی باہر نکالے نہیں جاتے۔ (مترجمہ مسز ریلیارام۔ از سنڈے سٹرانڈ)

قدیم یہودیوں میں مُردوں کی تجہیز و تکفین

یہودیوں میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص مرنے پر ہوتا تو اسکا بیٹا یا کوئی اور رشتہ دار اس کی آنکھوں کو بند کرتا تھا۔ چنانچہ جب یعقوب مصر میں جانے کو تھا خدا نے فرمایا کہ "میں تیرے ساتھ مصر کو جاؤں گا اور تجھے پھر بے شک لے آؤنگا۔ اور یوسف اپنا ہاتھ تیری آنکھوں پر رکھے گا۔" (پیدائش ۴۶: ۴)۔ موت کے بعد متوفی پر نوحہ وزاری کی جاتی تھی جس کا اظہار مختلف طور پر ہوا کرتا تھا۔ آنسو بہانا۔ کپڑے چاک کرنا (۲ سموئیل ۳: ۳۱) سر پر خاک دھرنا (یشوع ۷: ۶) ٹاٹ اوڑھنا اور ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرنا (حزقی‌ایل ۲۴: ۱۷) عام طریق تھے۔ بعض اوقات غیر اقوام کی دیکھا دیکھی بعض ممنوع رسوم کو ادا کیا جاتا تھا۔ مثلاً جسم کو گھائل کرنا۔ بال منڈانا۔ داڑھی کٹوانا (دیکھو یرمیاہ ۱۶: ۶+۴۱: ۵+۴۷: ۵ وغیرہ) معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ داروں کے لئے ماتم کے مقررہ ایام سات تھے۔ اور شریعت کے رُو سے "جو کوئی کسی آدمی کی لاش کو چھوئے وہ سات دن تک ناپاک رہے گا" (گنتی ۱۹: ۱۱) موسیٰ اور ہارون کے لئے تیس دن تک ماتم کیا گیا۔ سردار کاہن کو کسی شخص کے لئے ماتم کرنا روا نہ تھا اور باقی کاہنوں کو فقط اپنے قرابتیوں کے لئے ماتم کرنے کی اجازت تھی۔ نوحہ کرنے کیلئے دوست اور رشتہ دار متوفی کے مکان پر جمع ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد نوحہ وزاری کرنے کے لئے مزدور بھی رکھے جاتے تھے (یرمیاہ ۹: ۱۷+ حزقی‌ایل ۲۴: ۱۷+ متی ۹: ۲۳) بعض اوقات بانسلی بجانیوالوں کو اس موقعہ پر طلب کیا جاتا تھا۔ بعض خاص عورتوں کا یہی پیشہ ہوا کرتا تھا کہ ماتمکدہ میں مقررہ الفاظ کے ذریعہ سوز و رقت پیدا کرکے رشتہ داروں کو رُلایا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایشیائی ممالک میں ابتک اس رسم کا عام رواج ہے۔ کبھی کبھی غم کے وقت مرثیئے بھی پڑھے جاتے تھے۔ عہد عتیق میں داؤد کے دو مرثیئے اس قسم کی نظم کے اعلےٰ درجہ کے نمونے ہیں۔ (دیکھو ۲ سموئیل ۱: ۱۷ سے ۲۷ اور ۳: ۳۳ و ۳۴ آیات) عموماً رشتہ دار قبر پر بھی رونے کو جایا کرتے تھے۔ اور ان کے لئے قبر کے اوپر چھپر یا خیمہ کھڑا کیا جاتا تھا۔

عہد جدید سے ثابت ہوتا ہے کہ مُردوں کو نہلایا جاتا (اعمال ۹: ۳۷) ان کو خوشبودار تیل سے ملا جاتا (مرقس ۱۶: ۱) اور کپڑے میں لپیٹا جاتا تھا (متی ۲۷: ۵۹)۔ قدیم زمانہ میں یہ رواج نہ تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے اس رسم کو یونانیوں سے سیکھا۔ لاش کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر سر پر رومال باندھا جاتا تھا۔ لکھا ہے کہ "لعزر کفن سے ہاتھ و پاؤں بندھے ہوئے نکل آیا۔" (یوحنا

۱۱:۴۴) بعض اس سے گمان کرتے ہیں کہ ہر ایک عضو علیحدہ علیحدہ باندھا جاتا تھا۔ مصر میں ہر ایک انگلی کے لئے خاص کپڑا ہوا کرتا تھا۔ جو بڑے مصری مُردے برآمد ہوئے ہیں ان کے بدن پر سینکڑوں گز کپڑا لپٹا ہوا پایا گیا ہے۔ یہودی لاش کو صندوق میں بند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایک تابوت پر رکھ کر دفن کے لئے لے جاتے تھے۔ عبرانی زبان میں جو لفظ اس تابوت کے لئے مقرر ہے اس کے اصلی معنی چارپائی یا کھاٹ کے ہیں۔ شاید گرم آب و ہوا کی وجہ سے یا مُردوں کی ناپاکی کے خیال سے مُردے کو جلد دفن کر دیا جاتا تھا۔ ملک فارس میں مُردے کو دو یا تین گھنٹوں سے زیادہ گھر میں نہیں رکھتے۔ اور یہودیوں میں اب تک یہی رواج ہے۔ علاوہ خوشبودار تیل ملنے کے کفن کے کپڑوں میں خوشبودار مصالحے رکھ دیا کرتے تھے۔ شاہ آسا کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ ایک تابوت میں دھرا گیا جو کہ عطریات و گوناگوں خوشبوؤں سے بھرا ہوا تھا جو گندھیوں نے مرکب کرکے بنائی تھیں" (۲ تواریخ ۱۶: ۱۴) کہتے ہیں کہ ہیرودیس کے جنازے کے ساتھ پانسو آدمی مصالحے اٹھانے والے تھے۔ اس لئے نیکودیمس کا فعل زمانہ کے رواج کے مطابق تھا۔ (یوحنا ۱۹: ۴۰)۔ ہمارے خداوند کا کفن و دفن ایسی جلدی کیا گیا کہ اس کے لئے دفن کے بعد بھی خوشبودار چیزیں تیار کرنے کی ضرورت سمجھی گئی۔ (لوقا ۲۳: ۵۵ و ۵۶)

مُردوں کا کفن و دفن عموماً رشتہ داروں کا فرض ہوا کرتا تھا۔ مگر گمان کیا جاتا ہے کہ مابعد کے زمانہ میں مُردے گاڑنے والوں کی ایک خاص جماعت ہوا کرتی تھی۔ جن جوانوں نے حننیاہ اور سفیرا کو گاڑا تھا ممکن ہے کہ وہ اسی موقعے کے لئے مقرر کئے گئے ہوں۔ حزقیل ۳۹: ۱۴ میں جس رواج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے شاید وہ عام طور پر اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ کتاب مقدس سے یہ بھی بخوبی واضح نہیں ہوتا کہ کسی آدمی کو اسکے خاص لباس یا ہتھیاروں کے ساتھ دفن کیا جاتا تھا۔ ۱ سموئیل ۲۸: ۱۴ میں سموئیل کا چادر اوڑھے ہوئے زمین سے نکلنا اس رسم کی طرف کچھ اشارہ کرتا ہے۔ مگر حزقیل ۳۲: ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ سپاہیوں کو انکے جنگی ہتھیاروں سمیت دفن کیا جاتا تھا۔

یعقوب اور یوسف کی لاش میں مصری رسم کے مطابق خوشبو بھری گئی۔ مگر یہودیوں میں یہ دستور مروج نہ تھا۔ مُردوں میں خوشبو بھرنے کا فن ملک مصر میں قدیم زمانوں سے چلا آتا ہے۔ دوسرے شاہی خاندان تک جو مسیح سے چار ہزار سال پیشتر ملک میں حکمرانی کرتا تھا اس کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس رسم کے آغاز کی کیا وجہ ہوگی۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ ہر سال دو ماہ تک دریائے نیل کا پانی ملک کی ہموار زمین پر کھڑا رہتا تھا اس لئے خاک میں سونے والوں کو کسی طرح سے سڑاہٹ سے بچانا ضرور تھا۔ بعض قیاس کرتے ہیں کہ مصریوں کے اعتقاد کے بموجب جب رُوح اپنی مختلف منزلیں طے کرکے واپس آجاتی تھی تو اسکے لئے اپنا جسم تیار رکھا جاتا تھا۔ بہرصورت یہ فن ملک مصر میں اپنے کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ اور خوشبو بھرنے والوں کو نہایت متبرک سمجھا جاتا تھا۔ خوشبو بھرنے کے عموماً تین طریق ہوا۔

کرتے تھے۔ اوّل طریق میں بھیجا اور انتڑیاں نکال کر ان کو شراب اور مصالحوں سے صاف کرکے بڑے بڑے منکوں میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اور جسم کے اندر مُر اور تج بھر کر اسکو سی دیا کرتے تھے۔ پھر ستر روز تک کھار میں بند رکھتے تھے بعد ازاں اسکو صاف کرکے کپڑے میں لپیٹ دیتے تھے۔ اس میں قریب پونے چار ہزار روپے خرچ ہوتے تھے۔ دوسرے طریق میں بھیجا نہیں نکالا جاتا تھا۔ اور انتڑیوں کو گلا کر نکالا جاتا تھا۔ پھر لاش کو کھار میں رکھ دیتے تھے جس سے تمام گوشت گل جاتا تھا اور فقط پوست اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا تھا۔ اس کا خرچ قریب نو سو روپیہ بیٹھتا تھا۔ تیسرا طریق غریبوں کے لئے تھا۔ لاش میں بعض تیز سکیڑنے والی اشیا بذریعہ پچکاری کے چڑھا دیا کرتے تھے اور پھر ستر روز تک نمک میں رکھتے تھے۔ اس میں بہت کم خرچ ہوتا تھا۔ عرب کا مؤرخ عبداللطیف بیان کرتا ہے کہ جب عرب کے لوگوں نے بعض لاشوں کو اکھاڑ کر دیکھا تو انکی کھوپری اور معدہ میں رال بھری ہوئی تھی۔ چوتھی مسیحی صدی کا ایک خوشبودار مُردہ لنڈن کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔

بعض نوحہ کی رسوم کا ذکر کیا گیا ہے جو یہودیوں نے غیر اقوام سے سیکھ لی تھیں۔ بعض اور رسموں کا سراغ بھی انہیں اقوام میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً مُردوں کے لئے ضیافت کرنا جس کا ذکر انبیا کی کتابوں میں بار بار آیا ہے۔ (دیکھو یرمیاہ ۱۶: ۷ وغیرہ اور حزقیل ۲۴: ۱۷ و ۲۲)۔ اس کو عوام کی روٹی" اور "نوحہ گری کی روٹی" بھی کہا گیا ہے۔ پھر بڑے بڑے نامی آدمیوں کے دفن پر خوشبودار مصالح جلائے جاتے تھے (یرمیاہ ۳۴: ۵ و ۲ تواریخ ۱۶: ۱۴)۔ غالباً متوفی کا بستر اور اسباب بھی جلا دیا جاتا تھا۔ جو بادشاہ بدنام ہوا ہو اسکو اس عزت سے محروم رکھا جاتا تھا۔ (۲ تواریخ ۲۱: ۱۹)۔ بعض نے اس سے یہ بھی گمان کیا ہے کہ شاید بعض شاہان کی لاش جلائی گئی تھی اور خوشبودار مصالح محض جسم کے جلنے کی بدبو کو دفع کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ مگر اسکی فقط ایک ہی مثال کتاب مقدس میں پائی جاتی ہے۔ یبیس جلعاد کے لوگوں نے ساؤل اور اس کے بیٹوں کی لاش کو جلا دیا اور پھر ان کی ہڈیوں کو دفن کر دیا (۱ سموئیل ۳۱: ۱۲) یہ ایک واقعی امر ہے کہ یہودیوں میں لاش کو جلانے کا رواج کبھی نہیں ہوا۔ قدیم قوموں میں سے خصوصاً بابل اور اسور میں اس رسم کا ذکر پایا جاتا ہے جن بھٹیوں میں مُردے جلائے جاتے تھے وہ ہمیشہ مشتعل رہتی تھیں۔ اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ جس بھٹی میں سدرک میسک اور عبدنجو زندہ ڈالے گئے تھے وہ اسی قسم کی ایک بھٹی تھی۔ بابل کے کھنڈرات میں سے ایسے برتن نکلتے ہیں جن میں مُردوں کی راکھ اور ہڈیاں پائی جاتی ہیں۔ پارتھیوں کے زمانہ میں ان میں کفن کا دستور تھا۔ چنانچہ ان کے نقش سبز رنگ کے قدیم روغنی برتنوں پر موجود ہیں۔ بابل والوں کا اعتقاد تھا کہ موت کے وقت روح "روپہلی چاندی کی سرزمین" کو چلی جاتی ہے اور وہاں گذرے زمانوں کے پہلوانوں اور شاہوں کے ساتھ رہتی ہے۔ (اس کے ساتھ یسعیاہ ۱۴: ۹ کا مقابلہ کرو)

قبریں عموماً شہر کے باہر فاصلہ پر ہوا کرتی تھیں۔ بعض کے اوپر مقبرہ کے طور پر عمارت تعمیر کی

جاتی تھی کبھی ایسے ہی قبرستان میں وہ دو شخص رہتے ہوں گے جن پر دیو چڑھے تھے (متی ۸: ۲۸) بعض قبریں باغوں میں یا کھیتوں یا پہاڑ کے پہلو میں قدرتی یا مصنوعی غاروں میں ہُوا کرتی تھیں بعض خاندان اپنے گھر کے نزدیک اپنا خاص قبرستان رکھتے تھے۔ اور اپنے باپ دادوں کے ساتھ دفن کیا جانا فخر اور عزت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ اس خیال سے برزلی جلعادی کی درخواست نامعقول نہ تھی (۲ سموئیل ۱۹: ۳۷) جو شخص اپنے آبا کے پہلو میں دفن ہونے سے محروم رہتا وہ بے نصیب سمجھا جاتا تھا (۱ سلاطین ۱۳: ۲۲) یہودیوں کے قدیم قبرستان روما کے زیر زمین قبرستانوں کی طرح ہُوا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک لمبا رستہ چٹان میں کھود کر اس کے پہلو میں قبروں کے لئے غار کھودے جاتے تھے اس طور پر ایک پیچ در پیچ قبرستان بن جاتا تھا۔ یروشلم کے متصل اب بھی اس قسم کے قبرستان پائے جاتے ہیں اور بعض بادشاہوں کی اور بعض انبیا کی قبریں کہلاتی ہیں۔ بعض یہودی اپنی قبروں کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان پر سفیدی پھیرتے تھے تاکہ کوئی اُن کو دھوکے سے چھو کر ناپاک نہ ہو جائے۔ یہ صفائی خصوصاً عید فسح سے پیشتر کی جاتی تھی۔ اس لحاظ سے ہمارے خداوند کے الفاظ جو اس نے یہودیوں کو کہے کیسے باموقعہ تھے (متی ۲۳: ۲۷) قبروں پر بعض اوقات کتبات بھی ہُوا کرتے تھے۔ مثلاً ۲ سلاطین ۲۳: ۱۷ میں ایک کا ذکر ہے۔ اور جو مزاروں کے پتھر آجکل زمین میں سے کھودے جارہے ہیں ان پر کتبات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک معمولی دعا قبروں پر یہ ہُوا کرتی ہے کہ "خدا اُسکو باغ عدن میں آرام دے" معلوم ہوتا ہے کہ قبریں ہمیشہ بند نہیں ہُوا کرتی تھیں۔ زبور نویس پانچویں مزمور کی ۹ آیت میں فرماتا ہے کہ "اُن کا گلا کھلی گور ہے۔" اور الیشع کی قبر میں مُردے کا جھٹکا جا کر زندہ ہو جانے سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے (۲ سلاطین ۱۳: ۲۱)۔ مگر عام قاعدہ یہی تھا کہ ایک پتھر قبر کے منہ پر ڈھلکایا جاتا تھا۔ ایک ایسی ہی قبر میں زندگی کا مالک ارمتیا کے ایک رئیس یوسف کی قبر میں دفن کیا گیا۔ اور اُس پتھر کو جسے دُنیا کے عالم اور فیلسوف اپنی حکمت سے ہلا نہ سکتے تھے اس نے اپنی قدرت سے ایسا دُور جھٹکا کہ پھر اس قبر کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ مجرموں کے لئے جنکو قتل کیا جاتا تھا بڑی بے عزتی کا دفن مقرر تھا اور ان کی قبریں بالکل علیحدہ ہُوا کرتی تھیں۔ اس پر غور کرنے سے یسعیاہ کے وہ الفاظ سمجھ میں آسکتے ہیں جو ۵۳ باب کی ۹ آیت میں مذکور ہیں۔ وہ شریروں کے ساتھ مارا گیا مگر دولتمندوں کی قبر میں دفن ہُوا۔ اور اب قبر کے اُوپر یہ تسلی بخش الفاظ جلی حروف میں لکھے ہُوئے ہیں کہ "میں قیامت اور زندگی ہُوں۔"

(ڈاکٹر ناصر)

دُوسرے کے دل کو فتح کرنے کا اس سے بہتر نسخہ نہیں ہو سکتا کہ جب اسکی طرف سے بدسلوکی ہو۔ تو ہماری طرف سے اُسکا جواب حلم اور مہربانی سے دیا جائے۔ (ٹلٹسن)

وہ شخص جو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ اصل میں اپنے ساتھ کرتا ہے۔ بھلائی کا نیک نتیجہ نہ صرف انجام بظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ اُسی وقت جب وہ کسی کے ساتھ نیکی کرنے لگے کیونکہ نیکی کا علم ہی اسکے لئے کافی انعام ہے۔

سچے دوست وہ ہیں جو خوشحالی میں تو بلانے سے آئیں مگر مصیبت کے زمانے میں بن بلائے بھی چلے آئیں۔

شراکت

مشنری صاحبان کی خدمت میں ایک مؤدبانہ درخواست

اگر کلام اللہ میں کوئی خاص ہدایت اور حکم نہ ہو تو ہم اُن باتوں کو عمل میں لا سکتے ہیں جو اُسکے خلاف نہ ہوں۔ ورنہ ہم پر فرض ہے کہ خدا پر اعتقاد رکھ کر اس کے مبارک کلام کی روشنی اور ہدایت پر چلیں۔

میں اس وقت چند ایک آیات پیش کرتا ہوں۔

۱ یوحنا ۱: ۳ "تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو اور ہماری شراکت باپ کے ساتھ اور اس کے بیٹے یسوع مسیح کے ساتھ ہے"

رومیوں ۱۵: ۵-۷ "کہ یسوع کی پیروی کر کے آپس میں ایک دل رہو۔ تاکہ تم ایک دل اور ایک زبان ہو کر ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی بڑائی کرو۔ پس جس طرح مسیح نے خدا کے جلال کے لئے تم کو اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے اسی طرح تم بھی ایک دوسرے کو شامل کرو"

میرے بزرگان! مجھے صاف صاف بتانا چاہیے (مسیحی کو تو آپ دیکھتے ہی ہوں گے) کہ اکثر دیسیوں کے دل آپ سے مل نہیں گئے جیسے کہ داؤد اور یونتن کے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپنے جانفشانی اور بہت خود انکاری دکھائی ہے بعضے آپ میں سے بہت تنگ حال بھی ہیں تاہم مسیح کی محبت کے سبب سے اپنے وطن اور عزیزوں سے جدا ہو کر خدا کی خدمت کر رہے ہیں۔ لیکن آپ پنجاب میں رہتے ہیں مگر پنجابی بن نہیں گئے۔ آپ دیسیوں سے ملتے جلتے ہیں مگر ان کو اپنے ساتھ نہیں ملاتے۔ مقدس پولوس فرماتا ہے۔ اکرنتھیوں ۹: ۱۹-۲۳ "اگرچہ سب لوگوں سے آزاد ہوں پھر بھی میں نے اپنے آپ کو سب کا غلام بنا دیا ہے تاکہ اور بھی زیادہ لوگوں کو کھینچ لاؤں یا نفع میں پاؤں۔ میں یہودیوں کے لئے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں" وغیرہ

نیز ہمارا خداوند جو سب سے اعلیٰ اور حقیقی نمونہ ہے دیکھو فلپیوں ۲: ۱-۱۱ ان آیات میں یسوع مسیح کے نمونے پر میل ملاپ اور خود انکاری کی نصیحت ہے "مثلاً روح کی شراکت۔ ایک دل رہنا۔ یکساں محبت اور ایک ہی خیال رکھنا تفرقے اور بیجا فخر سے کچھ نہ کرنا۔ فروتنی سے ایک دوسرے کو اپنے سے بہتر سمجھنا۔ مسیح کا سا مزاج رکھنا۔ مسیح کی مانند خالی۔ اور خادم اور پست ہونا اور پھر سرفراز ہونا"

صاحبان آپ براہِ مہربانی غور تو کیجئے کہ دیسیوں اور پردیسیوں میں تفرقہ اور بیجا فخر ہے کہ نہیں؟ آپ کا اور ہمارا نجات دہندہ اپنے آسمانی جلال کو چھوڑ کر آیا وہ ہماری مانند بلکہ ہمارا خادم ہو گیا۔ اور گنہگاروں کا دوست کہلایا۔

مشنری صاحبان اور دیسی خادمان دین کی خدمت اور حالت اور خصوصیت اس دنیا میں ایک ہی قسم کی ہونی چاہئے۔ جو خدا کے کلام پر مبنی ہو۔

لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ آپ صاحبان جو مشنری سوسائٹی کے قواعد کے پابند ہو کر ولایتی روپیہ پر گذارہ حاصل کرتے اور ہندوستانی روپیہ کے سبب سے بیجا فخر کرتے ہیں؟

اور اس ملک میں انگریزی حکومت کے ہونے کے سبب سے اور آپ کا اسکے ساتھ قومی تعلق ہونے سے کیا آپکے سامنے بہت آزمائشیں نہیں؟ اور کیا یہی باتیں جدائی کا سبب نہیں؟

دوسری طرف میرے اکثر دیسی بھائی خواہ مجبور ہو کر اور خواہ مناسب سمجھ کر اس بات پر فخر یہ خیال میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمکو اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنے روپیہ اور اپنے انتظام سے کلیسیا کی مدد اور مسیحی دین کو پھیلانا چاہئے۔ لیکن کیا دوسرے معنوں میں انکا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی مشنری صاحبان سے بے پرواہ ہونگے؟ اور ہمارے کاموں میں انکا کچھ دخل نہ ہوگا؟

جدائی سے جدائی پیدا ہوگی جیسا کہ محبت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور شراکت رکھنے سے رفاقت بڑھتی ہے۔

میں نہیں جانتا کہ ہمارے خداوند کی اس دعا کا جو یوحنا ۱۷: ۲۰-۲۴ میں لکھی۔ ہے اب تک کیوں صاف جواب دکھائی نہیں دیتا۔ شاید ہمارے خداوند اور ہماری بعض دعاؤں کا جواب آنے والے جہان میں ملیگا جہاں ہم اس وقت ہی صاف طور سے معلوم کرینگے۔ لیکن ہمارے خداوند کی دلی خواہش اور آرزو تو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ایک ہونے پر کس قدر زور دیتا ہے گویا چلا چلا کر بار بار پکارتا ہے اور اپنی عجیب محبت اور ہمدردی اور شراکت اور رفاقت کو ہم نالائق گنہگاروں پر ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنی مبارک پہچان اور مشنری کام کے کامیاب ہونے کا حقیقی طریقہ بتا دیتا ہے کہ اس مبارک یکتائی اور شراکت کے سبب سے "دنیا ایمان" لائے گی اور "جانیگی" کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے۔" لمبے لمبے وعظ کرنا اور دوڑ دھوپ کی منادی اس قسم کی یکتائی کے بغیر مردہ ہے۔ جیسا کہ دعا بغیر کام کے اور ایمان بغیر اعمال کے اور تعلیم بغیر نمونہ کے مردہ ہیں۔

اور ہمارے عزیز منجی کے یہ الفاظ کیسے مؤثر اور دلکش ہیں۔ آیت ۲۴ ۱۷ باب میں "چاہتا ہوں کہ جہاں میں ہوں وہ بھی میرے ساتھ ہوں تاکہ میرے اس جلال کو دیکھیں جو تو نے مجھے دیا ہے" کاش ہم یہ کہیں کہ اے عزیز نجات دہندہ ہم تیرا ہی جلال دیکھنا چاہتے ہیں نہ کہ اپنا۔

خدا تعالیٰ کا خلقت کے پیدا کرنے میں اور گنہگاروں کی نجات کے بارہ میں خدا باپ۔ خدا بیٹا۔ روح القدس کی شراکت خدا کے کلام سے ثابت اور ظاہر ہے۔ تو کیوں ہم

۔ کلام اللہ کا خلاصہ اور مقصد ہے شراکت اور نتیجہ مسیح کی مانند ہوتے جانا اور اسکا جلال دیکھتے رہنا۔ ایوحنا ۱: ۳ و یوحنا ۱۷: ۲۰-۲۴ وغیرہ وغیرہ

کلام میں مقدسوں کی آپس میں اور خدا کے ساتھ شراکت کا ذکر بار بار آیا ہے

اور ہوا لا دینے کی چنداں ضرورت نہیں - مثلاً ایک ہی دلہن - خدا کا ایک ہی خاندان - ایک عمارت - ایک کھیتی - ایک مکان - ایک گھر - ایک ہیکل - ایک ہی گلہ - ایک ہی بدن اور اعضا - سچے انگور کی شاخیں - اور خداوند سبھوں کا سر اور مالک ہے - اور ایک خاص تعلق اور شراکت رکھتا ہے -

اور جیسے کہ بدن کے اعضا ایک دوسرے کے محتاج ہیں ویسے ہی دیسی اور پردیسی ایکدوسرے کے محتاج ہیں - مگر جسکے پاس یا ہاتھ میں روپیہ ہے وہ غالب رہتا ہے "جدی کو بھی ویچ دلنے - اور پدے کمنے بھی سیانے "

رسول پولس فرماتے ہیں "تیرے پاس کونسی ایسی چیز ہے جو تو نے دوسرے سے نہیں پائی؟ جو فخر کرے وہ خدا پر کرے"

رسول نے مسیح کی صلیب اور اپنی کمزوریوں پر فخر کیا - اور کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارے مشنری صاحبان ولایت کے روپیہ کے سبب سے اپنی علیحدہ ہی کانفرنس کرتے ہیں؟ "جس کا روپیہ اسی کا انتظام - اگر دیسیوں کے پاس روپیہ ہو تو وہ بے شک اپنا انتظام کریں ہم دخل نہ دینگے"

اور ایک بات کا بھی ذکر کرنا مناسب ہے کہ بعض یہ کہ سکتے ہیں - کہ ہماری تو دیسیوں کے ساتھ خاص شراکت ہے -

ہمارا ایک خداوند ہے - ہم سب مل کر گرجا گھر میں حاضر ہوتے - عبادت کرتے - عقیدہ پڑھتے اور عشاء ربانی میں شریک ہوتے ہیں - بعض کمیٹیوں اور کانفرنس میں دو ایک دیسی ممبر مقرر ہیں بلکہ کارسپانڈنگ کمیٹی میں بھی اب ایک دیسی ممبر شامل ہو گیا ہے - اور ہمکو معلوم نہیں کہ تمہاری اس شراکت کا کیا مطلب ہے ؛ میں ان باتوں کو بلا عذر مان لیتا ہوں - اور آپ کو مبارکبادی دیتا اور خدا کا شکر کرتا ہوں - مگر اتنا ہی کافی و وافی نہیں - اے بزرگان آپ ڈر نڈر کر آگے قدم نہ بڑھائیں بلکہ ہمت اور دلیری کے ساتھ اس مبارک شراکت کو جلد زیادہ رونق بخشیں تاکہ خدا اور اسکے مقدس کلام کا جلال ظاہر ہو -

یہ مضمون ایک دراز عرصہ سے میرے دل میں تھا اور میں نے آپ پر ظاہر کرنا چاہا - کہ ایک دوسرے کی مخالفت کرنا اور آپس میں دلوں کا نہ ملنا - اور مشنری کام میں دلچسپی نہ لینا اس کا باعث شراکت اور میل ملاپ میں کمی کا ہونا ہے اور انتظامی معاملات میں دیسیوں کو باہر رکھنا ہے -

میں خود اقرار کرتا ہوں کہ بارہ سال سے میرا تعلق نیٹو چرچ کونسل سے ہے - مگر میں نے اس میں کوئی خاص خوبی اور خصوصیت نہیں دیکھی -

اور زیادہ تحریر کرنا ضرور نہیں - اور پھر اس بیچاری کے متعلق پنجاب مشنری سوسائٹی اور میموریل ریلیف فنڈ قائم ہو گیا ہے - اور گرانٹ جوبلی پاسٹریٹ فنڈ کا دارومدار بھی بیچارے تین دیہاتی پادری صاحبان پہ آپڑا ہے - اور امید ہے کہ ایک صدی کے بعد اسکا مقصد پورا

ہوگا۔ اُن کی آمدنی یا پونجی کو تو سب جانتے ہیں مگر جو ہو سو ہو چاہئے کہ یہ پادری صاحبان پنجاب مشنری سوسائٹی کو اپنی بہن سمجھ کر اس کی مدد کریں۔ ڈائمنڈ جوبلی پاسٹریٹ فنڈ بھی انہیں کے حصہ میں ہے۔ نیٹو چرچ کونسل کے لئے ایک خاص اور بھاری رقم ادا کرنا ہے۔ اور سٹیشن فنڈ میں دینے کے لئے تو کچھ کم و بیشی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور ماسوا ان کے اگر اوروں کو پانچ روپیہ فیصدی گھاٹا برداشت کرنا ہوگا تو نیٹو چرچ کونسل کو دس روپیہ فیصدی۔ اور اپنے اپنے سٹیشنوں کے اخراجات ان کے علاوہ ہیں۔ اور کوئی مشنری صاحب اور دیسی بھائی نہ صرف اس کونسل کو ایک کوڑی نہیں دیتے بلکہ وہ اسکا خیال ہی نہیں کر سکتے اور نہ دلچسپی لیتے ہیں۔ بتلائیے اب پوری شراکت کہاں ہے؟ ہاں عقیدہ کے مطابق تو شراکت کر سکتے ہیں۔ مگر عملی طور پر تو کانفرنس کی رپورٹ کی صورت اور شکل ہی دکھائی نہیں دیتی۔ اور بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔

سٹیشن فنڈ کا قایم کرنا جس میں سب دیسی اور پردیسی شامل ہو گئے کیا یہ انتظام خدا کے کلام کے مطابق ہے یا وہ جو انسانی دانائی اور آدمیوں کی پولیسی کے مطابق ہوتا آیا ہے؛

اس فنڈ میں خدا نے کیسی برکت اور کیسی جلدی بھی بخشی ہے۔

صرف نیٹو چرچ کونسل ڈائمنڈ۔۔ فنڈ کو خدا نے بیٹھی ہے۔ بلکہ بعض مشنری صاحبان اپنی ۔۔۔ اور خاص اپنی سٹیشن کے لئے پاسٹریٹ فنڈ جمع کر رہے ہیں۔ وہ گویا یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۔۔ ہم دوسرے بھائیوں کے ذمہ وار نہیں؟ کیا اسی کا نام شراکت ہے؟

اب یہ مضمون کچھ طول ہو گیا ہے۔ اسواسطے عزیز مشنری صاحبان سے منت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آپ یہ خیال کیجئے کہ ہم جو پنجاب میں ہیں خداوند کا ایک ہی خاندان ہیں۔ رومیوں ۱۰: ۱۲ یہودیوں اور یونانیوں میں کچھ فرق نہیں" اور گلاتی ۳: ۲۷-۲۸ "ہم سب میسح کے بپتسمہ پانے سے میسح کا جامہ پہن لیا ہے۔ نہ کوئی یہودی رہا نہ یونانی۔ نہ غلام نہ آزاد۔ نہ کوئی مرد نہ عورت کہ سب میسح یسوع میں ایک ہو" ہماری ایک ہی خدمت ہے۔ ہمارا ایک ہی سر ہے اور ہمارا ایک ہی مقصد۔ ایک ہی امید۔ اور ایک ہی آسمانی وطن اور نورانی و آسمانی گھر ہے۔ وہاں ہم میں جدائی نہ ہوگی۔ ہم روپیہ پیسہ اور قومیت کی خاطر خداوند کی خدمت میں ہرج نہ ڈالیں۔ میرے بزرگان ہم سب کی ایک ہی کونسل ہونی چاہیئے۔ اور اس میں نہ دو اور نہ تین بلکہ سارے دیسی پریسٹ اور ڈیکن شامل ہونے چاہیئے۔ اور وہ ہمارے دیسی بزرگ بھائی بھی جو صاحب علم اور ذی عزت ہیں۔ جیسے سکول ماسٹر۔ کلارک۔ تحصیلدار اور ڈاکٹر و ڈپٹی اور وکیل وغیرہ۔ ہم ان کی منت کر کے اس کونسل میں ان کو شریک کریں۔ اور گو ان میں سے کوئی ایک حاضر نہ ہوں۔ مگر ممبر ہو جائیں۔ اور انتظامی معاملات کا کچھ ذکر کر کے ان کو سب کمیٹیوں کے سپرد کریں۔ لیکن زیادہ وقت خداوند کی حضوری میں کاٹیں۔ کیونکہ وہی ہماری قوت اور زور اور فتح اور جلال ہے۔

اور ایک انتظام بھی ہونا مناسب ہے کہ رسول پولوس اور اسکے ساتھیوں کی مانند دو ۔۔۔ ۔۔۔ مشنری مقرر ہوں جو ہر ایک سٹیشن میں جا کر خاص روحانی وعظ اور نصیحت کریں

بھائیوں کی تقویت کے باعث ہوں۔ اور شراکت اور اتحاد کو بڑھائیں۔

اور آخر میں جو پڑھے سو خدا کا کلام نکال کر دیکھے کہ حزقیئل کے ۳۷ ویں باب کی ۱۵ آیت سے لیکر باب کے آخر تک کیا لکھا ہے۔ خداوند ہم سب کی ہدایت کرے۔ اور جلد دو لکڑیوں کو جوڑ کر ایک ہی عصا بنائے۔ راقم (پادری) ودھاوا مل

کرسچن بورڈنگ سکول

انگریزی گورنمنٹ کے علاوہ ہم مسیحی۔ امریکن اور یورپین مشنوں کے تہ دل سے شکرگذار ہیں۔ کہ انہوں نے نہ صرف ہمیں ہی دینی اور دنیوی علوم سے مالامال کیا۔ بلکہ ہمارے بچوں کے واسطے بھی جابجا درسگاہیں کھول دیئے۔ لڑکوں کے واسطے الگ اور لڑکیوں کے لئے جدا بورڈنگ سکول قایم کئے۔ جہاں ان کو دینی اور دنیوی تعلیم شبانہ روز دی جاتی ہے۔ بعض جگہ ہمارے بچوں کی ایسی خاطر و مدارات ہوتی ہے۔ گھر میں بھی نہیں ہوتی۔ ہم کس منہ سے ایسے ہمدردوں کی عنایات کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں۔ البتہ ان بورڈنگ سکولوں کے خرچ کا بوجھ موجودہ دیسی مسیحی جماعت کے واسطے بہت زیادہ ہے۔ تاہم والدین جس طرح ہو سکتا ہے اپنا پیٹ کاٹ کر بچوں کو تعلیم دلواتے ہیں۔ بعض دفعہ سخت زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ یہ سب کچھ ہم اپنے بچوں کی بہتری کی خاطر برداشت کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی ان بورڈنگ سکولوں کی بدانتظامی سے ایسا بے دل ہونا پڑتا ہے۔ اور اسقدر دل کو رنج ہوتا ہے کہ بچوں کا بے علم رہنا اس مصیبت سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی تکلیفیں اکثر ناتجربہ کار سپرنٹنڈنٹوں کے ذریعے وقوع میں آتی ہیں۔ اس وقت میں الگزنڈرا گرلس ہائی سکول امرتسر کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اور اس پر پادری آنریبل جونس صاحب سکرٹری سی۔ ایم۔ ایس پنجاب کی توجہ دلایا چاہتا ہوں۔

جب تک مس کوپر صاحبہ اور مس رائٹ صاحبان جو کہ اعلیٰ درجہ کی شریف مسیحی لیڈیاں تھیں سکول کی منتظم اور استانیاں رہیں۔ والدین کو شکایت کا موقعہ بہت کم ملا۔ وہ ہر طرح مہربان اور شفیق والدہ کی طرح لڑکیوں کی ہمدرد و غمگسار تھیں ہم ان کی مہربانیوں کو کسی طرح نہیں بھول سکتے۔

مگر جب سے نئی منتظم کا شرف صدور ہوا ہے نہ صرف لڑکیوں کا دم ناک میں ہے بلکہ فضول اخراجات کی بھرمار ایسی والدین کے سر پڑ رہی ہے کہ برداشت ہونی مشکل ہے۔ خیر قہر درویش برجان درویش یہ بھی برداشت کر لیا اب رخصتوں کے وقت اور مصیبت پڑی ہے جسکو صرف امرتسر ہی کے والدین برداشت کر سکتے ہیں۔ اسکا ذکر معزز ایڈیٹر مسیحی کر چکے ہیں۔

لیڈی سپرنٹنڈنٹ صاحبہ کی طرف سے یہ حکم صادر ہوا کہ سالانہ رخصتوں کے ایام میں لڑکیوں

کا کوئی اسباب سکول میں رہنے نہ پائیگا۔ رضائی۔ توشک۔ کپڑے۔ کتابیں۔ صندوق وغیرہ سب اپنے گھروں کو ساتھ لے جائیں۔ اور پھر ساتھ لائیں۔ اس نادرشاہی حکم نے مسیحی ہمدردی کا خاتمہ کردیا۔ خیال فرمائیے کہ کہاں کشمیر۔ چمبہ۔ فورٹ منرو۔ چونیاں۔ ان جگہوں میں اسباب کا لے جانا۔ اور پھر واپس لانا کس قدر بے فائدہ فضول اخراجات کی زیرباری کے علاوہ اسباب کی بربادی ہوگی۔ اور جب منت سے لیڈی صاحبہ کی خدمت میں التماس کی گئی۔ کہ صندوق اور بستر وغیرہ سکول میں رہنے دیں تو جواب دیا کہ ہم ذمہ دار نہیں۔ کل لڑکیوں کی ذمہ داری سے بھی انکار ہوگا۔ اور جب عرض کی گئی کہ اگر آپ کی ایسی بے پروائی ہے تو پھر ہم لڑکیاں نہیں بھیج سکتے۔ تو کیا محبت اور ہمدردی اور خوش اخلاقی سے جواب دیا کہ کچھ پرواہ نہیں مت بھیجو۔ ایسی رعونت اور بے پروائیوں کی وجہ ہی سے یہ سکول روز بروز تنزل پر ہے۔ اور خدا کے فضل سے لاہور کا سکول ترقی پر ہے۔ ہم اپنے پرسبیٹرین بھائیوں کو خوش قسمت سمجھ کر مبارکباد دیتے ہیں اور بھائیوں کو صلاح دیتے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کو الگزنڈرا اسکول کی ناجائز غلامی سے رہائی دلاکر مس کٹے صاحبہ کی مہد عاطفت کے سپرد کردو۔ علاوہ اور باتوں کے تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی ہے۔

ایک عرض اور باقی ہے پھر میں قلم کو روک لوں گا۔ جب ہماری بیٹیاں سکولوں سے خاصکر میری مراد الگزنڈرا اسکول سے ہے۔ رخصتوں میں گھر واپس آتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی سخت غلامی سے (گویا چڑیا پنجرے سے چھوٹ کر آئی ہے) آزاد ہوکر آتی ہیں۔ کیا یہ اس محبت کا نتیجہ ہے کہ جو سکول میں ان کو دکھائی جاتی ہے کہ سپرنٹنڈنٹ کے نام سے ان کی جان خشک ہوتی ہے۔ اسکے مقابلہ پر اور سکول بھی تو ہیں۔ گذشتہ مہینہ میں مجھے پٹھانکوٹ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں برگزیدہ بہن مس کیمبل صاحبہ کا ایک بورڈنگ سکول ہے۔ میرے سامنے کا ذکر ہے کہ مس کیمبل صاحبہ نے ذکر کیا کہ وہ دو ہفتہ کے واسطے ظفروال جانے والی ہیں۔ لڑکیوں نے جب یہ سنا رونے اور چیخنے لگ گئیں۔ مس صاحبہ کو چمٹ گئیں۔ روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ مس صاحبہ مت جاؤ یا ہمکو بھی ساتھ لے جاؤ۔ مس صاحبہ کے بھی آنسو بھر آئے۔ اب اسکا مقابلہ الگزنڈرا اسکول سے کیجئے ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا۔

کیا ہمارے مشنری صاحبان خاصکر مسٹر جونس و دیگر ممبران کارسپانڈنگ کمیٹی ہمارے حال پر رحم فرماکر سکول کی اصلاح کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے؟

اگر نہیں تو مسیحی بھائیو۔ کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں۔ لاہور کا سکول کھلا ہے۔ یہ بھی الٰہی انتظام ہے کہ ہم گڑھ گڑھ کر نہ مریں۔

اے ہمارے مشنری صاحبان! ؎

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو۔
لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

آر۔ ایم۔ واعظ

رسالہ مسیحی کی نسبت ایک پادری صاحب کی رائے

ڈیر مسٹر ایڈیٹر۔ اس میں شک نہیں کہ "مسیحی" آپکے ماہوار رسالہ کے مقاصد و مضامین بہت عمدہ ہیں۔ ایک دفعہ بزرگ پادری کلارک صاحب مرحوم نے مجھے فرمایا تھا کہ "پنجاب میں جتنی منادی بابو رام صاحب کرتے ہیں اتنی کوئی پادری صاحب اور مناد نہیں کرتے"۔ اُس عزیز بزرگ کا مطلب یہ تھا کہ سینکڑوں کتابیں ہر روز لاہور بک ڈپو سے پنجاب اور ہندوستان کی چاروں طرف جاتی ہیں۔ اور بہت لوگ ان کو پڑھتے ہیں۔ اگر اس پیارے اور ہر دلعزیز بزرگ کے قول کے مطابق بابو صاحب مذکور سب سے بڑے مناد تھے۔ تو آپ کا رسالہ سب سے بڑا پاسٹر صاحب ہے۔ مضامین چیدہ اور روحانی ہیں۔ اور وہ جو انگریزی سے ناواقف ہیں گھر بیٹھے ہوئے گویا مفت آسمانی خوراک حاصل کرتے ہیں۔

نیز ہم دیسیوں کے لئے یہ تو بڑے فخر اور شکر کی بات ہے کہ بعض بھائیوں نے اپنی رضامندی۔ کوشش اور محنت اور نیک نیتی اور کلیسیا کی بھلائی کے لئے ایسے بڑے اہم اور مشکل کام کو اپنے ذمہ لیا۔ اور باوجود بعض دوستوں کی مخالفت کے بڑی ہمت اور دلیری اور جانفشانی کے ساتھ اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔ کسی مشن اور سوسائٹی سے ایک کوڑی نہیں لیتے۔ اور اپنا کوئی ذاتی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ بلکہ جیسا کہ ہر ایک پاسٹر صاحب کو اپنی اپنی کلیسیا کی طرف سے بہتیری مشکلات پیش آتی ہیں اور ان کو حیران اور مصیبت زدہ بناتی ہیں ویسے ہی "مسیحی" کا حال ہے۔ خدا ہم سب کی ہدایت کرے اور حقیقی دانائی اور دل کی مضبوطی اور استقلال بخشے۔ تاکہ ہمارے ہر ایک کام کے ذریعے خدا کا جلال اور دوسروں کی بھلائی اور بہتری ہو۔ کاش کہ بہت سارے دیسی آپ کے اس مبارک کام میں شریک ہوں اور خاص امداد بھی کریں۔ اور پردیسی اپنی مدد کا دہنا ہاتھ خوشی سے آپ کی طرف بڑھائیں۔ اور اس رسالہ کو زیادہ ترقی اور رونق بخشیں۔

اور ایک بات ہے جس کا مجھے بڑے ادب کے ساتھ ذکر کرنا چاہیئے کہ "مسیحی" کے خصوصاً بعض نوٹ اور ریمارکس کے سبب سے بعض صاحبان جلد رنجیدہ اور غصے ہو جاتے ہیں اور بعض اسکا لینا ہی ترک کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا ایسا کرنا مناسب ہے یا غیر واجب۔ مگر ایسے صاحبان سے میری عرض یہ ہے کہ اگر ایڈیٹر صاحب ناراستی پسند یا ایک ہی پہلو مدنظر رکھتا ہو تو مناسب ہے کہ وہ بعض صاحبان از روئے محبت اور فروتنی "مسیحی" کی اصلاح کریں۔ یہ خیال کر کے کہ پنجاب میں مشنری صاحبان ہی کی محنت اور دعاؤں کا یہ پھل آداج ہے۔ اور دیسیوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا پہلا قدم ہے۔ اور سلف سپورٹ کا پہلا نمونہ ہے۔

چنانچہ میں نے بارہا ارادہ کیا ہے کہ جو باتیں کسی ایک آنکھ والے بھائی نے لاہور کے رحی یونیان

کے بارے میں ان کو لکھی ہیں میں ادب سے ان کا جواب دوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ مسیحی خوشی سے انکو اپنے رسالہ میں درج فرمائیں گے۔ مگر عدم فرصتی کے سبب میں لکھ نہیں سکا۔

میرا تو یہی یقین ہے کہ مسیحی مشنری صاحبان کا شکر اور دیسی صاحبان کا خیر خواہ ہے۔ اور اس آزادی کے زمانہ میں ایک ایسے ہی اخبار کی ضرورت بھی ہے۔ دیسی بھائیوں میں خوبیاں اور نقص ہیں اور یہی مشنری صاحبان کا حال ہے۔ نہ ہم دیسی کامل ہیں اور نہ مشنری صاحبان مقدس فرشتے ہیں کہ انکے کام اور انتظام میں نقص اور کمزوریاں نہ ہوں۔ (خدا چاہے تو کسی دوسرے مضمون میں کچھ مفصل لکھوں گا) مسیحی خواہ اپنے نوٹ خواہ دوسرے صاحبان کی تقریر و تحریر کو مندرج کرتا ہے اور وہ بھی محض اصلاح کی خاطر۔

خدا کا شکر ہو کہ بہت دیسی اور پردیسی خداوند کے نام پر قربان ہیں اور انہوں نے گویا پنجاب کو جڑ سے ہلا دیا ہے۔ اور گویا اس کو اُلٹ دیا ہے۔ اور ہزاروں گنہگاروں کو خداوند یسوع کی مبارک گود میں سلامتی سے سُلا دیا ہے۔ اور مسیحی ان کا ہم آواز ہو کر خدا کا شکر کرتا ہے۔

خدا ہم سب کی ہدایت کرے کہ ہم سب ملکر اُسی کا جلال ظاہر کریں اور ہر طرح سے مسیحی کو اور زیادہ ترقی بخشیں۔ وہ خدا کی کلیسیا کا مخالف نہیں بلکہ عین حامی اور مددگار ہے۔ ودھاوامل

ڈاکٹر ٹی ایل پنیل صاحب سی ایم ایس اپنے اخبار تحفۂ سرحد بنوں مورخہ ۷ اگست میں یوں لکھتے ہیں:۔ "شاباش! اخبار مسیحی! ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اپنی سابقہ رفتار پر قایم رہیں گے اور ہندوستان کی کلیسیا اور انگریز مشنریان کے نقائص کے ظاہر کرنے میں کبھی پہلوتہی نہیں کرینگے۔ کیونکہ اس راست گوئی سے آپ ان کے حقیقی خیر خواہ ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ جب ہم کسی کے عیوب اُس پر ثابت کرتے ہیں تو کبھی کبھی وہ ہم سے تھوڑے وقت کے لئے ناراض ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دانشمند ہوتا ہے تو وہ ہمارا مشکور و ممنون ہوتا ہے اور اپنے عیبوں کو رفع دفع کرتا ہے۔"

ان ہمت افزا الفاظ کے لئے ہم ڈاکٹر صاحب کے دل سے مشکور ہیں۔ ہمارا تجربہ اُلٹا رہا ہے۔ کئی مشنری صاحبان نے ناراض ہو کر مسیحی کا لینا بند کر دیا ہے۔ بعض مسیحی سکولوں میں اخبار عام اور دیگر اخبار بعض مسیحی دین کے مخالف اور فحش لکھنے والے اخبار تو لڑکوں کو دیئے جاتے ہیں لیکن ہاؤس ماسٹر کو حکم ہے کہ مسیحی انکو ہرگز نہ دیا جائے۔ بعض مشنری صاحبان نجی خطوں میں اور دیگر موقعوں پر ہمکو "مخالف مسیح"، "غیر مسیحی"، "نئی کی آڑ میں شکار کھیلنے والے"، "احمق"، "ان جنٹلمین"، "جھوٹے"، "کینہ جو"، "مسیح کے ستانے والے" وغیرہ وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اور ہماری اس التماس کا کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو دلیل و برہان سے ہماری رائے کی اصلاح کرو اور مسیحی میں مضمون لکھو۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تم سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس طریق سے نہ تو انکی راستی ثابت ہوتی ہے۔ نہ ہماری غلطی کی اصلاح ہوتی ہے۔ نہ کلیسیا مضبوطی پاتی ہے نہ خدا کا جلال ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے کالم تمام راستی پسند اصحاب کیلئے کھلے ہیں وہ ہندوستانی ہوں یا انگریز۔ ہم غلطی پر ہیں تو بزرگانہ نوازش سے ہماری اصلاح کرو۔ مسیحی کے بند کر دینے اور ہمیں سخت سُست کہنے سے کیا حاصل؟

(بحوالہ ہدایت اخبار) کہ "پنجاب میں سی ایم ایس کا سب کام گڑیوں کا کھیل ہے۔" (۱) کیا یہ ایسا ہی ہے! اور (۲) اگر یہی کہیں لکھ بیٹھنا تو پھر — الہ آباد کے اخبار انڈین کرسچن مسنجر میں متعدد خطوط اس بارہ میں چھپے ہیں کہ مشنری صاحبان اپنی جماعتوں سے ملتے جلتے نہیں۔ اور گلہ کرو تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کام بہت ہے۔ "فرصت نہیں۔" اس کا جواب ایک مشنری نے اسی اخبار میں یوں دیا ہے۔ کہ میں نے حکم دے رکھا ہے کہ اگر کسی گھرانے میں بیماری ہو یا میری چوپالی خدمات کسی اور طرح مطلوب ہوں تو مجھے اطلاع دی جائے۔ اور کیا چاہتے ہو؟ "نیا معقول جواب ہے۔ بعض پادری صاحبان سے ہم واقف ہیں جن کی صورت یا تو انھوں یونگ چابیں دکھائی دیتی ہے یا قبرستان میں۔ مسٹر جے گریفن ایسٹ آباد سے لکھتے ہیں کہ (۱) یہاں کی مسیحی جماعت میں گو قریب پچاس جانیں ہیں اتوار کو اردو زبان میں نماز بھی نہیں ہوتی۔ (۲) یورپین مشنری صاحب مسیحیوں سے بہت کم ملتے ہیں اور غیر مسیحیوں کو منادی بالکل نہیں کرتے۔ (۳) دو منادی بھی ہیں مگر منادی بالکل نہیں ہوتی۔

مسٹر جوزف جے سیمیون بی اے سکرٹری انڈین نیشنل چرچ مٹھی گنج الہ آباد تحریر فرماتے ہیں۔ مٹھی گنج الہ آباد کے چند سربرآوردہ مسیحیوں کی تجویز ہے کہ الہ آباد میں ایک آل انڈیا نیشنل چرچ (کلیسیائے بلا امتیاز فریق) قایم کیا جائے۔ ۳۹ مسیحی اس کلیسیا میں شامل ہو گئے ہیں اور دینی تعلیم کے لئے ایک پاسٹر بھی مقرر کیا گیا ہے۔ ہم مشنری صاحبان کے دل سے مشکور ہیں کہ انہوں نے سیلف سپورٹ کا خیال ہمارے دلوں میں ڈالا۔ جو اصحاب اس کلیسیا میں شریک ہونا یا صلاح مشورہ دینا چاہیں وہ راقم سے خط و کتابت کریں۔" چرچ آو سکاٹلینڈ کے پادری وارخ صاحب رسالہ انڈیپنڈنٹ ریویوز میں لکھتے ہیں۔ پادری محمد اسمٰعیل ہمارے پنجاب مشن کے سب سے پہلے مسیحی تھے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے سے پیشتر ایک اعلیٰ رتبہ پر مامور تھے اور بڑے لایق شخص تھے مشن میں وہ بڑی ذمہ واری کی جگہ رکھتے تھے ان کا دوسرا بیٹا یوسف اسمٰعیل ابھی چار برس کا تھا کہ انکا انتقال ہو گیا۔ یوسف مشن سکول میں جیل ٹیچر رہے اور نمونہ کے قابل مسیحی تھے۔ اب انکا بھی انتقال ہو گیا۔

مینیجر مسیحی ۱۵ اگست سے پہاڑ جاتے ہیں اور ایڈیٹر ان بھی ستمبر کی چھٹی چاہتے ہیں۔ اسلئے ڈبل نمبر ناظرین کی نذر ہے۔ اگر خریداران ۲ روپیہ سالانہ دینا منظور کریں اور جنکو خدا نے لکھنے کی بخشش دی ہے وہ کلیسیا کی بہبودی اور خدا کے جلال کیلئے ہمیں قلمی مدد دیں تو اس ڈبل نمبر کے حجم کا رسالہ ہم ماہواری تیار کر سکتے ہیں۔ باغ عدن کی تصویر کی طرف ناظرین کی خاص توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ پسند عام ہو تو مسز ریلیا رام ہر مہینہ ایک باب لکھنے کا وعدہ کرتی ہیں۔ (اعدہ بشرط گنجایش پوری حکایت)

رسید زر

جولائی ۲۱ تا اگست ۱۲

پادری پانیتل صاحب۔	۱۹۰۲/۶	۲—۰—۰
مسٹر آر داؤد سنگھ	″	۲—۰—۰
مسٹر جے بی فرنکلن۔	″	۱—۸—۰
مسٹر انگلس۔	″	۲—۰—۰
مسٹر پریہ ناتھ بوس۔	″	۲—۰—۰
مس ریڈ۔	″	۲—۰—۰
پادری تارا چند	″	۲—۰—۰
مسٹر رام سہائے۔	۱۹۰۱۔۱۹۰۲/۶	۳—۰—۰

L72

رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۲

قیمت سالیانہ دو روپیہ

مسیحی

امرتسر

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۲ء

نمبر ۱۰ جلد ۷

ہندوستانی کلیسیا کی رائے کا یہ آئینہ ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ ہندوستانی کلیسیا کی دینی اور سوشیل حالت پر آزادانہ بحث کرنیکے علاوہ اس میں انگلستان اور امریکہ کے مستند مصنفوں کی تحریرات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس وقت پانچ کتابیں مسلسل شایع ہو رہی ہیں تاہم خوبی یہ ہے کہ مسیحی کا ہر ایک نمبر بجائے خود مکمل ہے۔ اس کے مقاصد مختصراً مفصلہ ذیل ہیں۔

مقاصد

۱: مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کا انکشاف کرنا۔ ۲: کتاب مقدس کی تلاوت اور دُعا کیلئے تحریک۔ ۳: مسیحی ممالک اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کر کے مسیحی یگانگت کو قائم کرنا اور پھیلانا۔ ۴: نامی مسیحی کارندوں کی سرگذشتیں چھاپنا۔ ۵: جہاں تک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق رائے کا ظاہر کرنا۔

فہرست مضامین اکتوبر ۱۹۰۲ء

دبیر ہند پریس امرتسر

گلدستۂ اخبار

انڈین نیشنل چرچ۔ پاسٹر رلا رام صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مسٹر جوزف جے سیمون بی اے کی تحریر انڈین نیشنل چرچ قایم کرنے کی بابت یہ ایک سوال ہے۔ کہ منٹگمری الہ آباد امریکن پرسبٹرین چرچ میں ایلڈر چننے کے وقت دو فریق ہو گئے جس فریق کے مسٹر موصوف ایک بڑے آدمی سمجھے جاتے ہیں وہ چاہتا تھا کہ جو شخص ایلڈر چنا گیا وہ نہ چنا جائے اور دوسرا فریق کہتا تھا کہ اسی شخص کو ایلڈر چننا چاہئے۔ چونکہ اس فریق کی رائے غالب تھی لہذا وہ ایلڈر چنا گیا۔ اب میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے موقعہ پر پرسبٹرین چرچ سے علیحدہ ہو کر ایک نیا چرچ کھڑا کرنا خدا کی روح کا کام سمجھا جائیگا۔ یا محض انسانی جذبہ۔ کلیسا مسیح کی ہے کلیسیائی انتظام میں مسیح کی روح کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ اگر مسیح کی روح کے خلاف ہم اسکی کلیسیا کے انتظام میں دخل دیں تو بڑا ڈر ہے۔ چونکہ میں دل سے اپنے بھائیوں کو پیار کرتا ہوں اس لئے میں انکو مسیح کی ناراضی سے بچانے کی خاطر یہ سوال پوچھتا ہوں۔

دہلی میں مسیحی میلہ۔ پاسٹر رلا رام صاحب لکھتے ہیں۔ کیا دہلی میں دربار کے وقت ہم ایک مسیحی میلہ فراہم کر سکتے ہیں یا نہیں۔ میرے ناقص خیال میں ہم سب صوبوں کے مسیحی بھائیوں کے بزرگ اگر چاہیں تو آسانی سے یہ میلہ فراہم کر سکتے ہیں۔ سبب اول اس موقعہ پر بہت مسیحی ہمکو وہاں بغیر بلائے ملیں گے۔ دوم اگر ہم میلہ کا بندوبست کریں تو بہت مسیحی آسانی سے آجائیں گے۔ دہلی مشن سے ہمکو جگہ مفت میں مل جائیگی۔ کھانے پینے کا بندوبست لوگ خود کرینگے۔ ایسا عمدہ موقعہ اس کام کے لئے کچھ مدت تک ہمکو پھر نہ ملے گا۔ پادری جے ڈبلیو ٹی رائٹ پرنسپل سنٹ سٹیفنس کالج دہلی ۲۷ ستمبر کو بمقام ڈلہوزی رحلت کر گئے۔ دہلی میں قریب بیس برس خدمت کی پنجاب کے صیغۂ تعلیم کے بڑے رکن تھے۔ پشاور کے ڈاکٹر لنکسٹر نومبر میں واپس ہندوستان آئینگے۔ ڈاکٹر جیوکس سرما میں امرتسر قیام رکھیں گے۔ مسٹر مکانکی سابق ڈپٹی کمشنر گورداسپور سی ایم ایس کی طرف سے ہندوستان اور سیلون کے تعلیمی مشنوں کا معائنہ کرنے آتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ مسٹر اور مسز مکانکی پنجاب میں مشن کا کام اختیار کریں۔ ولایت کا اخبار ریکارڈ لکھتا ہے کہ پنجاب کے پادری ہرولینڈ بیٹمین غالی کے ویکر مقرر ہوئے اور پنجاب میں واپس نہیں آئینگے۔ ماہ نومبر میں بابو رادھا شملہ بک ڈپو کے کام سے مستعفی ہونگے۔

جنوبی ہندوستان میں ۱۹۰۱ء میں ۷۸۴ دیسی مسیحی گریجوایٹ تھے۔ اس سال غالباً اُن کی تعداد پانسو سے کچھ بڑھ گئی ہوگی۔ ان میں سے گیارہ ایس پی جی مشن ۸ سی ایم ایس اور تین لوتھرن افری چرچ اڈینبرا مشن کے (کل ۲۲) پادری ہیں یعنی ۵ فیصدی۔ ممالک یورپ میں شاید ایک فیصدی بھی نہیں لیکن قریباً ۱۲۵ دیسی مسیحی گریجوایٹ سکولوں اور کالجوں وغیرہ میں کام کرتے ہیں۔ چھٹیوں کے بعد امرتسر الگزنڈرا گرلس سکول میں ابھی تک صرف ۴۳ لڑکیاں واپس آئی ہیں۔ بعض لاہور سکول میں داخل ہو گئی ہیں۔ پنجاب میں صرف یہی ایک سی ایم ایس کا سکول ہے۔ سوسائٹی بھی کیسی امیر۔ عمارت بھی کیسی عالیشان۔ پنجاب میں سی ایم ایس کا کام بھی بہت اور پھر بھی لکھنؤ کے میتھوڈسٹ اور لاہور

نوٹ اور رائیں

ہندوستانی مسیحی جماعت کی طاقت اور کمزوری۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بمبئی کی انڈین کرسچن ایسوسی ایشن کے اجلاس میں پادری جوشی صاحب نے اس عنوان کا ایک مضمون پڑھا جو ہمارے ملک کی کلیسیا کی موجودہ حالت کا ایک اچھا خاکہ ہے۔ پادری صاحب موصوف نے اوّل ہندوستان میں مسیحی مذہب کے تین زمانوں کا ذکر کیا یعنی ملاآبار کا سیرین چرچ اور اس سے ایک ہزار سال کے بعد پرتگیز مشنریوں کا دور جو رومن کیتھلک زمانہ ہے اور بعد ازاں پروٹسٹنٹ مشنریوں کا زمانہ جو انگلستان اور امریکہ سے انجیل کو لائے اور جنکی بدولت اسوقت مسیحی مذہب کو ایک صدی میں وہ عروج حاصل ہُوا ہے جو اوّل مسیحی زمانہ میں بھی نصیب نہ ہُوا تھا۔ انجیل کے جھنڈے کے نیچے ہر مذہب اور فرقہ کے لوگ جمع ہو رہے ہیں اور یہ مجمع آخر الامر ایک بڑی قوم کا کام کر بنے گا۔ اس مختلف اجناس کے ذخیرہ میں بعض باتیں ہیں جو آئندہ مسیحی کلیسیا کے لئے طاقت کا باعث ہیں۔ چنانچہ مسیحی نومرید ایک ہی قدم میں صدیوں کی قید سے نکل کر آزادی کا دم بھرنے لگتا ہے۔ بیوہ عورتوں کے بیاہ یا صغیر سنی کی شادی کے انسداد کیلئے کوشش کرنے کی ضرورت نہیں اُسکو اپنی پست حالت پر نوحہ وزاری اور قومی مرثیے یا رقت آمیز الفاظ درکار نہیں۔ جب وہ مسیحی ہونے پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو عوام کی طعن وتشنیع سہہ کر اسکی سیرت اور طبیعت میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنا بوجھ خود اُٹھانا سیکھتا اور اپنی اور اپنے گھرانے کی پرورش کا ذمہ وار بن جاتا ہے۔

پھر مختلف ذات کے مسیحیوں میں بیاہ شادی ہونے سے ایک فرقہ کی صفات دوسرے کے ساتھ ملکر ایک نئی صفات کی نئی پشت قایم ہو جائیگی۔ یہ شادیاں بغیر اندیشہ کے نہیں ہیں۔ لیکن آخر اس قوم کو ایک قسم کی پختگی حاصل ہوگی۔ اور چونکہ مسیحی کسی ملکیت یا بزرگوں کے دروديوار کے ساتھ جکڑے ہوئے نہیں ہیں اُنکو غیر ممالک میں جانا

نہایت آسان ہے۔ مذکورہ صفات کے علاوہ بعض قباحتیں ہیں جو اس قسم کی بوقلموں جماعت میں موجود ہیں۔ چنانچہ مختلف مذاہب کے مختلف طبایع کے اشخاص کا ملکر یکرنگ ہوجانا محال ہے۔ صدیوں کی موروثی عادات اور خصائل کا دفعتہً معدوم ہوجانا ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے بعض علاقوں کے مسیحیوں میں ابتک ذات پات کا خیال پایا جاتا ہے۔ اور پھر ہر جگہ ہمخیال اشخاص ملکر اپنی اڑھائی چاول کی کھچڑی علیحدہ پکانے لگ جاتے ہیں۔ اور جو یکجہتی اور یکتائی ایک قدیم اور یکرنگ قوم مثلاً پارسیوں میں موجود ہے وہ ہم میں نہیں ہوسکتی۔ پھر ہم خود انکاری کرکے اوروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہم نے خود غیر ممالک کے لوگوں سے فیض پایا ہے تو کیوں اپنے ملک کے مستحق طلبا یا غریب بھائیوں کی مدد نہ کریں۔ پھر ہم لوگوں میں خود بخود کھڑے ہونے کی طاقت نہیں۔ اوّل تو مشنری صاحبان نے اپنے لطف و کرم سے ہمکو سنبھالا مگر ہم اُن کے کاندھوں پر اس قدر عرصہ تک بوجھ ڈالے رہے ہیں کہ ہم خود اپاہج ہوگئے ہیں۔ آخرالامر ہم لوگ ایک دوسرے کی عزت کو دیکھ کر حسد کرتے ہیں اور ہم میں باہمی اعتبار نہیں۔ نیز ہمیں چاہئے کہ اپنے اپنے چرچوں سے نظر اُٹھا کر ہندوستان کی تمام کلیسیا کو خدا کی میراث سمجھیں جس میں ہمارا خاص چرچ ایک جزو ہے۔ اور جو بات مجموعی ہندوستانی جماعت کو درکار ہے وہ اُسکے اجزا کیلئے بھی ضروری ہے۔

آثار زمانہ۔ الہ آباد کے ایک ہندو ماہواری رسالہ بنام کایستھ سماچار میں کسی ہندو صاحب نے ایک مضمون بعنوان "ہمارے نوجوانوں کا مذہب" تحریر کیا ہے جو بہر پہلو قابل تعریف اور مسیحی واعظوں کے لئے ہمت افزا ہے۔ راقم اپنے ملک کے طلبا کی موجودہ روحانی حالت کو دہریت کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ (یعنی طلبا) خدا اور تجسم اور مکاشفہ کی نسبت اس طور پر کلام کرتے ہیں کہ وہ گویا علم ریاضی کے مسائل ہیں جو حل شدہ و تیار رکھے ہیں۔ جنکی نسبت کسی قسم کے شک یا دقت کا اعتراف کرنا متعصب یا جاہل آدمی کا نشان ہے۔ وہ موجودہ ہندوئیت

کا کھوکھلا پن دکھا کر بڑے زور سے ثابت کرتا ہے کہ اس میں انسانی رُوح کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ بعد ازاں وہ نئی روشنی والوں کی جھوٹی حب الوطنی کو خوب آڑے ہاتھوں لیتا ہے۔ اور نئے نئے مذاہب اور سماجوں کی دھجیاں اڑاتا ہُوا اپنے ملک کے جوانوں کو ناصح مشفق کی طرح نیک اور کار آمد صلاح دیتا ہے۔ کہ "بائبل کا مطالعہ کیا کریں"۔ جب کلکتہ کے سابق لشپ صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ سرکاری مدارس میں انجیل کی تعلیم دی جائے تو تمام ملک کے اخبارات نے انکو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ اور جب گورنمنٹ نے اس تجویز پر کچھ توجہ نہ کی تو ملک کے "حب الوطنوں" کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ اب میرے خیال میں بلا اندیشہ مسیحی جماعت میں شریک ہونے کو اگر یہ کتاب انکے سلسلہ تعلیم میں داخل کی جائے تو ہمارے طلبا ایک ضروری بات بائبل سے حاصل کرینگے یعنی وہ زیادہ سرگرم اور سوچ و فکر کرنے والے اور اخلاقی طور پر بہتر اشخاص ہو جائیں گے۔ یہ ایک واقعی اور امر مسلمہ ہے کہ مشن کالجوں کے طلبا دیگر مدارس کے طلبا کی نسبت زیادہ نورِ قلب کی روشنی میں چلنے والے اور راستی اور دیانتداری میں بڑھ کر قدم مارنے والے ہوتے ہیں۔ میں اس دعوی کے ثبوت میں سندات اور لایق اشخاص کے اقوال پیش کرسکتا ہوں"۔ پھر راقم موجودہ افسوسناک حالات کا علاج پیش کرتا ہے۔ یہاں گنجایش نہیں کہ طول طویل اقتباس اس نادر مضمون میں سے درج کیا جائے۔ مختصراً دو ایک فقروں پر اکتفا کرینگے۔ "میں اوّل علاج یہہ پیش کرونگا کہ تمام پرائمری اور ہائی سکولوں میں بائبل کی تعلیم جاری کی جائے۔......
اگر بائبل کی تعلیم کو بجائے پورانوں کے علم الٰہیات کے سکھایا جائے تو ہمارے طلبا کم ازکم تعصب کی بیڑیوں سے رہائی پائیں گے اور ذی عقل انسانوں کی طرح دلیل اور تحقیق کرنا سیکھیں گے۔ میں خود مسیحی نہیں ہوں۔ مگر میرے خیال میں ہم جس قدر مسیح کی مانند ہو جائیں اسی قدر ہمارے اور ہمارے ملک کیلئے فائدہ ہے۔ اس منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے اس سے بہتر طریق نہیں ہوسکتا کہ ہمارے طلبا کے سامنے روز بروز اور بار بار وہ محبت اور خود انکاری اور خود نثاری کا اعلیٰ نمونہ رکھا جائے جو انجیل کے صفحوں میں پایا جاتا ہے"۔

ایک مناسب تجویز۔ ہمارے ناظرین آنریبل مسٹر کالی چرن بنرجی مشہور وکیل کلکتہ کے نام نامی سے واقف ہوں گے۔ یہ شخص جیسا لیاقت میں یکتا ہے ویسا ہی سرگرم مسیحی ہے۔ کوئی مذہبی اور اخلاقی بلکہ علمی اور ملکی جلسہ کلکتہ میں بمشکل ہوگا جسکی روح و رواں آپ نہ ہوں گے۔ آپ بلاناغہ انجیل کی منادی کیا کرتے ہیں اور ہر طرح سے مشنری صاحبان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اِن خدمات کا خیال کر کے کلکتہ کے مشنری صاحبان نے اُنکا ایک یادگار قایم کرنے کی تجویز کی ہے۔ اب تک یہ فیصلہ نہیں ہُوا کہ اس یادگار کی کیا صورت ہوگی۔ مگر یہ نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لایق شخص کی عزّت کی جائے۔ اور اس لئے ہر فرقہ کے مسیحیوں سے استدعا ہے کہ اس تجویز کی تکمیل میں چندہ سے امداد دیں۔ فنڈ سال کے آخر تک کھُلا رہیگا۔

ناظرین بھول نہ جائیں۔ ہم اپنے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ سرمائی کانونشنوں اور کانفرنسوں کے انعقاد کا موسم سر پر ہے۔ شرکا کیلئے دُعا کی جائے کہ وہ ایسا روحانی فیض حاصل کریں جو ہماری کلیسیا پر سے مردہ حالت کے دھبّہ کو دھوڈالے یہی ایک حل ان تمام مشکلات کا ہے جو سال بسال ہماری کونسلوں میں پیش کی جاتی ہیں کہ دیسی مسیحی دینی خدمت کو کیونکر اختیار کرنا سیکھیں اور خود انکاری اور خیرات کی تعلیم انکے ذہن نشین کیونکر کی جائے وغیرہ۔ ہماری التجا ہے کہ خدا اِن تمام مجالس کو اور خصوصاً سٹوڈنٹس کیمپ کو جو ہماری کلیسیا کی زندگی میں ایک ضروری جزو ہے روشنی کے ایسے مرکز بنائے جہاں سے مشتعل ہو کر ہمارے نوجوان انجیل کا نور سارے ملک میں اور اپنے شہروں اور گھروں میں پھیلائیں۔ اسی سرما میں بعض دیندار لوگ یورپ اور امریکہ سے انجیل سنانے کیلئے آنیوالے ہیں۔ اُنکے لئے خاص دُعائیں کی جائیں تاکہ انکا کلام خدا کی طرف سے ہو اور ہماری کلیسیا کے لئے مؤثر ثابت ہو۔

بچوں کی تعلیم کا نتیجہ۔ اس مضمون پر لکھتے ہوئے ایک معزز امریکن ہمعصر رقمطراز ہے۔ کہ موراوین کلیسیا کے بچوں کو بچپن سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہماری کلیسیا کی ہستی کا خصوصاً یہی منشا ہے کہ کفار کو انجیل کی بشارت دے۔ موجودہ موراوین کلیسیا میں ہر ساٹھ اشخاص میں سے ایک غیر ممالک میں مشنری ہو کر جاتا ہے۔ باقی پروٹسٹنٹ ممالک میں سے پانچ ہزار میں سے ایک آدمی مشنری بنتا ہے۔

ہندوستانی مسیحی گریجوایٹ اور مشنری خدمت

یہ ایک ایسا ضروری اور دلچسپ مضمون ہے کہ یورپین اور ہندوستانی مسیحی وقتاً فوقتاً اسکا چرچا اپنی مجالس اور کونسلوں میں کیا کرتے ہیں۔ ایک پہلو سے یہ کلیسیا کی کمزوری کا نشان ہے۔ کیونکہ انجیلی خدمتگزار کیلئے بجائے روحانی جوش کے تعلیم یافتہ ہونا افضل خیال کیا جاتا ہے۔ جب رسولوں کو ابتدائی کلیسیا میں خدمت کیلئے چند اشخاص کی ضرورت پڑی تو انہوں نے روح القدس اور دانائی سے معموری شرط ٹھہرائی۔ ہم نہیں کہتے کہ گریجوایٹ ہونا انجیلی خدمت کیلئے مفید نہیں ہو سکتا مگر ہم اس امر پر زور دینا چاہتے ہیں کہ جسقدر چرچا اور شور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مشنری خدمت کیلئے تحریک دلانے کی نسبت کیا جاتا ہے اس قدیم رسولی شرط پر عشر عشیر بھی توجہ نہیں کی جاتی۔

مندرجہ بالا عنوان کے جس مضمون کا لب لباب ہم اسوقت پیش کرنا چاہتے ہیں وہ مدراس کی مشنری کانفرنس کے اجلاس میں پادری گولڈسمتھ صاحب نے پڑھ کر سنایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب موصوف نے اس مضمون پر بہت کچھ غور و فکر کی ہے۔ آپ تمہید میں لفظ مشنری خدمت کی نہایت وسیع تشریح کرتے ہیں۔ چنانچہ اس میں وہ سرکاری ملازم بھی شامل ہیں جو اپنے مال یا کلام سے انجیل کے سنانے میں مدد دیتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے یوروپین سرکاری افسروں کی نظائر جنہوں نے مشنوں کو قائم کرنے میں امداد دی یا اپنے نمونہ اور صلاح و مشورہ سے انجیل کے پھیلانے میں ہاتھ بٹایا پنجاب سے بڑھ کر کہیں نظر نہ آئیں گی۔ ان بہادروں کا یہ اصول تھا کہ "ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم اپنے فرائض کو پورا کریں"۔ کیا آج کے دن بھی کوئی اس پر چلنے سکہ کا سرکاری افسر کہیں دکھائی دیتا ہے۔

صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں بہت سے سرگرم ہندوستانی مسیحی گریجوایٹ موجود ہیں جو اپنے نمونہ اور زندگی سے بلا تنخواہ مسیح کا نام پھیلا رہے

ہیں۔ مگر ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ اگرچہ ہرسال مختلف یونیورسٹیوں میں سے ایک معقول تعداد مسیحی گریجوایٹوں کی ڈگریاں حاصل کرکے نکلتی ہے مگر اُن میں سے بہت تھوڑے آزادانہ یا کسی غیر ملک کی سوسائٹی کے متعلق مشنری خدمت کو اختیار کرتے ہیں خواہ وہ خدمت معلّم یا پاسٹر یا بشّر بننے کی ہو۔ . . . . اور یہ کمی فقط ہندوستان تک ہی محدود نہیں انگلستان میں بھی یہی مشکل درپیش ہے۔ کلیسیائے انگلستان میں مقدّس خدمت میں شامل ہونے والوں کی تعداد کچھ عرصہ سے بہت کم ہوگئی ہے۔ بعد ازاں راقم اپنے ہندوستانی بھائیوں کو یاد دلاتا ہے کہ اگر مسیحی خدمت کو محض ایک "پیشہ" تصور کیا جائے تو اس میں سب سے تھوڑی تنخواہ ہے۔ اور اس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اگر انگلستان میں باوجود اسقدر قلیل تنخواہ کے اس خدمت کو اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ اس ملک میں مشاہرہ سے بڑھ کر اعلیٰ مقاصد خدمت اختیار کرنے والوں کے مدِّنظر ہوتے ہیں۔

صاحب موصوف اپنے مضمون کو تین حصّوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ اوّل یہ امر غور طلب ہے کہ غیر ممالک کی کلیسیائیں کہاں تک موجودہ خراب حالت کیلئے قابلِ الزام ہیں۔ آپ اس ضمن میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض اوقات مشنری صاحبان نے نومریدوں کو بپتسمہ دینے میں حد سے زیادہ جلدی کی اور کارندوں کے انتخاب میں قابلیت کا امتیاز بہت تھوڑا کیا۔ نتیجہ جسکا یہ ہے کہ زردوست اور دنیوی مزاج اشخاص مقدّس عہدوں پر مامور ہیں جس سے نہ فقط دیسی کلیسیا کا نقصان ہے بلکہ دنیا کی نظروں میں مسیحی خدمت بدنام ہو رہی ہے۔ یہ بھی ایک اچھا نشان ہے کہ مشنری صاحبان اپنی اوائل کی غلطیاں تسلیم کرنے لگ گئے ہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ بگڑے معاملات کی اصلاح میں کیا کوشش ہو رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ اپنے مرض کا معلوم کرنا نصف علاج ہے۔ مگر معلوم کرکے خاموش بیٹھے رہنا ایک قابلِ مواخذہ جرم ہے۔ صاحب موصوف کا یہ کہکر اپنے دل کو تسلّی دینا کہ رسولوں میں بھی ایک یہوداہ اسکریوطی تھا آپکے مفید مطلب نہیں ہے۔ اگر رسولوں میں قریب آٹھ فیصدی نالائق کارندوں کی تعدا

مقرر کی جائے تو ہماری کلیساؤں میں ۹۵ فیصدی سے کیا کم نکلیں گے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اسی ضمن میں آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک اور الزام ہم اجنبیوں کے سر پر تھوپا جاتا ہے یعنی یہ کہ ہم حد سے زیادہ حکومت کرتے ہیں۔ آپ پوچھتے ہیں کہ کیا ممکن نہیں کہ بعض اوقات یہ حاکمانہ تعلق خود مشنری اور کارندے دونوں میں روحانیت کی کمی کا نتیجہ ہو۔ اور یہ جلدی بپتسمہ دینے اور اعلیٰ عہدوں پر مقرر کرنے کا ماحصل ہو۔ بعض غیر ممالک کے مشنری خود ہی پاسٹر اور خود ہی بشپ ہیں۔ میرے خیال میں یہ ایک غلطی ہے۔ اور رسولوں کے نمونہ کے خلاف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جن ہندوستانی کارندوں کو ہم نے تعلیم دی ہے انکو پاسٹر کے کام پر لگائیں اور ہم خود انجیل سنانے یا تعلیم کا کام اختیار کریں۔ چاہیئے کہ ہمارا مقولہ یہ ہو کہ وہ (یعنی ہندوستانی کارندے) بڑھیں اور ہم گھٹیں۔

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو ہندوستانی مسیحی گریجوایٹوں کو مشنری خدمت اختیار کرنے میں سدِ راہ ہیں۔ (۱) جیسا انگلستان اور امریکہ میں یہاں بھی ایک خاص سبب یہ ہے کہ حقیقی تبدیل قلب نہیں ہوئی۔ پیدائشی مسیحیوں میں خصوصاً اس قسم کی سستی پائی جاتی ہے۔ جہاں روح میں زندگی موجود ہے اس زندگی سے اوروں کو مستفیض کرنے کی خواہش بھی ہوگی۔ (۲) تنخواہ کا جھگڑا۔ مشن میں گورنمنٹ کے مقابلہ میں تنخواہ بہت کم ہے اسلئے تعلیم یافتہ نوجوان مشنری خدمت پسند نہیں کرتے۔ اسکا فیصلہ یہی ہے کہ زیادہ روپیہ پیسہ کا لالچ دیکر کسی کو نہ بلایا جائے۔ اور مشاہرہ حسب ضرورت مقرر ہو۔ (۳) درجہ یا پایہ کا جھگڑا۔ موٹ صاحب نے مدراس میں ہندوستانی مسیحیوں سے دریافت کیا کہ آپ مشنری خدمت کیوں اختیار نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک تو یورپین مشنری ہم پر اعتبار نہیں کرتے۔ اور دوسرا تنخواہ بالکل قلیل ہے۔ موٹ صاحب نے اسکی نسبت یورپین اور امریکن مشنریوں سے پوچھا۔ انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ ان دیسیوں میں بہت تھوڑے آدمی ہیں جن پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قصور دونوں جانب والوں

کلب ہے مشنریوں کو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے ہندوستانی بھائیوں پر اعتبار کریں اور پاسٹر اور انجیل سنانیکے کام میں اُنکو اپنے شریک کریں۔(۴) غیر مذاہب کا اثر نہایت مہلک ہے۔(۵) یوروپین اور یوریشین لوگوں کی بیدینی کی خطرناک تاثیر (۶) مشنریوں کا اپنا قصور۔ حاکمانہ مزاج کا ذکر ہو چکا ہے۔ ہم میں مسیح کی خود انکاری کرنیوالی رُوح کا ظہور ہونا چاہیے۔ (۷) دیسی کلیسیا میں ذات پات کا خیال بھی اس خدمت کے اختیار کرنے میں ایک بھاری روک ہے۔

تیسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اس کوتاہی کو رفع کرنیکے کیا کیا وسائل اور طریق ہیں۔(۱) چاہیئے کہ ہم خود محسوس کریں اور اوروں پر اپنے نمونہ اور تعلیم سے نقش کرنے کی کوشش کریں کہ یسوع مسیح میں ہمکو رُوح القدس کی طاقت کی بھرپوری حاصل ہو سکتی ہے۔(۲) مسیح کا آخری حکم ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور اپنے نومریدوں کو شروع سے سکھائیں کہ انجیل کی خدمت انکا فرض ہے۔(۳) اپنے نومریدوں کو مسیحی مذہب اور باقی مذاہب کا روحانی طور پر مقابلہ کر کے دکھایا کریں۔(۴) مڈگاسکر اور یوگنڈا میں مسیحی کلیسیا کی ترقی وغیرہ کا حال مطالعہ کریں اور جو برکت اوروں کو انجیل سنانے سے حاصل ہوتی ہے اسکا بیان کریں۔(۵) جو غیر مذاہب کے لوگ ہمارے ہمسایہ ہوں اُنکے لئے دُعا کیا کریں اور خیرات اور اور کام اُنکے درمیان کریں۔(۶) انگلستان اور امریکہ کی کلیسیاؤں سے درخواست کریں کہ اس ملک کی کلیسیاؤں کو ابھارنے کیلئے لائق اشخاص کو بھیجا کریں۔(۷) جہاں کلیسیائیں کافی تعداد ممبر کا کی رکھتی ہیں خود مشنری مجالس قایم کی جائیں (۸) آخری اور نہایت ضروری امر یہ ہے کہ ہم خداوند یسوع مسیح کو اپنا نمونہ قرار دیں۔ بقول ڈاکٹر لونگسٹن "خدا کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ مشنری تھا" وہ خود انکاری کر کے انجیل سناتا پھرتا تھا اور جو اسکا نمونہ اختیار کرتا ہے وہ بھی عزت اور منافع وغیرہ کے خیالات کو بالائے طاق رکھ کر فرد فرد اوروں کو مسیح کی بے قیاس دولت کی خبر دے گا۔

حیاتِ داؤد

۱۰

قریبِ بے راہ

(۱سموئیل ۲۱ باب + زبور ۵۶)

خدا کے ساتھ ساتھ چلنا کوئی آسان بات نہیں۔ الٰہی رفاقت کی ہوا بیہ سالمی بلند ہو پر ہو بہت ہلکی ہوتی ہے اور سانس اپنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دور چل کر انسانی قدم تھک جاتے ہیں۔ اور سخت آزمایش کے بعد ایمان بھی الٰہی قدم کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ داؤد کا بھی یہی حال ہُوا۔ آج ہم اس امر کا ذرا ذکر کرینگے کہ کن امور نے اسکی اس طرف تحریک کی اور اُسکے نتایج کیا ہوئے۔

اوّل۔ داؤد کے تنزّل کے اسباب۔ پہلا نشان اسکا یونتن کو یہ کہنا تھا کہ مجھ میں اور موت میں فقط ایک ہی قدم کا فاصلہ ہے (۱سموئیل ۲۰: ۳) اسکا ایمان لغزش کھا رہا تھا۔ کیونکہ اس امر کے الٰہی وعدے کہ وہ بادشاہ ہوگا بڑے صاف اور صریح تھے۔ واقعات کی دُھند میں سے وہ خدا کو دیکھتا تھا اور ظاہری آنکھ کے نزدیک وہ واقعات بڑے ڈراؤنے اور دہشت انگیز تھے۔ حالانکہ اسکو چاہیئے تھا کہ خدا کی ہر وقت موجود مدد کی تیز روشنی میں سے ان واقعات پر نظر ڈالتا۔ خدا کے وعدہ کے ہمت دلانے کی نسبت آندھی اور موجیں زیادہ دہشت ناک تھیں۔ ساؤل کی ایذا رسانیوں سے اسکو اسوقت کی یاد بھولتی گئی جب ان نے سموئیل کے ہاتھوں سے مسح پایا تھا۔ مقدس یوحنا کہتا ہے کہ مسح کا ایک بار پالینا ہی کافی نہیں۔ چاہیئے کہ وہ برابر ہم پر ٹھہرا رہے۔ ہمارے خداوند کے حق میں یہ صادق ٹھہرتا ہے کہ بپتسمہ پانے سے رُوح اس پر نازل ہُوا اور اُس پر ٹھہرا رہا۔ داؤد جو کچھ پا چکا تھا شاید اُس نے اسی پر اکتفا کیا اور آسمانی مسح کے ہر روز پانے میں تساہل کرتا رہا (۱یوحنا ۱: ۲۳-۲۷ + ۱یوحنا ۳: ۲۴) پھر اُسنے ایسا مکر اور چالبازی اختیار کی جو نہ اسکے شایاں تھی نہ اسکے قادر مطلق اور عظیم دوست کے۔ الٰہی رفاقت اور شہادت کی اعلیٰ جگہ سے یہ تنزّل کا ایک اور بڑا قدم تھا۔ خدا نور ہے اور نور صداقت ہے اور جو اسکے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ تاریکی کے کاموں کو اتار دیں اور روشنی کے ہتھیار پہنیں اور دن کے فرزندوں کی چال چلیں۔

سبت سے پہلے دن کی دوپہر کو بادشاہ کا داماد تھوڑے سے رفیق لے کر نوب میں پہنچا۔ یہ جگہ نوب جبعہ کے جنوب میں وہاں سے قریب پانچ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں میں واقع تھی۔

یہ جگہ دنیا کی دوڑ دھوپ سے الگ ایک ویرانہ میں تھی اور وہاں کے باشندوں کا کام بھی مقدس کی خدمت تھا۔ یہ شخص جو کتابی افود پہنتے تھے وہاں اپنی بیوی بچوں۔ گائے بیل۔ گدھوں اور بھیڑوں سمیت رہتے تھے۔ اس الگ اور مقدس جگہ میں دنیا کے کاروبار اور شوروغل کی کوئی موج رخنہ انداز نہ ہوتی تھی۔ حریف سے بچاؤ کا وہاں کوئی سامان بھی نہ تھا کیونکہ فلسطی جلیت کے تیغہ کے سوا جو داؤد نے وہاں بطور یادگار فتح کے رکھا تھا وہاں کوئی اور ہتھیار نہ تھا۔ غالباً وہاں سالانہ اجلاس مومنین فراہم نہ ہوتے تھے اور گاہے ملہے کوئی شخص اس سادہ مقدس میں آتا تھا۔ جیسے دو ایک جو اپنی منتیں پوری کرنے یا رسمی پلیدگی سے پاک ہونے آتے تھے۔ اس لئے متعدد جاتریوں کی رہائش کا وہاں کوئی سامان نہ تھا۔ کاہنوں کی روکھی سوکھی غذا انہیں کے لئے بمشکل بس ہوتی تھی۔ دو تین مہمانوں کے آنے سے انہیں مشکل پڑجاتی تھی۔ عام روٹیوں کے پانچ گردے بھی انکے پاس نہ تھے۔

کاہن کے شک کو مٹانا اور اسکے سوالوں کا جواب دینا ضرور تھا اور داؤد نے ظاہر کیا کہ شاہ والاجاہ نے ایک نہایت ضروری کام میرے سپرد کیا ہے۔ اسنے یہ بھی کہا کہ میں اور میرے رفیق تین دن سے سفر میں ہیں۔ کہ بادشاہ نے تاکید کی تھی کہ یہ امر کسی پر ظاہر ہونے نہ پائے اور کہ میرے رفیقوں کی ایک بڑی گروہ فاصلہ پر بیٹھی ہے۔ لیکن جب وہ اس سیدھے سادھے کاہن کو دھوکہ میں ڈال رہا تھا تو اودمی دوایگ کو جو ساؤل کے چرواہوں میں سب سے بڑا تھا دیکھ کر اسکا دل خائف و ترساں سا ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ کینہ جو بادشاہ کے روبرو ایک ایک بات دہرائی جائیگی۔ اپنے مہمان اور اپنی سلامتی کا اسے فکر پڑگیا اور سبت کے گذرتے ہی وہ پہاڑیوں کے جنوب مغربی طرف چل نکلا اور وادی ایلا میں جہاں اس نے اپنی بڑی فتح پائی تھی جا پہنچا۔ وادی کی صورت اب بالکل بدلی ہوئی تھی اور وہاں صرف زمین کے درندوں اور ہوا کے پرندوں کا مکان تھا۔ وہاں سے دس میل پرے فلسطیوں کا شہر گاتھ تھا جہاں سے وہ مسودما جاتی جولیت بڑے غرور سے نکلا تھا۔ پیچھے داؤد کا بڑا بھاری دشمن جان تھا اور گاتھ میں اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت درپیش ہوسکتی تھی۔ اس لئے اسنے یہی بہتر سمجھا کہ جو ہو سو ہو آگے کو ہی بڑھا جائے۔ شاید فلسطی اسکو پہچان نہ سکیں اور شاید ساؤل کے خلاف اس کی مدد نہ لینا قبول کریں۔

لیکن شاید اسوجہ سے کہ جولیت کی تلوار اسکے کمربند میں آویزاں تھی وہ فوراً پہچانا گیا اور اکیس کے خادموں نے وہی راگ گانا شروع کردیا جس سے ساؤل کا شعلہ رشک افروختہ ہوا تھا۔ لوگ اسے حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اسکے ہاتھ فلسطی خون سے رنگے تھے اور فلسطی خاندانوں کی تباہی اور ہلاکت میں سے اسکی اقبال مندی کی عمارت اٹھی تھی۔ ان سب باتوں کے بدلہ لینے کا اب اچھا موقع تھا۔ داؤد کو ان باتوں سے آگاہی ہوگئی اور وہ جان گیا کہ بس اب زندان ہے یا قتل۔ اس نے ایک ایسے مکر سے کام لیا جو

ہرگز اسکے شایاں نہ تھا یعنی اُس نے اپنی وضع بدل لی اور اُن کے بیچ میں آپ کو دیوانہ بنایا اور اپنے تھوک کو اپنی داڑھی پر بہنے دیا۔ اُسکی یہ چالبازی کارگر ہوئی اور شاہ اکیس نے یہ کہکر اُسے رخصت کیا کہ میرے پاس آگے ہی بہت سڑی ہیں مجھے کسی اَور سڑی کی ضرورت نہیں۔ داؤد کی زندگی میں یہ سب سے بڑا بےعزتی کا واقعہ ہے جو خدا کے ممسوح کے ہرگز ہرگز شایاں نہیں اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ اگر وہ بے ایمانی کے باعث خدائے حق کی راہوں سے نہ پھرتا تو ایسی تدبیروں کی اُسے ہرگز ضرورت نہ پڑتی۔

وہ تہہ۔ خاموش کبوتر کا زبور۔ بادی النظر میں تو ہم ۵۶ زبور کو دیکھکر چونک سے اُٹھتے ہیں کہ کجا اسکا نفس مضمون اور کجا وہ واقعات کہ جن سے یہ متعلق ہے۔ لیکن اس زبور کے عنوان پر شک لانے کی کوئی وجہ نہیں۔ سلیمان کے وقت میں جب زبوروں کی ترتیب دی گئی تو غالباً اُسوقت کی یہ سُرخی داؤد کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہے۔

بغور ملاحظہ کرنے سے مغنی کے واقعات اور اسکے جگر سوز الفاظ کے مابین بہت کچھ مشابہت نظر آتی ہے اور ہمیں یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ ظاہر میں جو نالائق اور نفرتی نظر آتا ہے بعض اوقات اسکے باطن میں سچی خدا پرستی۔ خدا کو پانے کی آرزو اور مزاج صالح چھپا ہوتا ہے معمولی ناظر کو کبھی یہ خیال نہ گزرتا کہ اس سڑی کے دل میں ایسے ایسے خیال گزر رہے ہیں جو ہزاروں پشتوں تک بڑے مضبوط ایمان اور صادق توکل کا اظہار کرینگے۔

اس دلکش زبور کا زیادہ حصہ دو بندوں پر مشتمل ہے جو ایک ہی سُر پر ختم ہوتے ہیں۔ باقی حصہ اُمید ستائش اور اس خوشی کے اظہار سے معمور ہے جس کی زبور نویس کو زندوں کی روشنی میں خدا کے ساتھ ساتھ چلنے سے پانے کی توقع ہے۔

پہلا بند۔ (آیات ۱-۴) وہ انسان سے مڑکر خدا کی طرف پھرتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کی صفوں سے بھاگ کر جو چاروں طرف سے اس پر حملہ آور ہوکر اُسے نگلا چاہتے ہیں الٰہی رحمت کی پناہ لیتا ہے۔ وہ آپ کو ایسی کبوتری سے تشبیہ دیتا ہے جو اپنے آشیانہ سے دُور اکیلی اور تن تنہا ہو۔ اُن لوگوں کے بیچ میں جو غرور سے اسکے خلاف لڑتے اسکا دل لرزتا اور ترساں ہوتا ہے۔ تاہم وہ خوف کا مقابلہ ایمان سے کرتا اور اپنے خوف کی کمینہ پن کا اعتراف کرتا اور انسان کی قوت کا مقابلہ خدا کی قوت اعلیٰ سے کرتا ہے۔ اچھلتی لہروں میں سے نکل کر وہ اپنے پاؤں چٹان پر رکھتا ہے اور اسکے لبوں پر ایک نیا گیت ہے جسکا کورس یہ ہے "کہتیں ڈرنے کا نہیں"۔ اے روح جس نے خدا پر بمنزلہ اپنی چٹان اور قلعہ کے قایم ہونا سیکھا ہے تو مبارک ہے۔

دوسرا بند۔ (آیات ۵-۹) وہ پھر گہرائیوں میں آ رہا ہے۔ موج جسنے کنارے سے پھیرتے ہوئے اُسے پھر وسط میں ڈال دیا ہے۔ اُس کا فخر رونے سے اور اُس کا دعویٰ شکایت سے بدل گیا۔ اُسے اپنے الفاظ کو بدلتے ایک لمحہ بھی نہیں لگا۔ آن کی آن میں اُسکے خیالات

بدل گئے۔ جو لوگ اسکی جان کی گھات میں لگے ہیں وہ اُسکے قدم قدم کی پڑتال کر رہے ہیں۔ وہ ایک پناہ سے دوسری پناہ میں بھاگا بھاگا پھرتا ہے وہ آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ اسکے دشمن اُسکے سر کے بالوں سے زیادہ ہیں۔ اوہ دلِ غم دیدہ کیا یہ تیری آواز ہے جو ابھی ایک مجھ ہُوا احمد ثنا میں زمزمہ پرداز تھی؟ ہائے تجھ پر افسوس! تاہم ہمارے تسلی دینے والے کی یعنی ایمان کی آواز یہ یقین دلاتی ہے کہ مجھے یقین ہے کہ خدا میری طرف ہے" اور پھر وہی یہ سنائی دیتی ہے کہ

"میں خدا ہی کے قول پر فخر کرتا ہوں میں خداوند ہی کے قول پر فخر کرتا ہوں میرا توکل خدا پر ہے میں ڈرنے کا نہیں انسان میرا کیا کر سکتا ہے؟"

(آیات ۱۰-۱۳) اُسے پھر خوف نہیں ہوتا۔ اسکا دل مضبوط ہے۔ اسکا توکل خدا پر ہے۔ اور خدا کی منتیں اسکے سر پر ہیں۔ وہ پیچھے کو مڑ کر اس اندھیری گہرائی پر نظر ڈالتا ہے جس میں وہ قریباً گر ہی چکا تھا اور جانتا ہے کہ میں اس سے ہمیشہ کے لئے بچ گیا ہوں۔ صبح ہونے پر وہ چٹان کے دامن پر اپنے نقشِ قدم دیکھتا اور الٰہی قدرت اور فضل کی پہچان پاتا ہے کہ جنہوں نے اُس کے پاؤں کو گرنے سے بچا لیا۔ اور اب جو وہ پھر اس نورانی مرتفع پر آتا ہے جو اس نے نجبہ سے نوب۔ نوب سے گاتھ اور گاتھ سے سڑی پن اختیار کرنے سے چھوڑ دیا تھا اسکو یقین ہے کہ اب سے میں خدا کے آگے زندوں کے نور میں چلوں گا۔ صداقت۔ پاکیزگی اور خوشی اُسکی جان کا جامہ ہوں گے۔

اُس وقت کی تلخی میں جب بمقام گاتھ اُسے ہر دم خطرہ تھا کہ میری زندگی کی مشعل فلسطی دشمنی کے تاریک پانیوں سے بجھ نہ جائے یہ منحرف خدا کی جانب واپس آگیا اور اس رسی کو پا لیا تھا کہ جسکے سہارے گہرائی سے اوپر روشنی میں آجائے اور بار دیگر وہ ایک بچہ کی طرح اپنے گھر میں پھر آ بیٹھا۔ تیل سے ممسوح اور اسکے دشمنوں کے روبرو اس کے آگے دسترخوان بچھا ہُوا۔

سوم۔ داؤد کے فریب کا اثر اخی ملک پر۔ خدا کا فرزند معافی پاکر بحال تو ہو سکتا ہے تاہم اُسکے گناہ کے نتائج سے کئی بے گناہ اور بے قصور جانیں مصیبت میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہُوا۔ کچھ عرصہ بعد ساؤل راماہ میں ایک درخت کے سایہ تلے بیٹھا تھا اور اسکے خادم اُسکی چاروں طرف فراہم تھے۔ وہ اپنے دکھڑے رو رو اور یہ بتا بتا کر کہ داؤد نے میرے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کیں اُن کی ہمدردی کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا کہ ادومی دوایگ نے شاہی عنایات پانے کا یہ موقعہ غنیمت سمجھ کر نوب کا واقعہ سُنایا۔ اس نے کاہن کی بے قصوری اور بھولا پنے کا بالکل ذکر نہ کیا۔ اور اس واقعہ کو ایسی رنگت دی کہ جس سے ظاہر ہو کر وہ اور اسکا خاندان داؤد کا شریک اور مؤید تھا۔ اخی ملک نے بے سود اپنی بے قصوری۔ داؤد کی خدمات اور مدد کا ذکر اور شاہ جہاں پناہ اور اسکے داماد کے مابین ناچاقی سے

لاعلمی ظاہر کی۔ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے کاہنوں کے سفید جامے خون سے رنگے گئے اور اس پہاڑی مقام کی ہر ایک جاندار چیز نذرِ تیغ ہوئی۔ ایک بے دردی کے فعل سے تمام کاہنی گروہ منہدم ہو گیا۔

ان کاہنوں میں سے صرف ایک ہی زندہ بچا کیونکہ ابیاتھر اپنے ہاتھ میں افود لے کر بھاگ گیا اور ایک دن داؤد کیا دیکھتا ہے کہ ایک پریشان صورت۔ خون آلودہ کاہن وادی ایلا میں دہشت زدہ سا بھاگا جاتا ہے کہ غار ادولم میں باغی گروہ کے پاس جا پناہ لے۔ اسکا ذکر ہم کسی اور وقت کرینگے۔

خدا کے فرزندوں کو احتیاط رکھنی چاہیئے۔ گنہگار کی تمیز اور اپنے نتائج میں اور روح پر گناہ بڑا تلخ اثر رکھتا ہے۔ ہم احتیاط۔ فکر۔ دعا سے جال جیسی اور اپنی تمیز (کانشنس) کو ہمیشہ پرکھتے رہیں کہ کہیں ہم صداقت کی راہوں سے بھٹک تو نہیں گئے۔ تاکہ کہیں ایسے بیج بکھر نہ جائیں جنکا سمیٹنا بعد میں مشکل ثابت ہو اور ہماری بدکرداریوں کا اثر ہمارے لواحقین اور متعلقین پر نہ پڑے۔

رسولوں کے وقت کی داستانیں

۱

پطرس کی بیٹی

"آہ! باپ کیسی بڑی بھیڑ ہے۔ مہربانی کر کے اسکے بیچ میں سے گذرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ پیارے والد آپ بہت عمر رسیدہ اور کمزور ہیں اندیشہ ہے کہ کہیں لوگوں کے پاؤں تلے نہ کچلے جائیں"

"علاوہ ازیں ابا! آپ کیا بھلا کر سکتے ہیں؟ کیا آپ نے اس ڈھلکی ہوئی مورت کے عین نیچے جزیرہ میں شہر سے شعلے اُٹھتے دیکھے ہیں؟ وہ شاہی فوجیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیرو آ پہنچا ہے۔ اگر آپ ان کے بیچ میں سے گذر بھی جائیں تو بھی آپ ٹھیک اس وقت جبکہ اُسے روک سکیں پہنچ نہ سکیں گے۔ اگر اب تک آپکا یہی خیال ہے کہ اس کی مخالفت کی جائے تو مجھے جانے دیجئے۔ خدا میری حفاظت کریگا۔ اگر آپ کے لئے میری ضرورت ہے تو وہ مجھے واپس لے آئیگا"

"نہیں بیٹی۔ نہیں نیریس۔ مجھے ہی جانا لازم تھا۔ میں کب تک اس جھوٹے معلم کو۔ اس خدا کے ملعون کو۔ اس مخالفِ مسیح کو جو مسیحی دنیا کے رہبر ہوا ایسے مکروہ جھوٹ پھیلانے دونگا؟"

"والد بزرگوار آپ مت جائیے۔ آپ جانتے ہیں کہ شہنشاہ نے آپ کو قتل کر ڈالنے کی دھمکی دی ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کس طرح شمعون جادوگر نے آپ کو مار ڈالنے کی

بندش باندھی ہے۔ اگر آپ مارے گئے تو یہاں کی کلیسیا کو کون سنبھالے گا؟ کون میری خبرگیری کرے گا؟" یہ تقریر کرنے والے ان دو پلوں میں سے جو دریائے تبار پر بند ہے ہوئے تھے اور دریا کے عین بیچ میں ایک چھوٹے سے جزیرے تیرنا نامی تک پہنچتے تھے ایک کے کونے میں کھڑے تھے۔ یہ جزیرہ عمارتوں۔ مندروں اور بتوں سے عجیب طرح سے آراستہ تھا۔ لوگوں کی بھاری بھیڑ سرگرمی سے وسطی جزیرہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جن کی ایک طرف ان تقریر کرنے والوں میں سے ایک نے اشارہ کرکے بتلایا کہ دیکھئے سورج پیتل کی خودوں اور شاہی باڈی گارڈ کی شفاف برچھیوں پر چمک رہا ہے۔ یہ فوج ایک بت کے گرد جمع تھی جو ابتک ڈھکا ہوا تھا اور اپنے آس پاس کی سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی مورتوں سے اونچا نظر آتا تھا۔

وہ شخص پطرس رسول تھا جسکو اسکی بیٹی پیٹرولینا اور اسکا منسوب نیریس اس بڑی بھیڑ میں سے گذر کر بادشاہ کے روبرو جانے کی کوشش سے ہٹا رہے تھے۔ اسکا بوڑھا دل اس وقت پاک جوش اور غیرت سے جل رہا تھا کیونکہ شہنشاہ اس کے پرانے دشمن شمعون جادوگر کی یادگار میں ایک بت نصب کرنا چاہتا تھا۔ کئی برس گذرے تھے کہ رسول نے اس جادوگر کو سامریا میں مغلوب کیا تھا۔ وہ دغاباز اپنے جھوٹے معجزوں کے باعث نیرو کی نگاہ میں اعلیٰ جگہ حاصل کرچکا تھا۔ اس نے جھکی شہنشاہ اور اسکی جورو پاپیا کو خوشامد سے خوش کرلیا تھا۔ اس نے مشرقی جادوگروں کے دینی خبطوں کی نقل کرکے بادشاہ اور ملکہ کے ہمیشہ تک زندہ رہنے کی نسبت پیشین گوئی کی تھی۔ وہ ایک دینی ہادی بن بیٹھا تھا اور شہنشاہ یہ خیال کرکے کہ اس میں غیر معمولی طاقت پائی جاتی ہے حد سے بڑھ کر اس سے خوف کھاتا تھا۔ اس نے یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ میں خدا کا اوتار ہوں جو بنی آدم کی رہائی کے لئے آیا ہوں۔ اس نے بتلایا کہ مسیحی مذہب جھوٹا ہے اور شہنشاہ کو اکسایا کہ مسیحیوں کو گرفتار کرکے ایذا دے۔ اس نے پطرس کو بھی چیلنج کیا کہ سب لوگوں کے روبرو اپنی طاقت دکھلائے۔ لیکن جب پطرس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو اس نے مشتہر کردیا کہ پطرس نے اپنی کمزوری اور شکست مان لی ہے۔

یہ خیال کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ایسے شخص کے لئے جسکی تیز اور سرگرم طبیعت کا بیان نئے عہدنامہ میں ایسی صفائی سے کیا جاتا ہے ایسے وقت خاموش رہنا کیسا محال تھا۔ جب بت کو نصب کرنے کے اشتہار کی خبر اسکے کانوں میں پہنچی تو اس نے ارادہ کیا کہ کم از کم شاہی بت پرستی کی تردید کرے اور اگر ممکن ہو تو جادوگر کے فریب اور دغابازی کو بھی طشت ازبام کیا جائے۔

اب وہ انسلا یا اپنی جائے رہائش سے دور دراز کا سفر طے کرکے کیٹین کے پل پر پہنچ گیا تھا مگر آگے بڑھنا مشکل ہوگیا کیونکہ بڑی بھاری بھیڑ کے باعث راہ دشوار گذار ہوگئی تھی۔ جوان نے اپنا چوغہ سنبھال کر جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تیار ہے کہا "مجھے جانے کی اجازت دیجئے" وہ ایک خوبصورت یونانی تھا جسم کا دبلا پتلا مگر مضبوط تھا۔ اسکی پیشانی کے اوپر کے

بال سیاہ گھنگھروار تھے۔" جناب مجھے جانے دیجئے اگر میرے جانے سے پہلے ہی موسیٰ استفاپن کی گئی تو بھی جو کچھ مجھ سے بن پڑے گا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

پطرس اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ایک لمحہ کے لئے ہچکچایا اور آخرکار لمبی سانس لے کر کہا "ہاں جاؤ۔ میرا وقت نزدیک آگیا ہے ضرور ہے کہ میں کچھ کام جوان ممبروں کے ہاتھوں میں بھی چھوڑ دوں۔ جاؤ اور خداوند تمہارے ساتھ ہو۔"

اس نے اپنا ہاتھ جوان کے کاندھوں پر رکھا۔ نیریس نے چپ چاپ سر جھکایا اور سیڑھیوں سے اتر کر سڑک کی جانب دوڑا مگر ایک ہی لمحہ میں واپس آگیا اور پیٹرولینا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اسکا انجام کیا ہوگا لیکن میری پیاری اگر میں واپس نہ بھی آسکوں خدا ہمیشہ تیرے ساتھ رہے۔ تجھے برکت دے۔ تیری حفاظت کرے جب تک ہم پھر اس پار ملیں۔" اس نے جھک کر اسکے چھوٹے نازک ہاتھ کا بوسہ لیا اور بھیڑ کی طرف چلا گیا۔ لڑکی آنسو بھری آنکھوں سے اسکی طرف تکتی رہی اور اسکے لبوں کے ہلنے سے معلوم ہوتا تھا کہ جلدی جلدی دعا کر رہی ہے۔ یہ خیال اس کے لئے بڑا ہی ہولناک تھا کہ اگر وہ نہ آئے یا شہنشاہ اسکو گرفتار کرلے یا وہ اسی جگہ مارا جائے تو میرے لئے دنیا میں کونسی خوشی باقی رہ جائیگی۔ وہ اس کی حفاظت کے لئے چپ چاپ اپنی دلی دعائیں خدا کے تخت تک پہنچاتی رہی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مسیح کی موت کے بعد تین صدیوں کی ایذا رسانی کے درمیان کس قدر ایسی دعائیں کی گئی ہوں گی۔ ان میں سے بہتوں کی نسبت معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کی دعائیں نہیں سنی گئیں۔ مگر یقیناً دعا مانگنے والے ہمارے خیال و وہم سے بڑھ کر جواب حاصل کر چکے ہیں۔

"بتلاؤ بیٹی تمہیں کچھ ہل چل دکھائی دیتی ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ بت کے پاس پہنچ گیا ہے؟" پیٹرولینا پل پر جھکی اور اس نے کہا "نہیں باپ۔ کیا تمکو ڈھنڈوریوں کے ترہوں کی آواز سنائی دیتی ہے؟ ہاں سنو آواز تو آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ شہنشاہ کے ایدگرد خوشی منا رہے ہیں۔ آہ! وہ تو کچھ تقریر کر رہا ہے میں اس کے چوغہ میں زیور دیکھ سکتی ہوں میں آسانی سے پہچان سکتی ہوں۔ وہ بت کے قدموں پاس کھڑا ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں پردہ ہے جسکو اس نے بت سے اتارا ہے۔"

جونہی کہ بت سے پردہ اتارا گیا تمام بھیڑ خوشی کے نعرے مارنے لگی۔ وہ جو اسکے بہت نزدیک تھے اس طرح سے بھرے ہوئے نوشتہ کو پڑھ سکتے تھے جو بت پہ لکھا ہوا تھا۔ لیکن رُسٹل نے اس سے پریشان ہو کر اپنے ہاتھوں کو ہوا میں اٹھایا۔

جب نعرے بلند ہو رہے تھے اور شمعون جادوگر جو نیرو کے ساتھ ایک ہی گاڑی میں سوار تھا اپنے سر کو جھکا کر بھیڑ کا شکریہ ادا کر کے شہنشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اس اثنا میں نیریس گارد میں سے ہو کر اندر آگیا۔ دو رما صد پُل سے پیٹرولینا نے چمکتی ہوئی خودوں کے درمیان کچھ ہل چل دیکھی اور سوچنے لگی کہ اسکا کیا باعث ہے؟ اس نے اپنا ہاتھ اپنے دل

پر رکھ کر اپنے باپ پر سہارا کیا۔

خواہ اسکے منگیتر کو اسوقت اسکا خیال آیا بھی تو بھی وہ جھکا نہیں بلکہ سپاہیوں کے درمیان سے ہو کر جنہوں نے اسکو روکنے کی کوشش کی بُت کے پاس پہنچکر زور سے یُوں پکارا کہ مسیح کے نام سے میں اس بت پرستی کی مخالفت کرتا ہوں اور بہت عرصہ نہیں گذریگا کہ اس مکروہ اور مخالف مسیح کی جھوٹی مورت کیڑے مکوڑوں کے درمیان جو اسکے حقیقی عابد ہیں دریائے ٹیور کی کیچڑ میں جا پڑیگی۔" یہ کہ کے وہ جھکا اور زمین سے کچھ گیلی مٹی اٹھا کر اس مورت پر لیپ دی۔

اُسے اور وقت نہیں ملا کیونکہ سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسکو بڑی تندی سے گھسیٹ کر پیچھے ہٹانے لگے۔ نیرو نیم خوف زدہ ہو کر اپنی گاڑی میں اٹھ کھڑا ہُوا۔ اسے ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مبادا کوئی مجھے قتل نہ کر ڈالے۔

وہ اپنی خوف زدہ آواز سے چیخ کر پکارا "اسکو پرے لے جاؤ اسکو پرے لے جاؤ۔ یہ بدذات ہے۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ بھیڑ کو پیچھے ہٹا دو۔"

پاپیاس نے اسکو یقین دلانے کے لئے اپنا ہاتھ اسکے بازو پر رکھا وہ اس قسم کے مجذوبانہ فسادوں کی عادی ہو چکی تھی لیکن نیرو کو اطمینان نہ ہوا۔ اس نے پکارا "نہیں نہیں! وہ گاردوں سے ہو کر آ رہے ہیں۔ اے شمعون۔ اے شمعون اپنی طاقت سے مجھے سنبھال۔"

جادوگر نے بڑی ہمدردی سے کہا "جناب خوف مت کیجئے گا جب تک میں یہاں ہوں وہ حضور کو چھو تک نہیں سکیں گے۔ جب تک آپ میری ایسی تعظیم کرتے رہیں گے میں آپ کا بال تک بیکا نہ ہونے دونگا۔"

نیرو چھوٹے بچے کی مانند چلایا "ہم گھر کو واپس چلیں"۔ اور اسکے اس کہنے پر سپاہیوں نے بھیڑ کو حد بندی سے جو قایم کی گئی تھی ہٹا دیا اور سڑک کے بیچ میں سے راستہ نکالنے کی کوشش کی۔ بھیڑ سپاہیوں کی برچھیوں کی نوکوں اور ان کے مکوں کے سامنے سے پیچھے کو ہٹی۔ ہوا کی طرح جو اناج کے کھیت کو لہر کی مانند لٹا دیتی ہے یہ ہل چل ان لوگوں تک بھی پہنچی جو بڑی کثرت سے پل پر جمع ہو رہے تھے اور ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ جب گاردوں نے زخمیوں کی چیخوں اور کمزور تماشائیوں کے پاؤں تلے کچلے جانے سے لاپرواہ ہو کر اس پل کو جو جزیرہ تک پہنچتا تھا جانے کے لئے راہ نکالی تو دھکم دھکے کا زور بہت بڑھ گیا اور بھیڑ پر ایک عجیب پریشانی و گھبراہٹ چھا گئی۔ لوگ یہ نہیں بتلا سکتے تھے کہ کیا ہو گیا ہے مگر یہ افواہ تمام بھیڑ میں پھیل گئی کہ نیرو لوگوں کو قتل کر رہا ہے۔ ایک ہی لمحہ میں تمام بھیڑ پیچھے کو لوٹی اور حیوانوں کی طرح وحشیانہ طور سے گانوں میں گھسنے لگی۔

اس بھیڑ نے پطرس اور اسکی بیٹی کو بھی جا دبایا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ رسول تو دھکوں سے قصبہ میں پہنچ گیا مگر اسکی بیٹی کسی قدر کشمکش کے بعد پل کی

ساتھ گر گئی اور بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔
جب تو گذر گئی اور سپاہی اور شاہی سوار ان لوگوں سے جو راہ میں بے حس و حرکت بیہوش پڑے تھے اور لوگوں کے ہاتھ سے لاپرواہ محل کو چلے گئے اور سردار اور عدالت کے اہلکار بعد اپنے اپنے غلاموں کے ان کے پیچھے آئے تھے۔ شمعون نے شہنشاہ سے درخواست کی کہ مجھے گاڑی سے نیچے اتر جانے کی اجازت دیجئے تاکہ میں اپنے معبود سے صلاح لوں جیسا کہ اس نے اسوقت درخواست کی تھی جبکہ وہ اس بت کے پاؤں کے پاس کھڑا تھا اور اب ایک جوان سردار بنام فلاکس کو جو شہر کے پریفکٹ کا بیٹا تھا ساتھ لے کر چلا۔
انہوں نے ان آدمیوں کی طرف جو سڑک پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے کچھ توجہ نہ کی۔ مگر جب وہ اس جگہ سے گذرے جہاں پٹرونیلا گری پڑی تھی تو اس نے اپنے ذرا پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی اور لڑکھڑا کر عین ان کی راہ پر گر پڑی۔ فلاکس نے اسکے دوبارہ گرنے سے پیشتر اس کی خوبصورتی کی جھلک دیکھی اور جھٹ پٹ اسکے پاس دوزانو ہو کر پکارا۔
"دیوتاؤں کی قسم کیسی خوبصورت ہے۔ ایسی نازک لڑکی ایسے دن ایسی بڑی بھیڑ میں کیسے آگئی"۔
شمعون نے اس کی طرف دیکھا اور چونک پڑا کیونکہ اس نے پطرس کی بیٹی کو پہچان لیا تھا۔
اسکے زرد صاف چہرے پر حقارت کا تبسم آیا اور اسکے دماغ میں ایک برا خیال پیدا ہوا کہ وہ جلیلی پطرس کی جو بڑا مسیحی تعلیم کا حامی ہے بیٹی ہے اسکو اسی جگہ پڑی رہنے دو۔ مسیحیوں میں سے ایک تو کم ہو جائے گا۔
سردار نے بڑے جوش میں آ کر کہا۔ دیوتاؤں کی قسم۔ نہیں وہ ایسی خوبصورت ہے کہ یہاں چھوڑی نہیں جا سکتی۔ غلام! ڈولی لاؤ۔ جب تک وہ ہوش میں نہ آئے میرے ہاں رہیگی۔
جادوگر کی ہنسی اور بھی بناوٹی ہو گئی۔ جب غلام واپس آئے تو اس نے اپنے کاندھے جھاڑے اور فلاکس نے بڑی احتیاط سے بیہوش لڑکی کو اٹھا کر ڈولی میں رکھا۔
ایک گھنٹہ بعد جب لڑکی کو ہوش آگیا اور وہ اسکے گھر کی کھڑکی سے گھبرائی ہوئی نگاہ سے دیکھ رہی تھی تو اس نے پوچھا کہ پطرس کہاں رہتا ہے۔ شمعون نے وہ طرف بتلادی اور نفرت کو چھپا کر کہا کہ لڑکی کو گھر پہنچانا ہی بے فائدہ ہے۔
یہ سنکر جوان اٹھ کھڑا ہوا اور غصہ سے پکارا جناب من میں آپ کی رائے کی تو قدر کرتا بشرطیکہ وہ مناسب ہوتی۔ میں ایسا بدمعاش نہیں ہوں۔
جادوگر نے نرمی سے جواب دیا "واہ! واہ! میرے پیارے دوست تم نے میری بات نہیں سمجھی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب لڑکی پورے طور سے تندرست ہو جائے تو اس کے والد کو صرف اتنی خبر دے دی جائے کہ وہ خیر خواہ ہاتھوں میں ہے"۔
میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ یہ جواب ایسی لاپرواہی سے دیا گیا کہ شمعون نے ایک دو لمحوں کے بعد اپنے دوست سے الوداع کہہ کر رخصت ہونا ہی مناسب سمجھا۔

لیکن جب وہ اپنی کرسی پر گلیوں میں سے گذر رہا تھا اُسنے اپنے خیالات کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور اپنی انگلی اس پھول کے عرکز پر رکھی جو اسکے گھٹنے کے اوپر کپڑے کی زیبائش کے لئے لگا ہوا تھا گویا اپنے خیالوں کو یک جا لگا کر کہا کہ "میں فی الحقیقت یقین کرتا ہوں کہ یہ میرے سلئے انتقام لینے کا شروع ہے"۔

اس عرصے میں فلاکس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ لڑکی کو اسکے گھر پہنچا دیں اور خود پیدل اس کی ڈولی کے پیچھے ہو لیا۔

پطرس اپنی بیٹی کو لیکر بہت حیران اور خوش ہُوا اور اس جوان سردار کا اسکی حفاظت اور خبر گیری کے لئے دلی شکریہ ادا کیا۔

جوان نے کہا۔ جناب اسکو کسی حفاظت کرنے والے کی بہت ضرورت ہے اور مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کی حالت سے اس کی بہت کم حفاظت ہو سکتی ہے۔

"خداوند اپنوں کی حفاظت کرے گا"

جوان نے بے صبری کے آثار ظاہر کر کے کہا کہ دیکھئے جناب میں آپکے ساتھ اس امر میں متفق نہیں ہو سکتا۔ میں نیرو کی مانند تمہارے نئے مذہب کا مخالف تو نہیں ہوں مگر میں آپکے اس ایمان کو جو آپ مصلوب ناصری پر رکھتے ہیں اور اسکو خدا مانتے ہیں سمجھ نہیں سکتا۔

پطرس نے ثابت کیا کہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے باعث خدا ہے اور اس لئے ہم اسکی انجیل کی منادی کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

فلاکس نے کہا میں اسوقت آپ کی باتیں سُننے کے لئے اور زیادہ ٹھہر نہیں سکتا۔ مجھے شہنشاہ کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا ہے لیکن کسی وقت آکے آپ کی سنوں گا۔ اس عرصہ میں ایک بات آپ سے کہتا ہوں کہ اگرچہ میں رومی ہوں اور اس بُرے زمانہ میں رہتا ہوں مگر آپ یقین کیجئے میں دل سے کہتا ہوں کہ اس خاتون نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے فی الحقیقت یہ سچ ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ کوئی اس کی خوبصورتی اور عصمت و حیا کو جو اسکے چہرے پر ظاہر ہے دیکھے اور اس پر اسکا اثر نہ ہو۔ بوڑھے میاں آپ اسے مجھ کو دیجئے کہ وہ میری جورو ہو۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اس کی خبر گیری کرنے اور اس کو خوش رکھنے کے لئے سعی کرونگا۔ اگرچہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اچانک ہے مگر اسکی صداقت میں ذرہ بھر کی کسر نہیں۔

پطرس نے اپنے کمرے میں جہاں چراغ کی دھندلی سی روشنی تھی کھڑے ہو کر اس جوان کو دیکھا اور کچھ ایسا کہا کہ میں روم کے اور کمینہ سرداروں کی پرواہ نہیں کرتا۔

مگر ایک لمحہ غور سے دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا کہ "میں آپ کا یقین کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن میں آپ کی ایسی درخواست قبول نہیں کر سکتا۔ میں نیرتیس سے جھوٹا ٹھہرونگا۔

"آہ! وہ تیز مزاج جوان جو آج شام کو گرفتار کیا گیا ہے اور قید خانہ میں ہے اور اسکی .... کی بہت تھوڑی اُمید ہے۔"

تھا اس کی حفاظت کرے تب جناب آپ سے ایک سودا کرونگا۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ ایسا کرنا میرے لئے ٹھیک اور راست ہو۔ آپ اسکو رہا کروانے کیلئے بینار یعب استعمال میں لایئے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر آپ کو پوری اجازت ہوگی کہ جو کچھ آپ نے مجھ سے کہا ہے پطرس لینا سے بھی کر دیجئے۔ ابھی تک اسکی منگنی نیریس کے ساتھ ٹھیک طور سے نہیں ہوئی۔ اگر وہ آپکے ساتھ شادی کرنا چاہیگی تو میں ناراض نہ ہونگا۔ لیکن امید نہیں کہ وہ . . . .

میرے بیٹے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسا میں نے کہا ہے کہ کچھ عرصہ سے نیریس نے اسکے لئے درخواست کر رکھی ہے۔ مگر وہ ان تکالیف کے دنوں کا خیال کر کے شادی کرنے کے لئے راضی نہیں ہوئی۔ اگر اس کی مرضی ہو تو وہ ابتک بھی اپنے ارادے کو بدل دینے کا پورا اختیار رکھتی ہے۔ میں زیادہ نہیں کہہ سکتا میں اتنا جانتا ہوں کہ جیسا آج آپ نے عزت کے لائق کام کیا ہے ویسا ہی اسوقت بھی کرینگے۔

فلاکس نے سر جھکایا اور کہا اچھا میں حتی الوسع کوشش کرونگا کہ نیریس کو رہا کرا دوں اور آپ کی بیٹی کو حاصل کروں۔ الوداع۔

وہ انسلا کی بے شمار سیڑھیوں سے ہو کر محل کو چلا گیا جہاں نیرو اس دن کی یادگار میں غیر معمولی ضیافت کر رہا تھا۔

شمعون نے اسوقت جب سب لوگ کثرت شراب سے مخمور تھے حکمت عملی سے شراب سے پرہیز رکھنا مناسب سمجھا اور فلاکس کے پاس جو اسوقت اپنے ہی خیالوں میں غرق بیٹھا تھا جا بیٹھا۔ اس نے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ اس جوان سردار کے ساتھ تعلق رکھنا فائدہ مند ہے۔

اس نے کہا۔ میرے عزیز فلاکس اگر اب تک تمہارا یہی خیال ہے کہ آج شام کو میں نے تمہیں رنج پہنچایا ہے تو میں تم سے اسکے لئے معافی کا خواستگار ہوتا ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ ارادتاً نہیں تھا۔ میں صاف دیکھتا ہوں کہ میری تقریر ذو معنی تھی۔ میرا مطلب رنج پہنچانے کا ہرگز نہیں تھا۔

فلاکس نے جوانی کے جوش میں پھیلایا ہوا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے بیوقوفی کی کہ ایسا خیال کیا اور وہ سارا ماجرا جو اسکے اور رسول کے مابین گذرا تھا ہو بہو بیان کر دیا۔

جادوگر نے اپنی خوشی کو چھپایا اور نیریس کو رہا کروانے کے لئے مدد کا وعدہ کیا اور اسی شام کو نیرو کے سخت بے رحم اور بدی میں ہوشیار مددگار تلگینیس کے ساتھ خلوت میں مشورہ کر کے آپس میں ایسی بندش باندھی کہ جس سے ظاہر ہو کہ قیدی رہا کیا جاتا ہے مگر اسیوقت اسکے قدیمی دشمن پطرس سے بری طرح انتقام لیا جائے۔

ہفتہ گذر گیا اور اس عرصہ میں فلاکس نے اس وقت جب وہ پطرس کی باتیں سننے کیلئے جایا کرتا تھا پیٹرولینا کی نسبت بہت کچھ جان لیا اس نے رسول سے کہا کہ میں حتی الوسع نیریس کو چھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں اور مجھے پوری امید ہے کہ شہنشاہ سے اسکے لئے معافی حاصل کر لونگا۔

آخر کار ایک روز صبح کو فلاکس نیرو کا خط لیکر پطرس کے پاس آیا اور کہا نیرو نے بڑی مہربانی سے وعدہ کیا ہے کہ میں آج ہی قیدی کو معاف کر دوں گا۔ جب پطرس نے خط کھولا تو معلوم ہُوا کہ شہنشاہ نے اسکو اس رات محل میں بُلایا ہے۔ اور اسکو وہ موقعہ جسکی پطرس بہت عرصہ سے خواہش کر رہا تھا دیا جائے گا کہ وہ اپنا پیغام سنا دے اور اپنے مسیحی بھائی کو ساتھ لیجائے۔

اس نے دریافت کیا کہ آج رات کو محل میں کیا ہوگا۔ جواب ملا کہ وہاں معمولی ضیافت ہوگی لیکن اس کے بعد اکارس کے سانگ کی کھیل ہوگی۔

پطرس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ کیونکہ وہ جلیل کا سیدھا سادہ دیہاتی تھا اور ایسی باتوں کی نسبت محض ناواقف تھا۔

سردار نے اسکی ناواقفی پر تبسم کر کے کہا ایک شخص بنام اکارس کی کھیل ہے جسکی نسبت کہتے ہیں کہ اس نے ایک دفعہ پر بنائے اور اڑنے کی کوشش کی شمعون جادوگر نے قسم کھائی ہے کہ آج میں اپنے جادو کی طاقت سے فی الحقیقت اڑونگا۔

رسُول کی آنکھیں شعلہ زن ہوئیں اور اپنے تئیں سیدھا کیا گویا اسکے بڑھاپے کی نسوں میں جنگ کی روح زور مار رہی ہے۔

اس نے کہا خدا اسکی طاقت کو نیست کرے گا اور تم اُسے دیکھو گے۔

جب وہ دونو محل کی طرف جا رہے تھے تلگینس نیچے دریا میں قید خانہ کی کوٹھڑی میں نیرس سے گفتگو کر رہا تھا جو بھیگے ہوئے گھاس پر آہ وزاری کرتا ہُوا لیٹا تھا

وہ بیچارا محض کینہ کے سبب تمام رات ستایا گیا۔ جب اسکا ستانے والا اس پر جھکا ہُوا تھا تو وہ خوفناک درد میں مبتلا تھا۔

ستانے والا اُسے کہہ رہا تھا کہ "شہنشاہ کی مرضی ہے کہ تمہیں چھوڑ دے کیا تم اس کے رحم کیلئے کچھ کہنا نہیں چاہتے؟"

قیدی نے کانپتے ہوئے الفاظ میں کہا میں اسکا شکریہ ادا کرتا ہُوں لیکن تم نے کس لئے عمر بھر کے لئے مجھے نکما کر دیا ہے۔ اس عذاب سے جس میں میں مبتلا ہُوں میرا مبارک بچاؤ موت ہوگی۔ اور اس نے اپنا چکنا چور کیا ہُوا اور خون آلودہ ہاتھ اُٹھا کر کہا دیکھو۔

تلگینس نے حقارتانہ تبسم سے کہا کہ شہنشاہ کے مزید رحم کے ثبوت میں تم سے کہتا ہُوں کہ تم ضیافت میں شاہی نوکروں کے کمرے میں حاضر ہونے کے لئے بلائے گئے ہو۔ غلاموں کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے زخموں کی مرہم پٹی کر دیں اور تمہیں ایسی دوائیاں پلائیں جن سے تمکو فی الفور صحت ہو جائیگی اور اس کھیل میں جو ضیافت کے بعد ہوگی تمکو اپنا پارٹ پورا کرنا پڑے گا۔ آخری نظارہ میں تم ہی سب سے بڑے ایکٹر ہو گے۔ میرے دوست تم کو ہی اڑنا ہوگا۔ اس مطلب کے بر لانے کے لئے ہمارے پاس ایک عجیب کل ہے۔ ہائے وہ تو میری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

یہ سچ تھا کیونکہ بدبخت نیرلیس درد کے سبب سے پھر بیہوش ہوگیا تھا۔ تلگینس نے اسکے بیہوش جسم پر لات ماری اور قید خانے سے نکال کر غلاموں کے کمرے میں لے آیا۔

ضیافت ہو چکی۔ بہت سے مہمان پہلے سے ہی مخمور ہو چکے تھے ناچنے والی لڑکیاں کمرے میں ادھر اُدھر تتر بتر ہو چکی تھیں۔ گلاب اور عمدہ عمدہ خوشبو کے سبب سے ہوا معطر تھی اور نوکر ایک بڑے کمرے میں سٹیج (چبوترے) کو صاف کرنے میں مشغول تھے۔

شمعون جادوگر شہنشاہ کے پاس بیٹھا ہوا تیز اور ترچھی نگاہ سے ہر ایک چیز کو دیکھ رہا تھا مگر اس مکروہ بندش سے جو باندھی گئی تھی بالکل ناواقف تھا اور وہاں بیٹھا تھا۔ صرف نیرو۔ تلگینس اور جادوگر ہی جانتے تھے۔

جب غلام اور ایکٹر سٹیج پر پہنچ گئے تو پطرس بھی دوسری طرف سے کمرے میں لایا گیا۔ وہ شاہی میز کی طرف بڑھا اور جب نزدیک آیا تو نیرو کھڑا ہوا اور احمقانہ قہقہہ سے کہا کہ آج تک ہم نے تمہارے ساتھ بہت بے مروتی کی ہے لیکن آج میں تمہاری اور تمہارے دوست نیرلیس کی گذشتہ بے ادبی کو معاف کرنے کو راضی ہوں۔ ہمارے پیارے شمعون نے تمکو چیلنج کیا ہے کہ تم اسکے جادو کا جس سے وہ ابھی اکارس کو اڑا لے گا مقابلہ کرو۔ رسول نے سر جھکا لیا مگر کچھ جواب نہ دیا۔

شمعون نے کہا اگر تم کامیاب ہوئے تو تمہارا انجام یہ ہوگا کہ نیرلیس کو آزادی دیجائیگی۔

پطرس نے کہا اگر روم میں انصاف ہوتا تو وہ اس سے پہلے ہی آزاد کر دیا جاتا۔ لیکن جب شہنشاہ ہی آپ جیسے خدا کے دشمنوں کو اپنے ہاں جگہ دیتا ہے تو انصاف کی کیا امید ہے۔ لیکن باوجود اسکے آپ کی شرارت کا خاتمہ ہوگا۔

کھیل شروع ہوا۔ ضرور نہیں کہ ہم اس وقت کھیل کا مفصل حال بیان کریں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ آخری نظارہ میں بیچارہ نیرلیس جسکو اکارس کا بھیس پہنایا گیا اور یہاں تک لٹکا یا گیا کہ کمرے میں کسی کو نہ پہچان سکے۔ ایک قسم کی کل پر باندھا گیا اور شمعون اپنا منتر پڑھنے لگا۔ اس کا منشا یہ نہیں تھا کہ وہ کامیاب ظاہر ہو۔

اکارس اس روشن چبوترے کی طرف جو سورج کا قائم مقام تھا بڑھا اور پطرس جو اس تمام فریب سے جو اڑانے کی نسبت بنایا گیا تھا ناواقف تھا پلیٹ فارم کی طرف بڑھا اور دیووں کو جن کی نسبت اس نے خیال کیا کہ وہ اڑنے والے آدمی کو پکڑے ہوئے ہیں حکم دیا کہ خدا کے بیٹے کے نام سے چلے جاؤ۔

شمعون نے ان غلاموں کو جو پردے کے پیچھے تھے اشارہ کیا اور اس شخص نے جو کمرہ کی چھت میں اونچا لٹک رہا تھا زور سے چیخ ماری۔ ہلکا ہنڈولہ جس میں وہ لیٹا ہوا تھا الٹ گیا اور وہ رسول کے قدموں کے پاس دھڑم سے آپڑا۔

پطرس نے فتح کا نعرہ مارا مگر اسکا نعرہ خوفناک چیخ میں تبدیل ہوگیا جب اسنے جھک

کر پہچانا کہ وہ لاش اسکے دوست نیرلیس ہی کی ہے۔
شمعون کو کامل تشفی حاصل ہوگئی اور جب شہنشاہ نے اسکو شراب کا پیالہ دیا وہ اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔
شہنشاہ نے کہا۔ دوست شمعون پیو اور خوش ہو شمعون نے کہا بہت ہی خوش ہوں۔ دیکھو میں نے کیسا اچھا بدلہ لیا ہے۔
اس نے اس طرف اشارہ کیا جہاں پطرس نیرلیس کو جو قریب المرگ ہو رہا تھا گود میں لئے ہوئے گھٹنے ٹیکے تھا۔ شمعون ان الفاظ کو جو مرنے والے کے منہ سے نکلے سمجھ نہ سکا۔
"صاحب۔ صاحب رنج مت کیجئے۔ میں کل سے دعا مانگ رہا ہوں کہ خدا مجھ کو اٹھا لے اور دکھ سے رہائی بخشے۔ یہ خدا کی طرف سے دعا کا جواب ہے۔ دیووں نے نہیں بلکہ صرف غلاموں نے مجھے اٹھا دیا ہے پیٹرولینا کو میرا پیار دینا۔"
وہ کسی قدر اینٹھا اور اسکا سر پیچھے کو گر پڑا۔ پطرس کھڑا ہو کر ڈراؤنی نگاہ سے اس کے دُبلے چہرے کو دیکھتا رہا اور زور سے پکارا "چونکہ خدا زندہ ہے اور بدلہ لینا اسکا کام ہے یقیناً وہ بدلہ لے گا۔"
اس نے اپنی انگلی سے جادوگر کی طرف اشارہ کیا جو اسکی باتوں کے لہجہ سے ڈر کر پیچھے کی طرف ہٹ گیا تھا۔
فلاکس اس فریب کے کام سے خوف زدہ ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور غیرت اور غصہ سے ٹھر کر چلایا کہ میں ایسے بُرے قتل میں شریک ہونے کے لئے یہاں نہیں ٹھیروں گا۔
لیکن پطرس نے اسکو ٹھیرالیا اور اس سے التجا کی کہ میرے دوست کی لاش کو اٹھا لے جانے میں میری مدد کیجئے اس سردار نے حاضرین کی طرف سے نفرت اور ٹھٹھہ کی کچھ پرواہ نہ کر کے لاش کو اٹھانے اور باہر لے جانے میں رسول کی مدد کی۔
جونہی وہ باہر چلے گئے اور دروازہ بند ہُوا تمام جماعت پر خاموشی چھا گئی اور جھوٹے سورج کا بڑا جھکر اچانک گل ہوگیا۔ گویا تمام ضیافت کھانیوالوں پر بالا پڑ گیا اور ایک ایک کر کے وہ باہر نکل گئے اس رات سے شمعون کا رعب محل میں کم ہونا شروع ہُوا۔ نیرو اس شخص سے جو ایسا بدلہ لے سکتا ہے ڈرنے لگا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے خیال کیا کہ یہ بڑا خطرناک آدمی ہے اور اس لئے اس نے ایک ضیافت میں زہر دلوا کر اُسے مروا ڈالا۔
نیرلیس کی سادہ تجہیز و تکفین کے بعد فلاکس نے پیٹرولینا کے دل کا محاصرہ کیا۔ اگرچہ اس نے اسے صاف صاف کہہ دیا کہ میرا دل مسیحی شہید کے ساتھ دفن کیا گیا ہے مگر اس نے ایک نہ سُنی اور آخر کار اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر اور شہر کی گلیوں میں سے کوچ کرتے ہوئے اپنی آخری کوشش کی جب پیٹرولینا نے اسکی منتوں کی پرواہ نہ کی تو اس نے دھمکی دی کہ میں بزور لے جاؤں گا۔ پیٹرولینا نے سیدھی سادی ظرافت کی آواز سے کہا کہ کیا یہ مناسب ہے کہ تم

خود اور تلوار لگا کر اور سپاہیوں کا غول میرے دروازہ پر کھڑا کر کے شادی کی درخواست کرنے آؤ۔ سنئے اگر درحقیقت آپ مجھے اپنی جورو بنانا چاہتے ہیں تو میں زور سے کہتی ہوں کہ اگرچہ میں آپکو وہ محبت نہیں دے سکتی کہ جو قبر میں پڑی ہوئی ہے تو بھی آپ مجھے تین دن کی مہلت دیجئے کہ میں روزہ اور دعا میں بسر کروں۔ جیسے دولھا دولھن کو لینے کے لئے آتا ہے ویسے ہی تین دن کے بعد آپ بھی آئیے۔ اگر خدا کی مرضی ہوئی تو میں آپ کی ہوں گی۔

فلاکس کو اس نے طرز کلام سے اپنی کسی قدر نادانی تو معلوم ہوئی لیکن اس نے رومی جنٹلمین کی طرح جواب دیا کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق کرونگا اور اس نے ان سخت الفاظ کے لئے جو وہ محبت کے سبب سے کہنے کو مجبور ہوا تھا معافی مانگی۔

تب اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر بڑی عزت اور رحم سے چوما اور باہر جا کر سپاہیوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔

جب سپاہیوں کے قدموں کی آہٹ بند ہوگئی تو پطرس نے اپنی بیٹی کو گود میں لیا۔ مگر وہ نہ روئی نہ چلائی بلکہ صرف دھیمی سی آہ کر کے علیحدہ ہو گئی۔

رسول نے پوچھا کیا تم اس مرد کے ساتھ شادی کروگی؟ اس نے جواب دیا کہ تین دن کے عرصہ میں آپ دیکھ لیں گے۔ آپ یہ دن مجھے میری سوتیلی بہن کے ساتھ بسر کرلینے دیجئے وہ فیلیکولا کے گھر جس کی ماں نے اسکو اپنے دودھ سے پالا تھا اور جس کا گھر بھی بہت دور نہ تھا چلی گئی اور اپنا وقت تنہائی اور دعا میں خرچ کیا اور اس عرصہ میں اس نے کچھ نہ کھایا اور نہ ہی روئی چلائی۔ تیسرے دن انہوں نے اسکو عشائے ربانی دی اس کے بعد اس نے پھر خلوت میں چلے جانے کی اجازت مانگی۔ ایک گھنٹہ بعد جب اس کی بہن اندر گئی تا کہ کوشش کر کے اسکا روزہ افتتاح کرائے تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر مردہ پڑی ہے۔

پس جب وہ جوان سردار گانے والوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر آیا کہ اسکو اپنی دولھن بنائے۔ تو وہ اسے بجائے اسکے فلاٹیا کے قبرستان میں لے گئے جہاں اس کی لاش دفن کی گئی تھی کچھ عرصہ کے بعد جب باطل پرستی بڑھ گئی تو یہ قبر نہایت عمدگی سے تعمیر کی گئی۔

(مترجمہ مسٹر ایم اسمٰعیل)

تارے سے گفتگو

ٹم ٹم کرتے چھوٹے تارے
حیراں ہوں تو کیا ہے پیارے

دنیا سے اونچا بادل میں
ہیرا سا کالی مخمل میں

ناز سے آنکھیں جھپکنے والے
حسن میں اپنے دمکنے والے

اندھیرے میں حق کی نشان ہے تو
راہی کی جان کی جان ہے تو

آنکھوں کے چمکنے والے
آنکھوں پہ سب کے رہنے والے

صناع نے تجھ کو بنایا۔
کس نے تجھ میں جلوہ دکھایا

رُوحانی زندگی کے اسرار

۹

"معمُور"

ابرہام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اچھی عمر درازی میں بوڑھا اور آسودہ ہو کے مرا۔ جس عبرانی لفظ کا ترجمہ یہاں آسودہ ہُوا ہے اس کے اصلی معنی معمور کے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی دلکش خیال ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہے کہ اس کی ساری نیچر اپنی کامل آسودگی تک پہنچ گئی تھی اور اُسے نہ کوئی اور آرزو باقی رہی تھی نہ گنجایش ہی تھی۔ زبور نویس بھی اپنی آرزوؤں کے پورا ہونے کا ذکر کرتا ہے اور مریم بھی ہمیں بتاتی ہے کہ کیونکر خدا نے اس کی بھوکی جان کو اچھی چیزوں سے آسودہ (بھرپور) کیا۔ کیا ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم "بھرپور" ہو گئے ہیں۔

مسیح اپنی کلیسیا اور فرداً فرداً مسیحیوں کی معموری کا منبع ہے۔ دنیاوی چیزوں اور انسانی [افسیون ۱:۲۳] محبت سے معمور ہونے کی ہم نے بارہا کوشش کی پہاڑوں پر ہم نے اپنے لئے ایسے حوض بنانے کی کوشش کی جو نالوں اور بارش سے لبالب بھرپور رہیں لیکن ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ چھوٹے سے رخنہ یا نقص سے ہماری محنت رائگاں گئی اور ہمارے دیکھتے دیکھتے سارا پانی بہ گیا اور ہماری روحوں کی سخت پیاس بجھانے کیلئے صرف پانی کے چند قطرے باقی رہ گئے۔ ایسے اشخاص کی کوششیں بھی ہم سے زیادہ کامیاب نہیں ٹھہریں جنہوں نے علم الٰہیات کے مختلف طریق اور دینی رسومات یا کثرت کاروبار میں آرام اور اطمینان پانے کی کوشش کی۔ ان میں انسان کی نیچر اپنی کاملیت اور پختگی نہیں پاتی۔

الوہیت کی ساری معموری مسیح میں ساکن ہے تاکہ اس معموری سے ہم سب پائیں اور فضل پر فضل۔ ان لہروں کی طرح جو یکے بعد دیگرے دور دور کناروں تک پہنچتی ہیں۔ خدا کے ارادہ اور مقصد کے مطابق ہم مسیح میں معمور کئے گئے ہیں (کلسیوں ۲: ۹) اور روح القدس کی وساطت سے اسکے فضل کے ہر روز پانے سے ہم معمور ہو سکتے ہیں۔

خدا نے گویا اپنی نیچر کی معموری کو مسیح میں جمع کر دیا ہے تاکہ ہم اسکو آسانی پا سکیں۔ خدا کا دریا جو پانی سے لبالب ہے اسکی انسانیت کی نچلی دہلیز سے بہتا ہے تاکہ اسکی بادشاہت میں سب سے حقیر اور کمزور بھی پہنچ میں رہے۔ روح عظیم سے تو ہم خائف ہو سکتے ہیں لیکن کون بچہ یا عورت خدا کے رحم دل اور کریم بیٹے سے کبھی ترساں ہوا

کوئی ایماندار ایسا نہیں ہے جسکو زندہ ایمان سے مسیح کے ساتھ میل حاصل ہو کہ جو اس سے معمور ہونے کی امید نہ رکھ سکے۔ جیسے زندگی بخش خون دل سے ہوکر بدن کے ہر ایک حصہ اور عضو میں بہتا ہے ویسے ہی اس زندگی اور محبت کی لہریں جو یسوع کے دل سے نکلتی ہیں۔ تمام ایمانداروں کے دلوں تک پہنچتی ہیں۔ وہ سب کو معمور کرتا ہے۔

اور وہ سب میں سب کو معمور کرتا ہے۔ دل کو کہ جسے خوشی یا غم دونوں کا احساس جلدی ہو جاتا ہے۔ دماغ کو کہ جسے خدا کے نقش قدم کے سراغ پانے کا عجیب مادہ حاصل ہے۔ مذاق اور ادب والے مزاج کو بھی۔ آرام اور دھیان کے وقتوں کو بھی۔ کام کے دنوں کو اور عبادت کے دنوں کو۔ سب کو سب میں۔

اور اس سے اس کی معموری میں کوئی فرق بھی نہیں آتا۔ کیونکہ جیسے پودے کا ہر ایک حصہ اپنے تمام کے پورا کرنے کو ضرور ہے اور جیسے ہر ایک عضو انسانی بدن کے بنانے کو لازم ہے۔ ویسے مسیح کے ظاہری بدن یعنی کلیسیا کا ہر ایک شریک اس کی معموری کے اظہار و مکاشفہ کے لئے لابد ہے۔ اُسے میری اور تیری ضرورت ہے کیونکہ اسکی معموری کے بعض حصّے اسکے بغیر ظاہر نہ ہو سکیں گے۔ لیکن جیسے ہی ہم اسکے حضور میں حاضر ہوں اُس سے ہماری جانیں معمور ہو جائیں گی جیسے صبح کے وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سورج کی شعاعوں سے دم بدم میں منوّر ہو جاتی ہے مسیح کی بھرپوری بے اندازہ ہے۔ ہمارے خداوند کی لامحدود دولت کی کوئی حد نہیں۔ خدا کی معموری اس میں ساکن ہے۔ افسیوں ۳: ۱۹

صرف خدا باپ اسکو جانتا ہے۔ اور کوئی مخلوق۔ مقدس یا سرافیم اسکو نہیں جانتا۔ یہ تو ہم تصوّر باندھ سکتے ہیں کہ کوئی پردار فرشتہ اُڑ کر وسعت کی انتہا تک جا پہنچے اور آخری ستارے کو دیکھ سکے لیکن یسوع کی محبت یا قدرت یا صبر کی حد کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے۔ سمندر کا نہ پایاں ہے نہ کنارہ ہے۔ بلندی ماپی نہیں جاتی۔ گہرائی اتھاہ ہے۔ کوئی ایسا معیار نہیں کہ جس سے ہم خدا کے عالم کی سب سے اعلیٰ اور شریف اور بزرگ مخلوق روح سے مسیح کا مقابلہ کر سکیں۔ تم ایسی روح کو پتہ کے رگ و ریشہ سے تشبیہ دے سکتے ہو کیونکہ وہ محدود ہیں۔ لیکن تم محدود کا لامحدود کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یہ سب معموری ہمارے لئے ہے۔ ہم مسیح کی لامحدود دولت کے بر اعظم پر ساکن ہیں اور ہمیں اجازت ہے کہ اپنے احاطہ کی چاردیواری کو وسیع کرتے جائیں تاکہ اپنی میراث کا روز افزوں حصہ پائیں۔ لیکن ہم یقین رکھیں کہ اسکے کنارے تک ہم کبھی نہ پہنچیں گے۔ دس لاکھ سال تک بھی واں رہ کر ہم کو اسکا اتنا پتہ نہ ملے گا جیسے امریکہ کے دریافت کرنے والوں کو اس کی موجودہ وسعت کا خواب و خیال تک نہ تھا۔ مسیح کی معموری سے لینے کی طاقت کو ہزار گنا بڑھ جانے ہماری احتیاجیں ایسی باقاعدہ اور وقت پر پوری ہونگی جیسے اب پوری ہوتی ہیں۔ کیونکہ خدا کی دولت ان کو پورا کرنے کی منتظر ہے اور ہم یقین رکھیں کہ خدا

کی معموری کے پیمانہ تک ہم بھی معمور ہو سکتے ہیں۔

اور ہم اس پیمانہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہم تسلی رکھیں کہ ہمارے برابر استعمال سے وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ ہم کوشش کریں کہ حتی الوسع اسکو حاصل کریں۔ بحر قلزم کا پانی بخارات کی صورت میں ہر دم کم ہوتا جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ پُر کا پُر رہتا ہے کیونکہ خلیج جبرالٹر کے ذریعے وہ بحر اوقیانوس سے پانی کھینچتا رہتا ہے۔ اور اس کی ہموار بے موج سطح اس روح کے اطمینان اور آرام کا نشان ہے جس نے یسوع کی برکت کے پا لینے کا بھید سیکھ لیا ہے۔

یہ معمور کرنے کی قدرت مسیح نے اپنی موت اور جی اُٹھنے سے حاصل کی۔ جب تک وہ زمین پر نہ اُترا وہ عالم بالا پر نہ چڑھا۔ جی اُٹھنے سے پیشتر موت۔ کھڑے ہونے سے پہلے جھکنا۔ کوہ صعود سے پہلے باغ اور صلیب آتی ہے۔

لیکن جیسے اترائی اور موت اور صلیب پہلے ضرور آتے ہیں۔ ویسے ہی انکے بعد بلندی اور زندگی اور صعود واقع ہوتے ہیں۔ جس نے انسان کی صورت اختیار کی اور موت برداشت کی اور وہ بھی صلیب کی موت۔ ضرور ہے کہ اسی روحانی دنیا کے قوانین کے بموجب جنکی اُسنے فرماں برداری کی وہ عالم بالا پر بھی چڑھے۔ مرنے سے وہ رک نہ سکتا تھا۔ اس لئے خدا نے اسکو سرفراز کیا۔ "تو ہی لائق ہے کیونکہ تو ذبح ہوا"۔

اور خدا کے دہنے ہاتھ سے سرفراز ہو کر اس نے باپ سے روح موعودہ کثرت سے پایا۔ باعتبار مقدس تثلیث کے اقنوم ثانی ہونے کے وہ پیشتر سے اسکا حصہ تو تھا لیکن اب بحیثیت لوگوں کے سردار کاہن اور وکیل ہونے کے ایک خاص طور سے اسکا حصہ ہو گیا۔ لوگوں کے امین اور ضامن کی حیثیت سے وہ اسکو دیا گیا۔ جیسے ہم اسکی موت سے معافی کی معموری پاتے ہیں۔ اسکی زندگی سے روح کی معموری ہمکو ملتی ہے۔

کوئی روح اپنی احتیاج میں الہی خزینوں کو جسکو وہ نہ پہچانے کیونکہ وہ حادیث کی گہرائی میں اُتر چکا ہے اور اب اپنے صعود یافتہ جلال کے تخت پہ سے بڑی سے بڑی روحانی ضروریات کو بھی پہچان سکتا ہے سورج جب دوپہر کے وقت آسمان پر تخت نشین ہوتا ہے تو اسکی شعاعیں دور دور پڑتی ہیں بہ نسبت اس وقت کے کہ جب وہ طلوع یا غروب ہوتا ہو ہمارا جسمانی نمو سر کی تناسبت میں ہونا چاہئے۔ بعض ظریفانہ تصویروں میں پست قد جسم پر ایک بہت بڑا سر لگا ہوتا ہے لیکن جب الہی کاریگری کا کام کامل ہوگا تو سر اور بدن کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ ہوگا۔ ابھی تو ہم پست قد اور کمزور ہیں لیکن اس میں قائم رہنے سے ہم یہاں تک بڑھیں اور ترقی کرینگے کہ ابن نا دیدنی بدن کا ہر ایک عضو اپنی کامل تناسبت تک بڑھ جائیگا اور انسان مسیح کی معموری کے اندازے تک ترقی کر کے ساری دنیا کے سامنے کھڑا ہوگا۔

افسیوں ۴: ۱۳

لیکن یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب ہر ایک عضو تمام کو اسکی مناسب غذا بہم پہنچائے اور ہم سب ایمان کے اتحاد اور ابن اللہ کی پہچان میں ایک دوسرے کو کامل کرنے کی کوشش کریں۔ اس معموری کو پانا چاہیئے۔ یہ معموری مسیح میں ہے اور ہمیں چاہیئے کہ اسے لے لیں۔ [افسیوں ۵: ۱۸] دعا مانگنا ہی کافی نہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ بڑے ادب اور عاجزی سے اس کے خزانوں کو اپنا بنا لیں۔ ہر ایک ایماندار کی یہ التجا ہونی چاہیئے کہ "مجھے یہ پانی دے کہ میں پیاسا نہ ہوؤں۔ نہ یہاں پانی بھرنے کو آؤں"۔

تین طریقوں سے یہ معموری حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ خدا کی حمد و ثنا میں رطب اللسان رہو۔ اگر لبوں سے گا نہیں سکتے تو تمہارے دل سے نغمے اٹھتے رہیں۔ پُرمحبت اور بھروسہ رکھنے والی رُوح کا راگ اور ایسی زندگی کا نال جو خدا کی مرضی کے ہم آواز ہو۔

۲۔ سب چیزوں کے لئے ہمیشہ خدا کے شکر گذار رہو۔ خدا کی بعض عمدہ سے عمدہ بخششیں تکلیف اور مصیبت کی حالت میں آتی ہیں۔ جب کبھی تم اپنے باپ کے دستخط کو دیکھو تو لفافہ کھولنے سے پیشتر گھٹنے ٹیک کر اسکا شکریہ ادا کرو۔ جو کچھ اسکی طرف سے آتا ہے بہتر ہی ہوگا۔

۳۔ سوائے اُن امور کے جو تمیز (کانشنس) یا خدا کے مطالبہ کے متعلق ہوں ایک دوسرے کی فرماں برداری اور تسلیم کرو۔

لیکن سب سے بڑھکر ایسے ایمان کا بھید سیکھو۔ جو خدا کے وعدوں کو اپنا بنا لیتا ہے جو اپنی احتیاجیں خدا کے پاس لے جاتا اور مسیح کی معموری میں اپنا خالی جام ڈالتا اور دن کے کسی وقت اپنی پیاس بجھانے کو جام اُٹھا لیتا ہے۔ جو محض جوش اور جذبہ اور فرط انبساط کو راہ نہیں دیتا بلکہ جہاں دیکھ نہیں سکتا واں ایمان لانے کی جرأت کرتا ہے اور جو اس یقین کامل پر کاربند رہتا ہے کہ جو کچھ میں خدا سے مانگتا وہ پاتا ہوں۔

خدا کے جہاز اکثر ہمارے کناروں پر آتے لیکن ان کے مال و اسباب اُتارنے کو ہم واں نہیں ہوتے۔ اس کے قاصد اکثر نامۂ محبت لاتے ہیں لیکن ہم سوئے رہتے ہیں اور وہ ہمارے دروازوں سے ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اس کی بوچھاڑیں پہاڑیوں پر سے اکثر گذرتی ہیں لیکن ہم اپنے کھیتوں کو سیراب اور زرخیز کرنے کے لئے ان کی معموری کو نہیں لیتے۔

خدا کے بھید۔ ذکر ہے کہ ایک مرتبہ کوئی صاحب گھوڑے پر سوار تن تنہا کہیں کو جا رہے تھے۔ جب ایک جنگل میں پہنچے تو پانی برسنے لگا۔ اب تو صاحب خدا پر کڑکڑانے لگے کہ تو نے کیوں ایسے وقت پر پانی برسایا۔ اسی خیال میں گھوڑا دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔ آگے بڑھکر کیا دیکھتے ہیں کہ سات ڈاکو سڑک سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک نے فائر کیا پر بندوق نہ چلی۔ غرضیکہ ساتوں نے بندوقیں چلائیں پر کسی کی بھی نہ چلی بسبب پانی کے بارود سیل گئی تھی۔ صاحب اپنا گھوڑا بھگاتے ہوئے چلے گئے۔ پھر تو آپ خدا کا بڑا شکریہ ادا کرنے لگے۔ [illegible] پیارے بھائیو جب مصیبتیں آئیں تو خبر دیا او

[illegible]

چمن کی سیر

انگریزی طرز پر

(از مولوی محمد شاہ دین صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا۔ وفیلو پنجاب یونیورسٹی)

غنچوں نے چٹکیوں میں میرا دل لبھا لیا۔ اے باغباں چمن میں تیرے کیا بہار ہے۔
لالہ ہے یا کہ حسن کا ہے جل رہا دیا۔ اُڑتی ہے بو کہ جانا ختن کا سوار ہے۔

ہنگام صبح سیر گلستاں بسا خوش است
بر شاخ سبز بلبل شیریں نوا خوش است

سبزہ کا ہے زمیں پہ بچھا فرش مخملی اور اس پہ ہیں چمک رہی پھولوں کی کیاریاں
جا بجا پانیوں نے گویا بسحر ہنر وری۔ فیروزہ پر عقیق سے کیں مینا کاریاں

اے آسماں بگو بہ چنیں رنگ کہ دیدہ اند؟
منظر چنیں بہ خلد بریں۔ یا شنیدہ اند؟

کس ناز کس ادا سے اُٹھی ہے نسیم ہائے آفت کی شوخی اور قیامت کی چال ہے
کہہ دو کہ بلبلوں کو نہ اب باغباں ستائے شاخ شجر تک آج چمن میں نہال ہے

مانند گل ز فیض صبا تازہ شد دلم۔
بادہ خورم بیاد گل و غم غلط کنم۔

نہروں میں کس صفائی سے بہتا ہے آب صاف آئینے ہیں یہ سرو صنوبر کے واسطے
ہر لہر کی زباں سے یہ کہتا ہے آب صاف رُوح رواں ہوں میں ہی گل تر کے واسطے

چیزے کز و حیات شود بہرہ ور منم
در ابر جلوۂ من و در ہر شجر منم

خوشیوں کے گیت گاتے ہیں سب طائران باغ شاخوں پہ پھول مستوں کی صورت ہیں جھومتے
محو زیارت آج ہیں کیا زائران باغ اور جھک کے پاتوں شاہد گل کے ہیں چومتے

گل گفت۔ بس خوش آمدم آہنگ نوائے تو
بلبل جواب داد۔ کہ جانم فدائے تو

کالی گھٹا چمن میں ہر اک سمت چھا گئی موج ہوا یہ جھونٹے لگی لینے بوئے گل
پھر آ کے ان کے کان میں کچھ جو سنا گئی اُڑ اُڑ کے بلبلیں چلی جاتی ہیں سوئے گل

از قاصد صبا چہ حکایت شنیدۂ
از من چرا تو بلبل شیدا پریدۂ

بجلی چمک کے چھپ گئی پھر کیوں سحاب میں کیا کوئی دید حسن کے لائق نہ تھا یہاں
کب تک چھپے گا چہرہ یہ آخر نقاب میں لو یک بیک پھر آپ کا جلوہ ہوا عیاں

حقا کہ برقِ حسن جہاں شنیدہ ام
ایں نورِ شعلۂ رُخِ رخشاں نہ دیدہ ام

بجلی نہیں تجلیٔ یزداں ہے ابر میں اور یہ بھی محض عکس ہے اُسکے ظہور کا
جلوہ اسی کا ظاہر و پنہاں ہے ابر میں صد برق ایک قطرہ ہے دریائے نور کا

اے آفتاب ذرۂ مہر ضیائے تو۔
گستاخی تمام شد عزم ثنائے تو۔

بارش کی بوندیں گرنے لگیں آسمان سے اے خضر! عطر دیکھ لے آبِ حیات کا
ہیرے نکل رہے ہیں یہ بادل کی کان سے تاروں کی طرح چمکیں سماں ہو جو رات کا

اے ابر بر تو رحمتِ پروردگار باد۔
وز تو بکوہ و دشت ہمیشہ بہار باد۔

بادل ہو گُل ہو باغ ہو بلبل ہو شاخ پر ہو حرزِ جان و راحتِ دل میری ایک شے
قدرت کی خوبیوں پہ ہمیشہ رہے نظر بس زندگی کا لطف ہمایوں اسی میں ہے

خوش بارش اے چمن کہ مرا شاد کردۂ
ویرانہ بود خاطرم۔ آباد کردۂ

شعراء طبع آزمائی کریں۔

جیسے تیرے دن ویسے تیری قوت ہوگی۔ استثناء ۲۵:

۱۔ جیسے تیرے دن ویسے تیری طاقت ہوگی۔ یہ وعدہ تیرے واسطے کافی ہونا چاہیئے۔ خدا جو تیری حالت سے واقف ہے۔ تیری برداشت سے بڑھ کر بوجھ تجھ پر نہ ڈالے گا۔

۲۔ جب تیرے دن پر تاریکی کی رات چھا آئے تو مسیح تجھ کو آسمانی نور سے منور کرے گا۔ اگر تیرے دن ایسے تکلیف دہ ہوں کہ کٹتے معلوم نہ دیں تاہم مسیح میں ہو کر تو مضبوط ہوگا۔

۳۔ گو احباب کی سرد مہری اور لاپروائی تجھے ستائے۔ مسیح کی محبت کی دھوپ تیرا انتظار ہے۔ اور اگر مصیبتوں کی لُو تجھے جھلسائے۔ اس کے سایہ تلے تو آرام پائے گا۔

۴۔ جو اس زمین پر تیرا سفر ختم ہو۔ مسیح تجھے اپنے ہاں بلائے گا۔ تاکہ تو اسکی نجات بخش محبت کا شاخواں ہو جسنے عمر بھر تجھے توانائی بخشی ہے۔

زبان اور قلم

(از سید امجد علی صاحب اشہری)

دنیا میں یہی دو چیزیں ہیں جو ہزاروں برس گذشتہ کے آثار اور واقعات کو ہمارے سامنے لارہی ہیں۔ اور انہیں سے ہم آیندہ ہزاروں برس اپنا قومی یادگار قایم رہنے کی امید کرسکتے ہیں۔ اور آجکل انہی دو چیزوں پر ہماری ہر قسم کی سوشیل اور پولیٹکل زندگی اور ترقی منحصر اور موقوف ہے۔ زبان سلطنت جسمانی کی وزیر اور بیان سلطنت روحانی کا سفیر ہے۔ زبان دیکھنے میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ لیکن انسان کا کوئی جزو بدن مثل زبان کے ہر شے پر محیط و متصرف نہیں زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ مثل ہوا کے بسائط میں داخل ہیں۔ لیکن غور تو کریں کہ انکی بساطت سے مادی چیزوں کی کیسی عجیب و غریب تکوین و اصلاح ہوتی ہے۔ اور یہ قدرتی فوٹو گراف نیچر کے کیا کیا اسرار ظاہر کرتا ہے اور ۲۸ حرفوں کی آوازوں اور ان کی مختلف ترکیبات سے روز مرہ کی زندگی اور سائنس پر کیسا عجیب اثر پڑتا ہے جو قدرت کا ایک صریحی معجزہ نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کی آسمانی کتاب میں ہے کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ یعنی ہم نے آدمی کو بنایا اور اسکو بات کرنا سکھایا۔ گویا یہ صفت گویائی اسکی قدرت آفرینش کا ایسا عجیب نمونہ ہے جس پر صانع حقیقی بھی ناز کرتا ہے۔ زرتشت کے اقوال میں ہے کہ زبان معجزۂ قدرت ہے۔ ہندوؤں کا وید مقدس زبان کو برہما کے خزانوں کی کنجی بتاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی مسیحائی زبان سے وابستہ نظر آتی ہے۔ جرمن کے ایک حکیم نے پوری کتاب زبان کی لاثانی اور بےمثل طاقتوں پر لکھی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کوئی طاقت اس سے لگا نہیں کھا سکتی۔ آنریبل سرسید کی زبان سے جو کام ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ نپولین زبان کی طاقت کو طاقت عظیم کہا کرتا تھا۔ حکیم نصیر الدین طوسی زبان کی فلاسفی کو اسرار حکمت کے عجائبات میں بتاتا ہے۔ ارسطو کے اقوال میں ہے کہ میں قدرت کے اس عجیب و غریب آلۂ جرثقیل کی طاقتوں کی انتہا نہیں بتا سکتا۔ لقمان نے زبان کی نسبت فیصلہ کیا ہے کہ یہ تمام خزائن قدرت کی کنجی ہے۔ انگلستان کی ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز میں جو باتیں زبان کی طاقتوں سے سرانجام پاتی ہیں وہ خاص طور پر محل غور ہیں۔

مبارک وہ قوم جس میں ایسے عالی درجہ نطق آرا پیدا ہوں۔ اور آفرین اس قوم کو جو زبان کی ایسی عزت کرنے والی ہے۔

زبان کے بعد قلم کی طاقت کو تلوار کی طاقت سے زیادہ پُر اثر مانا گیا ہے۔ دنیا میں ہم سیکڑوں مشینیں دیکھتے ہیں لیکن یہ دمڑی کی مشین بھی ایسی عجیب ہے جو ہر وادی میں

ایک پاؤں سے دوڑنے کو آمادہ اور ہر بات کی تصویر اُتارنے کو دلدادہ نظر آتی ہے مگر اپنے زمانہ کو اس سے بڑھ کر کیا فخر ہوگا جسنے زبان کی نقل اور اسرار نیچر کے اظہار اور طرح طرح کے نقوش اور نقائے یادگار کو ایسا عجیب آلہ اس ارزانی کے ساتھ ایجاد کیا۔ اگر ہم دنیا کی بڑی بڑی عالیشان مشینوں کے مقابل اپنی اس دمڑی کی مشین کو سامنے لائیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو کام اس مشین سے نکلے ہیں وہ۔ اسکا حصّہ ہیں سہ

ہے لوح و قلم اوّل مخلوق الٰہی — آباد اسی سے ہے ہُوا کشور شاہی

ہیں اس کے شرف لاتعد و لامتناہی — قرآں میں فضیلت پہ قلم کی ہے گواہی

دیکھو تو قلم فاتح اقلیم جہاں ہے — مثل اسکی بتاؤ کوئی فتاح کہاں ہے

ہمارے دانشمند گورنمنٹ نے جس قابل قدر طریق سے قلم سے کام لیا وہ تلوار کی طاقت سے کہیں زیادہ مفید اور با اثر پایا جاتا ہے۔ ایشیائی لٹریچر میں قلم کو بادشاہ کا ہمرتبہ مانا گیا ہے۔ ع قلم گوید کہ من شاہ جہانم۔

یورپ کے رسائل اور اخبار قلم کی طاقت سے وہ کام لے رہے ہیں جو تلوار کی طاقت سے سرانجام پانا دشوار ہے۔

کبھی ہماری قوم بھی شمشیر و قلم دونوں کی مالک تھی لیکن افسوس کہ اب وہ دونوں سے دور اور بہت دور ہوتی جاتی ہے۔

اس امر کا فیصلہ کہ ہماری قوم سے تلوار اور قلم دونو نکلے ہوئے ہیں تھوڑے غور سے ہو سکتا ہے۔ تلوار کا یہ حال ہے کہ بغیر لیسنس کے بٹن کی تلوار نہیں باندھ سکتے۔ اب رہا قلم اس کو جب آپ یورپ کے آہنی پین کے سامنے لائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی ہیچ ہے۔

یورپ کے ایک معمولی اخبار اور رسالہ کے برابر ہمارا کوئی اعلیٰ اخبار اور رسالہ نہیں۔ یورپ کی ایک عام تصنیف ہماری خاص تصنیف سے بالاتر ہوگی۔ یورپ میں تصنیف کیلئے جو سرمایہ موجود ہے اسکا یہاں پتہ نہیں۔ یورپ میں ایک ایک بات کی تحقیق میں لاکھوں روپیہ خرچ ہو جانا معمولی بات قرار پا گیا ہے۔ ہم کس برتے پر علم طبقات الارض جغرافیہ۔ ہیئت۔ طبیعات کی چھان بین کریں۔ یورپ میں سینکڑوں عالم اپنی قوم کی متعدد زبانوں میں لکچر دیتے ہوئے پائے جائیں گے جن سے خواہ مخواہ اذہان کو کسی جانب رجحان اور قلوب میں ترقی کا میلان پیدا ہو۔ یہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہ کچھ داستان گو امیر حمزہ اور بوستان خیال کی داستانیں کہتے ہوئے نظر آئیں گے۔ بڑی معراج یہ کہ سال تمام پر نواب محسن الملک اور اور مولانا نذیر احمد کی زبان سے کچھ سن لیں۔

حال میں انگلستان کے ایک سوداگر سسل روڈس نے افریقہ کی جائداد سے کئی کروڑ روپیہ تعلیمی وظائف کیلئے وقف کیا۔ ہم ہیں کہ اپنے ہونہار بچوں کو دس روپیے مہینہ کا وظیفہ نہیں دے سکتے۔ یورپ کے اخباروں میں مضمون لکھنا دکشنی ہنڈی کا کام دیتا ہے۔

یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ مضمون نگار صرف اخلاقی شکریہ پر آداب بجالاتے ہیں۔ وہاں ایک ایک اخبار اور معمولی کتاب کی لاکھوں کا بیاں بک جانا آسان۔ یہاں تمدن عرب۔ حیات جاوید۔ الفاروق البرامکہ جیسی کتابیں خریداروں کا منہ تکتی رہی ہیں۔ بچہ ہم کیونکر کہیں کہ ہم صاحب قلم ہیں۔ ہاں جیسے گرتے پڑتے ہم اپنی زندگی کاٹ رہے ہیں ویسے ہی گڑگڑاتے ہوئے اور لڑکھڑاتے ہوئے ہماری زبان بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہے۔ اور جس مایوسی سے ہم اپنی ترقی کی امید کرتے ہیں۔ اسی افسردہ دلی سے اپنی زبان کی بہتری کی بھی امید کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حب ہے کہ جیسے قوم میں قومی ترقیات کیلئے کچھ نہ کچھ کوشش ہو رہی ہے ویسے ہی قومی زبان کیلئے بھی کچھ نہ کچھ زندہ دلی کے اسباب پیدا کئے جائیں۔

شاید کہ ہمیں بیضہ بر آورد پر و بال

مسلمانوں کی مروجہ زبانوں میں عربی اور فارسی نے اپنے ادائے کلام کو اصول وعروض مقرر کئے نثر میں مرجز۔ مسجع۔ عاری اور نظم میں قصیدہ۔ غزل۔ مثنوی وغیرہ کے لئے خاص قواعد نافذ ہوئے۔ اقسام کلام کے کھرے کھوٹے پرکھنے کو معیار بنائے گئے اور اقسام نظم کی ناپ تول کو ترازو مقرر کی گئیں۔ لیکن اب تک اردو کے سب معیار ناقص ہیں اور اردو میں درجات امتیازی کا بھی حصر و انضباط نہیں۔ اردو میں اہل کمال کے مناظرات کی جگہ اولڈ فیشن اور نیو فیشن کی ترکیب کلام ایک تفاوت خاص ظاہر کرتی ہے۔ جو بات وہاں حلال ہے وہ یہاں حرام ہے۔ اور جو یہاں جائز ہے وہ وہاں مکروہ ہے۔ میرے نزدیک اردو کی ترقی قوم کی ترقی سے زیادہ مشکل نظر آتی ہے کیونکہ اردو کی ترقی کیلئے عربی اور فارسی کا علامہ اور انگریزی کا آل۔ ال۔ ڈی ہونا ضرور ہے۔ جو اس کے مقاصد ترقی کی تدوین کرے۔ اور اسکی بات قبولیت عام کا اثر رکھنے والی ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ ایسے لوگوں کو قیامت کی نیند سلا رہا ہے اور قوم میں جو تعلیم یافتہ پیدا ہو رہے ہیں وہ زیادہ انگریزی اور معمولی طور کی اردو جانتے ہیں۔ جو زبان اردو کی تکمیل نہیں کر سکتے پس ہندوستان میں عربی اور فارسی کا زوال تکمیل زبان اردو تک اردو کیلئے سخت مصیبتناک امر ہے۔ جو نامعلوم طریق سے اردو کا کام تمام کر رہا ہے۔

اردو کے عالیشان ایوان میں بجائے اسکے کہ علوم و فنون کے وسیع اور پائدار کمرے بنائے جائیں آرائش کا سامان اضافہ ہو رہا ہے۔ اور فرنیچر کی وہ کثرت ہے۔ کہ ایک ایک درجہ میں بڑے بڑے جھاڑ لٹکتے نظر آتے ہیں۔ اور لیمپوں۔ فانوسوں کی تو گنتی نہیں۔ تمدن عرب۔ حیات جاوید۔ الفاروق۔ المامون۔ البرامکہ۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب کی تاریخ البرامکہ وغیرہ وغیرہ سب اسی فرنیچر کے شمار میں ہیں۔ علمی تصنیفات میں اردو نے ابتک نصاب تعلیم بھی پورا نہیں کیا۔ مولانا نذیر احمد صاحب نے منطق میں کچھ لکھنا شروع کیا تھا جو ناتمام رہ گیا۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب نے طبیعات میں کچھ لکھا اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے ایک بڑا مفید کام کیا لیکن ابھی وہ سلسلہ مکمل بھی نہیں ہوا۔ اور مولانا نے اس کتابی سلسلہ کو چھوڑ کر متفرق طور سے زمین و آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیئے۔ کہیں ادیب میں ایک مضمون لکھ بھیجا کہ فضائے لا متناہی میں ایک گولا چھوٹا تھا اس میں سے سورج نکل بھاگا اور کبھی کسی اخبار میں ایک آرٹیکل لکھ ڈالا کہ سورج سے ایک ٹکڑا [illegible]

نکلا اور چلتے چلتے ٹھنڈا ہو کر نئے پرامین بن گیا۔ لیکن افسوس کہ ایک مدت سے ایسے متفرق مضامین بھی شائع نہیں ہوتے۔ آنریبل سر سید احمد خان بہادر نور اللہ مرقدہٗ اور عالیجناب نواب محسن الملک بہادر کے لکچر اور اسپیچیں اُردو کا سرمایۂ فخر سمجھے جانے کا حق رکھتی ہیں۔ لیکن ان میں بہت بڑا حصہ زوائد کلام کا ہے جو اس موقع و محل کیلئے اپنا کام نکالنے اور دُنیا کو اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے اختیار کیا گیا اور جو اس موقع پر حسن کلام کا کام دینے والا تھا لیکن کتابی حیثیت میں آنے اور لٹریچر کا اعلیٰ نمونہ کہلانے کیلئے اسکو ایک خاص انتخاب کی ضرورت ہے۔

میرے نزدیک ملک کو اخباروں کے بڑے بڑے طولانی آرٹیکل پڑھنے اور اسکی تقلید میں مضمون آرائی کرنے سے طول کلام کا ایک عام مرض پیدا ہو جاتا ہے جو یورپ کے سزاوار ہے لیکن ہمارے حسب حال نہیں۔ یورپ میں بڑے بڑے تختوں پر روزانہ اخبار نکلتے ہیں اور باریک ٹائپ سے چھپتے ہیں۔ اور مضمون نگاروں کو مضامین کے خاطر خواہ دام ملتے ہیں۔ اس لئے دونوں کو اس امر کی ضرورت ہے کہ بات کو بڑھا کر کہنے اور اخباری کالموں کو لمبے لمبے مضامین سے بھرنے کیلئے یہ تدبیر اختیار کی جائے۔ لیکن یہاں خدا خدا کر کے آٹھویں دن اخبار نکلتا ہے اور ۲۰ × ۲۶ کی عام تقطیع آٹھ صفحے سے سولہ صفحے تک ہے جس میں ایڈیٹر اور پروپرائٹر اخبار نے تمام دُنیا کے مضامین و مطالب اور سارے جہان کے اخبار جمع کرنے کا اشتہار دیا اور اپنے خریداروں سے ٹھکا لیا ہے۔ پس آٹھویں دن ان چند صفحات کو لمبے لمبے مضامین و تراجم سے بھر دینا اپنے ہاتھ سے اپنا کام بگاڑنا ہے۔ میرے نزدیک ہر ایڈیٹر و مضمون نگار اور ہر انشاپرداز کو اس امر کی پابندی کرنا ضروری ہے کہ عام طور سے جو مضمون ایک صفحہ میں آتا ہے اسکو خاص قابلیت سے ایک کالم میں لکھنے کی کوشش کی جائے۔ اور اس طور پر اُردو کی فضولیات کو کم کر کے اخبارات میں دوسری ضرورتوں کے لئے گنجائش نکالی جائے۔

۔۔۔ میں مغربی تراجم سے بڑی وسعت پیدا ہوئی ہے۔ لیکن افسوس کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں مضمون جو کتابی صورت میں آنے چاہئیں ایک دفعہ اخبار میں لکھ کر ردّی کے ساتھ عطاروں کو دے دیئے گئے ہیں۔ اور انہوں نے انکو پڑیاں بنانے کے کام میں خرچ کیا ہے۔ دوسرے نامعقول ناولوں اور معمولی تراجم میں جو ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ملک کے اوقات عزیز کا بڑا حصہ صرف ہوا۔ کاش تمام ہندوستان کے اُردو خواں اور انگریزی دان ملکر انسائیکلوپیڈیا یا اسی درجہ کی اور کسی کتاب کا ترجمہ کر ڈالیں تو اس ملک کیلئے ایک لاثانی خزانہ پیدا کرنے والے ہوں اور بقائے حروف تک اردو کا سرمایۂ فخر سمجھا جائے۔ اور پھر اس سے ایسے ایسے مفید سبق حاصل ہوں جو دوسرے ذریعے سے ناممکن ہیں۔

پنجاب کے زندہ دلو! کیا ہمت کر سکتے ہو؟ علیگڈھ کے نوجوانو! کیا تم اتفاق مشترکہ سے ایسا درخت لگا سکتے ہو جس کے سایہ میں آنیوالی نسلیں تمہاری بزرگیوں کا اعتراف کرنے والی ہوں۔ اور یقین سمجھو کہ اب تمہاری سب ترقیاں صرف زبان اور قلم پر منحصر اور موقوف ہیں۔

آج کل تمام پنجاب میں ہر قسم کی ترقیات کا پتہ ملتا ہے۔ وہاں اخباروں کی حالت بھی دوسرے مقامات سے اچھی ہے۔ جس پنجاب پر دلی اور لکھنؤ والے اہل زبان ہنستے تھے وہ خدا کے فضل سے آج انکی ہمسری کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ملک میں اُردو کی نسبت ایسی ہی مشق جاری رہی تو چاروں طرف تمدن کلام کا ایک خاص ۔۔۔ پیدا ہو سکتا ہے۔

ہندوستان کیلئے ایک خاص دُعا کا دن

۱۶ نومبر ۱۹۰۲ء - اتوار کا روز

خود خداوند ہمیں دُعا کرنے کا حکم دیتا ہے کہ "کھیت کے مالک سے دُعا کرو" اور اِس ملک میں اُس کی کلیسیا کی حالت اور تباہ ہوتے لوگوں کی ضروریات ہمیں دُعا کرنے کی تحریک دلاتی ہیں - اِس لئے چاہئے کہ اس دن ہم متحدہ دُعا میں شوق و سرگرمی سے لگے رہیں۔ جب ہم اپنی گذشتہ محنتوں کے نتائج پر نظر ڈالتے اور اکثروں کے گناہوں پر جو مسیحی کہلاتے ہیں اور اُن لوگوں کو خیال میں لاتے جن کو ابھی تک انجیل کی خوش خبری نہیں ملی تو ہم کو اس امر کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ خُدا کے قادرِ مطلق ہاتھ کے نیچے آپکو فروتن بنائیں تاکہ وہ پھر ہماری جانچ اور پرکھ کرے اور ہماری کمزوری یا ناکامی کے اسباب ہم پر ظاہر کرے۔

دُعا کے جواب میں خدا نے جو کچھ کیا ہے مثلاً پچھلے ہی دنوں آسٹریلیا - جاپان و دیگر ممالک میں - اور خود ہندوستان میں ہی برکت کے جو نشان نظر آتے ہیں بالخصوص روحانی بیداری کے لئے اکثروں کے دلوں میں دُعا کی جو ایک نئی روح پیدا ہو رہی ہے اس سے ہمت پاکر ہم دلیری کے ساتھ تختِ فضل کے حضور آئیں۔ ہم اپنی ضرورتوں کے اندازہ کے مطابق - ایمان سے اسکے حضور جس نے فرمایا ہے کہ "مانگو تو تمہیں دیا جائے گا - با استقلال اور با اصرار دُعا کریں۔

ہندوستان کی جملہ مسیحی جماعت - دیسیوں اور انگریزوں - مشنریوں اور مشن ایجنٹوں - جماعتوں اور فرداً فرداً ایمانداروں - سب کو چاہئے - کہ دُعا و شفاعت کیلئے میٹنگ فراہم کرنے یا خلوتی دُعاؤں سے اس دن کو مانیں اور اسکی مرضی کے مطابق مانگیں۔

۱- ہندوستان میں مسیحی کلیسیا کی بیداری اور پاکیزگی کے لئے

۲- تمام مشنوں اور مسیحی کارندوں کے برکت اور تازگی پانے کے لئے۔

۳- جن لوگوں نے ابھی تک انجیل کی خوشخبری نہیں سُنی اُنکے اپنے گناہوں کے قائل ہونے اور مسیح پر ایمان لانے کیلئے۔

رسیدِ زر - ۱۲ اگست تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ڈاکٹر براؤن	۱۹۰۲ء	۸ — ۸ — ۰	پروفیسر دودرا	۱۹۰۱-۱۹۰۲ء	۳ — ۸ — ۰
مس ورتھ ملی	۔۔	۲ — ۰ — ۰	مس سکاٹ	۔۔	۲ — ۸ — ۰
پادری ڈبلیو جے مکنزی	۔۔	۲ — ۰ — ۰	مس ینگ	۱۹۰۲ء	۲ — ۰ — ۰
پادری قاسم خان	از جون ۱۹۰۲ء	۰ — ۱۲ — ۰	پادری غلام مسیح	۔۔	۲ — ۰ — ۰
مسٹر جوزف اسحاق	۱۹۰۲-۱۹۰۳ء	۴ — ۰ — ۰	پادری این سی داس	۔۔	۲ — ۰ — ۰
عطیہ	۔۔	۵ — ۰ — ۰	مسٹر داعظ	۔۔	۱ — ۰ — ۰

[illegible]

مسیحی

نمبر ۱۱ و ۱۲ جلد ۷ — نومبر و دسمبر ۱۹۰۲ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۶۲ — قیمت سالیانہ عہ

ہندوستانی کلیسیا کی راے کا یہ آئینہ ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ دیسی کلیسیا کی دینی اور سوشیل حالت پر آزادانہ بحث کرنیکے علاوہ اسمیں انگلستان اور امریکہ کے مستند مصنفوں کی تحریرات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اسوقت پانچ کتابیں مسلسل شایع ہو رہی ہیں تاہم خوبی یہ ہے کہ مسیحی کا ہر ایک نمبر بجائے خود مکمل ہے۔ اسکے مقاصد مختصراً مندرجہ ذیل ہیں۔

مقاصد

۱۔ مسیحی زندگی کے اندرونی مشاہدات کا انکشاف کرنا۔ ۲۔ کتاب مقدس کی تلاوت اور دعا کیلئے تحریک۔ ۳۔ مسیحی [illegible] اور انجمنوں اور مشنوں کے حالات درج کرکے مسیحی یگانگت کو قایم کرنا اور پھیلانا۔ ۴۔ نامی مسیحیوں کی زندگی کی سرگذشت چھاپنا۔ ۵۔ جہاں تک ممکن ہو مسیحی کلیسیا کی ملکی اور اخلاقی حالت اور عام انتظام کے متعلق راے کا اظہار کرنا۔

فہرست مضامین نومبر و دسمبر ۱۹۰۲ء

[illegible] امرتسر

گلدستۂ اخبار

ناظرین کو کرسمس اور نیا سال مبارک۔ ڈبل نمبر مندرجہ ہے۔ قبول ہو۔ مہربانی سے ۱۹۰۳ء کی قیمت
جلد عنایت ہو کہ جنوری نمبر آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔ افسوس بعض اصحاب نے ۱۹۰۲ء کی قیمت
ابھی تک عنایت نہیں کی۔ اِن میں سے بعض بڑی حیثیت والے ہیں اور ہمیں بار بار تقاضا کرنا پڑتا
آتا ہے۔ ایک دیسی مسیحی نے بعض مشنریوں کے رسالہ مسیحی بند کر دینے پر ذلیل برتاؤ کے عنوان
سے ایک لمبا چوڑا مضمون ارسال کیا ہے جس میں سے صرف ذیل کی سطور کے لئے گنجائش نکالی گئی ہے
"حال ہی میں ایک لیڈی مشنری نے ایک بیچارے غریب منادی کا آٹا اِس لئے چھین لیا کہ اُس نے
اتوار کے روز بازار سے خرید الیا تھا... بیوی بچے صبح کے بھوکے تھے۔ بیچارہ منادی برآمدے میں آپڑا
... میم صاحبہ کا خانساماں دوپہر کو ۱۲-۱۳ سیر برف لایا۔ منادی نے کہا میم صاحبہ آرام کرتی ہیں
برف یہاں چھوڑ جاؤ۔ میں دے دونگا۔ آنکھ بچا کر منادی برف لیکر چلتا بنا اور دن بھر کے بھوکے بیوی
بچوں کو روٹی کی جگہ برف کھلائی۔ ... میم صاحبہ منادی کے گھر بھاگی گئیں۔ برف ختم ہو چکی تھی ...
ساری رات ملگیر رہیں۔ ... ایڈیٹر صاحب آپ آٹا چھین لینے کی بھی دلیلیں دریافت کرینگے
میم صاحبہ آپکو کیا دلیل دیں گی سوائے اِسکے کہ مسیحی لینا بند کر دیں۔" پادری ڈاکٹر ملر صاحب پرنسپل
مدراس کرسچن کالج کے غیر مسیحیوں میں عزیز عام ہونے کا یہ بدیہی ثبوت ہے کہ آپ کی علالت میں
مسجدوں اور مندروں میں صحت کے لئے دعائیں کی گئیں اور لارڈ کرزن نے بھی بذریعہ تار آپ
مزاج پرسی کی۔ پنجاب کا سرآوردہ انگریزی کا ہندو اخبار ٹریبیون (مورخہ ۲۵ نومبر صفحہ ۵ کالم ۱)
لکھتا ہے۔ "۱۹ نومبر سے لودیانہ میں امریکن پریسبٹیرین مشن کا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے۔ سوائے
ڈاکٹر چٹرجی کے بیچارے ہندوستانی پادریوں کو محض شمولیت حاصل نہیں اور ڈاکٹر چٹرجی کو بھی ووٹ
دینے کا استحقاق نہیں۔ ایک دفعہ کسی فارن مشنری سے پوچھا گیا کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی مسیحیوں
کو سالانہ اجلاس میں شامل ہونے کی اجازت کیوں نہیں تو آپ نے جواب دیا کہ جب روپیہ امریکہ
سے آتا ہے تو روپیہ پیسہ کے معاملہ میں ہم دیسیوں سے صلاح کیوں لیں؟ مسیحی مذہب کے
مسیح نے تو محبت کی منادی کی نہ روپیہ پیسہ کی۔ تو پھر مغرب کے مشنری [illegible]
دیتے ہیں اور اپنے بیچارے ہندوستانی بھائیوں کو حقیر کیوں سمجھتے ہیں"
[illegible] سے بھی بہت پیچھے ہیں۔ دہلی دربار کے دنوں میں انڈین کرسچن ایسوسی ایشن [illegible]
[illegible] ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں کے [illegible]
[illegible] جنوری ۱۹۰۳ء اسکا اجلاس سینٹ سٹیفنس [illegible]
[illegible]

نوٹ اور رائیں

برٹش اور فورن بائبل سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ۔ جو فیض اس بزرگ سوسائٹی سے دنیا نے حاصل کیا ہے وہ شاید سب مشنری طریقوں اور مختلف مسیحی خدمات کی مجموعی کامیابی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ بلکہ اگر اس کو دیگر مشنری خدمات کا دہنا ہاتھ کہیں تو بجا ہے۔ گذشتہ سال کے عرصہ میں بائبل کی اشاعت میں حیرت افزا ترقی ہوئی ہے۔ یعنی بائبل کی جلدیں ۲۶۲۹۲۹۳ اور ۲۹۳۸۲۸۲ انجیل کی جلدیں اور ۷۹۹۱۶۴۸ مختلف صحایف اس سوسائٹی کے ذریعہ طبع کئے گئے ہیں۔ اور جب سے سوسائٹی شروع ہوئی ہے اس کی کل اشاعت ۱۷۵۰۴۸۹۴۵ جلدیں ہوئی ہیں۔ سال گذشتہ میں ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ روپیہ خرچ ہوا۔ خاص ہندوستان میں سالم بائبل اور اسکے مختلف حصوں کا ترجمہ اُنسٹھ زبانوں میں کیا گیا ہے۔ بنگال کی بائبل سوسائٹی کی گذشتہ نمایش میں بائبل کے ایک سو چہتر مختلف ترجمے ملکی اور غیر ملکی زبانوں کے رکھے گئے۔ اب اس پر غور ہو رہی ہے کہ سنہ ۱۹۰۴ء کی ساتویں مارچ کا دن جو اس سوسائٹی کی سویں سالگرہ ہے کیونکر منایا جائے۔ اس دن سے پیشتر جو اتوار ہے وہ دُعا اور شکرگذاری میں صرف کیا جائیگا۔ ولایت میں اس موقعہ پر اڑھائی لاکھ گنی یعنی قریب چالیس لاکھ روپیہ اس موقعہ کی یادگاری کیلئے جمع کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔ یہ زر بائبل سوسائٹی کے کام کی ترقی کیلئے صرف کیا جائیگا۔ مثلاً بائبل وومن اور کتب فروشوں کی تعداد میں ترقی کی جائیگی۔ نئے نئے ترجمے کئے جائیں گے۔ پُرانے ترجموں کی تکمیل اور نظرثانی ہوگی۔ بہت سی زبانوں میں اندھوں کے لئے اُبھرے ہوئے حروف میں انجیل چھاپی جائیگی وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں یقین ہے کہ ہندوستان کی مختلف بائبل سوسائٹیاں بھی اس تقریب پر کوئی مناسب یادگار قایم کرینگی۔ اور اس ملک میں انجیل کی اشاعت کے لئے مفید

تجاویز عمل میں لائینگی۔

بازاری منادی کے لئے کارآمد ہدایات۔ پادری ٹامس ایونس صاحب جنکو اس ملک میں بازاری منادی کا بڑا بھاری تجربہ ہے۔ اس کی نسبت بمبئی گارڈین میں چند مفید اور کارآمد عملی تجربات پیش کرتے ہیں۔ اوّل لوگوں کو جمع کرنے کا بہترین طریق آپ کی رائے میں یہ ہے کہ بازار کے ایک علیحدہ کونے میں کھڑے ہوکے کسی پاس سے گذرنے والے آدمی کو بلاکر آہستہ آہستہ چند سادہ سوالات شروع کئے جائیں۔ اس سے اور لوگوں کے دل میں شوق دامنگیر ہوگا۔ کہ ہم بھی اس مخفی گفتگو کو سنیں۔ اگر یہ نسخہ کارگر نہ ہو تو کوئی بھجن گانا شروع کردیا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ میلوں یا بھیڑ بھاڑ کی جگہوں میں ولایتی موسیقی ساز کو بجانا بھی نہایت مفید ہے۔ سامعین کی توجہ قایم رکھنے کی نسبت آپ فرماتے ہیں کہ جس زبان میں منادی کی جائے اُس میں واعظ کو بخوبی ماہر ہونا ضرور ہے۔ پھر اپنے مضمون کو ادا کرنے کیلئے مثالیں اور تشبیہات کام میں لانی چاہئیے۔ چنانچہ ہمارا خداوند یونہی کیا کرتا تھا۔ اگر کبیر یا دیگر مذہبی مصنفوں کی کتابوں میں سے دوہے یا شلوک یا پھند وغیرہ حسب مطلب اقتباس کئے جائیں تو بعض اوقات دلائل سے بھی زیادہ زور رکھتے ہیں اور عوام بخوشی اُن کو سنتے ہیں۔ منادی کے وقت تہذیب اور خوش اخلاقی کو کام میں لانا ضرور ہے۔ آپکے خیال میں بجائے "بھائی لوگو" کے یا "مسلمان ہندستو" "سرداصاحبو" اور "یا برہمن" "منترو" بہتر ہے۔ اور "تم" کی جگہ "آپ" بولنا چاہئیے گفتگو کے وقت طبیعت کو ٹھنڈا استقلال میں رکھنا ضرور ہے۔ اس سوال کی نسبت کہ کیا منادی کرنی چاہئیے آپ فرماتے ہیں کہ ہندو یا محمدی مذہب کے عقاید کو برا بھلا کہنا اور تاریکی کو دفع کرنے کا طریق یہ نہیں کہ اسکو گالیاں دی جائیں بلکہ یہ کہ چراغ روشن کیا جائے۔ اس لئے مسیح کو جو جہان کا نور ہے پیش کرنا چاہئیے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ اسکی سوانح عمری کو سُنانا ضرور ہے بلکہ اس کی شخصیت اور محبت کو سنانا چاہئیے۔ اگر کوئی شخص بحث کرنا چاہے تو اُسکو روک دیں کیونکہ مبشر کا کام مسیح کی منادی ہے نہ مباحثہ

کیلئے کوئی دوسرا موقعہ مکان پر تجویز کرنا چاہیئے۔ لوگوں پر یہ بات واضح کرنی چاہیئے کہ ہمارا یہ مدعا نہیں کہ اُن کو مسیحی بنایا جائے بلکہ یہ کہ روحوں کو مسیح کے پاس لایا جائے۔ اور یہ ملازمت کے طور پر نہیں بلکہ دلی محبت کی خدمت ہے۔ عوام کو یہ بھی سکھانا ضرور ہے کہ خدا کا مذہب رُوح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کھانے پینے یا ظاہری رسومات سے خدا خوش نہیں ہوتا۔ اس موقع پر حقیقی مذہب کے ظاہری نتائج یا پھلوں کا ذکر ہو سکتا ہے۔ نام کے مسیحیوں اور بیدین انگریزوں پر (جنکو عوام الناس مسیحی سمجھتے ہیں) افسوس ظاہر کر کے دکھانا چاہیئے کہ ایسے لوگوں نے اب تک دلی تبدیلی حاصل ہی نہیں کی۔ اور آخر میں مذہب کی بنیاد کا ذکر کرنا بھی ضرور ہے۔ جو محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جو ابنُ اللہ ہے۔ اُسکے سوا روئے زمین پر کسی اَور سے نجات نہیں۔

مسیحی لڑکیوں کی تعلیم۔ مغربی ہند کی مسیحی مستورات کے ایک مجمع میں جسکا سالانہ اجلاس پونا میں منعقد ہوا ایک لیڈی نے اس مضمون پر تقریر کی کہ مشن کے بورڈنگ سکولوں میں لڑکیوں کی تعلیم بہترین طریق پر کیونکر ہو سکتی ہے۔ دوران تقریر میں آپ نے فرمایا کہ ہندوستانی کلیسیا کے قرض میں پھنس جانے کا ایک بڑا بھاری باعث یہ ہے کہ لڑکیوں کو امور خانہ داری کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ اس نقص کے رفع کرنیکے لئے آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ مشن کے مدارس میں لڑکیوں کو سودا خریدنا اور کھانا پکانا سکھایا جانا چاہیئے۔ مثلاً مہینے میں ایک دفعہ چند بڑی بڑی لڑکیاں کسی معتبر عورت کی زیر حفاظت بازار سے سودا خرید کر خود کھانا تیار کریں۔ ..... یا مختلف گرلس سکولوں کی لڑکیوں کا سب سے عمدہ کھانا پکانے یا کپڑا سینے میں مقابلہ کرایا جائے اور انعامات دیئے جائیں۔ تقریر کنندہ لیڈی صاحبہ شاید مشن کی یتیم لڑکیوں کا خیال دل میں جما کر قواعد اور تجاویز پیش کر رہی ہونگی۔ ورنہ جو شخص کچھ بھی ہندوستان کا علم رکھتا ہے وہ بخوبی جانتا ہوگا کہ ہمارے ملک میں ایسی آزادی کا زمانہ ہنوز نہیں آیا کہ معزز لوگوں کی جوان بیٹیاں بازار سے آٹا دال اور سبزی خریدتی پھریں۔ مگر اس اصول کے ساتھ ہمارا اتفاق کلّی ہے کہ ہمارے گرلس سکولوں میں امور خانہ داری کی تعلیم ضرور دی جانی چاہیے۔ یہ ضرور نہیں کہ لڑکیوں سے کھانا

پکوایا جائے مگر کم از کم باورچی خانہ کا انتظام اور کفایت شعاری کے قواعد اُن کو آسانی سکھائے جا سکتے ہیں۔ اس پہلو سے ہماری لڑکیوں کی تعلیم نہایت ناقص ہے۔

بنگالی کرسچن کانفرنس۔ اس کانفرنس کا پچیسواں[۲۵] سالانہ اجلاس ماہ گذشتہ میں منعقد ہوا۔ چھ روز تک متواتر مجلسیں ہوتی رہیں۔ جن میں سے ایک دن مستورات اور جوانوں کیلئے وقف کیا گیا۔ اس سال ہر میٹنگ میں مسٹر کالی چرن بنرجی چیرمین رہے اور اُن کے زیرِ صدارت انتظام نہایت قابلِ تعریف رہا۔ اوّل روز کا مضمون یہ تھا کہ دیسی مسیحیوں اور ان کے یورپین اور غیر مسیحی دوستوں کے درمیان میل جول کو کیونکر ترقی دی جائے۔ دوسرے روز یہ پیش کیا گیا کہ مسیحی جماعت میں گیتوں کے گانے بجانے کا شوق کیونکر پھیلایا جائے۔ تیسرا مضمون "مشنری خدمت کی نسبت کلیساؤں کی ذمہ داری" تھا۔ جوانوں کی مجلس میں اس مضمون کا چرچا کیا گیا کہ ہم اپنے نوجوانوں کو مسیحی جماعت کی مضبوطی کا باعث کیونکر بنائیں۔ لیڈیوں کی میٹنگ میں دُعا اور دیگر روحانی مضامین پر درس سُنایا گیا۔ پانچویں روز بچوں کے لئے جلسہ کیا گیا۔ اور امتحانات میں کامیاب طلبا کو انعام تقسیم کیے گئے۔ اور آخری روز نگر کیرتان کیا گیا جس میں کم از کم ساڑھے چار سو مسیحی شریک تھے۔ گانے بجانے کا انتظام خاطر خواہ تھا۔ غرض یہ اجلاس ہر طرح سے مسیحی جماعت اور غیر مسیحیوں کیلئے مفید اور دلچسپ تھا۔

بائبل کو حفظ کرنا۔ اگر ہماری سَیر گرمی اور روحانی امور میں غفلت کا کوئی ثبوت درکار ہو تو یہی ایک امر کافی ہے کہ ہم میں بہت تھوڑے لوگ نکلیں گے جو درستی سے کلامِ مقدس کی چند آیات سُنا سکیں۔ آیات کا حفظ کرنا عموماً بچوں کا فرض سمجھا جاتا ہے۔ اور ہم اپنی روزانہ دوڑ دھوپ میں اپنے آپکو معذور ٹھہراتے ہیں۔ اوّل تو ہمارے پاس اب تک مستند ترجمے موجود نہیں۔ اور جو ہیں ہم اُن کی جگہ ایک غیر زبان میں بائبل کو پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور جب ابلیس ہمارے مقابلہ پر کوئی آیت پیش کرے تو ہم اپنے خداوند کی طرح اسکو یہ کہکر نہیں ہٹا سکتے کہ "یہ بھی لکھا ہے"۔ مانا کہ ہم اسی قسم کے ثواب کے قائل نہیں جیسے مسلمان ہیں مگر آخر کلام کو حفظ کرنے سے فائدہ ہی ہے نقصان تو کوئی نہیں۔

مشن میں محکمۂ تعلیم کا انتظام

کچھ عرصہ سے شکایت ہو رہی ہے کہ ولایت میں بہت تھوڑے لوگ مشنری بنکر غیر ممالک میں جانا پسند کرتے ہیں۔ بعض اہلُ الرّائے خیال کرتے ہیں کہ کلیسیائے انگلستان میں رومی رسم پرستی کے خمیر کی وجہ سے تمام ملک کی ہوا بگڑ رہی ہے۔ بعض اسکی کوئی اَور وجہ بیان کرتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ کسی نہ کسی باعث سے غیر ممالک کے مشنریوں کی تعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ اب اگر کلیسیا کے ہر انتظام میں خدا کا ہاتھ ہے تو کیا اس معاملہ میں بھی ہماری کلیسیا کی بہتری ملحوظ نہیں ہے۔ کیا غیر ممالک سے زور وزر کا سہارا ٹوٹنا ہمارے لئے کچھ پیغام نہیں رکھتا۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ انگلستان سے نئے مشنریوں کی آمد کا بند ہونا ہماری کلیسیا کے لئے ایک بُلاہٹ ہے کہ ہم اپنے ملک میں انجیل کی خدمت کا بیڑا خود اُٹھائیں اور غیر ملک کے کارندوں کو جنہوں نے ابتدائی تکالیف سہکر خدا کے کلام کا بیج بویا اس فرض سے سبکدوش کریں۔ اس وقت خصوصاً مشن کے محکمۂ تعلیم کا انتظام ہمارے پیشِ نظر ہے جس میں اصلاح کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اس امر کی نسبت ہم جو تجویز پیش کرینگے وہ تجربہ اور شاہدہ پر مبنی ہے۔ پنجاب اور سندھ میں چرچ مشن کے متعلق شاید چھ یا سات ہائی سکول ہونگے جنکے سر پر ایک ایک مشنری صاحب متعین ہیں۔ اور اُن میں سے بعض بڑے لائق اشخاص ہیں۔ اب ان مدارس کے مقابلہ میں سب سرکاری ہائی سکولوں میں باستثنائے دو چار مدارس دیسی ہیڈ ماسٹر ہیں اور جہاں تک ہمکو معلوم ہے کام میں کسی قسم کا نقص عاید نہیں ہوتا۔ کیا نالائق ماسٹروں کو ایسے ذمہ داری کے عہدہ پر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً ہم کلیسیائے ہندوستان ایسی نادان اور نا تجربہ کار نہیں کہ جس کام کو ولایتی لوگ ہی چلا سکتے ہیں اُسکو دیسیوں کے سپرد کیا جائے۔ ان دیسی ہیڈ ماسٹروں کے اوپر ایک ڈسٹرکٹ

انسپکٹر یا ایک حلقہ کے لئے اسسٹنٹ انسپکٹر اور انسپکٹر مقرر ہے۔ جو گاہ بگاہ معائنہ اور امتحان کے ذریعے سکولوں کے کام کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ کیا کوئی اسی قسم کا انتظام مشن میں قایم نہیں ہو سکتا۔ یعنی تمام ہائی سکولوں میں دیسی مسیحی ہیڈ ماسٹر مقرر کر کے ان پر ایک انگریز مشنری انسپکٹر رکھا جائے۔ مشن میں تعلیم کے موجودہ انتظام کے نقص ایسے اظہر من الشمس ہیں کہ ہمیں تعجب ہے کہ یہ محکمہ قایم کیونکر ہے۔ مگر معاملات کی حالت روز بروز ایسی بگڑتی جاتی ہے کہ یہ انتظام مدت تک قایم نہیں رہ سکتا۔ ضرور ہے کہ اس معاملہ میں مشنری صاحبان سرکاری محکمہ تعلیم سے تجربہ حاصل کریں۔ جو تجویز ہمنے اوپر پیش کرنے کی جرأت کی ہے ہم اسکے عملی فوائد پر ذرا غور کرینگے۔

موجودہ زمانہ میں محکمہ تعلیم کا ایک مسلم قاعدہ ہے کہ سکولوں کے ماسٹر سند یافتہ ہوں مدارس میں ایسے استادوں کی تعداد بڑھانے کی خاطر سند یافتہ معلموں کیلئے خاص گرانٹ سرکار کی طرف سے مقرر ہیں۔ ہمارے مشن کے مدارس میں بسم اللہ ہی غلط ہے یعنی عموماً ایسے نوجوان مشنری مدارس کے سر پر رکھے جاتے ہیں جنکو ضابطہ تعلیم اور قواعد تدریس کی اسی قدر واقفیت ہے جس قدر مریخ کے باشندوں کی نسبت ہے۔ یہ بیقاعدگی مشن ہی میں ممکن ہے۔ پھر نئے مشنری کو تعلیم کا تجربہ بھی نہیں ہوتا اور نہ اس ملک میں ایسا تجربہ حاصل کرنے کا اسکو موقع ہے۔ اگر اسکی ملت ملاقات ہے تو باقی مشنریوں کے ساتھ جو عموماً پاسٹر یا مبشر ہیں۔ ہم عام قاعدہ بیان کر رہے ہیں بعض ایسے صاحبان بھی ہم نے دیکھے ہیں جن پر یہ الزام عاید نہیں ہوتا۔ ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ نئے مشنری کو ملکی زبان سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اس لئے اگرچہ وہ انگریزی زبان کی تعلیم تو دے سکتا ہے مگر اسکا ترجمہ کرانے سے معذور ہے۔ دیانداری حاصل کرنے کا بہترین طریق یہی ہے کہ جس زبان کو سیکھنا ہو اس میں گفتگو کی جائے۔ اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ جب اس زبان کے بولنے والوں کے ساتھ ربط و ضبط اور میل ملاپ پیدا کیا جائے۔ اگر مشنری سکول کے وقت مقررہ کے آگے پیچھے اپنے طلبا کے ساتھ کھیل کود اور دیگر مشاغل میں شریک ہو سکے تو علاوہ زبان کی تحصیل

کے ایک بڑا بھاری فایدہ یہ ہوگا کہ اسکی مسیحی روش کا اثر طالبعلموں پر پڑیگا اور وہ
آپکو نہ فقط اپنے مدرسہ کا افسر یا انگریزی زبان یا بائبل کا استاد بلکہ اپنا خیر خواہ اور ہمدرد
دوست اور روزانہ رفیق سمجھیں گے۔ ہمیں یاد ہے کہ ایک مشنری صاحب جو اسی قسم کا
میل جول رکھتے اور اپنے سکول کے طلبا کو اپنے مکان پر بلا کر چاء وغیرہ میں شریک
کیا کرتے اور انجیل کی تعلیم عملی طور پر دیا کرتے تھے کیسے ہر دلعزیز اور برکت کا باعث
تھے۔ ایک روز انہوں نے ایک چھوٹے سے ہندو لڑکے سے سوال کیا کہ تمہارا کیا
مذہب ہے؟ اس چھوٹے لڑکے نے جو صاحب کے اوصاف حمیدہ اور مسیحی محبت
سے گرویدہ ہو رہا تھا نہایت سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ "میں چھوٹا سا مسیحی ہوں"۔
جو بیج اسکے چھوٹے دل میں بویا گیا تھا وہ بفضل خدا اُٹھا اور بار آور ہوا۔ جب وہ لڑکا
بالغ ہوا تو اس نے بپتسمہ پایا اور مسیحی کلیسیا کا ایک نہایت منور ستارہ نکلا۔ اور اب
اگرچہ وہ اپنے آرام میں داخل ہو چکا ہے مگر بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو اسکی
دینداری سے متاثر ہوئے اور دیسی کلیسیا میں ایسے مجذوب اور خدا رسیدہ شخص
کے لئے خدا کا شکر کرتے ہیں۔

ہم تعلیمی مشنری کا نقشہ سوچتے سوچتے اپنے نفس مضمون سے کسی قدر منحرف ہو گئے
ہیں۔ مگر ہمارا مدعا یہ ظاہر کرنے کا ہے کہ جو مشنری اپنے طلبا اور دیگر غیر مسیحیوں کے
ساتھ میل جول کا رشتہ نہیں رکھتا وہ نہ فقط اوروں کو فایدہ نہیں پہنچا سکتا بلکہ خود
بھی زبان حاصل کرنے سے محروم رہتا اور تعلیم کے قابل نہیں ہوتا۔ اب اگر بجائے ہر
ایک ہائی سکول میں ایک ایک مشنری رکھنے کے ہندوستانی مسیحی ہیڈ ماسٹران رکھے
جائیں تو سانپ بھی مریگا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ یعنی کام بھی بخوبی چلیگا اور سوسائٹی
فقط ایک مشنری انسپکٹر مقرر کر کے بہت سے خرچ سے بچے گی۔ آئے دن سکولوں
کیلئے نئے مشنری کی تلاش بھی دور ہو گی جو اگر مناسب سمجھا جائے تو انہی تعلیمی مشنری
صاحبان کو انجیل کی بشارت کے کام پر لگایا جائے۔ اس طور پر جو سٹیشن بوجہ کارندوں
کی علالت یا دیگر اسباب کے خالی پڑے رہیں ان میں کام کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائیگا۔

اس مجوزہ انتظام سے ایک اَور فائدہ بھی ملحوظ ہے۔ اگر ایک ہی شخص عرصہ مدید تک محکمہ تعلیم کے انتظام پر مامور رہے تو اسکو بڑا بھاری تجربہ تعلیمی امور کا ہوجائیگا جو باقی کارندوں کے کام آسکتا ہے۔ آخر میں اس تجویز سے موجودہ بے سر و پا انتظام کی کایا پلٹ جائیگی۔ مثلاً اگر کوئی معلّم ایک مشن سکول سے دوسرے میں تبدیلی کرانا چاہتا ہے یا کسی وجہ سے ایک اُستاد کو دوسری جگہ بھیجنا منظور ہے تو اس وقت کوئی سبیل ایسی نہیں جس سے وہ تبدیل کیا جائے۔ ہاں تعلیمی سب کمیٹی تو موجود ہے مگر اس کا مشن کے مختلف مدارس پر کوئی دباؤ یا اختیار نہیں۔ وہ فقط مدرسہ کے منتظم افسر کینیڈیت میں اس شخص کی سفارش کر سکتی ہے اور بس۔ آیندہ صاحب منتظم کو اختیار ہے کہ اس کی سفارش پر غور کرے یا نہ کرے۔ یہ بلا اختیار سب کمیٹی محض ایک نمایشی جماعت ہے جس کی ہستی کا مدعا ہوم کمیٹی کی خاطر جمعی اور رپورٹوں کی زیبایش معلوم ہوتا ہے ہم اس پر مفصل لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا چند سطور کو پڑھ کر ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ محکمہ تعلیم کی انسپکٹری کے لئے لائق مشنری کا ملنا تو مشکل نہیں مگر ہائی سکولوں کی ہیڈ ماسٹری کیلئے مسیحی اُستاد کہاں دستیاب ہوں گے۔ اگر جواب دیا جائے کہ اس وقت مسیحی گریجوایٹ بآسانی مل سکتے ہیں تو ایک اور مشکل رُونما ہوگی کہ اگر گریجوایٹ موجود ہیں اور ان کی ضرورت بھی سخت ہے تو پھر محکمہ تعلیم میں زیادہ مسیحی کیوں داخل نہیں ہوتے۔ اور باوجود معقول تنخواہ کے بمشکل مشن کے مدارس میں ملازمت اختیار کرتے ہیں۔ یہ ایک وسیع مضمون ہے جس پر دوسرے موقعہ پر بحث کرینگے۔

یسوع مسیح کی نسبت خیالات۔ مسیح سب سے عمدہ اور اعلیٰ چیزوں کی تلاش کرنے والا اور اُن سے محبت رکھنے والا ہے۔ (ڈی ہوجس) یسوع مسیح۔ یہ شخص کا توانین نام ہے۔ (رینگسن برگ) مسیح کی زندگی۔ سوائے اسکی موت کے سب سے بڑی دینی قوت ہے جس سے دنیا کبھی آگاہ ہوئی (…ین) ایک انسانی جسم الٰہی نیچر کا آلہ بن گیا۔ اور زمینی زندگی کی صورت میں خدا کا جلال ظاہر کیا۔ (رشنل) مسیح کی زندگی یکجا جوانمردی کا دعویٰ اور نمونہ ہے۔ اور فعل اور قول میں اس امر کا اظہار کہ انسان کو کیا ہونا چاہئے تھا اور خدا کی اس دنیا میں اسکو کیسے تیار ہونا چاہئے۔

حیاتِ داؤد

از تصنیف پادری [illegible]

[illegible] داس

۱۱
عدولام کا مغارا

(۱ سموئیل ۲۲ باب ۱ و زبور ۵۷، ۳۴)

خدا کی رحمتوں کا دل سے ہزار ہزار شکر کرتا ہوا داؤد گاتھ سے چلا گیا۔ اور سرحد سے پار ہوتے ہی اپنے آپ کو پھر ساؤل کی بادشاہت میں پایا۔ اسکی زندگی سخت خطرہ میں تھی اور وہ اپنے آپ کو حاسد بادشاہ پر ظاہر کرنا نہ چاہتا تھا۔ شاہی دربار میں آنا تو ناممکن تھا اور بیت لحم میں پناہ لینا اس نے قرینِ مصلحت نہ سمجھا کیونکہ وہ اپنے رشتہ داروں کو کسی قسم کے خطرہ میں ڈالنا نہ چاہتا تھا۔ اب سوائے اسکے کوئی اور چارہ نہ تھا کہ یہودیہ کی پہاڑیوں میں جہاں پہلے دنوں میں رہا کرتا تھا پریشان اور خانہ بدوش ہو۔

گاتھ سے آتے ہوئے وادیٔ ایلا کی جانب دو میل تک پہاڑوں اور وادیوں کا سلسلہ ہے اور ان میں جابجا غار ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک غار میں جو قدیم کنعانی شہر عدولام کے نزدیک ہے اور اس شہر کے نام ہی سے کہلاتا ہے داؤد کو دیر تک پناہ ملتی رہی ہے۔ اندر سے تاریک ہے اور ایک خط استوار سے چٹان میں ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ اسکا راستہ ہے اور یہ ایسے واقع تھی کہ اس میں سے وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاسکتا تھا۔ یاں اسکا تمام خاندان ساؤل کی دشمنی سے ترساں بھاگ آیا۔ اور ہر ایک جو کسی قسم کی تکلیف یا قرض میں تھا یا جو کسی وجہ سے ناخوش تھا یاں بھاگ آیا اور وہ ان کا کپتان بن گیا۔

اس امر کا یاں زیادہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ داؤد اپنے والدین سے کیسی محبت رکھتا تھا اور اپنے ماں باپ کیلئے پناہ ڈھونڈنے کے لئے جو اب اتنے ضعیف العمر ہوگئے تھے کہ خانہ بدوشی زندگی کے خطروں اور تکلیفوں کی برداشت اب کر نہ سکتے تھے۔ عدولام سے موآب تک کی دراز مسافت طے کی۔ اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ شاہ موآب نے اس کی درخواست فوراً منظور کی۔ شاید اس خیال سے کہ اس جوان بہادر سپاہی کی رگوں میں موآبی خون بہتا تھا۔ یہ دوسرا سفر۔ اوّل پناہ کی تلاش میں جانا پھر والدین کو ساتھ لے جانا داؤد کی سیرت میں ایک نہایت ہی دلپسند خاصہ ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اس باب میں غار اور اس کے ساکنین پر ہم ذرا غور کرینگے۔

مسیحی

اوّل - غار اور اس سے ہم کیا سیکھتے ہیں - اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ داؤد کی زندگی میں ان تجربوں کے وضاحت کے ساتھ بیان کرنے سے روح القدس کا مقصد داؤد اور خداوند یسوع کی تواریخ میں مشابہت ظاہر کرنے کا ہے کہ اب وہ کیونکر رد کیا ہوا اور دنیا کے تخت سے جلاوطن ہے - یہ مقابلہ نہایت ہی حقیقی اور معنی خیز ہے۔

ایک مردود بادشاہ تخت نشین تھا - گو ساؤل کے ہاتھوں سے وہ ممسوح ہو چکا تھا نافرمانی کے باعث وہ بادشاہت کا حق کھو چکا تھا اور تخت کا اثر جاتا رہا تھا جیسی حالت ہماری بھی ہوسکتی ہے معزولی کا حکم صادر ہو چکا تھا اور وقت مقررہ پر اسکا عملدرآمد ہونا تھا - یوں ہی وہ بدبخت روح شیطان جو ایک ممسوح کروبیم تھا اور خدا کے مقدس پہاڑ پر متمکن تھا اور اس دن تک کہ جب اس میں ناراستی پائی گئی خلق ہونے کے دن سے اپنی راہوں میں کامل تھا رد ہوا + ہمارے خداوند نے جو اسکو اس دنیا کا سردار" کہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اوّل اوّل وہ خدا کا نائب اور وکیل مقرر ہوا تھا - لیکن اپنی نافرمانی کے باعث وہ اس جلالی رتبہ سے محروم کیا گیا اور انسان اسکی جگہ لینے کو پیدا کیا گیا "انسان کیا ہے؟"...... "تو نے اسکو اپنے ہاتھوں کے کام پر اختیار رکھنے کو پیدا کیا" انسان نے ابھی تک اس قوت و اختیار سے کام نہیں لیا" ابھی تک ساری چیزیں اس کے تابع نہیں ہوئیں" لیکن ابن آدم جسکے سر پر عزت و شان کا تاج رکھا گیا ہے "یہ اختیار پائیگا۔

اس اثنا میں شیطان ابھی تک دنیا کے تخت پر متمکن ہے - اس نے کئی دفعہ اپنا بھالا اس بادشاہ پر پھینکا ہے جو خدا کا منظور نظر اور عزیز ہے - بیابانی آزمایش اور گتسمنی میں اس نے اس پر غلبہ پانے کی بہت کوشش کی - اس زمانہ میں بھی اس نے مسیح کی چھپی ہوئی بادشاہت کے منہدم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گو وہ جانتا ہے کہ خدا نے اسکو میری بادشاہت کی جگہ لینے کو مقرر کیا ہے - اسکی تمام کوششیں بے سود ٹھہریں گی - جیسے ساؤل کوہ جلبوعہ پر مارا پڑا - تاریکی کا سردار بھی آخرکار اتھاہ گڑھے میں ڈالا جائیگا - داؤد کی بادشاہت چھپی تھی - اسکی بادشاہت حقیقی تھی گو عدولام کی غار کی تاریکی میں چھپی ہوئی - اور وادیوں اور پہاڑیوں کے سلسلہ میں پنہاں - وہ زمین پر مرنے کو گرا تھا تاکہ اکیلا نہ رہے بلکہ بہت سا پھل لائے - یہ امر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ بیج موسم سرما کیسے گذارتا اور تباہی میں سلامت کیسے رہتا ہے - موسم سرما کی سرد ہوائیں اس پر چلتی ہیں - لوگوں کے پاؤں تلے روندا جاتا ہے - انسان کی نظروں سے پرے زمین کے نیچے دفن کیا جاتا گویا کہ خدا اور انسان دونو نے اسکو ترک کر دیا ہے لیکن گرچہ کہ مرے پھر بارش اور گرمی سے اسکی صورت بدل جاتی اور خدا اور انسان دونوں کے لئے فائدہ معلوم ہوتا ہے - داؤد کا تجربہ بھی کچھ ایسا ہی تھا - اور اس خدا کا بادشاہ کا تجربہ بھی تھا جس نے صلیب پر ترک ہونے کا راز پایا اور قبر میں بند ہونے کا اور جسکی عدالت اور بادشاہت دونو اب اس دنیا سے چھپی ہیں۔

وہ دن بہت دور نہیں ہے کہ جب خداوند جو تمام چیزوں کے بحال ہونے کے دن تک چھپا ہے اپنے مقدسوں کے ساتھ ظاہر ہوگا اور اپنی بادشاہت اور اختیار اپنے ہاتھوں میں لے گا۔ جو گوہرِ آبدار اس نے سمندری غاروں سے لیا وہ اسکی پیشانی پر لگایا جائیگا اور وہ خزانہ جس سے اس نے دنیا کا کھیت خرید اظاہر کر دیا جائیگا تاکہ ساری دنیا اس کی تحسین کرے۔ اور جو فوج اس نے ایسے ناپسند اجزاء سے انتخاب کی ہے سفید گھوڑوں پر بڑی شان سے اسکے پیچھے پیچھے آئے گی۔ اس اشارہ میں اس کی بادشاہت پنہاں ہے۔

داؤد اپنے رفیقوں سے جدا تھا۔ اسرائیلی کیمپ سے باہر نکلنے پر سوائے اسکے کوئی اور چارہ نہ تھا۔ ضیافتوں اور تماشاؤں۔ صلاحوں اور فیصلوں۔ تدابیرِ ملکی اور ساؤل کی بیرونی جنگوں سے فی الحال اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ گو غارِ عدلام سے ساری بادشاہت پر اثر پڑتا تھا جلاوطنی کی زندگی اور خانہ بدوش اور اجنبی کی راہ داؤد اور اسکے رفیقوں کیلئے شروع ہی سے مقرر کی گئی تھی۔ ہر قسم کی مصیبتوں اور رنج و غم میں سے گذر کر اس نے تخت پایا تھا۔ اور گو آزادی اور کھلی ہوا۔ اور بے دین درباری زندگی کی سختی سے رہائی پانے کی وہ قدر کرتا ہوگا اسکے دل میں اداسی اور غم رہتا ہوگا۔

انسان کا حقیقی بادشاہ ابھی تک تدابیرِ ملکی اور سوسائیٹی سے باہر ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ اسکی رعیت ہوں اور ان دنوں کے جلال اور اجر میں حصہ دار ہوں جب وہ سمندر سے سمندر اور دریا سے انتہائے زمین تک حکومت کریگا تو ان کو چاہئے کہ خیمہ سے باہر اسکے پاس جائیں۔ جو کچھ ان کے پاس ہے اسکو ترک کر دیں۔ اور سب سے حقیر ٹھہریں۔ داؤد راضی تھا کہ خدا کے وقتِ مقررہ کا منتظر رہے۔ ساؤل اسکو بہتیرا اشتعال دلاتا رہا لیکن اس نے بدلہ نہ لیا۔ اسکو اپنے دشمن پر غالب آنے کے کئی موقعے ملے لیکن اس نے کسی موقعہ سے کام نہ لیا۔ وہ تیار تھا کہ خدا کے وقتِ مقررہ کا انتظار کرے اور اختیار پانے کی جو راہ خدا نے مقرر کی ہے اسی طرح پائے۔ اس نے اپنے آپکو دودھ سے چھڑائے ہوئے بچہ کی طرح چپ کرایا۔ بار بار اسکے بر زبان یہی تھا کہ "اے میری جان فقط خدا ہی کا انتظار کر کیونکہ میری امید اسی سے ہے" گویا وہ چپ چاپ بڑے صبر اور تسلیم رضا سے اس وقت کا منتظر بیٹھا تھا کہ جب خدا اسکے دشمنوں کو اس کے پاؤں کی چوکی بنائے گا اور صیحون کے کوہِ مقدس پر اسکو بطور بادشاہ کے قائم کرے گا۔ ہمارا منجی بھی اسی طرح انتظار کر رہا ہے۔ یہ وقت یسوع مسیح کی بادشاہت اور صبر کا ہے۔ مقدسوں کا صبر اب ظاہر ہو رہا ہے۔ اور تمام خلقت خدا کے فرزندوں کے ظاہر ہونے کی بڑے اشتیاق سے منتظر ہے۔ ہم بھی جو روح کے پہلے پھل ہیں اپنے بدن کی بحالی کے لئے اپنے آپ میں کڑھتے ہیں۔ کیونکہ ہم امید سے بچے۔ لیکن امید جو دیکھی جائے امید نہیں رہتی کیونکہ کون شخص اس بات کی امید رکھتا ہے جسے وہ صاف صاف دیکھے۔ لیکن اگر ہم اس کی امید رکھیں جسے ہم دیکھتے نہیں تو صبر

سے ہم اسکا انتظار کرتے ہیں۔

مقام عدلام تھا اور اس کے ساکنین۔ ساری سرزمین میں یہ خبر آن کی آن میں عجیب طور سے پھیل گئی کہ داؤد یہودیہ میں واپس آگیا اور غار میں پناہ گزین ہے اور مصیبت کے مارے۔ بیکس و مفلس اس کے گرد فراہم ہونے لگے۔ تھوڑے عرصہ میں ہی اس جوان کے جھنڈے تلے چار سو آدمی اکٹھے ہو گئے اور قسم قسم کے لوگ اس جماعت میں تھے بہت تھوڑے مرد ایسے تھے جو اس پر جان دینے کو تیار ہوں لیکن اکثر ایسے تھے جو اپنے ہی دکھڑے روتے تھے اور اپنی ہی مصیبت ہٹانے کی فکر میں تھے۔ مقدس مورخ لکھتا ہے کہ اُن کے چہرے شیروں کے سے تھے اور وہ ہرنیوں کے سے تیز پا تھے۔ لیکن اُنکے مزاج بڑے سخت تھے اور ان کو تابعداری اور سلیقہ سے رکھنے کے لئے بڑی دانش اور ہنرمندی اور تدبیر درکار تھی اور اس پیشوا میں یہ سب صفات تھیں۔ اور ایسے لوگوں کو یوں تربیت دینا کہ ان سے ایک بڑی فوج بن گئی کوئی معمولی بات نہ تھی۔

داؤد کی نسبت ہمکو ہرگز ہرگز کوئی ایسا خیال کرنا نہیں چاہئے کہ وہ لٹیروں۔ رہزنوں کا سردار تھا بلکہ وہ عمالیقیوں اور فلسطیوں سے جو فصل پکنے کے وقت یورش کرتے اور برس بھر کی کمائی کو چھین کر لے جاتے تھے اپنا ملک بچانے کو ایک سرحدی فوج تیار کر رہا تھا۔ اور یوں۔ گو وہ اپنے لوگوں سے جلاوطن تھا۔ اصل میں ان کا محسن اور حامی بن گیا۔ اُن دنوں یہ زبان زدعام تھا کہ داؤد اور اسکے رفیق جنوبی یہودیہ کے زمینداروں اور بھیڑ بکریاں والوں کیلئے دیوار کے سے ہیں۔ (۱سموئیل ۲۵:۱۶)

داؤد کے اِس بیان سے خواہ مخواہ اس خداوندکی یاد دل میں آتی ہے جو اگرچہ اس دنیا کی تجویزوں اور اسکی سوسائٹی سے باہر ہے۔ اپنے جھنڈے تلے غریب اور خارج۔ جزامی اور گنہگار۔ اندھے زخمی اور شکستہ دل۔ مصیبت زدہ۔ مقروض اور بیدل فراہم کر رہا ہے اور ان کو ایسے بہادر سپاہی بنا رہا ہے کہ وہ دنیا کو اس کے لئے فتح کریں۔

کیا اِن گنوار۔ سخت سپاہیوں کو داؤد میں اپنی زندگی کے لئے ایک نئی دلچسپی ملی؟ خداوند یسوع میں ہمکو بھی ایک نئی چیز ملی ہے جس کے لئے جینا بیشک زندگی ہے اور جس کے لئے مرنا نفع ہے۔

کیا اس نئی دلچسپی کے باعث ان کا جی ساؤل کی ہردم گھٹتی بادشاہی سے ہٹتا گیا؟ زندہ مسیح کے ساتھ تعلق رکھنے سے ہم بھی اس دنیا کے نہیں رہے۔ ہم نے اسکے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کردی اور نئے یروشلیم کے باشندے ہو گئے اور خوشی سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم مسافر اور پردیسی ہیں۔

کیا انہوں نے اپنی زندگی کے پرانے دستور اور طریق چھوڑ دیئے اور محبت اور بندگی کے تاگے باندھے جیسے اپنی نئی سیرت کی قبا پہنی؟ ہم نے پرانے آدم کو اسکے کاموں سمیت اتار پھینکا

سے جسے اور نئے آدم کو پہن لیا ہے جو اپنے خالق کے عرفان میں ہر دم تازہ ہوتا ہے کیا وہ اپنی بے چینی کے دور ہونے مصیبتوں سے رہائی اور غم سے نجات نکر سے چھٹکارا پانے پر داؤد سے محبت کرتے تھے وہ اس سے کہیں اور بھی زیادہ محبت رکھنی چاہیے جسنے چاہنے لئے اس سے کہیں بڑھ کر کیا ہے جو داؤد نے اپنے پیارے پیروؤں کے لئے کیا۔ اپنے قیمتی خون سے اس نے ہمارا قرض ادا کیا اور ہمارے قرضداروں سے خود مل کر ہمیں چھڑایا۔ اپنی کامل خوبصورتی سے ہمکو ملبّس کیا۔ ہمارے غموں کو دور کیا۔ ہماری روحوں کو تسلی اور اطمینان عطا کیا۔

کیا داؤد اور اسکے رفیقوں کی باہمی محبت دن بدن بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایکدوسرے کی حفاظت کے لئے وہ اپنی جان پر کھیل جاتے تھے۔ ہمکو کیسی تحریک ملتی ہے کہ اپنے مبارک خداوند سے ایسی شراکت رکھیں جو دن بدن مضبوط ہوتی جائے۔

غار ادلام کی اہمیت۔ کئی حوالوں سے چونتیسویں زبور کا تعلق غار عدولام سے پایا جاتا ہے۔ یہیں اس چھوٹی سی جماعت کو خدا کے فرشتے کی جو ان کے چاروں طرف خیمہ کھڑا کرتا ہے ضرورت تھی۔ وہیں شیر ببر کے بچے تلاش معاش میں غراتے تھے۔ وہیں خدا ہڈیوں کی نگہبانی کرتا تھا کہ ان میں سے ایک بھی ٹوٹنے نہ پائی۔ (آیات ۷، ۱۰ و ۲۰)

ہم یہ نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے باندھ سکتے ہیں کہ ایک شام کو دن کی تکان اور فکروں کے بعد داؤد اپنے لشکر کو یہ کہکر فراہم کرتا ہے کہ آؤ اے لڑکو اور میری سنو میں تمہیں خدا ترسی سکھلاؤں گا " اور اس کے بعد ہی یہ فقرے سنائی دیتے ہیں کہ " میرے ساتھ خدا کی بڑائی کرو ... ارے آؤ چکھو اور دیکھو خداوند مہربان ہے ... اسکے مقدس لوگو خداوند سے ڈرو۔ اور پھر سب کے سب ہم آواز ہوکر چلاتے ہیں کہ خداوند اپنے بندوں کی جانوں کو مخلصی دیتا ہے اور ان میں سے جنکا توکل اس پر ہے کسی پر الزام نہ دیا جائے گا "

جس روح کے گناہوں کا حساب کیا گیا اور وہ معاف اور فراموش کئے گئے وہ ان چاروں باتوں کا یقین رکھ سکتی ہے۔

رہائی۔ ان تکلیفوں اور مشکلوں کے درمیان بھی جو اسکی اپنی بدکرداریوں کا نتیجہ ہیں۔ (آیات ۴، ۶، ۷، ۱۷ و ۱۹)

روشنی جیسی رات کے نگہبان کیلئے صبح صادق ہے ویسے ہی خدا اس روح کیلئے ہوگا جو اندھیرے میں پڑی ٹھوکریں کھاتی ہے صرف اگر اس کا منہ خدا کی طرف پھرا ہو (آیت ۵)

پوری معاش۔ اسکو کسی چیز کی کمی نہ ہوگی۔ (آیت ۱۰)

خدا کی قربت کی پہچان۔ عزیز سے عزیز رفیق سے بھی نزدیک تر کسی کی حضوری یا عدم

موجودگی سے بھی حقیقی۔

اگر غار میں جہاں کئی فکر و اسنگیر تھے اور ہر وقت اپنے رفیقوں کے سامنے بیٹھے رہنا پڑتا تھا داؤد کو خدا کی حضوری کی پہچان حاصل تھی تو کتنی زیادہ ہمارے لئے ممکن ہے! اور جب یہ پہچان مل جائے تو شریف اور مفید زندگی کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔

موسم سرما کی خزاں اور موسم بہار میں کس بات کا فرق ہے۔ کیا یہی نہیں کہ سورج نزدیک ہوتا ہے اور بیج کو اسکا علم ہوتا ہے اور وہ اپنی رنگت اُس سے لیتی ہے۔

اے پیچھے کو ہٹنے والے! اے دل شکستہ! اے شکستہ روح! پچھلی ناکامی اور کمزوری پر مڑ کر نہ دیکھ۔ نہ اس امر کا کچھ خوف کر کہ مجھ سے کہیں گناہ پھر سرزد نہ ہو بلکہ نظر اُٹھا کر مسیح کی طرف دیکھ۔ میں تمہاری منت کرتا ہوں کہ موت والے پہلو پر نہیں بلکہ زندگی کے پہلو پر نظر ڈالو۔ اپنی زندگی کے تمام دن خداوند کے مسکن میں ٹھہرو۔ قدس الاقداس میں داخل ہو اور وہیں ٹھہرو۔ روح القدس سے التماس کرو کہ خدا کی حضوری کی ہر دم پہچان پانے کی توفیق دے۔ دن میں کئی بار یہ دہرایا کرو۔ ہاں اس وقت بھی جب تم یہ محسوس نہ کرو کہ "اے خدا تو نزدیک ہے۔ تو یہاں ہے"۔ خدا کی حضوری میں اپنا مسکن بناؤ۔ اور ایسی زندگی کی شیرینی کا ذائقہ چکھو۔

مسیح کا خیال بھی اپنے باپ کی نسبت ایسا ہی تھا اور اسی طرح تم بھی شیریں سے شیریں اور مضبوط سے مضبوط تجربہ جو مقدسوں کے لئے ممکن ہیں پاؤ گے۔ "خداوند اُنکے نزدیک ہے جو شکستہ دل ہیں اور ان کو جو خستہ جان ہیں بچاتا ہے۔"

ایذائے حیوانات

احباب میں اپنے اُسے شامل نہ کروں گا۔ — اطوار خجستہ ہوں کہ خصیص میں ہو۔
بے اسکے ضرورت کوئی مجبور کرے "جو — ق روندے کسی کیڑے کو جو ہو راہگذر میں۔
غفلت کا قدم ایک کچل سکتا ہے جھینگر — جو وقتِ بیگہ رہگذرِ عام میں رینگے۔
پر ہوگی شرافت جسے وہ آگہی پاکر۔ — ق ٹک ہٹ کے چلیگا اُسے مرجانے نہ دیگا
اِک رینگتا کیڑا جو ہو مکروہ نظر میں — ق جو ساتھ ہی شاید ہو بھرا زہرِ ستم سے
آجائے اگر ملنے کو بن پوچھے پچھاسے — خاموشی و آرام کی پاکیزہ جگہ میں۔
اور ہاتھ سے اک شخص کے مرجائے تو مرجائے — ق الزام نہیں امرِ ضروری ہیں یہی پر۔
ایسا نہیں جب اپنی ہی خاص حدوں کے اندر — ق بے جرم و خطا پھرتے ہیں وہ کھاتے ہوا کو
حق اُن کا وہاں ہے وہ ہیں مختار وہاں کے۔ — جو اُنکو ستاتا ہے وہ ملزم ہے مگر اُس کا
دخل اپنے تئیں دیتا ہے فطرت کے نسق میں — جس نے اُنہیں سونپا ہے کبھی اپنی غرض کو

(ترجمہ از ولیم کوپر) — (نذیر حسین احمد ہالکی)

یسوع کے خاص دوست

۹

یسوع کی والدہ شریف

اس دُنیا میں بچّہ کا پہلا دوست اُسکی ماں ہوتی ہے۔ دنیا میں وہ بالکل اجنبی آتا اور کوئی اسکو جانتا نہیں۔ لیکن آتے ہی وہ محبت کو اپنا منتظر پاتا اور اسکو ایک دوست مل جاتا ہے کہ جس کی گود میں وہ آرام کرتا۔ جسکے بازوا سکو اُٹھائے رکھتے اور جس کے ہاتھ اسکی خدمت کرتے ہیں۔ بچّہ کے ساتھ ہی محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ ماں اسکو اپنی چھاتیوں سے لگاتی ہے اور اسکے دل میں اپنے نوزاد بچّہ ہی کا تصور ہر دم بندھا رہتا ہے۔

کچھ دیر تک بچّہ کو اس محبت کا علم نہیں ہوتا۔ تاہم یہ محبت اپنی مضبوطی اور گہرائی میں بڑھتی رہتی ہے۔ ہزاروں طریق سے ماں اپنے بچّہ کے دل میں بھی یہ محبت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ آخرکار اس محبت کا اظہار شروع ہوتا اور بچّہ محبت کرنا سیکھتا ہے۔ اس وقت سے یہ مقدّس دوستی بڑھتی ہے۔ یہ دونوں زندگیاں باہم پیوستہ ہوجاتی ہیں۔

جب خدا دنیا میں کوئی بڑا صاحبِ قوت اور عالی دماغ شخص جسکا مشن (رسالت) بڑا بلند ہو پیدا کرتا تو پہلے وہ ایک ایسی عورت تیار کرتا ہے جو اسکی ماں ہو۔ جب کبھی تواریخ میں کوئی ایسا شخص ہمیں نظر آئے تو ہمارا پہلا خیال اس خاتون کی طرف جاتا ہے جس کی آغوش میں اس نے پرورش پائی اور جس کے گھٹنوں پر بیٹھ کر اس نے زندگی کے پہلے سبق سیکھے۔ کیونکہ اس مرد کی عظمت کا بھید یہیں ملتا ہے۔ جب ابنؑ اللہ کے تجسّم پانے کا وقت نزدیک آیا تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اس خاتون میں جس نے اس کی ماں ہونے کا اعزاز پانا۔ اس کی زندگی پر اثر ڈالنا۔ اسکو زندگی کے پہلے سبق سکھانا اور اس کو اپنی مقدّس مشن (رسالت) کیلئے تیار کرنا تھا۔ سب سے دل پسند اور عمدہ صفات سے موصوف کیا جو کبھی کسی عورت کا حصّہ ہوئیں۔ ہم اس تعلیم کو تو ہرگز ہرگز نہیں مانتے کہ جو یسوعؑ کی ماں کو اس کے الٰہی بچّہ کے برابر یا اس سے بھی برتر جگہ دیتی ہے۔ اس عقیدہ سے ہمیں ذرا بھی ہمدردی نہیں کہ جس کے مطابق کنواری مریم کی پرستش کی جاتی اور یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہم خدا بیٹے تک اس کی رحیم اور کریم ماں کے وسیلے سے پہنچتے ہیں۔ لیکن حضرت مریم کی نسبت ایسی غلط تعلیم کے سبب اُس کی سیرت کا اصلی مبارک پہلو کہیں ہماری نظروں سے چھپ نہ جائے۔ فرشتے کے سلام کو ہم ہمیشہ یاد رکھیں کہ "تو عورتوں میں مبارک ہے" اُسکو جو عزت

ملی وہ کسی اور خاتون کو نصیب نہیں ہوئی۔ ۵

"ہوا فرشتہ یہ مجھ سے کہ پاک عورتوں میں ہے تو مبارک" نہیں مقدس مجھے بنایا نہیں بلایا شریف کہہ کر۔
فقط مجھ کو جو خوبی کہا آدم گفت کہ متبارک" یہ لطف تا کہ جب میں بیٹھوں خوش و مسکین آسماں پر

کہاں ذیشان نام سے وان نہ مجھکو حاصل ہو ہنر ساری،
جو تیری شوکت سے ہو زیادہ نہ جس کے قابل ہوئیں بچاری"

بڑے بڑے مشاہیر نے اپنی عظمت کیلئے ہمیشہ اپنی ماؤں کی تعلیم کا اعتراف کیا اور انکی بجا قدردانی کی ہے۔ لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ہم یہ کہنے میں ذرا پس و پیش کرتے ہیں کہ اور مرد صالحین کی طرح یسوع کی سیرت پر بھی اسکی ماں کا اثر پڑا اور اپنی زندگی کی بہت سی خوبصورتی اور قوت اس نے اسی سے پائی۔ ہم اکثر خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ مائیں اپنے بچوں کے لئے ہوتی ہیں یسوع کی ماں اس کے لئے ویسی نہ تھی۔ کہ اور بچوں کی طرح اسے تربیت مادری درکار نہ تھی۔ کہ الوہیت کے اس میں ہونے کے باعث اسکی سیرت باطن سے ظاہر ہوتی گئی اور ماں کی تعلیم و تربیت اور دیگر تاثیروں کی جس سے عموماً بچوں کی سیرتیں صورت پکڑتی ہیں اسے چنداں ضرورت نہ تھی۔

لیکن نئے عہد نامہ میں ایسے خیال کی ہمیں کوئی بنیاد نہیں ملتی۔ یسوع کی انسانیت ہماری انسانیت کی سی تھی۔ وہ اور بچوں کا سا کمزور اور بے تعلیم دنیا میں وارد ہوا۔ کسی نوزاد بچہ کو ماں کی ایسی ضرورت نہ ہوگی جیسی یسوع کو تھی۔ ماں نے اس کو تمام پہلے سبق سکھائے۔ خدا کی نسبت اول ہی اول خیال بھی اسی نے دلایا۔ دعا مانگنا بھی اس نے اپنی ماں ہی سے سیکھا۔ یہودی خواتین اپنے بچوں کی تربیت کا بہت لحاظ رکھتی تھیں۔ بڑے صبر اور استقلال سے وہ ان کو خدا کا کلام سکھاتی تھیں۔ ایک ربی کا یہ قول ہے کہ "خدا ہر جگہ موجود نہیں رہ سکتا اس لئے اس نے مائیں بنائیں۔" اس سے ظاہر ہے کہ یہودیوں میں بچہ کی نسبت ماں کے فرائض کا کیسا اعلے خیال تھا۔

جب کبھی کوئی خاتون جسکو مادریت کے فرائض کا پورا پورا احساس حاصل ہے۔ اپنے نوزاد بچہ پر جھکتی تو اس کے دل میں کیا کیسے خوف اور ذمہ داری کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن مریم کے دل میں اس خوف اور ذمہ واری کا خیال اور بھی غیر معمولی ہوگا۔ کیونکہ اس کے بچہ کی پیدائش غیر معمولی اور معجزانہ تھی۔ خبر دینے کے وقت فرشتہ نے اسے کہا تھا کہ "جو تجھ سے پیدا ہوگا مقدس خدا کا بیٹا کہلائے گا۔" بچہ کی پیدائش کی رات کو فرشتوں کی ایک عجیب پہیلی اور گڈریئے اسے دیکھتے ہی شہر کو بھاگے آئے۔ اور جب انہوں نے بچہ کو چرنی میں لیٹے دیکھا تو اس کی ماں کو وہ سب عجیب باتیں بتائیں جو انہوں نے دیکھی اور سنی تھیں۔ مریم نے یہ سب باتیں دل میں رکھیں اور ان پر سوچ کیا کرتی تھی۔ اگرچہ وہ ان سب باتوں کا مطلب سمجھ نہ سکتی تھی اتنا تو وہ جانتی تھی کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں اور کسی عجیب معنی میں وہ خدا کا بیٹا ہے۔

اس احساس سے اس کی مادریت کے فرائض اور بھی ضروری معلوم دیتے ہونگے۔ خدا

کی کیسی گہری قربت میں وہ زندگی بسر کرتی ہوگی! اس کی محبت کیسی حقیقی اور گہری ہوگی! اپنے کام کاج میں وہ کیسی باصبر اور شیریں طبع ہوگی اور اسکو ہردم یہ خیال رہتا ہوگا کہ جو مقدس زندگی تعلیم و تربیت کیلئے میرے سپرد کی گئی ہے اس پر کسی تلخ یا سخت کلامی کا سایہ نہ پڑے۔

صرف چند بار ہی پردہ اُٹھتا ہے اور ہمکو ماں اور بیٹا کی دید ملتی ہے۔ چالیسویں روز ہیکل میں لے گئے اور وہ خدا کی نذر کیا گیا۔ یاں بچہ کا جلال ماں کو پھر یاد دلایا گیا۔ ایک مرد بزرگ شمعون نامی نے بچہ کو اپنی گود میں لیا اور اسکو خدا کی نجات کہا۔ والدین کو وداع ہونے وقت اس نے برکت دی تو پردہ کو ذرا اُٹھاکر آیندہ کی ایک جھلک ان کو دکھلائی۔ "یہ لڑکا اسرائیل میں بہتوں کے گرنے اور اُٹھنے کے لئے مقرر ہوا ہے اور ایسا نشان ہونے کے لئے جس کی مخالفت کی جائیگی"۔ پھر اُس نے بڑی سنجیدگی سے مریم کو خطاب کرکے کہا۔ "بلکہ خود تیری جان بھی تلوار سے چھیدی جائیگی"۔ یہ پیش خبری تھی کہ مریم کے دل پر کیا کیا رنج وغم آئیں گے اور جو اس پر بار بار آتے رہے۔ یاں تک کہ اس نے اپنے بیٹے کو صلیب پر دیکھا۔ صلیب کا سایہ مریم کی جان پر برسوں چھایا رہا۔ جب کبھی وہ اپنے بچے کو لوری دیکر سلاتی یا اسکو گود میں لیکر ٹہلاتی اور اُسے چومتی تو اسکو شمعون کے الفاظ یاد آتے اور اس کا دل چھد سا جاتا تھا۔ شاید نبی کے یہ الفاظ بھی اسکی یاد میں آتے تھے کہ "وہ حقیر اور لوگوں کا رد کیا ہوا ہے۔ مرد رنج ہے"۔ "ہماری بدکرداریوں کے لئے وہ کچلا گیا"۔ اور اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ جب کبھی وہ بچہ کو کھیلتا۔ خوش و خرم۔ اپنے آنے والے دکھ سے بے خبر دیکھتی تو شمعون کے الفاظ اس کے کانوں میں خراش کرتے اور اس کے دل میں ایک عجیب بے وجہ خوف پیدا ہوجاتا تھا۔

ہیکل سے آنے کے بعد ہی مجوسی سجدہ کرنے آئے اور جب اُس نے دیکھا کہ یہ مشرق کے اجنبی اس کے بیٹے کو "یہودیوں کا بادشاہ" کہتے اور سربسجود ہوکر اسکی پرستش کرتے اور اپنی نذریں اسکے قدموں میں رکھتے ہیں تو بڑی حیران ہوئی ہوگی۔ اسکے بعد ہی ان کا مصر میں جانا ہوا۔ جب اس سخت خطرہ سے بچنے کے لئے وہ اپنے بیٹے کو لے کر بھاگی تو اس کو کیسے اپنی چھاتی سے لگائے رہتی ہوگی! کچھ عرصہ بعد وہ مصر سے واپس ہوئے اور تب سے ناصرت ان کا مسکن رہا۔

تیس سال کے عرصہ میں صرف ایک دفعہ ہمیں ماں اور بچہ کی دید ملتی ہے اور یہ بات اُس وقت کی ہے جب یسوع پہلی بار عید فسح پر گیا۔ واپسی کے وقت یسوع پیچھے ٹھہرا رہا۔ بڑی تلاش کے بعد ماں نے اسکو ہیکل میں اُستادوں کے بیچ میں بیٹھے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا۔ اسکی ماں کے الفاظ ملامت آمیز معلوم ہوتے ہیں۔ "اے بچے تو نے کیوں ایسا کیا؟ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے"؟ وہ بڑی ششدرد

پریشان تھی۔ اس سے پیشتر لڑکے نے ہمیشہ اسکی فرماں برداری کی تھی۔ اس نے کبھی اپنی ماں کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنے کی کوشش نہ کی تھی اور اس کی ہدایت سے کبھی منہ موڑا نہ تھا۔ ابکے اس نے اس سے پوچھے بغیر ایسا کیا تھا۔ گویا اس نے اب سے خودمختاری اختیار کرلی تھی۔ ماں اور اس کے بچہ کی دوستی میں یہ بڑا نازک وقت تھا۔ جب کبھی کوئی بچہ اپنے حسب مرضی کام کرنا شروع کردے اور اپنی ماں کی ہدایت پر نہ چلے تو اس کے اور اس کی ماں کی دوستی میں یہ موقعہ بڑا نازک ہوتا ہے۔

یسوع کا جواب بڑا معنی خیز ہے کہ "مجھے اپنے باپ کے ہاں رہنا ضرور ہے"۔ ماں کے علاوہ ایک اور بھی تھا جسکی اطاعت اور فرماں برداری اسکو لازم تھی۔ وہ ابن اللہ بھی تھا اور ابن مریم بھی۔ اپنے بچوں سے سلوک کرتے وقت والدین کو یہ امر ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے کہ ان کے فرزند خدا کے فرزند بھی ہیں۔

ہیکل میں ماں اور بیٹا کے عجیب تجربہ کے بعد جو کچھ واقع ہُوا وہ نہایت ہی عجیب ہے۔ یسوع اپنی ماں کے ساتھ ناصرت میں آگیا اور اس کی تابعداری کرتا رہا۔ خدا سے اپنا تعلق رکھنے کے باعث وہ اپنی ماں کا تو ویسا ہی فرزند رہا۔ اس رشتہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ چونکہ وہ خدا سے بہت محبّت رکھتا تھا اس لئے اپنی ماں سے اُس کی محبت کم نہ ہوئی۔ آسمانی باپ کی فرماں برداری کرنے سے اس نے زمینی والدین کی فرماں برداری کو ردّ نہ کیا۔ وہ اپنے گھر کو واپس چلا گیا اور اور اٹھارہ برس تک معمولی کاموں کو اس نے اپنے باپ کا کام سمجھ کر بخوشی تمام سرانجام دیا۔

ماں اور بیٹا کی اس عرصہ کی تواریخ نہایت ہی دلچسپ ہوتی لیکن ہمارے لئے وہ لکھی نہیں گئی۔ یہ عرصہ بڑا عجیب ہوگا۔ ایسی دوستی سے بڑھ کر جو کبھی کبھی ماں بیٹے کے درمیان پائی جاتی ہے۔ دنیا میں بہت کم چیزیں ایسی دلکش اور خوشنما ہوں گی۔ بچہ کی نسبت ذرا عمر رسیدہ لڑکا زیادہ محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ ان کی باہمی رفاقت بڑی مضبوط ہوتی ہے ایک مقدس اور نہ ٹوٹنے والا خلاص ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ لڑکا اپنے دل کی ایک ایک بات ماں کو بتا دیتا ہے اور وہ خوش وسِت دماں عورت جانتی ہے کہ لڑکے کی ماں کو کیسے ہونا چاہئے اور اپنی منزلت کو خوب رکھتی ہے اور لڑکے کی نہ تو جھینپنے کی شرم کو دُور ہونے دیتی ہے نہ اسکو اپنا کوئی رازِ نہاں رکھنے دیتی ہے۔ لڑکا اپنے دل کی راز سے راز دار بات اس کے کانوں میں سُنا دیتا ہے اور شوق محبت اور بچوں کے سے ایمان سے اس کی دانشمندانہ اور محبّت بھری صلاح کو سُنتا ہے۔

ماں اور بیٹا کے مابین ایسی دوستی ہمیشہ نہیں ہوتی۔ بعض مائیں۔ ہندوستانی ... تو ہاے قریباً سب مائیں۔ لڑکے کو ایسی رازداری میں لینے کیلئے وقت اور خیال نہیں دیتیں۔ لیکن ہم یقینی طور سے کہہ سکتے ہیں کہ یسوع اور اس کی ماں کے درمیان بڑی گہری

ہمدردی تھی۔ وہ اپنی ماں کے سامنے دل کو انڈیل دیا کرتا تھا اور وہ اسکو صرف مادرانہ محبت ہی دیتی نہ تھی بلکہ صلاح مشورہ اور ہمدردی بھی۔

یروشلیم سے آنے کے بعد ان کو رنج وغم کا سامنا ہوا۔

یوسف کا اب کہیں ذکر نہیں آتا اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مرگیا اور مریم بیوہ رہ گئی۔ بڑا بیٹا ہونے کے ماں کی فکر یسوع کے سر پڑی۔ اسکے دل کی گہری محبت اور عجیب نرم دلی کے لحاظ سے ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ کیسی بے غرضی اور دلدادگی سے اس نے اپنی ماں کے بیوہ ہونے پر اس کی خدمت کی۔ اس نے بڑھئی کا کام سیکھا تھا اور دن بدن وہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے اسکی ضروریات پوری کرتا تھا۔ ان دنوں میں ماں بیٹا کی محبت نہایت ہی مقدس ہوگی۔ اس مبارک خاتون کی حلیمی۔ سنجیدگی۔ امید۔ فروتنی اور دعا نے اس کی سیرت کے رگ وریشہ پر بڑا اثر کیا ہوگا۔ آخر تک اس کی ماں ... گی کی برکت اسکے ساتھ رہی۔

... کے یہ تیس خاموش سال گذر گئے اور یسوع اپنی عام (پبلک) خدمت ... کرنے کو نکلا۔ ماں کی پہلی دید قانائے کی شادی پر ملتی ہے۔ یسوع بھی وہاں تھا۔ ... وائن ختم ہوگئی اور مریم اس کی نسبت یسوع کو کچھ کہنے گئی۔ "اُن کے پاس وائن نہیں رہی"۔ وہ کسی فوق الخلقت قوت کے اظہار دیکھنے کی توقع رکھتی تھی۔ اس کی پیدائش کے دن سے اس کے دل میں ایک بڑی امید جاگزین تھی۔ اب اس نے بپتسمہ پالیا ... کا کام اختیار کرلیا تھا۔ کیا معجزہ کرنے کا وقت آ نہیں پہنچا تھا؟

... کا جواب ہمیں چونکا سا دیتا ہے۔ "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟ میرا وقت ... نہیں آیا"۔ ان الفاظ سے ایک قسم کی ملامت اور زجر وتوبیخ مترشح ہے جو ایسے حلیم اور محبت کرنے والے بیٹے کے شایاں نہیں۔ لیکن اس جواب میں کوئی ایسی بات نہیں ... کی حلیمی اور محبت کے متضاد ہو۔ اسکا مطلب یہی تھا کہ معجزہ کرنے سے پیشتر ... اپنے باپ کے فرمان کا انتظار کرنا چاہیے اور کہ اس کا وقت ابھی ہوا نہ تھا۔ معلوم ... کہ ماں نے اسکا مطلب سمجھ لیا۔ اس کے جواب سے اسکے دل پر چوٹ نہ آئی۔

... انکار کا نتیجہ نکلا۔ اس نے خادموں سے کہا کہ جو کچھ وہ تمہیں کرنے کو کہے ... شیریں فروتنی کا سبق سیکھ لیا تھا۔ اب وہ جان گئی تھی کہ میرے بیٹے کو ... خدا کی تابعداری لازم ہے اور وہ الٰہی آواز کا انتظار کرنے لگی۔ مقدس ... میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔

... اور عرصۂ دراز آتا ہے جس میں مریم کا کہیں ذکر نہیں۔ غالباً وہ تنہائی میں ... کرتی تھی۔ لیکن ایک دن کفرناحوم میں ایسا ہوا کہ جب یسوع وہاں عزیز عام ... تھا اور بڑی بھیڑ کے آگے منادی کر رہا تھا تو اسکی ماں اور بھائی مکان کے باہر

آنے اور اندر کہلا بھیجا کہ ہم تجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماں اِسلئے آئی تھی کہ اس تھکان دہ کام سے آرام کرنے کے لئے اُسے تھوڑی دیر کیلئے لے جائے۔ وہ اپنی صحت و سلامتی کو معرضِ خطر میں ڈال رہا تھا۔ یسوع نے انکار کیا۔ اسکا حقیقی مطلب یہ کہنا تھا کہ میرے اور میرے فرض کے درمیان کوئی رکاوٹ آنی نہیں چاہئے۔ باپ کا کام ہمیشہ مقدم رہنا چاہئے۔ انسانی تعلقات الٰہی تعلقات سے پیچھے آتے ہیں۔ یسوع نے کسی طرح اپنی ماں کی بے عزتی نہ کی جب اس کی محبت بھری دلچسپی کی تحریک کو نہ مان کر اپنا کام چھوڑنا نہ چاہا۔ مقدس سے مقدس انسانی دوستی کے اثر سے ہمیں خدا کی مرضی کے پورا کرنے سے باز رہنا نہیں چاہئے۔ اور ماؤں نے بھی اپنے بچوں کی محبت کے باعث ایسی ہی غلطی کی ہے اور ایسی خدمت سے جو سخت یا نقصان دہ ہو اُنکو باز رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جب محبت ہم کو خدا کی مرضی کے پورا کرنے سے باز رکھے تو اس کی آواز کو خاموش کر دینا چاہئے۔

یسوع کی ماں کا ذکر پھر صلیب کے بیان میں آتا ہے۔ آہ مقدس حُبِّ مادری۔ تو آخر تک وفادار اور با استقلال رہتی ہے۔ آخر کار شمعون کی پیشینگوئی پوری ہوتی ہے۔ تلوار ماں کی جان کو بھی چھید رہی ہے۔ "یسوع صلیب پر مصلوب ہُوا۔ مریم صلیب کے دامن میں مصلوب ہوئی"۔

اِس سین (نظارہ) کے ایک پہلو پر فکر کرنا! حُبِّ مادری یہاں بھی ہے حُبِّ مادری کی وفاداری کا بیان نہایت عجیب ہے۔ ماں اپنے بچہ کو کبھی ترک نہیں کرتی۔ مریم ہی اکیلی خاتون نہیں جو صلیب تک بیٹے کے پیچھے پیچھے گئی ہو۔ ماں کی اپنے بیٹے سے دوستی کا یاں معراج اور انتہا ہے۔ وہ صلیب کے پاس کھڑی اسکو دیکھ رہی ہے۔ اسے استقلال والی۔ وفادار۔ نہ مرنے والی اور حقیقی دوستی!

لیکن دمِ مرگ بیٹے کی اپنی ماں سے محبت کی کہو؟ اپنی جاں کنی میں کیا اُسکو ماں کی فکر ہے؟ ہاں ان سات کلموں میں سے جو اس نے صلیب پر سے کہے ایک کلمہ سے ظاہر ہے کہ اسکے دل میں ماں کی محبت کیسی بے تبدیل تھی۔ مریم کی عمر اس وقت پچاس سے اوپر تھی۔ اسکے بیٹے کے جاتے رہنے پر دُنیا اسکی نظروں میں تیرہ و تاریک ہو جانے والی تھی۔ اس لئے اس بیٹے نے ایسی محبت کے سایہ میں اسکا انتظام کیا جہاں وہ جانتا تھا کہ وہ محفوظ رہے گی۔ جب اس نے اپنے پیارے شاگرد کو اسکا ہاتھ پکڑے اپنے گھر کو لیجاتے دیکھا تو مرنے کے درد کا ایک حصہ اسکے دل سے جاتا رہا۔ اسکی ماں کی فکر و حفاظت کی جائیگی۔

اس مبارک دوستی کے بیان سے مسیحی خاندانوں میں ماں اور بیٹے کا تعلق ہمیشہ کے لئے مقدس ہو جانا چاہئے۔ اس سے ہر ایک عورت کو بہتر عورت اور لائق ماں ہو جانا

چاہئے۔ اس سے ہر ایک بچہ کو صادق اور مقدس بچہ ہونا چاہئے۔ ہر ایک گھرانے میں والدین اور بچوں کے درمیان مقدس دوستی پیدا ہونی چاہئے۔ یُوں اس زمین پر ہی بہشت کا کچھ کچھ سماں بندھ جائیگا۔ مسز براؤننگ انگلستان کی ایک مشہور شاعرہ لکھتی ہے کہ

"مقدس ہے۔ افضل ہے۔ دُنیا میں اعلیٰ یہ ماں اور بیٹے کی کیا ہی محبت
کہ دو قلبِ انساں سے ہو کر ہویدا بنے باہمی اِک الٰہی محبت"

رُوحانی زندگی کے اِسرار

(از تصنیف پادری [illegible] صاحب) [illegible]

۱۰

زورو قوّت

قوّت و اختیار پانے کو انسان مرتا ہے۔ نوجوان تو محبت کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہو جاتا ہے لیکن زر اعمر رسیدہ مرد حکومت اور اختیار حاصل کرنے کیلئے کیا کچھ نہیں کرتا۔ صاحبِ اختیار کی سب پرستش کرتے ہیں گو نپولین اوّل کی طرح اس نے یہ اختیار لاکھوں کا خون کر کے پایا ہوں نہ ہو۔ رُوحانی قوّت پانے کی اگر ہم آرزو رکھیں تو بُرا نہیں کرتے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اسکو اپنے مالک کے جلال اور لوگوں کی برکت کے لئے طلب کریں۔ ہاں اس بڑی بخشش کی آرزو رکھنا اور اس کی تحصیل کے لئے کوشش بلیغ کرنا ہمارا فرض ہے تاکہ ہم مضبوط ہوں اور کارِ نمایاں انجام دیں۔

ہم کبھی نہ بھُولیں کہ رُوحانی بادشاہت کی قوّت صرف اسکے قوانین کی پوری پوری فرماں برداری کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے چاروں طرف بڑی بڑی قوتیں تیار کھڑی ہیں کہ ہمارے کہے کے مطابق کریں۔ ہمارے پیغام کے لے جانے یا ہماری گاڑی کھینچنے میں کام آئیں۔ لیکن ان سے کام لینے سے پیشتر چاہئے کہ ہم ان کی فرماں برداری کریں۔ ایک دفعہ ان کے قوانین عمل سیکھ لو۔ اور ان کی پوری پوری تابعداری کرو اور کوئی ایسی بات نہیں جو وہ تمہارے لئے نہ کریں۔ دُعا اور بیداری سے ہمکو خدا کی قدرت کے قوانین عمل بھی سیکھنے چاہئیں تاکہ ہم اپنی زندگی اور طریق کو ایسے سدھاریں کہ اس سے ہماری اپنی اور دوسروں کی بہتری ہو۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ روحانی قوّت کوئی ایسی علیحدہ چیز نہیں جو ہم روح القدس کے بغیر پا سکیں۔ رُوحانی دنیا کی قوّت خود روح القدس کا ہمارے دلوں میں سکونت کرنا اور

ہماری ہدایت کرتا ہے۔ اسکے بغیر ہم اسے پا نہیں سکتے۔ جب روح القدس ہم سے رنجیدہ ہو جاتا تو ہماری روحانی قوت بھی کم ہو جاتی ہے۔ جب وہ تابعدار اور محبت کرنے والے دلوں میں رہتا تو ہم سے کام لیتا ہے۔ اگر ہم بخشش کی آرزو رکھتے ہیں تو چاہئے کہ اس کے بخشنے والے کی قدر کریں۔ ہم بخشش کا ذکر نہ کریں بلکہ خداوند کا جو ہمیں بخشش دیتا ہے۔

خدا کی قوت صعودی زندگی میں۔ ہمیں یہ فرمان ملا ہے کہ روز بروز بلندی کی

افسیوں ۱:۱۹ راہوں میں اپنے خداوند کی پیروی کریں اور جہاں وہ اب خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے ہم بھی اس کے ساتھ بیٹھیں۔ لیکن ہماری اپنی کوششوں سے یہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے ابابیل کے لئے عقاب کی سی بلند پروازی کرنا۔ کشش ثقل ہمیں دنیا کی طرف ایسے زور سے کھینچے لئے جاتی ہے۔ ہماری فکریں ایسی پراگندہ خاطر کرنے والی ہیں۔ ہمارا ارادہ ایسا متلوّن ہے کہ صرف الٰہی قوت اور فضل ہی ہمکو الٰہی زندگی کی رفعت تک پہنچا سکتا ہے۔

خدا نے جو کچھ ہمارے لئے تیار کیا ہے وہ اسکو ہماری زندگی میں پورا ہوتا دیکھنے کا منتظر ہے۔ اور اپنے مریدوں کے لئے رسول کی دعا کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ وہ معلوم کریں کہ "ہم ایمان لانے والوں کے لئے اُسکی بڑی قدرت کیا ہی بے حد ہے"۔

یہ قدرت ہے۔ خدا کی قدرت۔ بڑی قدرت۔ کچھ اور کافی نہ ہوتا۔ نہایت ہی بڑی قدرت کہ جس تک خیال بھی پہنچ نہیں سکتا۔ دوسرے لفظوں میں "اُس کی اُس بڑی قوت کی تاثیر کے موافق جو اس نے مسیح میں اُس وقت کی جب اُسے مُردوں میں سے جلا کر اپنی دہنی طرف آسمانی مقاموں پر بٹھایا"۔

یہ کیسی عجیب رفعت افزائی ہے! فنا کی قبر سے خدائے ازلی کے تخت تک جو اکیلا غیر فانی ہے۔ قبر کی تاریکی سے چندھیانے والی روشنی تک۔ اس چھوٹی سی دنیا سے عالم کے مرکز اور دار السلطنت تک۔ اس بے ناپ گہرائی کے ماپنے کے لئے اپنے ایمان کی کمپاس کھولو اور پھر اس قدرت پر اپنی حیرت ظاہر کرو جس سے اسکو عبور کیا اور پھر جانو کہ اگر تم ایمان رکھو تو وہی قدرت تمہارے لئے بھی ہے اور اگر اسکو اپنی مبارک راہ لینے دو تو تمہارے روزانہ تجربہ میں اتنا ہی کچھ کرنے کی منتظر ہے۔ مسیحی اکثر شاکی رہتے ہیں کہ ہم اپنی آرزوؤں اور امیدوں کی رفعت تک نہیں پہنچتے۔ ان پہاڑوں کے دامن پاس کھڑے جن پر وہ چڑھ نہیں سکتے۔ آہ و بکا کرتے رہتے ہیں۔ دفتروں اور کارخانوں میں جو لفٹ* لگے ہیں ان میں جب ہم قدم رکھتے تو جانتے ہیں کہ ان میں بیٹھے بیٹھے اوپر چڑھ جائیں گے شرط یہی ہے کہ ہم اس میں بیٹھے رہیں۔ ویسے ہی اگر ہم روح القدس سے شراکت رکھیں یعنی اگر ہم اس کی مبارک مدد کے حلقہ سے جان بوجھ کر باہر نکل نہ جائیں تو ہم

---

* نوٹ۔ یہ ایک کرہ نما کل ہے جس سے لوگ مکانوں پر چڑھتے ہیں۔ انگلستان میں کہیں کہیں پر۔ امریکہ میں اسکا رواج عام ہے۔ بمبئی کے واٹسن ہوٹل میں بھی یہ کل لگی ہے۔

عقاب کے سے بازوؤں سے بلند پروازی کرینگے اور قوت سے قوت کی طرف جائیں گے۔

خدا کی قدرت رُوحانی بخشش کے دیتے ہیں۔ رسول اپنی نظروں میں آپ بڑا حقیر تھا۔
افسیوں ۳:۷ وہ صرف خادم الدّین ڈیکن ہاں خادم تھا۔ اپنے خداوند کی طرح کہ جب شاگردوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کے پاؤں دھونے نہ چاہے تو اس نے خود ان کے پاؤں دھوئے۔ صرف بہت بڑے درجہ کا شخص ہی اپنے رتبہ اور عزّت کو کھوئے بغیر ایسی خدمت کرسکتا ہے۔

لیکن جو رتبہ اس بڑے رسول کو حاصل تھا وہ اسکے خیال میں خدا کے فضل کی بخشش تھا۔ اور اس فضل کی حمد کرنے میں اُس نے کبھی کوتاہی نہ کی کہ جس نے نہ صرف اسکو نجات دی بلکہ کلیسیا میں رُتبہ بھی دیا۔

خدا کا فضل جو ہمکو اس کی مبارک خدمت کے لئے بُلاتا ہے اسکی قدرت کی قوت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور کیسا ہی کام ہمارے سپُرد کیا کیوں نہ جائے اسکو انجام دینے کی قوت ہماری پہنچ میں ہوتی ہے۔ خدا کا فضل ہمیں اجازت دیتا ہے کہ لوگوں کو نجات دینے میں خداوند کے ہم خدمت ہوں۔ اور خدا کی قدرت ہماری محنت کے ساتھ ساتھ چلتی ہے کہ جو کچھ ہم خود اپنی کوشش سے کر نہ سکیں اسکے انجام دینے میں ہماری مدد کرے۔ جس کام کے کرنے کو خدا کے فضل نے تمہیں بُلایا ہے خدا کی قدرت اسکے کرنے کی تمہیں توفیق دے گی اور تمہارے ذریعے لوگوں پر وہ وہ راز ظاہر ہوں گے جو مدّتوں سے چھپے تھے۔

خدا کی قدرت دُعا میں۔ اس عجیب کلمۂ ستائش میں رسول انسانی تقریر کی حد تک آتا ہے۔
افسیوں ۳:۲۰ گو خیال اور فہم تک نہیں۔ یاں دونو ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں۔ تقریر تو یہیں کی یہیں پیچھے رہ جاتی ہے حالانکہ خیال اپنی شاندار راہ میں بڑھا چلا جاتا ہے۔

اسکو اس امر کی عجیب جھلک مل گئی کہ دُعا کے جواب میں خدا کیا کچھ کریگا۔ کیونکہ ذرا ملاحظہ ہو کہ خدا کی قدرت جو باہر کام کرتی ہے اسکی اس قدرت کے برابر برابر ہوتی ہے جو باطن میں کام کرے۔ دونو مقاموں میں ایک ہی یونانی کا لفظ آیا ہے۔ اس قدرت کے موافق جو ہم میں تاثیر کرتی ہے وہ ہماری درخواست اور خیال سے بہت زیادہ کام کرسکتا ہے۔ کوہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں کے ساتھ ہی اتھاہ کھڈیں ہیں۔ گمان غالب ہے کہ جتنی بلندی پہاڑوں کی ہے اتنی ہی گہرائی کھڈوں کی۔ یوں ہی خدا کی قدرت جو بلندیوں پر ہماری دعاؤں کے جواب دینے کی منتظر ہے خدا روح القدس کی قدرت کے برابر ہے جو ہمارے دلوں میں سفارش کرتا ہے۔

ذرا غور کرو کہ مقدّسین کیا کیا دُعائیں کرتے تھے۔ جان نوکس نے سکاٹلینڈ کے لئے کیا التجا کی۔ لوتھر نے جرمنی کے لئے۔ برنیرڈ اور سوارڈز نے غیر قوموں کے لئے۔ والدین اپنے

بچوں کے لئے کیسی جانکاہی سے دُعا کرتے ہیں۔ عاشق اپنے محبوب کے لئے۔ محب وطن اپنے ملک کے لئے۔ لیکن خدا جس نے ان کو دُعا کرنا سکھایا ان کے خیالوں سے زیادہ کرتا رہا۔

غور کرو کہ مقدسین کے خیالات کیا کچھ تھے۔ مقدسین کی اُن دُعاؤں کو خیال میں لاؤ جنکا اظہار الفاظ میں نہیں ہُوا۔ وہ باتیں جو زبان پر آنہ سکتی تھیں۔ کیونکہ الفاظ اُنکو ادا نہ کر سکتے تھے۔ وہ خیالات جو برق کی طرح باپ اور اسکے فرزندوں کے مابین گذرے ہیں۔ ان عزیزوں کی نگاہ محبت کی طرح جو آنکھوں میں ایک دوسرے کا راز دل پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن جس خدا نے کہ یہ باتیں اُنکے دل میں ڈالیں اُسنے اُنکے خیالوں سے بھی زیادہ کیا۔

زیادہ۔ اپنی بخششوں میں وہ بخیل نہیں۔ جہاں گناہ ہے وہاں اسکا فضل بہت زیادہ ہے۔ وہ نہ صرف ہماری بھوک مٹاتا بلکہ بارہ ٹوکریاں ٹکڑوں کی فالتو بھی دیتا ہے

بہت زیادہ۔ موسم بہار کے پھولوں سے ساری سطح چمن بھری ہے۔ آدھی رات کے وقت ستارے کثرت سے درخشاں ہیں۔ چاروں طرف اسکی قدرت کے نمونے متعدد ملتے ہیں۔ اسکا خیال کیسا بلند۔ اسکا ذہن کیسا رسا۔ اسکی قدرت کیسی بارآور ہے۔ ہمارے باپ نے کائنات کیلئے بہت کچھ کیا ہے۔ اے خدا کے فرزند جسکو وہ اپنے بیٹے سا عزیز رکھتا ہے تیرے لئے وہ کیا کچھ نہ کریگا! اسکے کام اور اس دنیا کیلئے۔ اس سے بڑی بڑی چیزیں مانگو اور ایمان رکھو کہ تمہاری آرزوؤں سے زیادہ وہ تمہیں دیگا۔ تیری چھوٹی سی درخواست پر بڑی بڑی برکتیں نازل ہونگی۔

بہت ہی زیادہ۔ ہم نہیں اکتفا کرینگے۔ بس اب الفاظ کے معنی اس سے زیادہ ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ہماری لیاقتیں ایسی محدود ہیں کہ انکے معانی کی گہرائی کو بخوبی سمجھ نہیں سکتیں ہم یہی کریں کہ اپنے دلوں پر اُس قدرت کی تاثیر اور ہونے دیں جو ہماری مدد کی منتظر ہے کہ ہمارے تہ دل سے دُعا آسمان کی رفعت تک پہنچے۔

خدا کی قوت جو ہمیں جنگ کیلئے تیار کرتی ہے۔ دشمن کی قوت سے باہر ہم مسیح کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ [افسیوں ۶:۱۰] گو ہر روز اسکے حملے اُٹھاتے ہیں کہ خون اور جسم سے نہیں بلکہ حکومتوں اور ریاستوں سے ہمیں جنگ کرنا ہے۔ دنیا کی تاریکی کے پردہ تلے بُری اور شریر روحیں خداوند اور اُسکے مسیح کے خلاف منصوبے باندھتی ہیں۔ ہم کون ہیں کہ اپنی آزمائشوں میں یا انسان کو ان کی بند سے چھڑانے میں ان پر غالب آنے کی اُمید رکھیں۔ تاوقتیکہ خداوند اور اسکی قدرت کی قوت میں ہم نے زور آور ہونا نہ سیکھا ہو۔

اپنے جنگ بالخصوص میں اپنے ضعف سے ہمارا خداوند اپنی انسانی اور روحانی حیثیت میں روحانی قوت کا خزانہ بنگیا ہے اور شیطان کی تمام کاریگری اور زور سے بڑھ کر ثابت ہُوا ہے۔ اسمیں ایسی روحانی قوت ہے کہ جس سے شیطان آخر کار باندھا جائیگا اور اسکی بادشاہت تباہ ہوگی۔ اسکی قوت ابھی تک عمل میں نہیں آئی لیکن قوت اُسمیں ہے اور وہ بھی ہمارے لئے۔ ہم اسکی روح سے اپنی باطنی..

بزرگانِ بیبل کے حالات

۲

ابراھیمؑ

پہلا باب

مترجمہ۔ مسز لیلا رام

از تصنیف۔ ایف ۔ بی ۔ میئر

ابراھیم اور سارہ

ایک دن گرمی کے وقت میں اپنے خیمہ کے دروازہ میں خاموش بیٹھا اپنی زندگی کے گذشتہ واقعات پر فکر کر رہا تھا۔ میں نے بڑی بڑی دُور دراز جگہوں کی سیاحت کی تھی اور زمانہ کے نشیب و فراز بہت دیکھے تھے۔ اوّل عمر میری عالی شان بابل میں بسر ہوئی تھی۔ اس شہر کو شہر مجسم کہنا بالکل زیبا ہے۔ اسکے چمن و باغات اور حشمت و دولت نے میرے دل میں گھر کر لیا تھا۔ لیکن الٰہی فرمان پر مَیں نے اس بھڑکیلے شہر کو چھوڑ دیا تھا اور تب سے اس دنیا میں کم و بیش خانہ بدوش رہا تھا۔ طرح طرح کے رنج و غم سے میرا دل چھد گیا تھا اور بار بار میرا ایمان سخت آزمایا گیا تھا لیکن اب میں نے ممرے کے میدان میں اپنا مسکن بنایا تھا اور میری جورو سارہ خیمہ کے اندر تھی۔ وہاں سے کچھ فاصلہ پر نازک بدن اور مہ جبین ہاجرہ اپنے بیٹے اسمٰعیل سے کھیل رہی تھی۔ وہ بڑا زندہ دل لڑکا تھا اور اسکی باتوں اور بچپنے کی زور آزمائیوں سے اس کی ماں باغ باغ ہو رہی تھی۔ کوئی باپ اسمٰعیل سے بیٹے پر نازاں ہوتا اور اگرچہ وہ میری چہیتی بیوی سارہ کے بطن سے نہ تھا تاہم وہ مجھے بہت عزیز تھا کیونکہ میں اسکا باپ نہ تھا اور شاید اسمٰعیل ہی وعدہ کا فرزند ہو۔ ہاں وہ لڑکا جس نے اس ساری سرزمین کو ورثہ میں پانا تھا۔ جس پر اب میری آنکھیں ٹھہری تھیں اور جس کی اولاد کثرت میں دریا کی ریت سی ہونی تھی۔ جس ایک امر نے سب سے بڑھ کر میری سیرت پر اثر کیا اور جس سے زندگی میں میرا مقصد مستحکم ہو گیا وہ میرا خدا پر ایمان اور اسکے وعدوں پر اعتقاد تھا۔ تین بار خداوند خدا قادر مطلق نے رویا اور خواب میں مجھ پر ظاہر ہو کر فرمایا تھا کہ "مَیں تجھ سے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھے برکت دونگا اور تیرے نام کو بڑا کروں گا" اور پھر "اُوپر آسمان کی طرف نگاہ کر اور ستاروں کو دیکھ کہ اگر تو ان کو شمار کر سکتا ہے تیری اولاد بھی اتنی ہی ہوگی"۔ خدا نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا

۔ یہ مضمون ... باغ عدن کی تصویر کے عنوان سے اگست و ستمبر کے پرچہ میں شایع ہؤا وہ اس سلسلہ کا نمبر اوّل تھا۔

اگرچہ اس وقت میرے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔ اور اگرچہ میں سارہ سے ایسی محبت کرتا تھا کہ میں کسی اور عورت کو ویسا پیار نہ کر سکتا تھا۔ میں نے ہاجرہ کو اپنے ازدواج میں لیا اور اس سے اسمٰعیل پیدا ہوا۔ وہ میرا اپنا بیٹا تو تھا لیکن وہ سارہ کا بیٹا نہ تھا اور میری حسین بیوی سارہ اس لڑکے سے رشک کھاتی تھی اور مجھے بھی یہ آرزو دامنگیر تھی۔ کہ سارہ کا بیٹا میرا وارث ہو۔

میرے دل کی خواہش تو یہی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی مرضی کچھ اور ہے اور جب سے اس نے شہر اور یاہ سے مجھے میرے باپ کے گھر سے نکالا اور کنعان کی خوش وسرسبز سرزمین میرے ورثہ میں دینے کا وعدہ کیا۔ اور مجھے برومند کیا اور مجھے بھیڑ بکریاں اور گلہ مواشی اور خادم اور لونڈیاں دیں تب سے اس کی مرضی میری مرضی رہی ہے۔ جب سے میں نے اسکی بلاہٹ کی فرماں برداری کی خدا میرے بچاؤ کی چٹان۔ ہاں سورج اور ڈھال رہا ہے۔

اور وہ میری حفاظت بھی کیسے کرتا رہا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک میں قحط پڑا اور مجھے اپنے خانوادہ سمیت ملک مصر کو جانا پڑا۔ وہاں میری رسائی شاہ فرعون کے دربار میں ہوئی۔ وہاں بھی جب میں نے مصریوں کے علم وفضل کو دیکھا اور ان کی راہیں سیکھیں تو خدا نے میری آنکھوں کو بلند نظری اور میرے دل کو غرور سے بچائے رکھا۔ بابل کی کوئی آزمایش مجھ پر غالب نہ ہوئی تھی۔ مصر کی آزمایشوں کا بھی مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مصری بڑے ہی عشرت پسند ہیں۔ ان کے ایوان عالی شان ہیں۔ وزراء امراء کی قبا موتیوں سے جڑی رہتی اور بیگمات سونے چاندی سے مڑھی رہتی ہیں۔ وہ عمدہ سے عمدہ خورش کھاتے۔ نایاب سے نایاب شراب پیتے اور اس مقولہ پر عمل کرتے ہیں کہ ؎ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔

وہ دانشمند بھی بڑے ہیں لیکن افسوس باوجود تمام حکمت وعلم کے وہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور سچے خدا کو نہیں مانتے۔

جب مجھے پھر اپنے ملک کو واپس آنا نصیب ہوا تو میرا دل شادمان ہوا۔ ممری کے میدان میں دمشق کے نزدیک ہی میں کیسی سادہ اور بآرام زندگی بسر کرتا تھا۔

دنیا اب بالکل پرانی ہوگئی ہے اور بنی انسان متعدد ہیں۔ وہ مختلف قوموں میں منقسم ہوگئے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کی جان لینے کے درپے رہتے ہیں۔ غصہ ان پر غلبہ پالیتا ہے اور ان کے خالق خدا کی شبیہ ان کے چہروں سے جاتی رہی ہے۔ تاہم ابھی تک خدا کے ایسے بندے ہیں جو اس کی پرستش اور خدمت کرتے ہیں۔ اور جب میں اپنے خیمہ کے دروازہ میں بیٹھا تھا تو مجھے یاد آیا کہ میرے

باپ نے مجھے کیا کچھ کہا تھا اور ان کے باپ نے اُن سے کیا بیان کیا تھا اور میں بھی اپنے بیٹے اسمٰعیل سے کیا بیان کرونگا کہ گذرے وقتوں میں خدا نے کیا کچھ کیا۔
پچھلے واقعات مجھے یاد آگئے اور پھر میری اپنی زندگی اور متعلقین کا مجھے خیال آیا۔ میرا سگا بھتیجا لوط میرے ساتھ نہ رہتا تھا کیونکہ میرے اور اسکے خادم باہم اتفاق سے رہ نہ سکتے تھے۔ اور ایک کاہن تھا جو بادشاہ بھی تھا اور اسکا نام ملک صدق تھا۔ میرے شاہان کے جنگ سے واپس آنے پر کیا اس نے مجھے برکت نہ دی تھی؟ اور اب میں دولتمند اور عظیم الشان تھا اور خدا نے مجھے کثرت سے برکت دی تھی۔ اور اب دُنیا بھر میں میری ایک ہی آرزو تھی کہ سترہ کے ہاں بیٹا ہو۔
میں اِنہی باتوں کی فکر میں تھا کہ سترہ باہر آکر میرے پاس آکھڑی ہوئی۔ سترہ کے چہرے کی خوبصورتی کا اظہار لفظ حسین سے ایک ستمہ بھی نہیں ہوتا۔ میں اس کو اکثر حسین شہزادی کے نام سے پکارا کرتا تھا کیونکہ اسکی آنکھیں نیلی تھیں اور اس کے بال گھنے اور سنہری رنگت کے تھے۔ ایشیائی عورتوں سی وہ گندمی رنگت نہیں۔ اسکا رنگ صاف۔ اُس کے خط وخال دلکش اور اسکا انداز شاہانہ تھا۔ مصر کے دربار میں کوئی عورت اس سی حسین نہ تھی۔ بلاریب شان اور خوبصورتی میں وہ سچ مچ شہزادی تھی
اب جو وہ میرے پاس آکھڑی ہوئی تو اُسکی آنکھیں چاروں طرف پھرائیں اور دیکھتے دیکھتے اسکی نگاہ ہاجرہ پر آٹھہری جو ابھی تک اپنے کام میں مصروف تھی اور اسمٰعیل خوش وشادماں اس کے پاس کھیلتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حسد اور رشک کی آگ شعلہ زن ہوئی اور جب اس نے میرے کاندھوں پر اپنے نازک ہاتھ رکھے تو اسکا بدن لرزتا تھا۔
سترہ نے پوچھا۔ کہ میرا خداوند خیمہ کے دروازہ میں کیا کرتا ہے؟ آپ کی نگاہ دُور تک کام کیوں کر رہی ہے اور آپ کے لب ایسے کیوں ہلتے ہیں کہ گویا آپ دُعا کر رہے ہیں؛ کیا یہ سچ ہے کہ آپ کی اولاد ساری سرزمین کو میراث میں لے گی اور شمار میں ستاروں سی ہوگی۔ ہاں آپ کی اولاد جن کے ہاں سوائے اسمٰعیل۔ ہاجرہ مصری کے بیٹے کے کوئی اور اولاد نہیں۔
میں نے یہی جواب دیا کہ "خدا کے وعدوں پر میرا ایمان ہے" اور سترہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ اس نے اپنا سر میرے کاندھوں پر رکھ دیا۔
اور آہ بھر کر چپکے سے کہا کہ ہاجرہ کا بیٹا آپکا وارث نہ ہوگا۔ ہاجرہ سے مجھے سخت نفرت ہے۔ مجھے اس سے اور اس کے بیٹے سے رشک آتا ہے۔ اسمٰعیل آپکا وارث نہ ہوگا۔

پیشتر اس کے میں محبت بھری باتوں سے میں سترہ کو تسلی دیتا کیونکہ میرے دل کی آرزو بھی یہی تھی میں نے اپنی آنکھیں اوپر کو اٹھائیں اور کیا دیکھتا ہوں کہ میدان کی طرف سے تین مرد چلے آرہے ہیں۔ میں ان کے ملنے کو اٹھا۔ پر سترہ خیمہ کے اندر چلی گئی۔

جب وہ میرے نزدیک پہنچے تو مجھ پر حالت سی طاری ہو گئی۔ ان میں سے ایک کے حضور میں سربسجود ہوا کیونکہ اس کے شاندار چہرے کی دید کے بھی میں لائق نہ تھا۔

میں نے عرض کیا کہ اے میرے خداوند اپنے خادم کے پاس سے چلے نہ جائیے۔ میں تھوڑا سا پانی لاؤں کہ آپکے پاؤں دھوؤں اور روٹی آپ کے سامنے رکھوں کہ آپ تازہ دم ہوں اور اس درخت کے تلے جو میرے خیمہ پر سایہ کئے ہے تھوڑی دیر آرام فرمائیے۔

پھر خداوند نے فرمایا کہ یونہی کر جیسا تو نے کہا۔

پس وہ مرد میرے ساتھ ہولئے اور میں نے ان کو گھنے سایہ میں بٹھلایا۔ پھر میں خیمہ میں گیا۔ اس وقت کی خوشی کا اظہار میں الفاظ سے کر نہیں سکتا اور جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا وہ میرے لبوں سے نکلتا نہ تھا۔

سترہ نے پوچھا کہ اے مرد ایمان آپ کو کیا فکر ہے کہ آپ خوشی سے دیوانہ ہوئے جاتے ہیں اور یہ کون ہیں جو درخت کے نیچے بیٹھے ہیں؟

میں نے دھیمے سے کہا کہ ان میں سے ایک بادشاہ ہے اور اے سترہ کوئی بادشاہ بھی جو کبھی تخت شاہی پر بیٹھا ہو اس قابل نہیں کہ اسکے قدموں میں بیٹھے۔ جلدی ہو اور عمدہ سے عمدہ کھانا تیار کر۔ کچھ پھلکے بنالے اور جو کچھ تیار کرسکتی ہے کر۔

اس کا جواب سننے یا اسکی آنکھوں سے خوشی اور خوف کا اظہار دیکھے بغیر میں اپنے گلہ کی طرف بھاگا اور ایک بچھڑا لے کر ذبح کیا اور ایک خادم کو تیار کرنے کو دیا۔ اور جب پھلکے اور گوشت تیار ہوگیا تو میں نے مکھن اور دودھ لے کر کھانا مہمانوں کے سامنے رکھا۔

کھاتے وقت میں ان کی خدمت کرتا تھا۔ پھر اس مہمان نے جسکا چہرہ عجیب طور سے شاندار تھا اور جس کی آواز شاہانہ تھی میری طرف پھر کر کہا۔

"سترہ تیری جورو کہاں ہے؟"

میں نے جواب دیا کہ "وہ خیمہ کے اندر ہے"۔

پھر اس نے مجھ پر ایک پوری نگاہ ڈال کر کہا کہ "سترہ تیری جورو کو بیٹا ہوگا"۔

سترہ نے جو خیمہ کے اندر تھی یہ سن لیا اور سن کر ہنسی۔ مجھے بھی اسکی ہنسی سنائی دی۔ اور میرے دل میں غصہ پیدا ہوا۔ ان تینوں مردوں نے بھی اسکو ہنستے سنا اور جس نے پہلے کلام کیا تھا وہ پھر گویا ہوا کہ

"سترہ کیوں ہنسی؟ کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے؟ وقت معین پر وہ بیٹا جنے گی"۔

یہ الفاظ کہتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور اس کے ساتھ کے مرد بھی اُٹھے اور درخت کے سایہ سے چلے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہولیا اور جسکو میں بادشاہ بلاتا تھا اس کے ساتھ رہا۔ انہوں نے اس شہر کا رُخ کیا جہاں کے باشندے خدا سے ڈرتے نہ تھے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتے اور وہی کام کرتے تھے جو اُن کی اپنی نگاہوں میں دل پسند ہوں میں نے شہر سدوم کی بدی کا حال کئی بار سنا تھا اور جب ہم اس کے نزدیک پہنچے تو میں بیقرار سا ہونے لگا۔ میرا بھتیجا لوط واں رہتا تھا اور اس نے مجھے واں کی عیش و عشرت اور بدکاریوں کا ذکر اکثر سنایا تھا۔ میں نے لوط کو کئی دفعہ سمجھایا اور اس کی منت بھی کی تھی کہ اُس بے دین اور منکرِ خدا جگہ سے چلا جائے لیکن اس کی بیوی زربفتی قبا اور زروجواہرا اور زیورات پر فریفتہ تھی۔ وہ عیش پسند بھی تھی اور رنگیلی مجلسوں میں اکثر آیا جایا کرتی تھی اور اسکا بیچارہ خاوند اس کو روک نہ سکتا تھا۔

راہ سے ہمیں وہ شہر ایسے نظر آتا تھا جیسے میدان میں موتی پڑا ہے۔ اُسکے سنگِ مرمر کے محلوں پر سُورج کی شعاعیں پڑ رہی تھیں اور واں کے چمن پھولوں سے مہک رہے تھے۔

ہم کچھ آگے بڑھے تو دو مرد ہمکو ذرا پیچھے چھوڑ کر سدوم کی طرف ہولئے اور میں اور وہ شاہِ عظیم جن کی حشمت اس دنیا کی نہ تھی باہم رہ گئے۔ جب میں اُن کے ہمراہ اکیلا رہ گیا تو وہ ٹھہر گئے اور مڑ کر میری طرف دیکھا اور پھر یوں ہمکلام ہُوئے کہ "جو میں کرتا ہُوں تجھ سے نہ چھپاؤں گا" اور سدوم کی طرف اشارہ کر کے رقت بھری آواز سے کہا "اُن کا جرم نہایت سنگین ہوگیا ہے۔ اُن کے چلانے کی آواز آسمان تک پہنچی ہے"۔ تب مَیں نے جرأت کر کے کہا کہ "اے خداوند کیا آپ اِس حسین شہر کو ضرور ہلاک کرینگے۔ اگر اس میں پچاس صادق پائے جائیں تو کیا اُن کی خاطر آپ اس مقام کو نہ چھوڑیں گے؟"

مجھے خود کبھی معلوم نہیں ہُوا کہ اس بدشہر کے لئے سفارش کرنے کی جرأت مجھے کیسے ہُوئی۔ لیکن مجھے اس کی حالت پر ترس آتا تھا اور اُن گنہگاروں کے لئے جو توبہ نہ کرتے تھے میرے دل میں محبت پیدا ہوتی تھی۔ میرا پیارا خداوند مجھ سے ناراض تو نہ ہُوا لیکن کچھ دیر توقف کر کے فرمایا کہ

اگر سدوم میں پچاس صادق پائے جائیں تو میں اسکو تباہ نہ کرونگا۔ جب حضور نے یہ فرمایا تو مجھ پر ایک دیوانگی کی سی حالت طاری ہوگئی۔ سفارش اور شفاعت کی

رُوح نے مجھ پر غلبہ پایا۔ میں کون تھا کہ اپنے بادشاہ کی مرضی پر سوال اُٹھاتا یا اسکی محبت پر شک لاتا۔

اور پھر میں نے رقت بھری آواز سے کہا کہ چالیس کی خاطر شہر کو چھوڑ دیجئے۔
اور حضور نے فرمایا کہ "بہت اچھا"۔ پھر میں نے منت کہا کہ تیس بیس دس کی خاطر شہر کو چھوڑ دیجئے۔ اور حضور نے پھر فرمایا کہ "اچھا"۔
اس کے بعد آپ نے مجھے دیکھ کر تبسّم کیا اور برکت دینے کو ہاتھ اُٹھائے۔
پھر وہ مجھ سے رخصت ہو گئے اور میں آہستہ آہستہ خیمہ کو واپس چلا گیا۔ اس حسین شہر کے برجوں اور محلوں پر سورج روشن تھا اور میں اپنے دل ہی دل میں کہتا تھا کہ یقیناً اس شہر میں دس صادق تو ہوں گے اور ان کی خاطر سے خدا اسکو تباہ نہ کریگا۔
خیمہ کے دروازہ میں مجھے خوش آمدید کہنے کو سارہ کھڑی تھی۔ خیمہ میں میرے قدم رکھتے ہی اُس نے کہا۔ "اے میرے مرد ایمان خدا تعالیٰ نے اور کون سے نئے عجائبات کا آپ سے وعدہ کیا ہے؟ اور آپ کے ایمان کو پرکھنے کے لئے اس نے اور کون سی میعاد رکھ دی ہے؟"
مَیں نے ذرا غصہ سے جواب دیا کہ تمہیں اُسکی بات کا شک ہے؟ کیونکہ اُسکی کسرِ شان میں ایک لفظ سننے سے بھی میرے دل کو چوٹ لگتی تھی۔
اُس نے جواب دیا کہ ہاں مجھے تو شک ہے۔ کیا اس نے نہیں کہا کہ میں جو بوڑھی ہوں ایک بیٹا جنوں گی۔
وہ یہ الفاظ کہہ ہی رہی تھی کہ مَیں مڑ کر غور سے اُسکے چہرے کو دیکھنے لگا۔ میرے پہلو میں وہ سرو قد۔ نازک اندام اور حسین عورت چُپ چاپ کھڑی تھی۔ ایسی حسین عورت میں نے اپنی عمر میں کبھی دیکھی نہ تھی۔ اُسکے بانور چہرہ اور دلکش خط و خال پر وقت نے اپنا کوئی نشان چھوڑا نہ تھا۔ اُس کے سنہلی بالوں کی رنگت میں سرِ مُو فرق نہ آیا تھا۔ نہ اس کی آنکھوں کی چمک کم ہوئی تھی۔
مَیں نے اُسے جواب دیا کہ جب دل جوان ہو تو امتدادِ وقت سے کچھ فرق نہیں آتا۔ اور میں نے اُسے آغوش میں لیکر بوسہ دیا۔
اُس نے جواب دیا کہ جب اُمید جوان ہو تو پھر بھی فرق نہیں آتا۔ وہ کانپتی تھی اور اُس نے اپنی باہیں میری گردن میں ڈال دیں۔
مَیں نے تضرّع سے کہا کہ اے سارہ صرف اعتقاد رکھو یہ سب باتیں پُوری ہونگی۔
میرے بولتے وقت ایسا معلوم ہُوا کہ گویا ایمان کی ایک بڑی موج نے مجھے ملفوف کر لیا ہے۔ اُس نے میری رُوح کو زمین سے اوپر سرفراز کر دیا اور میں نے خدا کے وعدوں پر ایسے ایمان سے اعتقاد کیا جو کسی طرح سے جنبش کھا نہ سکتا تھا۔
میں نے کہا کہ سارہ خدا نے جو کبھی جھوٹ بول نہیں سکتا یہ فرمایا ہے۔ اُسنے دل کو اوپر

اُٹھاؤ اور کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ میں ایمان کی باطنی آنکھ سے ایک تصویر دیکھتا ہوں اور تم اس تصویر میں ہو اور تم ایک بچے کو اپنی چھاتی سے لگائے ہو۔ وہ میرا بیٹا۔ وعدہ کا فرزند ہے۔ یہ سرزمین جس میں ہم بودوباش رکھتے ہیں اسکو دی جائیگی۔ اُس کی اولاد زمین کی خاک سی بکثرت ہوگی۔ عظمت اور حشمت اور قوت میں وہ بادشاہ سا ہوگا اور اس کی اولاد زمین کی وارث ہوگی۔

سارہ نے جواب دیا کہ وہ آپ کا اور میرا بچہ ہوگا۔ اس کے بازوؤں نے مجھے اور بھی زور سے دبایا اور اس کی آنکھیں مجھے بغور دیکھنے لگیں۔ اے مرد ایمان کیا تم اس بات کو سچ سچ مانتے ہو؟

ہاں میری بیوی میں اسے ایسے ہی مانتا ہوں جیسے یہ امر کہ تم اپنی باہیں میری گردن میں ڈالے کھڑی ہو۔ کہ خدا ہمیں ایک بیٹا دے گا اور وہ عظیم الشان ہوگا۔

اس نے چپکے سے کہا کہ مجھے اس کی عظمت وحشمت کی کچھ پرواہ نہیں۔ میں صرف لبوں پر اپنے بچے کے بوسہ پانے کی مشتاق ہوں۔

وہ تبسم کناں خراماں خراماں اپنے خیمہ میں واپس چلی گئی۔

دوسرا باب

وعدہ کا فرزند

خدا کے تمام وعدے اپنے وقت پر پورے ہوتے ہیں۔ جو شخص اُسکے حکموں کی تابعداری کرتے اور اس کے مقدس کلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان سے شفقت اور محبت اور برکت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی جتلا دیتا ہے کہ جو لوگ اس کی شرع سے توڑتے نہیں اور بُرے کام کرتے ہیں انکا حصہ ہلاکت اور لعنت ہوگا۔ گناہ سے سزا اور مصیبت آتی ہے۔ فرماں برداری سے آرام اور تسلی حاصل ہوتی ہے۔ حوا نے خدا کی نافرمانبرداری کی اور مصیبت اُٹھائی۔ قائن نے اپنے حسین اور نوجوان بھائی ہابیل کو مار ڈالا اور خدا کی لعنت اس پر نازل ہوئی۔ نوح کے دنوں میں لوگ اپنے خدا کو بھول گئے اور کیسی بُری طرح سے ہلاک ہوئے۔ برعکس اسکے ہابیل جو خدا سے محبت رکھتا تھا پہلا شخص تھا جو آسمانی شہر میں داخل ہوا۔ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور غائب ہوگیا اس لئے کہ خدا نے اسکو اُٹھا لیا۔ اور جب ساری دنیا غرق ہوگئی تو صرف نوح اور اسکا خاندان سلامت رہا۔ ہاں ہمیشہ سے یونہی ہوتا آیا ہے۔ اس کی فرماں برداری میں زندگی اور سلامتی ہے۔ اس کی نافرمانی موت ہے۔ لیکن اوہ اس کی فرماں برداری ایسی مشکل کیوں ہے؟ کون ایسا شخص ہے کہ جسکو

رُوح نے مجھ پر غلبہ پایا۔ میں کون تھا کہ اپنے بادشاہ کی مرضی پر سوال اُٹھاتا یا اسکی محبت پر شک لاتا۔

اور پھر میں نے رقت بھری آواز سے کہا کہ چالیس کی خاطر شہر کو چھوڑ دیجئے۔
اور حضور نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ پھر میں نے بمنت کہا کہ تیس ہیں۔ دس کی خاطر شہر کو چھوڑ دیجئے۔ اور حضور نے پھر فرمایا کہ اچھا۔
اس کے بعد آپ نے مجھے دیکھ کر تبسم کیا اور برکت دینے کو ہاتھ اُٹھائے۔
پھر وہ مجھ سے رخصت ہو گئے اور میں آہستہ آہستہ خیمہ کو واپس چلا گیا۔ اس حسین شہر کے برجوں اور محلوں پر سورج روشن تھا اور میں اپنے دل ہی دل میں کہتا تھا کہ یقیناً اس شہر میں دس صادق تو ہوں گے اور ان کی خاطر سے خدا اسکو تباہ نہ کریگا۔

خیمہ کے دروازہ میں مجھے خوش آمدید کہنے کو سارہ کھڑی تھی۔ خیمہ میں میرے قدم رکھتے ہی اُس نے کہا۔ "اے میرے مردِ ایمان خدا تعالیٰ نے اور کون سے نئے عجائبات کا آپ سے وعدہ کیا ہے؟ اور آپ کے ایمان کو پرکھنے کے لئے اس نے اور کون سی معیار رکھ دی ہے؟"

میں نے ذرا غصہ سے جواب دیا کہ تمہیں اُسکی بات کا شک ہے؟ کیونکہ اُسکی کسرِ شان میں ایک لفظ سننے سے بھی میرے دل کو چوٹ لگتی تھی۔

اُس نے جواب دیا کہ ہاں مجھے تو شک ہے۔ کیا اس نے نہیں کہا کہ میں جو بوڑھی ہوں ایک بیٹا جنوں گی۔

وہ یہ الفاظ کہہ ہی رہی تھی کہ میں مڑ کر غور سے اُسکے چہرے کو دیکھنے لگا۔ میرے پہلو میں وہ سرو قد۔ نازک اندام اور حسین عورت چپ چاپ کھڑی تھی۔ ایسی حسین عورت میں نے اپنی عمر میں کبھی دیکھی نہ تھی۔ اُسکے باغرور چہرہ اور دلکش خط و خال پر وقت نے اپنا کوئی نشان چھوڑا نہ تھا۔ اُس کے سنہلی بالوں کی رنگت میں سرِ مُو فرق نہ آیا تھا۔ نہ اس کی آنکھوں کی چمک کم ہوئی تھی۔

میں نے اُسے جواب دیا کہ جب دل جوان ہو تو امتدادِ وقت سے کچھ فرق نہیں آتا۔ اور میں نے اُسے آغوش میں لیکر بوسہ دیا۔

اُس نے جواب دیا کہ جب اُمید جوان ہو تو پھر بھی فرق نہیں آتا۔ وہ کانپتی تھی اور اُس نے اپنی باہیں میری گردن میں ڈال دیں۔

میں نے تضرع سے کہا کہ اے سارہ صرف اعتقاد رکھو یہ سب باتیں پوری ہونگی۔ میرے بولتے وقت ایسا معلوم ہوا کہ گویا ایمان کی ایک بڑی موج نے مجھے ملفوف کر لیا ہے۔ اُس نے میری رُوح کو زمین سے اوپر سرفراز کر دیا اور میں نے خدا کے وعدوں پر ایسے ایمان سے اعتقاد کیا جو کسی طرح سے جنبش کھا نہ سکتا تھا۔

میں نے کہا کہ سارہ خدا نے جو کبھی جھوٹ بول نہیں سکتا یہ فرمایا ہے۔ اپنے دل کو اوپر

تھا گو اور کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ میں ایمان کی باطنی آنکھ سے ایک تصویر دیکھتا ہوں اور ہم اس تصویر میں ہو اور تم ایک بچہ کو اپنی چھاتی سے لگئے ہو۔ وہ میرا بیٹا ۔ وعدہ کا فرزند ہے۔ یہ سرزمین جس میں ہم بود و باش رکھتے ہیں اسکو دی جائیگی۔ اس کی اولاد زمین کی خاک سی بکثرت ہوگی۔ عظمت اور حشمت اور قوت میں وہ بادشاہ سا ہوگا اور اس کی اولاد زمین کی وارث ہوگی۔

سترہ نے جواب دیا کہ وہ آپ کا اور میرا بچہ ہوگا۔ اس کے بازوؤں نے مجھے اور بھی زور سے دبایا اور اس کی آنکھیں مجھے بغور دیکھنے لگیں۔ اے مرد ایمان کیا تم اس بات کو سچ سچ مانتے ہو؟

ہاں میری بیوی میں اسے ایسے ہی مانتا ہوں جیسے یہ امر کہ تم اپنی باہیں میری گردن میں ڈالے کھڑی ہو۔ کہ خدا ہمیں ایک بیٹا دے گا اور وہ عظیم الشان ہوگا۔

اس نے چپکے سے کہا کہ مجھے اس کی عظمت وحشمت کی کچھ پرواہ نہیں۔ میں صرف لبوں پر اپنے بچے کے بوسہ پانے کی مشتاق ہوں۔

وہ تبسم کناں خراماں اپنے خیمہ میں واپس چلی گئی۔

دوسرا باب

وعدہ کا فرزند

خدا کے تمام وعدے اپنے وقت پر پورے ہوتے ہیں۔ جو شخص اُسکے حکموں کی تابعداری کرتے اور اس کے مقدس کلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان سے شفقت اور محبت اور برکت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی جتلا دیتا ہے کہ جو لوگ اس کی شریعت سے ڈرتے نہیں اور برے کام کرتے ہیں انکا حصہ ہلاکت اور لعنت ہوگا۔ گناہ سے سزا اور مصیبت آتی ہے۔ فرماں برداری سے آرام اور تسلی حاصل ہوتی ہے۔ حوا نے خدا کی نافرماں برداری کی اور مصیبت اٹھائی۔ قائن نے اپنے حسین اور نوجوان بھائی ہابیل کو مار ڈالا اور خدا کی لعنت اس پر نازل ہوئی۔ نوح کے دنوں میں لوگ اپنے خدا کو بھول گئے اور کیسی بری طرح سے ہلاک ہوئے۔ برعکس اسکے ہابیل جو خدا سے محبت رکھتا تھا پہلا شخص تھا جو آسمانی شہر میں داخل ہوا۔ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور غائب ہوگیا اس لئے کہ خدا نے اسکو اٹھا لیا۔ اور جب ساری دنیا غرق ہوگئی تو صرف نوح اور اسکا خانوادہ سلامت رہا۔ ہاں ہمیشہ سے یونہی ہوتا آیا ہے۔ اس کی فرماں برداری میں زندگی اور سلامتی ہے۔ اس کی نافرمانی موت ہے۔ لیکن اوہ اس کی فرماں برداری ایسی مشکل کیوں ہے؟ کون ایسا شخص ہے کہ جسکو

اس خوشی۔ قوت اور ترقی کا ذائقہ ملا ہو جو اسکے احکام کی فرماں برداری سے حاصل ہوتی ہے اور وہ اس سے محبت نہ رکھے اور اُس کے حکموں کو نہ مانے۔ جس کسی نے اس کے تبسم اور برکت کا ذائقہ پایا ہو کیا مجال کہ اسکی پیروی نہ کرے۔

مصری کے میدان میں جب تین مرد مجھے ملنے کو آئے تھے اس واقعہ کو ایک سال گذر چکا تھا اور اس عرصہ میں خدا نے طوفان اور سلامتی دونوں میں آپ کو ظاہر کیا تھا۔ جب سدوم اور عمورہ آسمانی آگ اور گندھک سے ہلاک ہوئے تو خدا گویا طوفان کے ذریعے ظاہر ہُوا۔ حیف شہر سدوم میں دس صادق بھی پائے نہ گئے اور صرف میرا بھتیجا لوط اور اس کی بیوی اور بیٹیاں زندہ بچے۔ لیکن لوط کی جورو نے بھاگتے وقت پیچھے کو مڑ کر دیکھا اور نمک کا کھمبا بنگئی۔ یہ حسین شہر اب زرآبدار کی طرح سورج کی روشنی میں چمکتے نہیں اور ایک کھارے پانی کی جھیل اس جگہ پر کھڑی ہے۔

لیکن اگر خدا طوفان میں ظاہر ہُوا تو میرے اور میرے خانوادہ پاس وہ سلامتی کا پیغام لے کر آیا اور اس سال کے ختم ہونے سے پیشتر میری بیوی سرہ کو بیٹا پیدا ہُوا۔

یہ خوشخبری ہاجرہ نے مجھے دی۔ نئی چراگاہوں کی تلاش میں میں اپنے گلہ کے ساتھ گیا ہُوا تھا اور میرے جوان میرے ساتھ تھے۔ میں گھر کو واپس آرہا تھا کہ غروب آفتاب کے وقت میں نے ہاجرہ مصری کو چمن سے اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ اسمٰعیل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے تھی اور مجھے دیکھتے ہی وہ دونو میری جانب دوڑے۔

ہاجرہ نے چلا کر کہا کہ "میرے خداوند! آپ کے لئے خوشخبری لاتی ہُوں" اور آپ منہ کے بل گر کر میری قبا کے دامن کو چوم لیا۔

اسمٰعیل نے بھی چلا کر کہا کہ "ابا جان! آپ کے لئے خوشخبری"۔ لیکن وہ گھٹنوں کے بل نہ ہُوا۔ اپنی آتشیں آنکھوں سے اُس نے میرے چہرے پر بغور نظر ڈالی اور اپنا سر پیچھے کو پھینک دیا۔

میں نے پوچھا کہ کیا ہے؟ اور اپنا ہاتھ بڑھایا کہ ہاجرہ کو اُٹھاؤں لیکن وہ نہ اُٹھی۔

اُس نے جواب دیا کہ "ہمارا آفتاب تو غروب ہو گیا لیکن اس کا ابھی طلوع ہُوا ہے"۔ اسکے رقت انگیز لہجہ سے میرے دل میں درد ہُوا۔ "ہمارے نزدیک تورات کی تاریکی ہے لیکن اُسکے نزدیک صبح صادق"۔

میں نے بے صبر ہو کر کہا کہ تم تو معموں میں باتیں کرتی ہو۔ اُٹھو اور صاف صاف بتاؤ۔ دیکھو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہُوں۔

تب ہاجرہ اپنے پاؤں پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسکی غمزدہ آنکھیں مجھ پر لگی تھیں اور اسکا دم ایسی جلدی جلدی سے آتا تھا جیسے طوفان اُٹھ رہا ہے۔ اُس نے اسمٰعیل کا ہاتھ

اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ
شہزادی کو بیٹا ہُوا ہے۔ وہ لبنان کی برف سا حسین اور موسم بہار کے پھولوں سا شیریں ہے اور وہ آپ کا بیٹا اور اسکا ہے۔ اسمٰعیل کی پوچھو تو وہ اور میں رات کی تاریکی میں جاتے ہیں۔

اس کے آخری الفاظ میں نے بمشکل سُنے۔ میں اس کے پاس سے گذر گیا۔ اس کے اور اس کے رشک بھرے غم واندوہ کے فکر کا اس وقت وقت نہ تھا۔ میری آرزو پوری ہُوئی اور ستّرہ کو بیٹا ہُوا۔ جوانی کا خون پھر میری رگوں میں جوش مارنے لگا اور محبت میرے دل میں موجزن ہُوئی۔ شہزادی ستّرہ کو بیٹا ہُوا۔

میں خیمہ کے اندر جا کر اپنی بیوی پر جھکا اور اپنے بیٹے کے پھُول سے ہاتھ کو چھُوا۔ اس رات جب میرا تمام خانوادہ۔ خادم اور لونڈیاں۔ گائے بیل اور بھیڑ بکریاں۔ سب سو گئے۔ جب ہاجرہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ساری رات چھاتی سے لگائے بیٹھی رہی اور رات بھر اسکے رخساروں پر آنسو بہتے رہے۔ اور شہزادی بھی اپنے نوزاد بچّہ کو چھاتی سے لگائے خوش وشادماں سوئی رہی۔ میں نے خیمہ سے باہر جا کر اپنے ہاتھ پھیلائے اور اوپر آسمان کی طرف اپنی آنکھیں اُٹھائیں اور خداوند اپنے خدا کا شکریہ ادا کیا۔

اے خدا۔ عجیب وبے مثل اب تحقیق تیرا خادم تیری حمد کرتا ہے۔ اب تحقیق میرا دل شادمان ہے اور میری رُوح میں تیری طرف سے محبّت اور بندگی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ تو نے اپنے خادم پر رحمت کی اور اسکو اور اسکی جورو ستّرہ کو ایک بیٹا بخشدیا۔ اب تحقیق مجھے معلوم ہُوا کہ جیسے میرے سر کے اوپر ستارے درخشاں ہیں میری اولاد اتنی ہی کثرت سے ہوگی اور میں جانتا ہُوں کہ تیرے تمام وعدے راست اور صادق ہیں اور میں جانتا ہُوں کہ میرا فرزند تیرے حضور جیتا رہیگا۔"

میرے اظہار دل کے لئے الفاظ ملتے نہ تھے۔ میرے دل پر خدا کی مہربانی کا اتنا اثر ہُوا کہ میں اَور دُعا کر نہ سکا۔ اس رات میری آنکھ تک نہ لگی۔ نہ میں نے آرام کیا۔ کیونکہ اس رات میں پھر جوان تھا۔ ایسا جوان جیسے کوئی مرد جری اپنے عالم شباب میں ہو۔ کیا خدا نے اس مبارک ساعت تک تمام راہ میری ہدایت نہ کی تھی؟ مصر کی کے میدانوں میں میں ٹہلتا اور تمام رات اپنی قوم کی آیندہ حالت کے خواب دیکھتا رہا۔

جو جو خیال اس رات میرے دل میں اُٹھتے رہے ویسے پہلے کبھی اُٹھے نہ تھے۔ کیونکہ ہدایت کی خواہشیں میری تھیں۔ اب میرا آفتاب کبھی غروب نہ ہوگا اور ایمانداروں کے باپ ابراہیم کا نام ہمیشہ تک زندہ رہیگا۔ اس نوزاد بچّہ نے جو ماں کی گود میں پڑا تھا یہ سب باتیں ممکن بنادی تھیں۔ کیونکہ اس ایک ننھی سی جان سے ایک زبردست قوم پیدا ہونے کو تھی۔

اسکے بعد کے دنوں کا حال میں بہت کم بیان کر سکتا ہوں کیونکہ خوشی کے دن بہت جلد گذر جاتے ہیں۔ شاید ان دنوں میں مَیں خود غرض بھی بن گیا۔ کچھ مدت بعد میں نے ملاحظہ کیا کہ ہاجرہ اپنے حسب معمول اب خیمہ میں بیٹھتی نہ تھی اور سرو قد اور حسین اسمٰعیل بھی میرے سامنے بہت کم آتا تھا۔ پہلے دنوں میں ہاجرہ تو بیشک میرے سامنے بہت نہ آتی تھی لیکن لڑکا میری آنکھوں سے کبھی اوجھل نہ ہوتا تھا۔ زمین پر لیٹے لیٹے وہ مجھے جنگلی پرند کی سی آنکھوں سے دیکھتا رہتا تھا اور میرے اشارہ پر میری طرف بھاگا آتا اور لبوں اور اشاروں سے ظاہر کرتا کہ وہ مجھ سے کیسی محبت رکھتا ہے۔ شاید اب وہ مجھ میں کسی بات کی کمی پاتا تھا اور اسی لئے مجھ سے دور دور رہتا تھا۔

لیکن اس کی عدم موجودگی کا مجھے خیال تک نہ آیا۔ اس کا علم بھی مجھے بعد میں ہُوا۔ شہزادی اور اس کے بچہ ہی میں مَیں محو تھا۔

مَیں نے اپنے بیٹے کا نام اضحاق رکھا۔ لڑکا بڑھتا گیا۔ سترہ کو ایسا حسین میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اضحاق بھی شباہت میں اپنی ماں پر تھا۔ اس کی آنکھیں اس سرزمین کے لوگوں کی سی نہ تھیں نہ وہ ان سا سیاہ فام تھا۔ اس کی رنگت بہت صاف تھی اور اس کی آنکھیں نیلے بادلوں کی سی تھیں۔ اس کے بشرہ ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ کوئی شہزادہ اور لوگوں کا پیشوا ہے۔

ایک دن لڑکے کی خوشی میں ہم نے ضیافت کی۔ ہمارے تمام ہمسائے اور احباب ہمیں مبارک باد دینے اور بچہ کو دیکھنے آئے۔ متعدد خوانِ نعمت ہمارے آگے چُنے گئے اور ہم نے خوب کھایا اور خوشی کی اور ساری دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی خوش نہ تھا۔

سترہ میرے پہلو میں اور بچہ میرے گھٹنوں پر بیٹھا تھا کہ یکایک اس درد کا مجھے کچھ کچھ علم حاصل ہُوا کہ جس سے میری آیندہ زندگی غمناک اور تاریک ہونے والی تھی۔ ہاجرہ مصری ہم سے تھوڑی ہی دُور دسترخوان پر بیٹھی تھی اور اسمٰعیل اُس کے ساتھ تھا۔ جب میں اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کو تھا بچہ فرطِ انبساط میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اُس کے کھلکھلانے پر اسمٰعیل نے اسکی نقل اُتاری اور سترہ نے دیکھ لیا۔

مَیں نے بچہ ماں کو دیدیا اور وہ ماں کی چھاتی میں مُنہ چھپا کر رونے لگا کیونکہ اسمٰعیل نے اسکو ڈرا دیا تھا۔ میں جان گیا کہ بس اب ہاجرہ کی خیر نہیں۔

اسی رات مہمانوں کے واپس جانے کے بعد طوفان اُٹھا۔ سترہ نے مجھ کو خیمہ میں بُلا بھیجا۔ جب میں اس کے فرمان پر اندر گیا تو وہ دروازہ کے ساتھ کھڑی تھی اور ایک مصری فانوس کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی۔ متعدد رنگوں کی پوشاک اس کے زیب تن تھی۔ اسکی گردن اور بازو زر آبدار سے مزین تھے۔ اس کے بالوں میں موتی جڑے تھے۔ اسکے مغرور چہرہ سے غصہ ظاہر تھا اور اسکی آنکھیں ایسی تھیں جیسے موسم سرما کی رات میں ستارے۔ صرف جب

جب وہ اپنے بچے کو دیکھتی تو اسکی آنکھوں میں محبت کی نگاہ آجاتی اور اُن میں آنسو بھر آتے تھے۔ ایک شیر کی کھال پر جو چند ہفتے ہوئے میں نے مارا تھا لڑکا بے خبر سویا تھا۔

میں چپ چاپ منتظر رہا کہ سترہ پہلے کلام کرے۔

وہ یُوں گویا ہوئی کہ "میں نے اپنے خداوند کو بُلا بھیجا" یاں وہ رُک گئی اور میں سمجھ گیا کہ اسکو فقرہ ختم کرنے میں مشکل معلوم ہوتی ہے۔ "ہاجرہ کو نکلنا ہوگا۔ لونڈی گھر سے نکالی جائیگی۔ لونڈی اور اُسکا بیٹا۔ کیونکہ لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پس میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔"

اسکی آنکھوں سے آگ برستی تھی اور اسکے لب ہلتے نہ تھے۔ مجھ سے منہ پھیر کر وہ لڑکے پر جھک گئی۔ اگر وہ روتی تو اسکو سمجھانا آسان ہوتا لیکن اس حالت میں اس کو کچھ کہنا محض تضیع اوقات تھا۔

اُس نے پھر کہا۔ کہ "اس نے مضحکہ اُڑایا۔ اُس نے ٹھٹھا کیا۔ وہ نکال دیا جائے گا۔"

واں سے نکل کر میں باہر رات کی تاریکی میں چلا گیا۔ دن بھر میرے دل میں کھٹک رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن ہاجرہ کی خیر نہیں اور میرا دل بھاری تھا۔ میں اپنے آپکو قصوروار ٹھہراتا تھا۔ میں نے اپنی خود غرضی اور بچہ کی خوشی میں اسمٰعیل کو بھلا دیا تھا اور اب مجھے اسکی سزا مل رہی تھی۔ لیکن تمام تکلیفوں میں مجھے ہمیشہ یہ ایک تسلی رہتی تھی کہ میرے خداوند کی ہدایت بخش آواز ہمیشہ میرے نزدیک رہتی تھی۔ میں نے اپنی آنکھیں خاموش ستاروں کی طرف اُٹھائیں اور رات کی خاموشی میں میں نے ایک آواز سُنی۔

"اپنی بیوی کی آواز سُننے سے ترساں نہ ہو۔ کیونکہ تیری نسل اضحاق سے کہلائے گی۔ لیکن اسمٰعیل بھی ایک بڑی قوم کا باپ ہوگا۔ کیونکہ وہ تیرا بیٹا ہے۔"

پھر میں نے ذرا بھی توقف نہ کیا۔ گو اس خیال ہی سے میرا دل چھلنی ہوتا تھا مجھے اپنے بیٹے اسمٰعیل کا نکال دینا ضرور معلوم ہُوا کیونکہ خدا کی مرضی یہی تھی۔ ہاں ضرور تھا کہ میں اُسے نکال دوں اور وہ بھی جلدی۔

علی الصّباح ہی میں نے روٹی اور پانی کی مشک لی اور خیمہ میں ہاجرہ پاس گیا اور اسکا اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کا ہاتھ پکڑ کر باہر ویرانے میں لے گیا۔

اور اُن دونوں کو کہا کہ تمہارا یاں سے چلے جانا ضرور ہے۔ یہ لو روٹی اور پانی اور خدا تمہاری ہدایت کرے۔

ہاجرہ نے جواب میں کہا کہ ہاں میں جانتی ہی تھی کہ ہمکو جانا پڑے گا۔ مجھے تو یہ شروع ہی سے معلوم تھا۔ اور اسمٰعیل کے گلے میں ہاتھ ڈال کر وہ پھوٹ پھوٹ روئی۔

لیکن اسمٰعیل نہ رویا۔ بے خوف و نڈر وہ میرے چہرے کو تاکتا رہا۔ اور اسکے لئے میرا دل نہایت دلگیر ہُوا۔

اُس نے رقت انگیز لہجہ سے کہا کہ ابا جان کیا پھر آپکا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔
لڑکے سے میں جھوٹ بول نہ سکتا تھا اس لئے میں نے اُسے کہا کہ ہاں پھر کبھی نہیں۔ کل تم نے اضحاق کی جو وعدہ کا فرزند ہے نقل اُتاری اور میری بیوی سترہ چاہتی ہے کہ تم چلے جاؤ اور خدا اے تعالیٰ کی مرضی بھی یہی ہے۔

اس نے جواب دیا "تو پھر باپ میں جاتا ہوں" اور اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر اسکو بیابان کی جانب لے گیا۔

تیسرا باب

جلال کے بادلوں والے پہاڑ

اسمٰعیل کی جُدائی کا درد دیر تک نہ گیا۔ اس کے تبسم اور لہو و لعب اور فرماں برداری کی یاد میرے دل میں اکثر آتی تھی لیکن رفتہ رفتہ میں نے تسلی پالی کیونکہ یہ بات خدا کی طرف سے تھی اور میں نے رویا میں دیکھا کہ خدا اُس لڑکے اور اُس کی ماں پر مہربان تھا اور روٹی اور پانی۔ اُنکو کسی چیز کی کمی نہ رہی۔ کیا خدا نے فرمایا نہ تھا کہ وہ اسمٰعیل کو بھی ایک بڑی قوم بنائیگا اس لئے کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ وقت یونہی گذرتا گیا اور میں ممری کے میدانوں میں بڑے اطمینان خاطر سے رہا۔ سترہ نے اپنی امیدوں کے بر آنے سے پھر اپنے عالم شباب کو پایا اور ایک اور بچہ [illegible] میں کھیلتا پھرتا تھا۔ اس کی آنکھیں نڈر تھیں۔ وہ مجھ سے لاڈ کرتا تھا اور میری گود میں آبیٹھتا تھا۔ اور وہ ننھا ننھا سا بچہ! کیا اس سا لڑکا دُنیا میں کہیں اور بھی تھا۔ وہ نہایت ہی خوبصورت تھا اور جوں جوں بڑا ہوتا گیا اُسکی خوبصورتی بھی بڑھتی گئی۔ سریانی بچوں کے خلاف اس کی شباہت اپنی ماں پر تھی۔ اُسکی آنکھیں گہری نیلی تھیں جیسے رات کے وقت آسمان ہوتا ہے۔ اسکے پیارے پیارے رخساروں پر سُرخی رہتی تھی اور اسکے لبوں سے غرور اور شیرینی ٹپکتی تھی اور وہ سرو قد تھا۔

لیکن انہی باتوں سے وہ ایسا دلفریب نہ تھا۔ ہاں اِن باتوں سے اور دیگر امور۔ آنکھوں کی چمک۔ آواز کی شیرینی۔ بشرہ کی سعادت مندی سے وہ ایسا شخص معلوم ہوتا تھا کہ جسکو خداوند نے برکت دی ہو۔

جب وہ ذرا بڑا ہوا تو میں نے اور اسکی ماں نے حتی المقدور اسکو وہ تعلیم دی جسکی تحصیل ایسے شخص کے لئے لازمی ہے جو ایسی سرفرازی پانے کے لئے پیدا ہوا ہو۔ اپنی یادداشت کے خزانہ سے میں وہ وہ تمام عجیب اور حیرت انگیز چیزیں نکال لایا جو بچہ کے لئے مفید تھیں۔ بابل کی دانش بڑی گہری تھی اور جوانی کے دنوں میں میں نے اسکے چشموں سے فیض پایا تھا۔ اب اضحاق نے بھی اسی چشمہ سے علم کی تحصیل پائی۔ میں نے اسکو نیچر کے عجائبات بھی بتائے کہ موسم سرما میں لبنان پر برف کیوں پڑتی ہے اور بہار میں پھول کیوں کھلتے ہیں۔

ستاروں کے مدار بھی میں نے اسکو بتلائے اور نجومیوں کا زبردست علم بھی اُسکو سکھایا۔ واقعاتِ گذشتہ سے بھی میں نے اُسکو آگاہ کیا۔ اُن وقتوں کا بھی سنے اس سے ذکر کیا جو اب جاتے رہے ہیں اور اُن مشاہیر کا جو اسکی پیدائش سے پیشتر اس دنیا میں تھے ۔ اس عجیب طوفان اور بادلوں میں وعدہ کی کمان کا۔ سب سے بڑھ کر میں نے اُسکو ایمان اور دعا کی باتیں سکھائیں۔

میں نے اسکو کہا کہ "عبادت اور فرماں برداری زندگی سے بہتر ہیں۔" اس نے بغور سنا اور اسکی صداقت کو تسلیم کیا۔

دن بدن انتھک مجھ سے سبق لیتا رہا اور جہاں میں ختم کرتا اُسکی ماں شروع کرتی تھی۔ اگر میں اُسکو بابل کی دانش سکھاتا تو وہ اسکو مصر کے عجیب و غریب راز بتاتی تھی کہ موجودہ چیزیں کس طرح دیر تک محفوظ رہ سکتی ہیں اور جن چیزوں نے ابھی تک صورت نہیں پکڑی وہ کس طرح بنائی جاتی ہیں۔ اسکی مدد سے وہ بڑا صاحب ہنر بن گیا۔ وہ مختلف آلاتِ موسیقی بجاتا اور فرشتہ کی طرح گاتا تھا۔ اسکی ماں نے اسکو محبت اور مہربانی کے قوانین کی تعلیم دی۔ علم اس نے ایسے حاصل کیا جیسے پھول سورج کی روشنی کو اپنے اندر لے لیتا ہے اور کوئی بری چیز اسکو چھو نہ سکتی تھی۔ اسکی نظیر دنیا میں کہیں ڈھونڈے سے بھی ملتی نہ تھی اور وہ ہمارا بیٹا تھا۔ ہاں وعدہ کا فرزند۔ دن بدن وہ قوت اور خوبصورتی میں بڑھتا گیا اور اس وقت کے میں خواب دیکھتا تھا کہ جب وہ بڑا ہو کر شادی کرے گا اور اُسکے بچے میری گود میں بیٹھیں گے۔ جو بات اس سے کچھ عرصہ بعد واقع ہوئی اسکے سوا دنیا میں اور سب باتوں کا مجھے فکر تھا۔ شاید میں بےپرواہ ہو گیا اور اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتا تھا۔ شاید مجھے درد و تکلیف کی عمیق گہرائیوں میں اُترنا ضرور تھا تاکہ کامل خوشی کی بلندی پر پہنچنے کے قابل ٹھہروں۔

میرے دل میں خداوند کی آواز سنائی دی اور خداوند نے فرمایا کہ

"تُو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے جسے تُو پیار کرتا ہے اضحاق کو لے اور زمین موریاہ میں جا اور وہاں اُسے سوختنی قربانی کے لئے چڑھا۔"

میں نے اس آواز کو سنا اور جب اسکی سنجیدگی نے میرے دل پر اپنا اثر کر لیا تو میں نے اس طرف نگاہ کی جہاں لڑکا دھوپ میں اپنی ماں کی بغل میں ہاتھ ڈالے اوپر نیچے ٹہل رہا تھا۔

وہ باہم باتیں کرتے اور ہنستے تھے۔ پھر وہ اکٹھے گانے لگے۔ ان کا گیت خدا کی محبت اور اس کی عجیب رحمت کے بارے میں تھا۔

خدا کی رحمت! جو یہ کہتی تھی کہ اپنے اکلوتے اور پیارے بیٹے کو میرے حضور قربانی چڑھا!

میں اُٹھ کر آہستہ آہستہ وہاں سے دُور چلا گیا۔ میں ایسی جگہ گیا جہاں میں جانتا تھا کہ ماں اور بیٹا مجھے پا نہ سکیں گے۔ میرا دل ٹوٹ رہا تھا اور میری قوت مجھ سے جاتی رہی تھی۔

خدا کے حضور میں اپنے مُنہ کے بل گر پڑا اور اسکی ہیبت حضوری میں ساری رات رہا۔ صبح کو میں اُٹھا۔ میں کون تھا کہ خدا کی آواز کی نافرمانی کرتا؟

کیا ہُوا کہ لڑکا وعدہ کا فرزند تھا۔ خداوند نے فرمایا تھا۔

کیا ہُوا کہ یاس زندہ اور امید مُردہ تھی۔ خداوند نے فرمایا تھا۔

ہاں مجھے اسکی فرماں برداری کرنا ضرور ہے۔ فقط میں اس کی ماں کو نہ بتاؤں گا۔ ابھی نہیں۔

صبح کو میں نے اپنے گدھے پر زین ڈالا اور دو جوان اور سوختنی قربانی کیلئے لکڑیاں ساتھ لیں اور لڑکے کو بُلا کر کہا کہ میں تین دن کی راہ خداوند کے حضور قربانی چڑھانے کو جاتا ہُوں اور تم بھی میرے ہمراہ چلو۔

اُس نے جواب دیا کہ میں اپنی ماں کو بتا آؤں اور پیشتر ازیں کہ میں کچھ بولتا وہ بھاگ کر خیمہ میں چلا گیا اور اسکے یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے۔

اباّ کوہ موریاہ پر خداوند خدا کے حضور قربانی چڑھانے جاتے ہیں۔ یہ تین دن کا سفر ہے اور میں بھی اُن کے ہمراہ اپنے خدا کی عبادت کرنے کو جاتا ہُوں۔

میں نے اسکی ماں کو جواب میں یُوں کہتے سُنا کہ "بیٹا خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اس کی برکت تمہارا حصّہ ہو۔ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت وہ تمکو برکت دے۔ جب چاند دنیا پر اپنی روشنی ڈالتا اور جب گرمی زمین کے نیچے سے اور اوپر آسمان سے آتی ہو وہ تمہیں برکت دے۔ اسکی برکت ہمیشہ تمہارے ساتھ ہو"۔

پھر اُس نے بیٹے کو بوسہ دیا اور خیمہ کے دروازہ میں ہمیں دیکھنے کو آکھڑی ہُوئی۔

میں نے ایک بار بھی پیچھے کو مڑ کر نہ دیکھا لیکن اضحاق اپنی ماں کو دیکھ کر بار بار ہاتھ اُٹھاتا تھا اور جب ہم نیچے وادی میں اُتر گئے اور وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے میری طرف رُخ کیا۔

اور یُوں کہا کہ جب میں واپس آؤں گا تو اماں جان کو ستاروں کی پیمائش کا وہ سیا طریق بتاؤں گا جو آپ نے مجھے کل سکھایا تھا۔ اب اُنکی کثرت سے میرا دماغ گھبراتا نہیں۔

میں نے جواب دیا کہ تمہاری ماں کو ایسی باتوں میں دلچسپی نہیں۔ میرے دل میں درد اُٹھتا تھا۔ میری زبان تالو سے لگی جاتی تھی اور میرے لبوں سے الفاظ بمشکل نکلتے تھے۔

اضحاق نے غرور سے کہا کہ وہ بڑی لائق ماں ہے۔ اس کا دل اس علم سے شرابور ہے جس سے محبت مضبوطی پاتی ہے۔ جنگلوں کی ایک ایک بوٹی کی تاثیر سے وہ واقف ہے اور

وہ ہر ایک بیماری کا علاج کر سکتی ہے۔ جب دل غمگین اور زخمی ہو تو وہ جانتی ہے کہ کن الفاظ سے یہ تاریکی دور ہوتی اور شادمانی آتی ہے۔ میری ماں سی عورت ساری دنیا میں کہیں نہ ملیگی۔ شادی کرنے پر بھی میں اپنی بیوی کو ایسی محبت نہ کروں گا جیسی اپنی ماں سے رکھتا ہوں۔

میں نے کچھ نہ کہا۔ یوں تو میں بہت چاہتا تھا لیکن لفظ میرے منہ سے نکلتے نہ تھے۔

آخر کار اس سے رہا نہ گیا اور اس نے پوچھا کہ اباجان آپ ایسے خاموش کیوں ہیں؟

میں نے جواب دیا کہ تمہاری ماں کا خیال میرے دل میں جاگزین تھا۔ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے اور مفید اشیاء کے علم اور محبت اور نرم دلی میں اسکی کوئی مثال نہیں۔ اور اگرچہ علاج اور شفا دہی کا راز اس پر ظاہر کیا گیا ہے تاہم ایک راز خدا کے خزانہ میں ابھی تک چھپا ہے اور اس راز کے بغیر اور سب راز بے فائدہ ہیں۔

لڑکے نے پوچھا کہ ابا وہ راز کیا ہے؟

"جب خدا کسی رُوح کو اپنے پاس بُلا لے تو اُس کو واپس بلا لانا۔ ہاں مُردہ کو زندہ کرنا"

بے اختیار ایسی باتیں میرے مُنہ سے نکل رہی تھیں کیونکہ یاس کی تاریکی میرے چار سُو چھائی تھی اور محبت۔ امید۔ شفا جیسے الفاظ مجھے مضحکہ معلوم ہوتے تھے۔

اب تک جو خدا میری رہنمائی کرتا آیا تھا میں اُسکی فرماں برداری کرنا چاہتا تھا اور گو میں نے فرماں برداری کی بھی میرے خیالات دیوانہ بنے گئے تھے۔ کیا وہ بہار مجسم بچہ میرے ساتھ ساتھ چل نہ رہا تھا۔ کیا وعدہ کا فرزند اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے دیکھ نہ رہا تھا اور مجھے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنا ہے۔

ہاں میں فرماں برداری کرونگا لیکن میری روح دبی تھی اور تاریکی کے باعث میری جان کچھ دیکھ نہ سکتی تھی۔

پہلا دن اسی طرح گذر گیا لیکن دوسرے دن میرے ہوش قدرے ٹھکانے تھے۔ کیونکہ میری روح بے حس ہوگئی تھی اور مُردہ کی طرح اسکی قوت احساس جاتی رہی تھی۔ اور میں لڑکے سے باتیں کر سکتا تھا اور اسکی شادمانی بھری آواز سنکر میرے دل پر چوٹ نہ لگتی تھی اور نہ راز دار باتوں سے میں اسکو حیرانی میں ڈالتا تھا۔

وہ ایسے بچوں سی باتیں کرتا تھا جنہوں نے غم کبھی دیکھا نہ ہو اور جنکی کمر میں محبت کا کمر بند ہمیشہ بندھا رہتا ہو۔ اور تاہم وہ معمولی بچوں سی باتیں کرتا نہ تھا بلکہ اسکا کلام دانشمندی اور شفقت سے مملو تھا جو اس عمر کے بچوں کے لئے ایک غیر معمولی بات ہے۔

دوسرے دن کی شام کو جب ہم گرمی اور سفر کی تکان کے بعد باہم بیٹھے آرام کر رہے تھے تو اُس نے کہا کہ ابا! جب آپ بوڑھے اور کمزور ہو جائیں گے۔ جب آپ بوڑھے ہوں گے تو میں آپ کی قوت ہوؤں گا۔ میں آپکی ٹانگیں اور بازو ہوں آپ کی آنکھیں اور آپ کے لب اور آپکا دماغ ٹھہروں گا۔ گلوں اور بھیڑوں کو کسی قسم کی کمی نہ ہوگی اور

میسی

اور لونڈیاں آپ کی خاطر میرا حکم مانیں گے۔

میرے لئے بیٹا تم یہ سب کچھ ہونا چاہتے ہو؟

ہاں باپ آپ کے لئے۔

لیکن بیٹا میں تو ابھی سے بوڑھا ہو گیا ہوں۔

اس پر لڑکے نے مجھے غور سے دیکھ کر بڑی حلیمی سے پوچھا۔ "باپ! بوڑھے ہونے سے کیا مراد ہے؟"

"اپنی طاقت اور قوت کو کھو بیٹھنا اور برسوں کے بوجھ کا پانوں کو روکنا۔"

میرے بیٹے نے جواب دیا کہ برسوں کی نسبت تو مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لیکن طاقت وقوت ادہ آپ کو جواب کیسے دی گئی؟ اگر کوئی درخت گرانا یا خداوند کیلئے مذبح بنانا ہو تو آپ کے بازو سے مضبوط بازو کس کے ہیں؟ یا ریچھ اور شیر کے مارنے میں آپ سا ہنرور اور کون ہے؟"

میں نے اپنے منہ ہی منہ میں کہا کہ میں ایک دفعہ اور خداوند کیلئے مذبح بناؤں گا۔ پھر میں بوڑھا ہاں نہایت بوڑھا ہو جاؤنگا۔

یہ کہہ کر میں بالکل خاموش ہو گیا اور لڑکے نے سمجھا کہ میں سو گیا ہوں اور میں نے اُس کے اس خیال کو دور نہ کیا۔

دوسری صبح کو ہمیں کوہ موریاہ صاف نظر آیا اور وہ پہاڑ بھی جو خدا نے مجھے رویا میں دکھایا تھا کہ جہاں اُسکا جلال بادلوں میں چھپا رہتا تھا اور جہاں اضحاق قربانی چڑھایا جانا تھا۔ شام کے وقت میں نے اپنے بیٹے کو خدا کے حضور قربانی چڑھانا تھا۔ ایک دن باقی تھا کہ میں اسکے پیارے پیارے چہرے کو دیکھوں اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لوں۔

میں نے اپنے خادموں سے کہا کہ ہم یہاں ٹھہرینگے اور پھر میں اور میرا بیٹا وہاں پر جا کر عبادت کریں گے۔

اضحاق نے پوچھا کہ باپ کہاں؟

میں نے جواب دیا کہ وہاں اور اس پہاڑ کی طرف اشارہ کیا جس کی چوٹی خدا کے جلال سے چھپی تھی۔

لڑکے نے کہا کہ ہم دن بھر یہاں ٹھہرینگے نہ؟ میں خوش ہوں۔ ہم آرام کریں گے اور باتیں کرینگے اور خوش رہیں گے اور گذشتہ عجیب واقعات کی آپ مجھے اور ... میں سنائیں گے۔

... بیٹھ کر ہم باتیں کرینگے۔ بڑی شفقت سے میں باتیں کرتا ... میرا ... ۔ لیکن دوپہر کے وقت جب وہ درخت کے سایہ میں لیٹ کر ...

مجھ سے اپنے بوجھ کی برداشت اور ہو نہ سکی۔ اب تک تو میں اپنا بوجھ آپ اٹھائے تھا اب میں نے اسکو خداوند کے حضور ڈال دینا چاہا۔ پس وہاں سے کچھ فاصلہ پر جاکر جہاں کوئی شخص مجھے دیکھ نہ سکتا تھا خدا کے حضور میں منہ کے بل گر پڑا۔

آہستہ آہستہ رقت بھری آواز سے۔ کیونکہ میرا دل خون ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔ خدایا بڑی قدرت عجیب! اے خدا میں تیرا حکم مانتا ہوں لیکن میں سمجھتا نہیں۔ تیرے خادم وتیرا حکم عجیب معلوم ہوتا ہے۔ میں غمگین ہوں۔ میری روح نڈھال ہے۔ میں باہر کے اندھیرے میں ہوں اور روشنی دکھائی نہیں دیتی۔ رنج نے جنبش کھائی ہے اور اسکی گہرائیاں ملتی ہیں۔ گہرائیوں میں سے میں تجھ کو پکارتا ہوں۔ تیری ہی تیری مبارک مرضی ہے۔

پھر میں نے پہاڑ کی چوٹی پر بادلوں میں گرج کی آواز سنی۔ اور بجلی چمکی اور بڑی بارش ہوئی۔ گرج بعد بجلی اور بارش کے پیچھے میں نے ایک آواز سنی کہ

اپنے بیٹے اضحاق کو جسے تو عزیز رکھتا ہے لے اور میرے حضور قربانی چڑھا۔

آواز کے سنتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کپڑے جھاڑے اور اپنی آنکھیں اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یوں گویا ہوا کہ

بس یہی کافی ہے۔ میں جس نے خدا کے ہاتھوں اتنی نعمتیں پائی ہیں تکلیفیں بھی نہ اٹھاؤں؟ میں قربان برداشت کروں گا۔ یہ کافی ہے۔

جب میں اپنے بیٹے پاس گیا تو اس نے کہا کہ بڑا طوفان اٹھا ہے۔

میں نے جواب دیا کہ طوفان کے پیچھے سلامتی آتی ہے۔

شام کے وقت میں اور میرا بیٹا خداوند کے پہاڑ پر چڑھے۔ جوانوں کو میں نیچے وادی میں چھوڑ گیا۔

سوختنی قربانی کی لکڑیاں میں نے اپنے بیٹے پر باندھ دی تھیں۔ اور آگ اور چھری خود لئے تھا۔

ہم آدھا راستہ گئے ہونگے کہ اضحاق بولا۔ "اباجان"؟

"ہاں۔ میرے بیٹے!" میں نے جواب دیا۔

اس نے پوچھا۔ "سوختنی قربانی کے لئے آگ اور چھری تو ہے لیکن برہ کہاں ہے"؟

میں نے جواب دیا کہ "بیٹا سوختنی قربانی کیلئے برہ خدا خود مہیا کرے گا۔"

جو جگہ خدا نے مقرر کی تھی وہاں پہنچنے تک نہ اس نے ہی کچھ اور پوچھا نہ میں نے کچھ کہا۔

پھر میں نے اضحاق کی پیٹھ سے لکڑیاں اتار کر اسکو آرام کرنے کے لئے بٹھا دیا گو اس کی مرضی کے خلاف۔ اور آسمان کی طرف آنکھیں اٹھا کر میں نے اپنا کام شروع کیا۔

خداوند کے لئے میں نے مذبح بنایا۔

اب میں نے مطلق پس وپیش کی۔ نہ اپنے ارادہ سے پچھتایا۔ مذبح بناتے وقت ایک

اضحاقؔ بانی کی مجھے رویا ملی اور ایک بڑی محبت کی جسکا ایک محض نشان میری محبت تھا۔

لکڑیاں میں نے قرینے سے چن دیں۔ میں تیار تھا۔ لڑکے کی طرف پھرا۔ میں نے اس کی آنکھوں کو دیکھا تو ان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ پوچھ رہی ہیں اور انکو کچھ علم بھی ہے۔

میں نے صرف اتنا کہا کہ "بیٹا" وہ میری طرف لپکا۔ اس نے مجھ پر نگاہ کی۔ وہ سمجھ گیا! یوں ہی کوئی منٹ کے لئے اس نے اپنا سر میری چھاتی پر رکھ دیا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

ایسے مضبوط دل پر خوف یا موت کسی کا اثر نہ ہوتا تھا۔

ایک بار اس نے کہا کہ "میری اماں" اور پھر کہا کہ "خدا کی مرضی میں خوشی سے بجا لاتا ہوں۔" اور یہ کہہ کر وہ مذبح پر لیٹ گیا۔

میں نے اسکو باندھ دیا اور اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کو چھری اٹھائی۔ ایک منٹ میں نے توقف کیا اور اس اثنا میں میں نے ملاحظہ کیا کہ پہاڑ کی چوٹی سے بادل اٹھ گئے تھے اور غروب آفتاب کی شان سے آسمان میں گلابی اور سنہری اور قرمزی رنگت پیدا ہو رہی تھی۔ میں نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ بادلوں میں ایک راہ بن گئی جس سے جوان روح سیدھی خدا کے تخت کے پاس پرواز کر جائے۔

میری چھری ذبح کرنے کو اٹھی تھی لیکن میں نے ضرب نہ لگائی تھی کیونکہ اس وقت بادلوں اور جلال کے درمیان سے میں نے ایک آواز آتی سنی۔

آواز نے مجھے نام لے کر بلایا اور میں نے جواب دیا۔

پھر اس نے کہا کہ "تو اپنا ہاتھ لڑکے پر مت اٹھا اور اسے کچھ مت کر۔ اب میں نے جانا کہ تو مجھ سے ڈرتا ہے۔"

خیال سی جلدی سے میں نے اضحاق کو کھول دیا اور پیچھے مڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ جھاڑی میں ایک مینڈھا ہے اور اسکو سوختنی قربانی کے لئے چڑھایا۔

پھر ایک بار اس خوبصورت خاموشی اور امن وسلامتی میں جو اس زمین کی نہ تھی میرے خداوند۔ خداوندوں کے خداوند نے مجھ سے کلام کیا۔

اضحاق صحیح وسلامت میرے پاس کھڑا تھا اور اسکی باہیں میرے گلے میں تھیں۔ خدا کی آواز نے کہا کہ "میں نے تجھے آزمایا اور تو قاصر نہ رہا۔ میں نے تیرا بیٹا مانگا اور تو نے اسکو مجھ سے دریغ نہ کیا۔ میں نے تیرے ایمان کو سخت تر کھا اور وہ کسوٹی پر پورا اترا۔ اس لئے اے مرد ایمان۔ تمام زمانوں میں ایمانداروں کے باپ۔ اپنا اجر لے۔ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دونگا اور بڑھاتے ہی تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کے کنارے کی ریت کی مانند بڑھاؤں گا اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائینگی کیونکہ تو نے میری بات مانی۔"

مالابار کے سُریانی مسیحی

(از سی ایم ایس انٹیلیجنسر) ترجمہ پادری احسان اللہ

ٹراونکور کی گورنمنٹ کے حکم سے ریاست مذکور کی تواریخ قلمبند ہو رہی ہے۔ اس میں ایک باب سُریانی مسیحیوں کی تواریخ پر ہوگا۔ یہ مسٹر جی ٹی مکنزی صاحب ٹراونکور اور کوچین کے ریذیڈنٹ نے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ سی ایم ایس انٹیلیجنسر میں شایع ہُوا ہے:-

ٹراونکور اور کوچین میں مسیحیوں کی تعداد قریباً دس لاکھ ہے۔ ان کا دعوٰے ہے کہ رسول تھوما نے ہماری کلیسیا قایم کی

روایت یہ ہے کہ مشرقی ساحل ہند میں متصل مدراس کے ایک بادشاہ تھا جس نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا اور صبح اُٹھتے ہی ایک ایسا معمار طلب کیا جو فوراً ایک محل شاہی تیار کرے جس کے اندر جلال اور روشنی ہمیشہ چمکتی رہے۔

معمار کی تلاش پر رسول تھوما ملا جس نے اس ملک میں خداوند یسُوع کی منادی کی وہاں سے معجزے بھی کئے یہاں تک کہ بادشاہ اور رعیّت میں سے بہتوں نے بپتسمہ پایا۔ یہاں سے رسول مالابار میں آیا۔ یہاں اسکی بشارت اور معجزوں کی بڑی تاثیر ہُوئی۔ کلیسیا قایم ہوئے پر رسول نے دو قسیسوں کا تقرر بھی کیا۔ اس وقت سات گرجے تعمیر کئے گئے۔ کہتے ہیں کہ جب رسول مغربی ساحل سے مشرقی ساحل کو بغرض دیکھنے پہلے مسیحیوں کے واپس آرہا تھا تو راستہ میں جاں بحق ہُوا۔

مالابار کے مسیحی اپنے دوخاومان دین کی حین حیات میں اپنے مسیحی ایمان پر قایم رہے۔ ان کی وفات کے بعد اس وقت کے ہندو مذہب کی آمیزش سے ۳۴۵ء تک بگڑتے گئے۔ اب جو کچھ رسُولی کلیسیا کا باقی رہا اسکو پھر فروغ ہُوا۔ ۳۴۵ء میں ایک سوداگر بنام تھوما ملنہ کا تابع ملک کنعان بہت سُریانی اسقفوں۔ قسیسوں اور ڈیکنوں کو اپنے ہمراہ ملک ہند میں لایا۔ اور پژمردہ کلیسیا کو تقویت دی۔

۸۲۵ء میں دو اسقف صاحبان نے ملک فارس سے ہند میں آکر خدا کا کام شروع کیا۔

انگریزی تواریخ میں لکھا ہے کہ الفرڈ اعظم نے ۸۸۳ء میں دو انگریزی بشپ صاحبان کے ذریعے رسول تھوما اور رسول برتھولما کے مقبروں پر نذریں بھجوائیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول تھوما کی روایت بہت پُرانی ہے۔ خیر یہ روایت درست ہو یا نہ ہو یہ امر تو واقعی ہے کہ ۸۸۳ء سے مدتوں پہلے ہندوستان میں مسیحی دین جڑ پکڑ چکا تھا۔ مختلف سیاح بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ مالابار میں مسیحی کلیسیا موجود تھی۔

۱۴۹۸ء میں جب اہل پرتگیز ہند میں وارد ہُوئے تو اسوقت ہند میں مسیحی تھے۔ اب ... ھتا ہے کہ ان مسیحیوں کا عقیدہ کیا تھا۔ گو آگے کے مشنری صاحب جوردی کلیسیا

کے آرچ بشپ تھے ۱۵۹۹ء میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجھے پوپ کلیمنٹ ہشتم نے ملک ہند میں اس لئے بھیجا ہے کہ ہند کے مسیحیوں کو میں کیتھلک کلیسا میں داخل کروں۔ اور انہیں نستوری بدعت کی غلط تعلیم سے بچاؤں جو فارس کے صدر اسقف نے انہیں سکھائی ہے۔ نستوری لوگ نستوریس صدر اسقف قسطنطنیہ کے پیرو تھے جس کی تعلیم یہ ہے کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح بوقت تولد صرف انسان ہی پیدا ہوا۔ جس میں ابن اللہ پیچھے داخل ہوا۔ یاد رہے گا کہ افسس کی جنرل کونسل نے ۴۳۱ء میں اس تعلیم کو رد کیا تھا۔

اب فرض کیجئے کہ رسول تھوما نے یہ کلیسیا قائم کی۔ کچھ تعجب نہیں کہ آٹھویں صدی عیسوی میں نستوری ذی حوصلہ اسقفوں نے اپنے کئی مشنری مالابار کو روانہ کئے جنہوں نے وہاں خداوند یسوع کی بشارت دی۔ ملک چین صوبہ شانسی شہر سنگنفو میں ایک پتھر کی دیوار ملی ہے جسکے نوشتے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نستوری مشنریوں نے قریباً آٹھویں صدی عیسوی میں ملک چین میں خداوند یسوع کی بشارت دی۔ جس سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید اسی وقت نستوری تعلیم ہندوستان میں بھی آئی ہو۔ بعض مصنفوں کی یہ رائے ہے کہ پہلے پہل نستوری تعلیم ملک ہند میں سکھلائی گئی۔

جب گوآ کے صدر اسقف مشنری صاحب نے ان مسیحیوں کو نستوری قرار دیا تو اس کے بعد رومی کلیسیا کی کوشش سے سب مسیحی کیتھلک ہو گئے۔ رومی کلیسیا کی یہ کوشش تھی کہ کوئی اسقف فارس سے ملک ہند میں آنے نہ پائے۔ ایسوں کو جو آتے تھے رومی کلیسیا کی بیعت اختیار نہ کرنے پر بو الیسی جہاز لوٹایا جاتا تھا۔ اور بعض وقت کسی اور طرح سے انہیں نابود کر دیتے تھے۔ جب نستوری خادمانِ دین کی آمد و رفت بند ہو گئی تو انکا تعلق فارس کے صدر اسقفوں سے کچھ نہ رہا۔ اس پر مسیحیوں میں سخت بے قراری پیدا ہوئی چنانچہ ۱۶۵۳ء میں سُریانی آرچ ڈیکن تھوما کے زیر اختیار ہو کر رومی کلیسیا کو غیر ملک کا جوا قرار دیا۔ بڑے بلوہ کے بعد یہ مسیحی اس کلیسیا سے علیحدہ ہو گئے۔

۱۶۶۵ء میں حکومت ڈچ مالابار میں ہو گئی۔ تب ایک جیکوبائٹ اسقف صاحب یروشلم سے ہندوستان میں آئے جن کو مسیحیوں نے بڑی خوشی اور تپاک سے قبول کیا۔ اگرچہ جیکوبائٹ تعلیم نستوری تعلیم کے بالکل برعکس تھی تو بھی اسکو قبول کیا۔

جیکوبائٹ اڈیسہ کے اسقف جیکب کے پیرو تھے جسکو یورپ میں مشرقی رسول کہتے ہیں جیکب نے یوتخس کی تعلیم کو فروغ دیا۔ یہ تعلیم ہمارے خداوند یسوع مسیح کی ذات کی بابت ہے۔ یوتخس نے سکھلایا کہ یسوع میں انسانیت اور الوہیت ایسی وابستہ ہوئیں کہ الوہیت ہی الوہیت رہ گئی اور انسانیت فنا ہو گئی۔ یاد ہوگا کہ ۴۵۱ء میں چلسیڈن کی جنرل کونسل نے اس تعلیم کو رد کیا۔

زمانہ ڈچ سے سریانی مسیحی جیکوبائٹ تعلیم کے پیرو رہے ہیں۔ جب پادری بیکانن صاحب نے ایک سریانی اسقف صاحب سے ۱۸۰۶ء میں ملاقات کی تو اثنائے گفتگو میں بشپ صاحب

نے کہا کہ ہم ہزار برس سے جیکو بائٹ ہیں۔

آجکل مالآبار کے مسیحی اپنی خاص تعلیم کی پیروی کی بہت پرواہ نہیں کرتے بلکہ عقاید کلیسیا کے ملنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ان مسیحیوں میں چرچ مشنری سوسائٹی۔ لنڈن مشنری سوسائٹی اور مکتی فوج خدا کا کام کر رہی ہیں۔

چند آیات پرچیدہ خیالات اور اشارات

میں تمکو جانتا ہوں کہ تم میں خدا کی محبت نہیں (یوحنا ۵ : ۴۲) بقول فتنی صاحب محبت کی کسوٹی یہ ہے۔ (۱) ہم اپنے محبوب کو خوش کرنے سے مسرور ہوتے ہیں۔ (۲) ہم اُس کی رفاقت اور گفتگو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ (۳) ہم اس سے تعریف حاصل کرنا پسند کرتے ہیں۔ (۴) ہم اپنی روش میں ہمیشہ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اسکو کیا بھاتا ہے۔ (۵) ہمیں اپنے محبوب کی نسبت تصور باندھنا مرغوب ہے (۶) ہمکو اپنے محبوب کا ذکر کرنے سے خوشی ہوتی ہے۔ (۷) ہمکو اسکی جُدائی ناگوار گذرتی ہے۔ (۸) ہم اسکو پیار کرتے ہیں۔ (۹) جب ہم اس کے خلاف بدگوئی سنتے ہیں تو ہمارے دل میں رنج پیدا ہوتا ہے۔ (۱۰) ہم اپنے دوستوں کے دشمنوں کے ساتھ رابطہ نہیں رکھتے۔ (۱۱) ہم اپنے عزیزوں کی تعریف سُنکر فوراً باور کر لیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ (۱۲) جس بات میں ہمارے محبوب کی خوشی اور دلچسپی ہو ہم اسکو کرنا پسند کرتے ہیں۔ (۱۳) اس کی نسبت بدنامی کے کلمات کا یقین کرنا ہمارے لئے محال ہے۔ (۱۴) اور اگر ہم باور کر بھی لیں تو اسکا چرچا ہرگز نہیں کرینگے۔ (۱۵) اگر کوئی ایسی بات ہو جو ہمارے محبوب کے نام پر دھبہ لگانے والی ہو تو ہم اسکی کوئی مفید مطلب تشریح کر لیتے ہیں۔ (۱۶) اگر ہمارے محبوب کے عزیزوں میں سے کوئی ایسا کام کر بیٹھے جو اُس کی عزت کے شایاں نہ ہو تو اُس سے ہمکو رنج ہوتا ہے اور حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ وہ فعل دوبارہ سرزد نہ ہو

پس تم اس طرح دعا مانگا کرو (متی ۶ : ۹) ڈاکٹر سکوفیلڈ خداوند کی دُعا کی نسبت فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ یہ دعا محض ایک نمونہ ہی ہے۔ ہمارے خداوند نے دُعا کی نسبت بعض خاص ہدایات کیں اور بعد ازاں بطور مثال کے یہ دُعا پیش کی جس میں خدا کی عزت اور بندگی کا خیال اور اختصار اور سادگی پائی جاتی ہے۔ یہ دُعا اُسوقت شاگردوں کے مناسب حال تھی مگر پنتیکوست کے بعد ایماندار کی اعلیٰ حالت کیلئے موزون نہیں ہے۔ مثلاً اس میں الٰہی معافی محدود کی گئی ہے۔ جسکو مسیح کی صلیب نے بالکل بدل دیا ہے۔ چنانچہ اب بجائے اسکے کہ الٰہی معافی ایک انسان کے دوسرے کو معاف

کرنے پر مشروط ہو۔ مسیحی کے لئے یہ حکم ہے کہ جس طرح خدا نے مسیح کے سبب تمہارے قصور معاف کئے ہیں تم بھی ایک دوسرے کے قصور معاف کرو۔ (افسیوں ۴: ۳۲) اس لحاظ سے خداوند کی دعا شریعت کے تحت میں ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ اگر تم چاہتے ہو تو اوروں کو معاف کرو۔ فضل کہتا ہے کہ معاف کرو کہ تم نے معافی پائی ہے پھر یہ دعا مسیح کے نام میں نہیں مانگی جاتی (ابتک تم نے میرے نام سے کچھ نہیں مانگا۔ یوحنا ۱۶: ۲۴) پھر ایک اور بات بھی ہے کہ یہ دعا اسی صورت میں مانگی جائے تو یہ روح میں دعا کرنا نہیں ہے۔ جسکا حکم افسیوں ۶: ۱۸ میں آیا ہے۔ ایماندار کا اصلی تجربہ یہ ہے کہ وہ تمام و کمال روح القدس کے تسلط کے نیچے ہو کر دعا کرے تا کہ اسکی دعائیں روح کی ہدایت سے ہوں۔ بلاریب خداوند کی دعا روح کی ہدایت سے دی گئی تھی۔ اور مسیح کے مصلوب ہونے اور روح القدس کے نازل ہونے سے پیشتر کامل دعا تھی مگر اب فضل کے عہد میں ایماندار کا درجہ کچھ اور ہو گیا ہے۔

اُسکو سامریہ سے ہو کر جانا ضرور تھا۔ (یوحنا ۴: ۴) گلیل سے یہودیہ کو جاتے ہوئے سامریہ میں سے گذرنا پڑتا تھا۔ مگر یہ اس آیت کا مطلب نہیں ہے۔ یہودیوں اور سامریوں کے درمیان ایک ایسی دلی نفرت اور حقارت تھی کہ یہودی سامریہ سے گذرنے کے بجائے یردن کو دو مرتبہ عبور کر کے پار کے علاقہ میں سے جانا بہتر سمجھتے تھے۔ مگر مسیح اس قسم کی تنگ دلی کو جائز نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ برگشتہ سامری عورت کو راہ راست پر لانے کی خاطر ضرور تھا کہ وہ سامریہ میں سے ہو کر گذرے۔ ایسے واقعہ پر غور کرتے ہوئے سپرجن صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں مسیح کو تھکا ماندہ سامریہ کے کنوئیں پر بیٹھا دیکھتا ہوں تو مجھے بڑی تسلی ملتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ سخت تھکا ہوا ہے مگر وہ بیٹھا انتظاری کر رہا ہے۔ وہ اس خستہ حال عورت کو برکت دینے کیلئے ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ آنے میں دیری کرتی ہے مگر مسیح منتظر ہے۔ وہ پھر پھر کر شہر کے پھاٹک کی طرف دیکھ رہا ہے کہ کب وہ عورت برکت حاصل کرنے کے لئے آئے۔ ...... اے گنہگار! اگرچہ تو نے مسیح کو بہت عرصہ سے ٹھہرایا ہوا ہے مگر وہ تجھے برکت دینے کے لئے منتظر ہے۔

ورنہ جو لوگ مُردوں کے لئے بپتسمہ لیتے ہیں وہ کیا کرینگے۔ اگر مُردے جلائے ہی نہیں جاتے تو پھر کیوں ان کے لئے بپتسمہ لیتے ہیں۔ (۱ کرنتھیوں ۱۵: ۲۹) پروفیسر فنڈلی صاحب اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ پولس اس آیت میں اس تجربہ کا بیان کرتا ہے۔ کہ مسیحیوں کی موت ان کے پسماندہ خویش و اقربا کے دل کو بدل ڈالتی ہے۔ اوّل اوّل تو وہ اپنے مرتے ہوئے عزیزوں کی خاطر اُن سے پھر ملنے کی امید پر مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ مثلاً بعض اوقات ایک ماں مرتے وقت بیٹے کو نصیحت کرتی ہے کہ مجھے آسمان پر ملنا۔ ایسی نصایح اموات کا صحت بخش اثر مُردوں کی قیامت کو ماننے کی ایک نہایت قوی اور موثر دلیل ہے۔ شاید اس وقت بعض

اس قسم کی مثالیں موجود ہوں گی جن کی طرف رسول اس آیت میں اشارہ کرتا ہے۔ اور ایسے نو عمر یہ دن کو تمرّدوں کیلئے یا مُردوں کی خاطر بپتسمہ لینے والے کے نام سے نامزد کرتا ہے۔

اِن چھوٹوں میں سے ایک کو ٹھوکر کھلانے کی نسبت اس شخص کیلئے یہ مفید ہوتا کہ چکی کا پاٹ اسکے گلے میں انکا یا جاتا اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا۔ (لوقا ۱۷: ۲) ایک شخص اپنا تجربہ بیان کرتا ہے کہ میں ایک مرتبہ ایک بڑے بلند اور خطرناک پہاڑ پر چڑھنے کیلئے اکیلا گھر سے چل نکلا۔ میں ارادتاً ایسے وقت پر روانہ ہوا جب بچے اِدھر اُدھر کھیل رہے تھے۔ اور اُنکو میرے اُس طرف جانے کا خیال تک نہ تھا۔ میں ایک ڈھلوان کراڑے پر چڑھ رہا تھا کہ میرے کان میں کسی کی یہ آواز بڑی جسکو سن کر میں نہایت حیران و پریشان ہو گیا۔ کہ ابا جان کسی بے خطر رستہ سے چلئے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے آرہا ہوں۔ نیچے نگاہ کر کے کیا دیکھتا ہوں کہ میرا چھوٹا لڑکا میرے پیچھے چلا آرہا ہے اور خطرے کی حالت میں ہے۔ میں خوف سے کانپنے لگا کہ مبادا میرے بچہ کا پاؤں میرے پہنچنے سے پیشتر پھسل جائے۔ اس واقعہ کو کئی سال گذر چکے ہیں۔ لیکن اگرچہ وہ خطرے کا موقعہ جاتا رہا ہے تو بھی اس بچہ کی آواز اب تک میرے کان میں سنائی دیتی ہے۔ اس واقعہ سے مجھے ایک سبق بڑے زور سے حاصل ہوا جس سے میں پیشتر واقف نہ تھا یعنی ہمارے بلا ارادہ افعال کی کیسی زبردست تاثیر دوسروں پر ہوتی ہے۔ (وفیرہ)

آسمان پر صلح ہے اور عالم بالا پر جلال (لوقا ۱۹: ۳۸) یہ گیت گویا فرشتوں کے اس گیت کا جواب ہے جو انہوں نے مسیح کی پیدائش کے وقت گایا۔ اس موقعہ پر گنہ گاروں اس نغمہ کی صدا سے گونج رہا تھا۔ "عالم بالا پر خدا کو جلال اور زمین پر صلح"۔ اب اُس کی موت سے پیشتر انسان مل کر آسمان پر صلح اور عالم بالا پر جلال گا رہے ہیں۔ اس فرق میں ایک اور خاص لطف ہے جو اُن گانے والوں کے خیال میں نہ آیا ہو گا۔ مسیح کی پیدائش خدا کے فضل کا ظہور تھا اور اس کی غرض یہ بھی کہ صلح قایم ہو اور اب اسکے دُکھ و تکلیف سہنے سے پیشتر گنہگاروں کی جماعت آسمان کی اُس صلح کا گیت گا رہی ہے جس سے زمین پر صلح قایم ہونے والی تھی۔ مسیح نے اپنی موت سے صلح کو قایم کیا اور آسمان پر خدا اور انسان کے درمیان صلح کروائی۔ اور اس آسمانی میل سے زمین پر صلح جاری ہوئی۔ پیشتر اس سے کہ انسانوں کے درمیان صلح ہو یہ ضرور ہے کہ خدا کے ساتھ صلح ہو۔ ضرور ہے کہ مسیح مرے پیشتر اُس کے کہ انسان اسکی پیدائش کی برکتوں میں شریک ہو۔ (سورگن)

رات کے وقت میں خدا کا گیت گاؤں گا۔ (زبور ۴۲: ۸) شاید داؤد سلطنت کے کاروبار سے تھکا ماندہ ہو کے اپنے محل میں بیداری کی حالت میں پڑا ہو اور رات کی تاریکی میں کبھی

عورت کی آواز جو بے چین بچے کو سلانے کیلئے گا رہی ہو اُسکے کان میں پڑی ہو۔ یا شاید سفر کرتے کرتے آسمان کے جو اہرنگار شامیانہ کے نیچے لیٹا ہو اور آدھی رات کے وقت کسی سنتری کے گیت کی آواز نے اسکے دل میں اُن ایام کے خیالات کو تازہ کر دیا ہو جب وہ بیت لحم کے میدان میں اپنے باپ کی بھیڑوں کی نگہبانی کیا کرتا تھا۔ اور اس نادیدہ گویئے کی دلکش راگ نے بادشاہ کی ماندہ روح کو ایسی تازگی بخشی کہ اُس نے خیال کیا ہوگا کہ یہ گیت اُسی کیطرف سے ہے جو سب عمدہ نعمتوں کا بانی ہے اور اس نے اس سے یہ سبق حاصل کیا کہ وہ جس کی مرضی کے بغیر ایک چڑیا بھی نہیں گر سکتی وہ ہماری ہر ایک ادنیٰ خوشی کی فکر بھی رکھتا ہے۔ اور اس خیال سے اس کے دل میں شکر گذاری پیدا ہوئی ہوگی۔

ساری جماعت یردن کے پار ہوگئی (یشوع ۳: ۱۷) عموماً کہا جاتا ہے کہ یردن کے پار ہونے سے مراد موت ہے۔ چنانچہ ہم اپنے گیتوں میں گایا کرتے ہیں کہ

ہم کھڑے ہیں یردن کے کنارے اور ایک ایک گذر جاتا ہے۔

مگر یہ نمونہ درست نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ اگر ہم یردن کو موت کا دریا سمجھیں تو اسکے پار یریحو اور کنعان کی سات قومیں وغیرہ کہاں ہیں اور گویا ہم کو مرنے کے بعد بھی جنگ کرنا ہے۔ بقول مایر صاحب یردن سے مراد مسیح کے ساتھ گناہ کی نسبت مر جانا اور راست بازی کی نسبت اسکے ساتھ جینا ہے جسکا بیان رومیوں کے چھٹے باب میں آیا ہے۔

اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو۔ (متی ۶: ۲۰) کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کو یہ اطلاع دی گئی کہ تمکو سمندر کے پار فلاں جزیرے میں جلا وطن کیا جائیگا اُس نے فوراً تیاری کرنی شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اسکے خزانے جزیرہ میں پہنچائے گئے اور ایک نہایت عالیشان محل تیار کیا گیا۔ جسکے چاروں طرف بڑے قیمتی درختوں اور پھولوں کا ایک خوشنما باغ لگایا گیا۔ اسی طرح کئی سال گذر گئے اور بادشاہ کو اپنی موجودہ سلطنت کی نسبت اس جزیرہ میں رہنے کا شوق زیادہ دامنگیر ہوتا گیا۔ جب اسکو اپنے ملک سے روانہ ہونا پڑا تو ایسے شاہانہ طور پر گیا کہ گویا وہ سلطنت کرنے جا رہا ہے۔ یقیناً مسیح کے لئے تیاری کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے (مودی)

جسم روح کے خلاف خواہش کرتا ہے اور روح جسم کے خلاف (گلتیوں ۵: ۱۷) ذکر ہے کہ چند ملاح جہاز سے اُتر کر کھانے پینے کی چیزیں مول لینے کے لئے خشکی پر گئے اور وہاں سے مخمور ہو کر واپس آئے اور کشتی میں بیٹھ کر جہاز کے رُخ چلانا شروع کیا۔ مگر جہاز تک نہ پہنچ سکے جب دن کی روشنی نمودار ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اُن کی کشتی کنارے کے پاس رسی سے بندھی ہوئی ہے یہی حال بہت سے نام کے مسیحیوں کا ہے جو اپنی ساری طاقت

[illegible]

چند آیات [illegible]

[illegible] کرتے اس وجہ سے کہ خود کی [illegible] کے ساتھ [illegible] ہمارے نیک ارادوں اور زندگی کے خیالات کا کچھ فائدہ نہیں [illegible]

سمندر بھی مطلق نہ رہا (مکاشفات ۲۱:۱) ہر ایک مسیحی کیلئے زندگی ایک قسم کی تنہائی ہے۔ باوجود تمام رفاقت کے ہم گویا مجمع الجزائر کے مختلف چٹانوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ہمارے درمیان سمندر کی موجیں ٹکرا رہی ہیں۔ لیکن وہ وقت آتا ہے جب (بشرطیکہ ہمارے دل اس خداوند کی طرف لگے ہیں جسکی حضوری یگانگت کا باعث ہے) سمندر مطلق نہ رہے گا اور سب مختلف چٹان ایک بڑے براعظم کا حصہ بن جائیں گے۔ موت تنہا آدمیوں کو ملا کر خاندان بنا دیتی ہے۔ ہم یہاں مسافروں کی طرح شب کی تاریکی اور طوفان میں تن تنہا سفر کر رہے ہیں۔ مگر دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی آسمانی روشنکدہ کو دوستوں سے بھرپور پاتے ہیں۔ (مکلارن)

ایمان سننے سے پیدا ہوتا ہے اور سننا مسیح کے کلام سے ہوتا ہے (رومیوں ۱۰:۱۷) موڈی صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایمان کے لئے دعا مانگتا تھا اور منتظر رہا کہ کسی روز ایمان بجلی کی طرح میرے سر پر آسمان سے نازل ہوگا۔ آخر ایک روز کا ذکر ہے کہ میں نے مذکورہ بالا آیت کو پڑھ کر غور کی۔ میں بیشتر بائبل کو بند کرکے ایمان کے لئے دعا مانگا کرتا تھا۔ اب میں نے اسکو کھول کر مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اور اس دن سے میرا ایمان بڑھتا جا رہا ہے۔ بائبل ہی آسمان کے رستہ پر ہمارا ہدایت نامہ ہے۔

اُس کی ستائش سدا میرے مُنہ میں ہوگی (زبور ۳۴:۱) چاہئے کہ تیری ستائش عارضی نہ ہو یعنی ایسا راگ نہ ہو جسکو بجا کر ساز کو کھونٹی سے آویزاں کر دیتے ہیں اور جب پھر خوشی کا دن آیا اُتار کر بجانا شروع کر دیا۔ خدا اپنے مقدسوں کے گھر میں مہمان کی طرح نہیں بلکہ ان کے ساتھ بود و باش کرنے آتا ہے۔ داؤد نے یہ عہد زندگی بھر کے لئے کیا تھا کہ میں جب تک جیتا رہونگا تیری ستائش کیا کروں گا۔ (گرنال)

وہ خدا کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اسکی شریعت میں سوچا کرتا ہے (زبور ۱:۲) سائنس کے عالم کہا کرتے ہیں کہ جگنو اپنی روشنی کی وجہ سے اپنے دشمنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح انسان صداقت اور راستی کی محبت سے اپنا قلعہ آپ ہی بن جاتا ہے۔

سوائے اُس نیو کے جو پڑی ہوئی ہے اور وہ یسوع مسیح ہے کوئی شخص دوسری نہیں رکھ سکتا (۱ قرنتھیوں ۳:۱۱) اگر ہم قدیم اور بہترین مقررہ عقاید یا خدا کی سب سے اچھی کتاب کو مانیں اور خود زندہ خدا پر تکیہ نہ کریں تو ہماری بنیاد ہرگز قائم نہ رہے گی۔ (مارٹن)

دولتمندوں کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا کیسا مشکل ہے۔ (مرقس ۱۰: ۲۳) اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شخص آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے قبضہ میں دولت ہے بلکہ ایسا شخص جو خود دولت کے قبضہ میں ہے۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمام دنیا میں جہاں کہیں انجیل کی منادی ہوگی یہ بھی جو اُسنے کیا اسکی یادگاری میں کہا جائیگا (مرقس ۱۴: ۹) جو کچھ ہم اپنے لئے کرتے ہیں بھول جاتا ہے مگر جو کچھ ہم مسیح کے لئے کرتے ہیں وہ غیر فانی ہے۔ (ڈالمیج)

میل ملاپ اور خوشی (رومیوں ۱۴: ۱۷) میل ملاپ ندی کے بہاؤ کی طرح ہے لیکن خوشی ندی کے لبریز ہونے اور چٹانوں سے گر کر اُچھلنے کودنے اور موجزن ہونے کی مانند ہے۔ (سپرجن)

ساری چیزیں تمہاری ہیں۔ اور تم مسیح کے ہو اور مسیح خدا کا ہے (۱ کرنتھیوں ۳: ۲۱ و ۲۳) بیحد خزانہ حاصل کرنیکا طریق یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسیح کے حوالہ کر دیں۔ (ربودین)

کیا دن کے بارہ گھنٹے نہیں ہوتے (یوحنا ۱۱: ۹) یہی بات کہ ایک مسیحی اسوقت آسمان پر نہیں مگر دنیا میں موجود ہے اس امر کا شاہد ہے کہ ابتک اسکے لئے کچھ کام باقی ہے (آرنو)

پولوس رسول کے اِستعارات

(تصنیف [illegible]) [illegible]

۱
رومی سپاہی

پاک کلام کے ہر حصہ کی تشبیہات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور اکثر انہی تشبیہات کے ذریعہ سے تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً جب ہم عاموس کی کتاب پڑھتے ہیں جو کہ تقوع کے چرواہوں میں سے خود بھی ویران اور چوپانی ضلع کا چرواہا تھا تو اس کی تشبیہات اس طور پر پاتے ہیں۔ (۱) "اے بسن کی گاؤ (ہو) اپنے مالک کو کہتی ہو لاؤ ہم پئیں"۔ (۲) "شیر ببر جنگل میں گرجے گا"۔ (۳) "ثریا اور جبار ستاروں کو بنایا جو موت کی پرچھائیں کو صبح کر دیتا ہے"۔ (۴) "پکے ہوئے میووں کی ایک ٹوکری"۔ (۵) "زراعت کی آخری روئیدگی کی ابتدا میں ٹڈیاں پیدا کیں" وغیرہ وغیرہ۔ سو جب تک ہم ٹھیک طور پر حالات متعلقہ۔ نظاروں۔ اور پیشوں کو نہ سمجھیں جنکے متعلق خدا تعالےٰ نے

اسے یونانی نے کلام کر دیا تب تک ہم کما حقہٗ اس کے کلام کا مطلب نہیں سمجھ سکتے اور اسی قدر اسکا تعدد اور تعلیم محدود رہتی ہے۔ عاموس کی کتاب کی تشبیہات مثلاً پیش کی گئی ہیں۔ حالانکہ اگر یوسف۔ موسےٰ۔ روت اور ایلیا کی زندگیوں کو غور سے پڑھیں تو ہر ایک کی اپنی اپنی فضا اور رنگت جداگانہ ہے۔ اور اگر ان کو بغیر اِن حوالجات کے پڑھا جائے تو محض خیالی اور مردہ سی عبارت رہ جاتی ہے۔

پرانے عہدنامہ کا ہر حصہ مشرقی رنگت سے رنگا ہوا ہے۔ جبتک ہمارے سیّاحوں نے ہم کو نہ بتلایا کہ عرب کے بدوؤں کے خیمے۔ کارواں اور اونٹوں کی قطاریں۔ کھجوروں کے جھنڈ۔ مشرقی شہزادوں کے دربار کس طرح پر ہوتے ہیں تب تک پاک کلام کے بہت سے فقرات کا مطلب نہ کھلا۔ اب اگر پرانے عہدنامہ سے نئے عہدنامہ میں آئیں تو اگرچہ اصول وہی رہتا ہے مگر تشبیہات اور نظارے بالکل بدل جاتے ہیں گویا کہ نئی زمین اور نیا آسمان ہو جاتا ہے۔ نئے عہدنامہ کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا ہر قدم رومی سلطنت میں بڑھ رہا ہے جہاں کم و بیش یونانی سویلیزیشن پھیلی ہوئی ہے۔ فی الحال نئے عہدنامہ کے ایک حصہ کو لیکر اس میں سے پولوس رسول کی فوجی اصطلاحات اور استعارات پر غور کرینگے۔

اگر ہم نے کبھی غور کیا ہوگا تو ضرور اس بات پر بھی خیال کیا ہوگا کہ پولوس رسول کا سپاہیوں سے کتنا زیادہ واسطہ رہا ہے۔ اوّل تو وہ ایسی خودمختار سلطنت میں رہتا تھا جسکا ثانی دُنیا نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر اب کوئی فرانس یا آسٹریا میں سفر کرے تو دیکھ کر حیران ہوگا کہ فوجیں ہر ایک بڑے شہر کے چپہ و بازار میں سے کوچ کرتی جاتی ہیں اور ہر بڑے شہر میں فوجی بارکیں موجود ہیں۔ مگر پولوس رسول کے واسطے یہ باتیں باعث تعجب نہ تھیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض حصوں میں دوسروں کی نسبت یہ نظارے زیادہ نمودار ہوتے تھے۔ مثلاً فلپی۔ طروآس۔ پسدیہ کی انطاکیہ میں جو رومی بستیاں تھیں جنگی نشانات بہ نسبت دوسرے شہروں کے بڑھ کر تھے۔ سوریا جیسے بے قرار صوبہ میں ساٹھ ہزار آراستہ فوج رہتی تھی۔ مگر آسیا اور بتھنیا کے امن پسند اور خاموش علاقہ میں نسبتاً یہ فوجی شان کم تھی مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ جہاں کہیں پولوس رسول نے رہائش کی فوجی نشانات یا فوجی مکانات ایک عام بات تھی اپنے ہر سفر میں فوجوں سے دوچار ہوتا ہوگا جو کہ ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں کوچ کرتی رہتی تھیں یا قزاقوں کا تعاقب کرتی تھیں یا قیدیوں کی حفاظت کیلئے ساتھ جاتی تھیں۔

یہ تو ایک سرسری نظر تھی اب اگر پولوس رسول کی زندگی کے واقعات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ گویا اس کی زندگی رومی سپاہیوں سے وابستہ تھی۔ مثلاً جبکہ رسول ہیکل کے صحن میں گرفتار کیا گیا تو انتونی فوج کا صوبہ دار کچھ فوج لے کر چڑھ آیا۔ اور رسول کو لے جا کر حراست میں رکھا پھر انتی پرس کو جاتے وقت رات کا ایک سفر جس میں ایک بدرقہ جو آجکل کی نصف رجمنٹ کے برابر ہوتا ہے مع سواروں کے ساتھ تھا۔ پھر قیصریہ میں جو کہ اس صوبہ کی فوجی حکومت کا

مگر تھا وہ سال تک قید رہا۔ غالباً ہتھکڑیاں پہنے سپاہی کے سپرد تھا۔ پھر جہاز کے سفر میں جہاں ایک مشہور فوج کا افسر اور کئی ایک سپاہی اسکے رفیق تھے۔ پھر جب قیدی سپرد تین گارڈ کے سپرد ہوئے رسول اکیلا رہتا تھا تو بھی جیسے کہ لکھا ہے "بغیر سپاہی کے نہ تھا" اور آخری اشارے ان خطوں میں ہیں جو کہ روم سے لکھے گئے مثلاً کلسیوں کو سلام لکھتے وقت (مجھ پولس کے ہاتھ سے سلام) جب اسکی ہتھکڑی میں جھنکار پڑی ہوگی تو فوراً لکھ دیا کہ "میری زنجیروں کو یاد رکھو" یا افسیوں کے خط میں جہاں اپنے تئیں "ایلچی قید میں" لکھتا ہے۔ یعنی آزاد انجیل کا ایلچی سپاہی کی حراست میں۔ ان سب حالات پر غور کرنے سے کیسا قدرتی معلوم ہوتا ہے کہ اسکے قلم سے سپاہیانہ استعارات نکلیں۔ بلکہ اگر اسکی تحریرات میں ایسے استعارات نہ ہوتے تو باعثِ تعجب ہوتا۔

اُن میں سے پہلا فقرہ رومیوں کے تیرھویں باب میں پایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ رومیوں کا خط قرنتس سے لکھا گیا۔ جو کہ حکومت مقامی کا صدر اور آبنائے جیسے ضروری موقعہ پر واقع ہونیکے باعث ضرور ہی فوجی طاقت سے مضبوط کیا گیا ہوگا۔ اس فقرہ کو پڑھ کر جو نقشہ میرے خیال میں جم جاتا ہے اس طرح پر ہے کہ پولوس رسول دن بھر کاروبار میں سرگردان ہے کبھی خیمہ دوزی کرتا ہے۔ کبھی مناری کرنے جاتا ہے۔ کبھی نو مریدوں کو تعلیم دے رہا ہے۔ رات کو بھی روم کے عیسائیوں کو خط لکھتے لکھتے پو پھٹ جاتی ہے۔ اُسوقت سنتری اپنا پہرہ بدلتے ہوں گے اور صبح کی روشنی ان کے چمکدار اسلحہ پر پڑتی ہوگی۔ اُسی وقت کسی گذرتے ہوئے بدمست عیاش کی آواز رسول کے کان میں پڑی ہوگی جبکہ اُس نے لکھ دیا "اور وقت کو پہچان کر تو ایسا ہی کرو اس لئے کہ اب وہ گھڑی آ پہنچی کہ تم نیند سے جاگو۔ کیونکہ جس وقت ہم ایمان لائے تھے اسوقت کی نسبت اب ہماری نجات نزدیک ہے۔ رات بہت گذر گئی اور دن نکلنے والا ہے۔ پس ہم تاریکی کے کاموں کو ترک کر کے روشنی کے ہتھیار باندھ لیں۔ جیسا دن کو دستور ہے۔ شایستگی سے چلیں۔ نہ کہ ناچ۔ رنگ اور نشہ بازی کریں۔ نہ زناکاری اور شہوت پرستی۔ اور نہ جھگڑا اور حسد۔ بلکہ خداوند یسوع مسیح کا جامہ پہن لو اور جسم کی خواہشوں کے لئے تدبیریں نہ کرو۔

"روشنی کے ہتھیار" سے مراد ہے "راست بازی کے ہتھیار" جیسا کہ قرنتیوں کے دوسرے خط میں بیان ہُوا۔ یعنی روحانی ہتھیار روحانی دشمنوں کے مقابلہ کے لئے۔ اسجگہ "راست بازی کے ہتھیاروں کے وسیلے سے جو دائیں بائیں ہیں" (۲ قرنت ۶) مندرج ہے۔ یہاں ہتھیار دو اقسام کے مذکور ہوئے ہیں یعنی حملہ کرنے والے اور حملہ روکنے والے۔ یعنی تلوار اور ڈھال۔ یہاں رسول اپنی حالت اور ان مشکلات کا ذکر کرتا ہے جو رسولی خدمت میں قرنتس کے درمیان پیش آئیں۔

ہم تھسلنیکیوں کے نام کے پہلے خط کے پانچویں باب میں اِس استعارہ کا ذکر زیادہ تخصیص

کے ساتھ آتے ہیں۔ چنانچہ اس کی پانچ سے آٹھ آیت میں مندرج ہے کہ ہم نہ ملت کے ہیں ...... اس لئے ہم سونہ رہیں ... جو متوالے ہوتے ہیں رات ہی کو متوالے ہوتے ہیں ... ہم ایمان اور محبت کا بکتر لگا کر اور نجات کی امید کا خود پہن کر ہوشیار رہیں"۔ یہاں پر یہ بات خاص ذکر کے قابل ہے کہ رومیوں کے خط کی طرح یہ خط بھی قرنتس سے پیشتر کسی وقت لکھا گیا تھا اور کہ اسکا نفس مضمون رومیوں کے خط کی طرح ہے جسکا حوالہ پیشتر دیا گیا۔

اگرچہ اس مقام پر قرنتیوں کے دوسرے خط کے مندرجہ بالا مقام کی نسبت زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے تو بھی اس میں فقط ایسے ہتھیاروں کا ذکر ہے جو اپنے بچاؤ کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ ان دو خاص ہتھیاروں کی نسبت جنکا ذکر کیا گیا ہے یعنی ایمان و محبت کا بکتر اور نجات کی خود۔ افسیوں کے خط کے چھٹے باب میں مفصل بحث کی گئی ہے جسکا ذکر ہم خاص طور پر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ہم کشتی کرتے ہیں یعنی دست بدست مقابلہ کرتے ہیں مگر خون اور گوشت سے نہیں یعنی (جیسے کلسیوں کے خط سے ثابت ہے انسان کے ساتھ نہیں بلکہ روحانی دشمنوں کے ساتھ) ہم ہتھیار باندھتے ہیں مگر وہ روشنی کے یا راستبازی کے یا خدا کے ہتھیار ہیں ہم سپر لگاتے ہیں مگر وہ ایمان کی سپر ہے۔ ہم تلوار چلاتے ہیں مگر وہ روح کی تلوار ہے۔ اسی طور پر رسول خود بخود اپنے استعارات کی تشریح کرتا جاتا ہے۔

شراکت

پادری ورتھ اول صاحب کا جو مضمون اس عنوان سے اگست وستمبر کے پرچہ میں شایع ہوا اُسکو پڑھ کر ایک دیسی پادری صاحب نے راقم مضمون کو ایک خط لکھا جو اُن کی اجازت سے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ دیسیوں اور پردیسیوں میں اتحاد نہیں۔ یہ بالکل درست اور اظہر من الشمس ہے۔ جا بجا اس کی شکایت سُنی جاتی ہے۔ جہاں دو دیسی اکٹھے ہوتے ہیں وہیں یہ رونا رویا جاتا ہے۔ مسیحی کا کوئی نمبر غالباً ایسا نہ ہوگا جس میں یہ نوک ٹوک نہ ہو۔ برسوں سے یہ سنتا چلا آیا ہوں۔ اس خیال کے تنزل کی بجائے اسکی ترقی نظر آتی ہے۔ اب اہل فکر کا کام یہ دریافت کرنا ہے کہ اس کرکراہٹ۔ شکوہ شکایت اور جدائی کی خاص وجوہات کونسی ہیں؟ اور کیا ان وجوہات کے دفع کرنے کا کوئی علاج ہے یا نہیں؟ پہلی بڑی وجہ یا اس کرکراہٹ وجدائی کے پھیلنے کا وسیلہ ہم مشن کے ملازم ہیں۔ بارہ برس کے تجربہ سے مجھے بخوبی معلوم ہوگیا کہ جتنے کرکراہٹ والے اور جدائی کا چرچا کرنے والے مشن کے ملازم ہیں اتنے دیگر مسیحی نہیں۔ اور یہ چرچا نہ صرف اپنے مسیحی بھائیوں میں وہ کرتے ہیں

بلکہ غیر قوموں میں بیٹھکر ایسے گندہ طور سے یہ شکایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ بھی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگتے ہیں۔ اب دیگر مسیحی جو مشن کے ملازم ہیں وہ تقریباً اسّی فی صدی ان مشن کے ملازموں کے عزیز رشتہ دار ہیں۔ جب وہ ایسی شکایتیں سنتے ہیں وہ بھی اکثر اسی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور پردیسیوں کی شکایت کرنے لگتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ مشن کے ملازموں میں یہ خرابی کیسے آئی؟ کئی وسیلوں سے۔ پردیسی مشنریوں کے ساتھ ان کا قریب تعلق رہا ہے۔ ان کے حسن و قبح سے یہ بخوبی واقف ہیں پھر ہم ان کی بات کو پردیسیوں کے بارہ میں کیوں قبول نہ کریں (۱) شروع شروع میں جب مشنری صاحبان نے بشارت کا کام جاری کیا تو نومریدوں پر بہت خرچ کیا۔ ہر طرح کے انعام و اکرام سے ان کو خوش کیا۔ رپورٹوں میں ان کی تعریفیں ہوئیں۔ وقتاً فوقتاً ان کو ضیافتیں دی جاتی تھیں۔ عیش ہوتے تھے۔ گلچھرے اڑتے تھے۔ فضول خرچی کی عادات پیدا ہو گئیں۔ دس برس کے بعد معاملہ دگرگوں ہو گیا۔ عطیات گھٹنے لگے۔ قانون بننے لگے۔ بیچارے آزاد مرغ قید میں آنے لگے۔ بندھا دانہ پانی کھانے لگے۔ پھر تو کاں کاں ٹیں ٹیں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ یہ مصیبتوں کا شروع تھا۔ ابتک لوگ ان دنوں کو یاد کر کرکے روتے ہیں۔ (۲) لیکن ابتک بچوں کی تعلیم مفت ہوتی تھی یعنی تعلیم کے لئے ہر طرح کی مدد مشن کے ملازموں کو ملتی تھی۔ بچوں کو سکول پہنچانے اور لانے کا خرچ بھی ملا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس میں بھی کمی ہوئی۔ بچوں کے لئے کچھ گرہ سے دینا پڑا پھر تو جان قبض میں آئی۔ بچوں کی بوچھاڑ ہونے لگی آمدنی محدود۔ تعلیم کی تاکید۔ آنکھوں پر ہاتھ دھر کر روئیں نہ تو کیا کریں۔ مشنریوں کو نہ کوسیں تو کسکو کوسیں۔ جاتے ہیں منتیں کرتے ہیں اپنا سا منہ لیکر آجاتے ہیں۔ اُدھر مشنریوں نے بھی دیکھا کہ یہ باربار آن کر جان کھاتے ہیں کچھ کشیدگی اختیار کی۔ روکھا پن دکھایا۔ ماں بچے کا دودھ چھڑاتی تو ہے کبھی کبھی کڑواہٹ لگا کر۔ لیکن بچے کی بہتری کے لئے یہ ضرور ہوتا ہے اسلئے ہر طرح کی سختی کرنی پڑتی ہے۔ کبھی مرغی کو دیکھا ہے کہ جب وہ انڈوں پر آجاتی ہے اپنے چھوٹے بچوں کو جنہیں وہ کل ساتھ لئے پھرتی تھی اور ہر بلا سے انکو بچانے کیلئے لڑنیکو دوڑ آتی تھی آج ٹھونگیں مار مار کر انہیں علیحدہ کرتی ہے۔ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ قدرتی بات تھی قابل شکایت نہ تھی۔ لیکن یہ بچے تھے طرحدار۔ ایسے بگڑے کہ ابتک سدھرنے میں نہیں آتے۔ یہ تو مصیبت کا دوسرا درجہ ہوا۔ (۳) اب سُنئے تیسرا درجہ۔ سر منڈاتے اولے پڑے۔ ایک ناگہانی بلا آ ٹوٹی۔ منادوں کی ترقی کے لئے امتحان مقرر ہو گئے۔ اتنا عرصہ تو لا ابالی میں کٹا۔ ہوا ایک آدھ گھنٹہ جا کر منادی کر آئے۔ طبیعت مطالعہ کی مانوس نہ [illegible] کی ضرورت۔ امتحان کا طومار۔ سچ کہا ہے کہ

[illegible] بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی ۔ یا ۔ منادبنا کے کیوں میری مٹی خراب کی

[illegible] کی۔ پاس ہو گئے تو بڑی ڈینگ مارنے لگے۔ فیل ہو گئے تو پادری صاحب

ے بھائی بھی یا ایسی صورتوں میں اتحاد ہو تو کیونکر ہو شراکت ہو تو کیونکر ہو۔ (۴) [illegible] تھا دھو بیٹھے۔ جب مسیحیوں نے یہ حال دیکھا تو بعضوں نے ایک اور ہی ڈھنگ [illegible] نفس کو بالائے طاق رکھ کر راستی کو جواب دیا اور خوشامد کو اپنا شعار بنا لیا۔ پادری صاحب کے آگے پیچھے دم کی طرح ہلنے لگے۔ پادری صاحب کو دور سے دیکھ پایا جھٹ گھٹنے ٹیک دعا کا بہانہ بنایا۔ یا منادی کا قصہ سنایا۔ یا متلاشی کے ساتھ بات چیت کا تذکرہ کیا۔ اگر مشنری صاحب کو دیکھا کہ بچوں سے پیار کرتے ہیں تو خود بھی کسی کے بچہ کو اٹھا لیا پیار دکھایا۔ اگر مشنری صاحب نے کھیت میں سے گھاس کا ٹنڈا اٹھایا تو آنجناب نے پلہ بھر لیا۔ اگر کانٹا اٹھایا تو آپ سڑک ہی صاف کرنے لگ گئے۔ مشنری آخر انسان۔ دھوکہ میں آگیا۔ یہ باغ سبز دیکھ کر پری شیشہ میں اتری۔ پھر تو چاندی ہو گئی۔ موقعہ کو غنیمت پا کر جتنا دوہنا چاہا دوہ لیا۔ بیچارہ مشنری کان نہیں ہلاتا کیونکہ دھوکہ میں آگیا۔ اس نے فرشتہ سمجھ لیا اب جو کچھ اسکے لئے کرے تھوڑا ہے۔ دیگر مناد بھائی یہ حالت دیکھ کر کڑکڑاتے خود مشنری کو مکار بناتے اور نہ معلوم کیا کچھ نہیں سناتے اور یہ مشہور کرتے ہیں کہ مشنری صرف مکاروں۔ ریاکاروں کو چاہتے ہیں الغرض ایسا کرنے سے خود ایک دوسری کریہ مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کے کام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ (۵) مشنریوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ تعلیم یافتہ ڈگری یافتہ لوگوں کو اس خدمت کے لئے مائل کریں۔ ان کی دلجوئی اور کشش قلوب کی کوشش ہونے لگی۔ اس نے کم تعلیم یافتہ اور پرانے زمانہ کے لوگوں میں ایک آتش حسد کو مشتعل کر دیا۔ کیا روح انگریزی دانوں ہی میں کام کرتی ہے؟ کیا پطرس وغیرہ کم علم لوگ نہ تھے؟ وہ بھول جاتے ہیں کہ خدا کو جیسی ضرورت پطرس وغیرہ کی تھی ویسی ہی پولوس اور اپلوس جیسے تعلیم یافتگان کی بھی تھی۔

(۶) بعض مشن کے ملازم مستعفی ہو گئے یا موقوف ہو گئے لیکن مشنری صاحبان نے ان کے قصوروں کو ان پر ظاہر نہیں کیا اور نہ ان کے سارٹیفکٹوں میں اسکا ذکر کیا اس لئے ایسے لوگوں نے جا کر مشنریوں اور مشن کی ملازمت کی مخالفت میں بہت کچھ کیا اور اپنی صداقت کو اپنی سندوں سے ثابت کرنا چاہا اور اکثر لوگوں نے ان کی باتوں کو مان لیا اور حقیقی سبب دریافت کرنے کی کبھی تکلیف گوارا نہ کی۔ (۷) ہفتم سفارشی خطوط۔ کسی کو بھائی کے لئے کسی کو بیٹے یا بیٹی کے لئے کسی کو عزیز رشتہ دار کیلئے سفارشی خطوط کے لئے مشنری صاحبان سے درخواست کرنی پڑی۔ اکثروں کو مل گئے بعضوں کو نہ ملے۔ وہ کڑکڑانے لگے۔ نیز جنکو خطوط سے کامیابی ہوگئی وہ تو خوش ہو گئے اور جنکو ناکامیابی ہوئی انہوں نے مشنری کی بدنیتی سے اسکو منسوب کیا کہ اچھی چٹھی نہ دی۔ (۸) [illegible] کڑکڑانے کے بڑے مناد صاحبان سیلف سپورٹ ہو گئے انہوں نے اپنی منادی [illegible] وعظوں میں مشنری صاحبان کی وہ گت بنائی کہ خدا پناہ [illegible] اگر شیطان کا بیان کرنا چاہا تو ایک مشنری کی تصویر کھینچ دی۔ [illegible] نے ایسے [illegible]

بڑی قدر کی نظر میں ہے کہ ان مناددں نے دیسی کلیسیاؤں کو اتنا نقصان پہنچایا اور آخر کار انہیں کے دامنگیر ہوئے جنکو وہ اپنے زعم میں ذاتی نفع کے لئے ضیطان سمجھ چکے تھے۔

جو سوال مینے پہلے اُٹھایا کہ اکثر باعث ہم مشن کے ملازم ہیں۔ یہ اُسکی تشریح ہوئی۔ اب دوسری طرف توجہ کرتا ہوں۔ اس خرابی کا باعث مشنری بھی کسی قدر ہیں۔ اس خرابی کی بنا یہ غلط فہمی ہے کہ ہم نے مشنری صاحبان کو مسیحی کمالات کا نمونہ سمجھ لیا اور ان کو جامع صفات مسیحی مانکر اُن سے ویسے ہی سلوک کے متوقع ہوئے جیسے ایک کامل شخص سے ہوتے ہیں۔ اس میں ہم ناامید ہوئے اور مشنری صاحبان ہماری نظر سے گرے۔ ہمنے سمجھا تھا کہ وہ مجسم خاکساری اور فروتنی ہیں لیکن نہ نکلے۔ ہم نے خیال کیا تھا کہ وہ حلم و بُردباری کی زندہ تصویر ہیں لیکن ثابت نہ ہوئے۔ ہم نے تصور کیا تھا کہ وہ محبت کے پُتلے ہیں لیکن کسوٹی پر خالص نہ اُترے۔ ہماری نظر ان کی طرف سے بدلی۔ اُنکی دیانتداری ان کے ایمان ان کی ہمدردی اُنکی دوڑ دھوپ وغیرہ سب امور کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ ان کی عالیشان کوٹھیاں نظروں میں خار ہوگئیں۔ اُن کی خورش اُن کی پوشش۔ ان کی سواری ہواخوری ان کے باغیچے۔ ان کے نوکروں کی قطار۔ شان و شوکت کی بہار۔ پہاڑوں کی سیر بارِ گراں بار کی طرح اُلٹے ہماری جان کے وبال ہوگئے۔ بھلا جب یہ خیال جم گئے تو پھر چاہے وہ فرشتہ بنکر بھی آئیں ہم اعتبار نہ کرینگے۔ اس پر طرفہ یہ ہُوا کہ بعض مشنریوں نے برملا دھتکارنا چابک لیکر پیچھے بھاگنا۔ غیر مذاہب کے سامنے منادوں کی ہتک عزت کرنا ایسے طور سے پیش آنا شروع کیا کہ آدمی اس طرف مُنہ نہ کرے۔ ایسے سلوک کا تذکرہ آناً فاناً مرض متعدی کیطرح عام ہوگیا۔ ایک تھا کریلا پھر نیم چڑھا۔ آگے کچھ کدورت تھی اب چند در چند ہوگئی۔ سکولوں میں بچوں کے بھیجنے کے باعث والدین کا جب بعض مہتمان سکول سے سابقہ پڑا اور مہتمم صاحبان نے انگریزی قوانین و سختی برتنی چاہی اور گورنمنٹی پروانے چڑھانے شروع کئے اور ہم نادانوں کم علموں کی پروا نہ کی اس سے اور بھی تیوڑی چڑھ گئی اور انتظامی معاملات میں جب انہوں نے ہمکو داخل نہ کیا پھر تو ہمارا منہ اور بھی بنگیا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ ابھی اس لائق نہیں۔ ہم نے سمجھا کہ "ہیچو ما دیگرے نیست"۔ انہوں نے صحیح سمجھا ہم نے غلط۔ اکثر مشنری صاحبان جو دیسی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں وہ بار بار یہ پڑھتے ہیں کہ دیسیوں میں (خواہ مسیحی ہوں یا غیر مسیحی) حسد کی صفت زیادہ ہے۔ اس لئے ان کو اندیشہ ہُوا کہ کہیں اس صفت سے بجائے نفع کے نقصان نہو۔ اور یہ شکایت تو عام ہے (خواہ مشنریوں کو کتنا ہی بُرا کہو) کہ ہم پردیسیوں کے ماتحت کام کرنے کو دیسیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ بھی اکثر جلسوں میں مشاہدہ ہُوا کہ جب دیسیوں کو بولنے کا موقعہ ملا تو ایسی بے تکی ایسی طول طویل لڑی سنانے لگے کہ سبھوں میں انگشت نما ہوئے۔ آپ کو دلی کا جلسہ یاد ہوگا۔ اب بھی تجربہ کرکے دیکھ لیجئے جہاں دس دیسی مسیحی اکٹھے ہوں گے کبھی کچھ فیصلہ نہ ہوگا لوگ نوکنیں ہوگی

[illegible] ہوگی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ آپ کو امرتسر کی دیسی کانفرنس کا حال بخوبی معلوم ہے بہرا سپرٹریہ قباحت ایک طرح سے دور ہو گئی تقریباً سب معزز مسیحیوں نے راتے [illegible] ہے کہ وہ کانفرنس میں نہ بیٹھیں۔ بھائی صاحب معاف رکھیے میں کہاں کا کہاں چلا گیا۔

ایک اور طرح سے مشنریوں نے اس گڑگڑاہٹ کو پیدا کیا۔ انہوں نے (یعنی مرد عورت) خانگی معاملات میں دخل دینا شروع کیا جو نہایت نامعقول اور نازیبا تھا اور اس مداخلت بیجا سے بہت مسیحی خاندانوں میں رخنہ ڈالا۔ گھر کی صلح و اطمینان کو بجائے تقویت کے نقصان پہنچایا۔ مسیحی بیچارہ دل میں گڑھتا ہے۔ کچھ کہتا ہے تو نوکری جاتی معرض عتاب میں آتا اور جانتا ہے کہ نانوگردی سے بچ جائے تو بچ جائے پادری گردی سے نہیں بچیگا۔

علاوہ ازیں جو قوانین مشنری صاحبان نے دیسیوں کے انتظام کیلئے بنائے وہ اس سنہری قانون کے اصول پر نہیں کہ "جو تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں تم بھی ان کے ساتھ کرو۔" اگر یہ قانون اِس اصول پر ہوتے خواہ اُس درجہ تک نہ ہوتے تو شکایت کا موقعہ نہ ملتا۔ آپ کا یہ فرمانا بجا ہے کہ اکثر مشنری لوگ اپنے روپے کا ذکر کرتے رہتے ہیں یہ نہایت نازیبا اور نادرست ہے۔ جو روپیہ خدا کے بندے خدا کے کام کے لئے دیتے ہیں وہ خدا کیلئے مخصوص ہو جاتا ہے اور دینے والے کا حق نہیں رہتا اگر دینے والا اپنا حق جتائے تو اس نے وہ شئے خدا کے لئے مخصوص نہیں کی۔ اِس لئے نہایت ہی مناسب ہے کہ ایسا کلمہ کسی کی زبان سے سُنا نہ جائے۔ البتہ مشنری صاحبان یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا کا روپیہ ہے ہم امانت دار ہیں حتی الوسع امانت داری سے خدا کے جلال اور اس کی سلطنت کی ترقی کے لئے بہتر طریقے سے خرچ کرینگے۔ اس میں کوئی اُن پر الزام نہیں لگا سکتا۔ بھائی صاحب جب معاملہ یہاں تک بڑھ جائے تو ایک کانفرنس کا ہونا یا دیسیوں اور پردیسیوں کا ایک مجمع میں بیٹھنا اتفاق اور شراکت کو قایم نہ کریگا۔ بلکہ زیادہ جدائی پیدا کرے گا۔

ان ظاہری اسباب کے علاوہ ایک اور سبب جدائی کا ہے جو زیادہ قابل غور معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہی سبب ہے جس کے باعث ہم دیسیوں کا باہمی اتفاق ہونے نہیں پاتا۔ اور جسکے باعث ہم اپنے ماتحتوں سے وہ سلوک برادرانہ نہیں کرتے جو ہم چاہتے ہیں کہ مشنری ہمارے ساتھ کریں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہم بہ نسبت مشنریوں کے اس امر میں زیادہ مجرم ہیں۔ کیونکہ مشنریوں نے ہم سے جیسا سلوک کیا ہم نے اسکا پاسنگ بھی اپنے ماتحت مناددوں سے نہیں کیا۔ جب ہم ایک ملک ایک قوم ایک مذہب ہو کر جُدا جُدا رہتے ہیں اور ہم میں شراکت پائی نہیں جاتی اور برادرانہ سلوک نہیں رکھتے تو کیا تعجب ہے اگر غیر ملک اور غیر قوم کے لوگوں کے ساتھ ہماری یگانگت نہ ہو۔ میری رائے میں اس امر پر زیادہ توجہ ہونی چاہئے اور اس خیال کو کہ پردیسیوں کے ساتھ ہماری یگانگت نہیں ہوتی فی الحال

نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ جب ہم میں باہمی اتحاد و یگانگت بڑھیگی غیروں کے ساتھ بھی قدرتاً بڑھیگی۔ آپ تو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ دیسی مسیحیوں میں اتفاق نہیں۔ اگر کسی کو نقصان پہنچتا ہے اگر کسی کی ترقی رکی ہے اگر کوئی ہمارے کام میں ہارج ہوتا ہے تو اکثر دیسی مسیحی کو اس کی تہ میں پائیں گے۔ نوکری کیلئے سفارشوں کیلئے مدد کیلئے جتنے مسیحی مشنریوں کو دق کرتے ہیں اگر ہم کو دق کریں تو شاید ملک چھوڑ کر بھاگ جائیں یگانگت کا یہی اصول ہے کہ پہلے ہم دیسی آپس میں مل جائیں پیچھے انگریزوں سے ملکر خدا کے ساتھ رفاقت میں کامل ہو جائیں۔ میرے خیال میں جب صورت حال یہ ہو تو ہم سب دیسی ملکر ایک ہفتہ مخصوص کر کے خدا سے منت وزاری کریں کہ وہ ہمکو آپس میں ملادے۔ اگر آپ مسیحی بھائیوں کو اس امر کے لئے اکسا سکتے ہیں تو بڑا کام کرینگے۔ اور خدا ضرور ہماری سُنے گا۔ اور یہ شکایت جاتی رہیگی۔ سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں۔

بھائی صاحب ہم کیوں انگریزوں کی زیادہ قربت حاصل کرنے کے پیچھے پڑیں۔ کیا جنہوں نے ایسی قربت حاصل کی وہ ہمارے کسی کام کے لائق رہے؟ میں تو سمجھتا ہوں وہ ہم سے گئے اور ہم ان سے گئے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ ہم ان سے کچھ فاصلہ ہی پر رہیں اور اس شعر کو پڑھ لیا کریں۔ ؎

من شمع جانگدازم۔ تو صبح دلکشائی۔
سوزم گرت نہ بینم۔ میرم چو رُخ نمائی۔

کوشش یہ ہو کہ خدا سے قربت حاصل کریں۔ اور یہ قربت و شراکت بہت کچھ ہماری باہمی قربت و یگانگت پر موقوف ہے۔ یہ ہندوستان کا پھل پھوٹ جاتا نہیں رہیگا۔ جب تک ہم سبھوں پر روح کثرت سے نازل نہ ہو اور روح نازل نہ ہوگی جب تک ہم رسولوں کی طرح ایک دل اور جان ہو کر اس سے دعا نہ مانگیں۔ اس لئے میرے دوست انگریزوں کے پیچھے نہ پڑیں۔ اپنے بستر تلے سونٹا پھیریں۔ ؎

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

لوتھر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیطان نے مجھے کہا کہ "مارٹن لوتھر! تم بڑے گنہگار ہو اس لئے تم ہلاک ہو گئے"۔ میں نے جواب دیا کہ ٹھہرو ٹھہرو۔ ہم ایک بات کا فیصلہ کریں گے۔ یہ سچ ہے کہ میں بڑا گنہگار ہوں لیکن تمہارا کوئی حق نہیں کہ مجھے یہ بتاؤ۔ میں خود اسکا مقر ہوں۔ جناب دوسری بات لو یعنی یہ کہ "اس لئے تم ہلاک ہو گے" یہ درست دلیل نہیں۔ یہ راست ہے کہ میں بڑا گنہگار ہوں لیکن لکھا ہے کہ "یسوع مسیح گنہگاروں کے بچانیکو دنیا میں آیا"۔ اس لئے میں بچ جاؤنگا۔ اب تم یہاں سے سٹکو۔ اس طور پر میں نے شیطان کا جوتا اسی کے سر پر دے مارا۔ سو وہ مغموم ہو کر میرے پاس سے چلا گیا۔

ہندوستان میں مسیحی مذہب کی آئندہ حالت

مرقومہ ۔ اے ۔ جی ۔ نارمن صاحب

وہ وقت اب آگیا ہے کہ ہندوستان کے نوجوان وہ وہ کچھ کریں جو انسانی اور قومی اور کلیسیائی زندگی میں ایک بار انجام پاتا ہے۔ انسانی زندگی میں والدین اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ والدین بوڑھے ہوجاتے اور بچے آپ اپنی پرورش کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے والدین کی عزت ویسی ہی کرتے اور اکثر اُن کی پرورش بھی کرتے ہیں۔ قومی زندگی میں اوّل اوّل کالونی اپنے وطنی ملک سے وابستہ رہتی اور اُس سے مدد لیتی ہے۔ دوران وقت میں وہ آپ اپنے پاؤں پر کھڑی ہوجاتی اور کبھی کبھی آزادی کے لئے اپنے وطن مالوفہ سے جنگ کرتی اور اکثر کامیاب بھی ٹھہرتی ہے۔ اور گو پولیٹیکل طور سے وہ اپنے وطن کی مخالف کیوں نہ ہو اسکی طرف سے اسکی محبت کم نہیں ہوتی۔ کلیسیاؤں کی نسبت یہ صادق نہیں ٹھہرتا۔ کلیسیا میں حقیقی زندگی موجود ہوتی ہے اور وہ روح القدس سے تقویت پاتی ہے۔ اس لئے کہ روح کی فرماں برداری کی جاتی۔ مسیح کا جلال ظاہر کیا جاتا اور خدا باپ کی پرستش کی جاتی ہے گو افسوس آدھے دل سے۔ اس دو ہزار سال کے عرصہ میں ظاہرا تو باپ کی پرستش روح اور سچائی سے کی گئی ہے۔ زندہ کلیسیا کی بھی شاخیں نکلتی ہیں۔ یہ شاخیں تیار ہوتی اور بڑھتی ہیں۔ لیکن شیطان ان کلیساؤں کی ایسے طور پر مخالفت کرتا ہے جو پہلی دو مثالوں میں ظاہر نہیں۔ لیکن ان پہلی دو کی خاصیتیں اس آخری میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور کلیسیا بُت پرست ہوجاتی اور روح کی قوت کھو بیٹھتی اور خدا سے دور ہوجاتی ہے۔ پھر اسکی شاخوں کو کلیسیا کی مخالفت کرنی پڑتی ہے اگر وہ روح القدس کی طاقت اپنے میں قایم رکھنا چاہتی ہیں تو کلیسیا سے بالکل علیحدہ ہوجاتی ہیں۔ اور ایک نئی کلیسیا قایم ہوجاتی ہے حقیقی زندگی کے ساتھ درد ضرور ہوتی ہے: بچہ درد میں پیدا ہوتا۔ درد میں بڑھتا۔ اور غم اور دکھ میں بڑھاپے کے سفید بال جوانی کی طاقتوں کی جگہ لیتے ہیں۔

وہ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کے نوجوان جو خداوند یسوع مسیح سے محبت رکھتے ہیں۔ ظاہر کریں کہ ان میں بھی زندگی ہے۔ اگر وہ حقیقی مسیحی ہیں تو انکو یہ آرزو دامنگیر ہے کہ اپنے اہل وطن کو انجیل کی بشارت دیں۔ کیا ہندوستان کے نوجوان جن پر خدا کی نظر لگی ہے۔ چاہتے ہیں کہ با ہمت اور آزاد زندگی اپنے میں ظاہر کریں۔ تو پھر اُن کو سوچنا چاہیئے کہ ممالک مغربی میں جو مسیحی دین کے روحانی پہلو کو نظر انداز کرکے رسومات پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ غیر مسیحی باشندگان ایشیا کے حسب خیال ہے یا نہیں۔ ان کو یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ خواہ ہم مادر کلیسیا سے کتنی ہی محبت کیوں نہ رکھیں اور جن چھاتیوں

سے ہم نے دودھ پیا اُسکی کتنی ہی عزت کیوں نہ کریں ۔ مادر کلیسیائیں کمزور تو نہیں ہو رہیں اور اپنی طاقت اور اثر تو نہیں کھو رہی ہیں کیونکہ وہ اُس بُرائی کو اپنے میں لیتی جاتی ہیں جو شیطان ان میں ہر دم ڈالنا چاہتا ہے ۔ جن لوگوں نے نام کی مسیحی کلیسیاؤں کی پچھلے پچاس برس کی حالت پر غور کیا ان کو افسوس سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اُن میں بُرائی داخل ہونی شروع ہو گئی ہے ۔ اب کیا ایشیا کے مسیحی ان دینی بدیوں کو اپنے میں داخل ہونے دینگے اور یُوں رُوح القدس کے کام کو روکیں گے ؟ یا بعض یُوں کہیں گے کہ جن بزرگوں نے اوّل اوّل ہمیں انجیل کی بشارت دی ان کی ہم عزت تو کرتے ہیں لیکن ہمارا فرض ہے کہ اپنے خداوند یسوؔع کو مقدم جگہ دیں ۔ اور اس بدی سے بالکل کنارہ کش ہوں ۔

لیکن یہی نہیں کیا ہندوستان کے دلاور نوجوان جو یسوؔع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں باہم کھڑے ہو کر نہ کہیں گے کہ یورپین عقیدے اور رسمیں ان کے حسبِ حال ہوں تو ہوں اہلِ ایشیا کے حسبِ حال نہیں جنکی مسیح کی خاطر ان کا پہلا فرض ہے کہ خدمت کریں ۔ اور مسیح کی طرف رجوع دلائیں ۔

مثلاً ملاحظہ کیجیے کہ رسُولوں کے عقیدہ سے مسیح کی کیسی کسرِ شان ظاہر ہوتی ہے ۔ مغرب کا مسیحی وہ کیسا ہی دیندار کیوں نہ ہو اپنے عقیدہ کا اظہار یُوں کرتا ہے کہ میں ایمان رکھتا ہُوں خدا قادرِ مطلق باپ پر جو آسمان اور زمین کا خالق ہے ۔ مشرقی مسیحی کہتا ہے کہ ہندوؤں نے خدا کے بیٹے کی الُوہیت کو ابھی تک قبُول نہیں کیا ۔ دینِ محمدی نے صدیوں سے اہلِ مشرق کو خدا کے بیٹے کی الُوہیت کے ماننے سے روک رکھا ہے ۔ ہمارے عقیدہ میں خدا کے بیٹے کو وہ جگہ ملنی چاہیے جو کلام اللہ کے رُو سے اُسکا حق ہے ۔

اِس لئے ضرور ہے کہ یا تو رسُولوں کا عقیدہ تبدیل کیا جائے یا اظہارِ ایمان کیلئے اُس پر اتنا زور نہ دیا جائے ۔ مصلحت تو یہی ہے کہ یہ عقیدہ اور دیگر تمام عقیدے چھوڑ دیئے جائیں اور انجیل کے وہ سادہ الفاظ جو رسول اور شاگرد بپتسمہ دیتے وقت استعمال کرتے تھے برتے جائیں ۔ جو شخص بپتسمہ لینے کی تیاری کرتا ہو اُسکو ہم محض ایک آدمی کا بنایا ہُوا عقیدہ نہ سکھلائیں بلکہ یہ امر اسکے ذہن نشین کریں کہ رُوح القدس ایک الٰہی اقنوم ہمارے درمیان حاضر ہے اور ہم مسیح کا جلال ظاہر کرنا چاہیں تو وہ ہماری مدد کو تیار رہتا ہے ۔

اگر اس عقیدہ کا تبدیل کرنا منظور ہو تو اس کی تبدیلی یوں ہونی چاہیے کہ میں ایمان رکھتا ہوں خدا باپ پر ۔ جس سے سب چیزیں ہیں ۔ میں ایمان رکھتا ہوں خدا کے بیٹے ہمارے خداوند یسوؔع مسیح پر ۔ جو خدائے نادیدنی کا اظہار ہے ۔ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ۔

کلام اللہ سے صاف ظاہر ہے کہ مبارک بیٹے نے باپ کے جلال کیلئے دُنیا پیدا کی ۔ یوحنا ۱: ۳ + کلسیوں ۱: ۱۶ + عبرانیوں ۱: ۲ سے یہ صاف ظاہر ہے ۔ نہ صرف فرداً فرداً آیتوں سے بلکہ سارے نئے

سے ہی ظاہر ہے۔

باپ چاہتا ہے کہ سب لوگ بیٹے کو وہی عزت دیں جو وہ باپ کو دیتے ہیں۔ یوحنا ۵: ۲۳۔ مغربی مسیحی جو خدا بیٹے کی الوہیت ظاہر کرنا چاہتے ہیں اُن کو چاہئے کہ جس عزت کا وہ مستحق ہے وہ اُسکو پوری پوری دیں۔

اے ہندوستان کے نوجوانو اُٹھو۔ وقت بڑا نازک ہے۔ کیا تم اِس وقت اور موقعہ کو اپنے ہاتھوں سے جانے دوگے؟ کیا تم بھی مغرب کی روز بڑھتی بُرائیوں میں مبتلا ہوگے؟ اُٹھو اے جوانو۔ دُنیا پر ظاہر کرو کہ تم مسیح کے لئے لڑائی لڑ سکتے ہو۔ شاید تمکو یہ توفیق ملے کہ اِس بُرائی کی لہر کو پیچھے ہٹادو جس سے پچھلی صدی کا تمام عمدہ کام بگڑ جائیگا۔ شاید تمہاری ہمت و جوانمردی کا اثر مغرب تک بھی جا پہنچے۔ مسیح کے نام سے اُٹھو۔

یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں سے چند خیالات

امریکہ کی مس ہیولٹ صاحبہ کے نام نامی سے ہمارے اکثر ناظرین واقف ہیں۔ آپ ۲۵ برس سے ایک نہایت مفید کام کر رہی ہیں اور اس قدر کام سنبھالا ہوا ہے کہ ہم حیران ہیں کہ یہ اکیلی خاتون اِس قدر کام ایسی خوش اسلوبی سے کیسے انجام دے سکتی ہے تعجب تو یہ ہے کہ باوجود اس کثرت کام کے آپ تصنیف کیلئے بھی وقت نکال لیتی ہیں۔ اور کلام اللہ کی بڑی باغور اور پُرفکر طالب علم ہیں اور شاید یہی آپ کی کامیابی کا بھید ہے۔ آپ نے یرمیاہ نبی کی کتاب پر اپنے مطالعہ کے نوٹس کا انگریزی مسودہ ہمیں عنایت کیا ہے جس میں سے ہم وقتاً فوقتاً چند خیالات ہدیۂ ناظرین کرتے رہیں گے۔ فی الحال سال کے خاتمہ اور دوسرے سال کے آغاز پر یرمیاہ ۱۸: ۱-۱۷ کے خیالات قابل غور معلوم ہوتے ہیں:-

خداوند نے یرمیاہ کو کمہار کے ہاں بھیجا جب کبھی وہ اپنے فرزندوں کو کوئی عجیب سبق سکھلانا چاہتا تو نرالے طریق سے اُن سے سلوک کرتا ہے۔ احمق ہیں وہ لوگ جو خیال کرتے ہیں کہ ان کو تربیت پانے اور سیکھنے کا سب سے بہترین طریق معلوم ہے! مطالعہ کرو ایوب ۳۵: ۱۱ + ۱۲: ۷-۸ + ۲۷: ۱۱ + ۳۴: ۳۲ + ۳۶: ۲۲ + زبور ۲۵: ۱۲ + ۳۲: ۸ + یسعیاہ ۲۸: ۲۶۔ اور یاد کرو کہ خدا نے اپنے نبیوں کو کن کن مختلف طریق سے سکھایا۔ مثلاً عاموس کو۔

یرمیاہ کمہار کے کام کو دیکھتا اور یاد کرتا ہے کہ انسان کی اصل کیا ہے۔ دیکھو ایوب ۱۰: ۹ + ۳۳: ۶ + یسعیاہ ۲۹: ۱۶ + ۴۵: ۹ + ۶۴: ۸۔ وہ یہ بھی سمجھ لیتا ہے کہ کمہار جب مٹی کو ہاتھ میں

لیتا تو اس کے ذہن میں ایک نقشہ بندھا ہے۔ اور اس نقشہ اور نمونہ پر مٹی کو صورت دینا
چاہتا ہے۔ لیکن کسی باعث سے وہ برتن ٹوٹ جاتا ہے۔ کمہار اس مٹی کو پھینک نہیں دیتا
بلکہ اس سے ایک اور برتن بنا لیتا ہے۔ اسرائیل کے لئے خدا کا ارادہ اور نمونہ نہایت
عجیب تھا۔ ہر ایک مسیحی کے لئے اسکا ارادہ ایسا ہی ہے اور وہ ارادہ یہ ہے کہ ہر ایک مسیح
کی مانند ہو۔ یرمیاہ نے یہ امر بھی ملحوظ خاطر کیا ہوگا اور ہم بھی اس پر غور کریں کہ کمہار
چاک سے کام لیتا تھا۔ وہ برابر لگاتار گھومتا رہتا ہے۔ مشیت ایزدی کا چاک ہماری روزانہ
زندگی۔ ہمارے واقعات۔ ان سب سے خدا کام لیتا ہے کہ ہماری سیرتوں کو صورت دے
مٹی کا کام یہی ہے کہ چپ چاپ پڑی رہے اور جو صورت کمہار اسکو دے وہی اختیار کرے
سے مقدس سیرتیں یونہی صورت پاتی ہیں۔ یرمیاہ نبی نے یہ بات ضرور دیکھی ہوگی اور ہم بھی
کو ذہن نشین کریں کہ چاک کی نسبت کمہار کے سلیم اور کاریگر ہاتھ نے بہت زیادہ کیا۔ زبور
۴۷ کو ایوب ۱۰: ۸ کے ساتھ پڑھو۔ یہ خدا کا کام ہم میں۔ ہم پر۔ ہمارے چاروں طرف ہے جو
ہمیں ایسی صورت دینے کے لئے لازم و لابد ہے کہ جس سے خدا کا جلال ظاہر ہو۔

مائر صاحب کا قول ہے کہ ہاتھ اور چاک دونو اکٹھے کام کرتے ہیں۔ ہم ہمیشہ اسکو سمجھ نہیں
سکتے لیکن ہے یہ یوں ہی۔

پھر یرمیاہ نے دوسرا برتن بنتا دیکھا۔ جو کچھ وہ بنانا چاہتا تھا وہ تو بنا نہ سکا
نے پھر کوشش کی اور جو کچھ بنا سکتا تھا وہ بنایا۔ یوں ہی خدا بھی جب اُسکے
کے نمونے انسانی گناہ سے ٹوٹ جاتے تو پھر بناتا ہے۔ یاد رہے کہ جب ہم خدا کو
ہیں کہ ہمیں دوبارہ بنائے تو جو کچھ ہم بن سکتے تھے وہ نہیں بنتے۔

کمہار کی تمثیل میں ایک نہایت ہی پیارا سبق چھپا ہے "کلام مجسم ہُوا"۔ "اس کا چہرہ
گیا" اور "اُس کے جی اُٹھنے کی قوت"۔ ان تین آیتوں سے کمہار کے کام کا مطلب
واضح ہوتا ہے۔

خداوند یسوع ہماری خاطر۔ چاک پر بنایا گیا۔ مصیبتوں سے کامل ہُوا۔ اور ہمارا
منظور کیا کہ موت سے اس کے بدن کی ہیکل مسمار ہو جائے اور پھر جلال یافتہ انسانیت
ظاہر ہُوا۔ فضل سے وہ کیسا معمور ہو گا کہ اس نے گوارا کیا کہ کمہار کے ہاتھ
رومیوں کے ۹ باب کا ضرور مطالعہ کرو۔ یرمیاہ کے ۱۸ باب کی یہ الہامی تشریح
اعمال ۹: ۱۵ اور ۲ تمطاؤس ۲: ۲۰-۲۱ پر بھی دھیان کرو۔ صرف گناہ ہی اس خدا کے عجیب
کام کو جو ہم میں ہے بگاڑ سکتا ہے۔ دیکھو یسعیاہ ۱۸: ۱۱-۱۷

(۱) خدا کو ترک کر دینا۔ (۲) دوسری چیزوں کے پیچھے جانا۔

اگر ہم ایسا کرتے ہوں تو کسی بڑی امید سے یہ دعا کر نہیں سکتے کہ "اپنے ہاتھوں
کے کاموں کو فراموش مت کر"۔

کلام مجسم ہوا

از۔ ڈاکٹر ناصر

لفظ کلام کتاب مقدس میں بارہا آیا ہے۔ مگر جس معنی میں رسول یوحنا نے اس کو [illegible] استعمال کیا ہے وہ اور کہیں پایا نہیں جاتا۔ اس مقام پر یونانی لفظ لوگس سے مراد ہے خدا کا ابن ازلی جو مقدس ثالوث کا اقنوم ثانی ہے۔ اس کلام کی ماہیت کا بیان رسول ان الفاظ میں کرتا ہے "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں الخ"۔ یوحنا اس دعویٰ کو اپنی انجیل میں ثابت کرتا ہے۔ اور جو نقشہ مسیح کی سیرت اور صفات کا اناجیل میں منقش ہے یا الہامی خطوں میں پایا جاتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس لفظ کا اطلاق سوائے مسیح کے اور کسی شخص پر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عبرانیوں کے خط کے پہلے باب کی تیسری آیت میں وہ "خدا کی ذات کا نقش" کہلاتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے الفاظ ہماری سیرت اور ذات کا نقش ہیں اسی طرح وہ خدا کا نقش ہے۔ پھر بلحاظ اپنے عہدہ اور خدمت کے وہ خدا کا کلام ہے۔ لکھا ہے کہ "جسے خدا نے بھیجا وہ خدا کی باتیں کہتا ہے" (یوحنا ۳: ۳۴)۔ خدا باپ نے اسی کے وسیلے سے اپنا مافی الضمیر اور ارادہ بنی آدم پر ظاہر کیا۔ یہودی لوگ مسیح کو کلمۃ اللہ کہا کرتے تھے۔ چنانچہ کلدی زبان کے مترجم ان مقامات میں جہاں موسیٰ نے لفظ یہوداہ استعمال کیا ہے لفظ ممرا بمعنی کلام درج کرتے ہیں۔ اب مسیح کے زمانہ سے پیشتر کے یہودی مفسر ممرا یا کلام کو الٰہی صفات سے موصوف سمجھتے تھے۔ چنانچہ بقول ان کے کلام نے دنیا کو خلق کیا۔ وہی موسیٰ کو کوہ سینا پر نظر آیا اور اسکو شریعت دی۔ اس سے روبرو ہمکلام ہوا۔ وہ اسرائیل کو مصر سے نکال لایا اور قوم کے آگے آگے کوچ کرتا تھا۔ وہی کلام ابراہام اور یعقوب پر ظاہر ہوا۔

یہودیوں میں یہ خیال عالمگیر معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسکندریہ کے یہودی مصنف جن کی تصانیف میں سے اپاکرفا ہمارے پاس موجود ہے یہ لفظ بارہا استعمال کرتے ہیں۔ "سلیمان کی حکمت" کی کتاب اسی خیال کی توضیح اور تشریح ہے۔ اسی شہر کا مشہور یہودی مصنف فیلو کلام کی نسبت بڑے اعلیٰ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اسکا بیان اول خلقت۔ بزرگ ترین فرشتہ۔ ابتدا۔ نقش ازلی وغیرہ ناموں سے کرتا ہے۔ یہودی قوم تو خدا کی ایک خاص

چیدہ اور برگزیدہ قوم ہے جس میں ایسے خیالات کا موجود ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں مگر دیگر اقوام میں اس لفظ کا اسکے اعلیٰ ترین معنی میں پایا جانا صاف صاف اس امر کا شاہد ہے کہ خدا نے اپنے آپ کو کسی قوم میں بے گواہ نہیں چھوڑا۔ ہر ایک مذہب میں جہاں اہلِ تصوف نظر آتے ہیں خدا کے کلام ازلی کے تجسم کا انتظار اور عکس پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک عمدہ مثال زردشت کے فلسفہ میں پائی جاتی ہے جہاں آسمانی کلام کا ذکر ہے جو انسانی ذات اور دنیا سے پیشتر ہے۔ غرض یہ لفظ یوحنا حواری نے ایجاد نہیں کیا اور نہ ایسے زمانہ میں استعمال کیا جس میں دنیا اس کے مفہوم اور اعلیٰ مطالب سے ناآشنا تھی۔ بلکہ تعجب نہیں ہے کہ جن ایام میں رسول نے اپنی انجیل کو قلمبند کیا ایسے لوگ موجود ہونگے جو اس لفظ کی تفسیر اور تشریح پر بحث مباحثے کیا کرتے ہوں گے۔ یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ یہودیوں کے خیال میں کلام موعود مسیح پر اطلاق رکھتا تھا یا نہیں۔ بہر صورت یوحنا نے مسیحی فلسفہ میں اس لفظ کو مسیح کے ساتھ منسوب کر کے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ جس خیال کا عکس دنیا میں موجود تھا وہ حقیقت میں ابن اللہ ہے اسی ... دنیا خلق ہوئی اور وہی انسان کی زندگی اور نور ہے۔

...س کلام کی نسبت رسول فرماتا ہے کہ وہ مجسم ہوا۔ اس ازلی شخصیت نے جو ذاتِ خدا میں ... کے موجود تھی جسم اختیار کیا۔ یقیناً یہ ایک بڑا بھاری راز ہے مگر اس میں کوئی ایسی بات ... جو خدا کی طاقت سے بعید یا انسانی عقل کے خلاف ہو۔ جس دنیا کو خدا نے خلق کیا ... کے ایک ذرہ کی ماہیت انسان دریافت نہیں کر سکتا تو الٰہی ذات کو کون شخص حیطۂ اد... سکتا ہے۔ جس مذہب میں انسان خدا کی ذات اور صفات کو کما حقہٗ ثابت کر سکت... مذہب محض انسان کی بناوٹ اور اسکا خدا مصنوعی خدا ہوگا۔ لیکن اگرچہ ہم کلا... تجسم کو کما حقہٗ سمجھنے یا سمجھانے کا دعویٰ نہیں کر سکتے تو بھی اس واقعہ کو قرین قیاس ... ہیں۔ بقول بیشن صاحب اگر تجسم کو مان لیا جائے تو اس سے مقدس ثالوث کے ... کا اندرونی تعلق زیادہ صفائی کے ساتھ نظر آنے لگتا ہے۔ اور کلام کا خلقت کے متعلق ہونا اور مخلوقات سے پیشتر اسکا اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کا آغاز اور بنیاد ہونا بہتر طور پر سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگرچہ خدا دنیا سے بلند و برتر ہے مگر وہ ہر جا حاضر و ناظر ہے اور یہ ممکن اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدوس ذات کسی مناسب زمان و مکان میں اپنی مخلوقات میں خاص طور پر اپنا ظہور کرے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن اللہ کی ذات میں یہ میلان یا بالقوہ صفت موجود تھی کہ وہ دنیا اور انسان کے ساتھ ہمنشین ہو جائے۔ مقدس اتھاناسیوس کا قول ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ کلام اللہ دنیا میں بطور اس کی روح کے موجود ہے تو کونسا تعجب ہے کہ وہ انسانوں کے درمیان موجود ہو۔ اور اگر وہ انسانوں میں موجود ہو تو ان پر کیوں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی حیرت افزا بات نہیں ہے کہ وہ جو تمام مخلوقات اور زندگی کا مبدا ہے اور انسان کے ذریعے مکاشفہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے

انسانی جسم اختیار کرکے حق کا ظہور کرے اور باپ کو آشکارا کرے۔ پھر اگر دنیا کی تواریخ
پر غور کی جائے تو اس سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ سائنس کے عالموں کی رائے ہے
کہ دنیا کی موجودہ نباتات اور حیوانات سادہ اجزاء سے لاکھوں بلکہ کروڑوں سال کے عرصہ
میں کیمیائی ترکیب کے ذریعے درجہ بدرجہ بنتے گئے۔ اسمیں اصلی مادہ کے خلق ہونے سے انکار
نہیں۔ مگر یہ دعویٰ خواہ راست ہو یا نہ ہو اسمیں ایک اصول پایا جاتا ہے جو علاوہ سائنس کے
ہر قسم کے علوم اور دنیوی اور ملکی معاملات پر صادق آتا ہے یعنی یہ کہ ہر جگہ ترقی بتدریج
نیچر کا قانون ہے۔ کتاب مقدس کے مطالعہ کرنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ خدا کا الہام
بھی بائبل میں بتدریج پایا جاتا ہے اب اگر تمام مخلوقات ادنیٰ سے اعلیٰ ہوتی جاتی ہے تو
پس قاعدہ کو کس نے محدود کر دیا کہ اسکا اطلاق وسیع نہیں ۔ الانسان کی نسبت کہا گیا ہے
کہ اسکو چین نہیں جب تک کہ وہ خدا میں آرام حاصل نہ کرے" یہ اشرف المخلوقات انسان
خدا کا علم حاصل کر سکتا۔ اسکو پیار کر سکتا بلکہ اُس کی صورت پر خلق کیا گیا ہے اور اگر خدا
جسم میں ظاہر ہو تو اُسکی قدر و منزلت پہچاننے کے قابل ہے۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ جس مخلوق
کو ایسے اعلیٰ امتیاز اور احساس کی طاقت دی گئی ہے اُسکو تجسم کی برکت سے محروم رکھا
جائے۔ دُنیا کا نظام اور تواریخ کا سلسلہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ خالق مخلوق کے جامہ
میں ظاہر ہو کر دنیا میں آئے۔ ورنہ انسان کا تجربہ اور علم کے تمام قواعد محض دھوکا ہیں۔ اگر
کلام میں انسانی شکل میں ظاہر ہونے کا طبعی میلان ہو اور انسان کی طبع میں کلام کے قبول
کرنے کا مادہ پایا جائے تو اسکا ضروری نتیجہ یہی ہے کہ کلام مجسم ہو۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ
خدا جسم میں ظاہر ہوا۔ بلکہ سخت تعجب ہوتا اگر خدا انسانی جامہ میں اپنے آپ کو ظاہر نہ کرتا۔
یہ بحث اس وقت فضول ہے کہ اگر انسان گناہ نہ کرتا تو خدا کو مجسم ہونے کی ضرورت پڑتی
یا نہیں۔ مندرجہ بالا دلائل اس امر کی موید ہیں کہ بغیر گناہ کے بھی کلام کا مجسم ہونا ضرور تھا۔
اگر یہ نتیجہ درست ہو تو اس میں خدا کی عجیب حکمت پائی جاتی ہے کہ یک تیر و دو نشانہ کی
مصداق تجسم کے ساتھ کفارہ کا مسئلہ بھی حل کر دیا۔ وہ نہ فقط انسانوں میں انسان ہو کر
رہا بلکہ اس نے انسانی جسم میں موت پر فتح پا کر گناہ کو مغلوب کیا۔ ممکن ہے کہ خدا گنہگار کے
فدیہ کا کوئی اور انتظام کرتا مگر انسانی شکل اختیار کرنے سے وہ ہمارے ساتھ ہمدردی کر
سکتا ہے۔ وہ بچہ کی صورت میں پیدا ہوا اور مفلسی میں زندگی بسر کرتا رہا۔ وہ انسان کی تمام
مشکلات سے واقف ہوا اور اذیتوں سے کامل کیا گیا۔ اور اس لئے انسان کا کامل ہمدرد
ہے۔ ہمارے درمیان خیمہ زن ہونے سے وہ ہمارے لئے نمونہ ٹھہرتا ہے۔ اگر خدا مجسم ہو کر
ہم سے دور دور یا کسی بڑے بادشاہ کے محل میں رہتا تو ہم اُسکی نشست اور زندگی سے بہت
تھوڑا واقف ہو سکتے تھے۔ اور اسکے نمونہ کی تقلید کرنا ناممکن ہوتا۔ مگر اب ہم اسکو اپنے درمیان
بود و باش کرتے دیکھتے ہیں۔ اس کی رفتار و گفتار ہماری نظروں کے سامنے ہے تا ہم اُسکی

خود انکاری اور خود نثاری ہمارے لئے دستور العمل اور سبق ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ مجسم ہو کر ہمارا فدیہ نہ ہوتا تو ہم اُسکے گوشت اور خون میں شریک نہ ہو سکتے اور بہت سی برکات سے محروم رہتے مناسب ہے کہ ہر سال جب ہم اس مبارک تجسم پر غور کرتے ہیں تو خدا کا شکر کریں کہ اُس نے ہماری خاطر جسم اختیار کیا اور ہمکو گناہ کے بند سے رہائی دی۔ کیا ہم اس فضل کو پاکر اسکا چرچا کرینگے یا خود غرض ہو کر دنیا سے گذر جائیں گے؟

مسیحی

یورپ میں سینکڑوں اخبارات ایسے ہیں جو صرف روحانی زندگی کی اشاعت کرنے والے ہیں۔ وہاں کے لوگ قدردان بھی ایسے ہیں کہ ایسے اخبارات کی اشاعت بھی پولیٹیکل اخبارات سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ ہزاروں اور لاکھوں تک۔ ہمارے ملک میں ہنوز ایسا مذاق بہت کم ہے کہ لوگ ہر قسم کے اخباروں کی قدر کریں۔ اخبار نُور افشاں کو ہی دیکھیے۔ کہ جب یہ جاری ہُوا تو خال خال مسیحی تھے۔ اب تین لاکھ سے زیادہ مسیحی ہندوستان میں ہیں مگر اس کی اشاعت وُہی ڈھاک کے تین پات۔ حالانکہ اُسمیں ہر طرح کے مضامین پولیٹیکل۔ سوشیل۔ مارل۔ ریلیجس۔ خبریں سب کچھ ہوتا ہے۔ تاہم مسیحیوں کی توجہ اس کی طرف بہت کم ہے۔ مشن کا پرچہ ہونے کے باعث وہ آجتک قایم ہے۔ اگر مسیحیوں پر اس کی زندگی کا مدار ہوتا تو کب کا اُسکا خاتمہ ہُوا ہوتا۔

اب جبکہ مسیحیوں کے شمار میں خدا نے اِسقدر ترقی بخشی تو ان کی رُوحانی ضروریات کے پورا کرنے کے واسطے ایک خالص مسیحی پرچہ کی ضرورت تھی جو تو چاہیئے تھا کہ مشنری اسکو شروع کرتے۔ مگر خدا نے یہ فخر پنجابیوں کو بخشا کہ وہ خود اپنی ضروریات کے مطابق اپنی مدد آپ کریں۔ ہر بات میں پردیسیوں کے دست نگر نہ رہیں۔ کیونکہ وہ ہماری حاجتوں سے پورے واقف بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ سو ہمارے بھائیوں نے روحانی ترقی۔ اور اصلاح قوم کی خاطر امرتسر سے مسیحی پرچہ جاری کیا جو کئی برسوں سے اپنا کام بوجہ احسن پورا کر رہا ہے۔ جو کچھ اُس نے آجتک کیا۔ اور کر رہا ہے۔ سو سب پر عیاں ہے۔ روحانی زندگی کے ہر طرح کے مضامین اس میں مندرج ہوتے ہیں۔ اس پرچے کے ذریعے ہم گھر بیٹھے کونونشن اور ریوائیول میٹنگز کر لیتے ہیں۔ اعلیٰ روحانیت کے جو بھید انگریزی حروف کے پردہ میں چھپے ہوتے ہیں یہ اخبار ہمکو اپنی مادری زبان کے الفاظ میں بتا دیتا ہے۔ روحانی زندگی

کی ترقی کے وسائل ۔ اشاعت انجیل کے بڑھنے کے طریقے بوجہ احسن ظاہر کرتا ہے ۔ کیا میں ان باتوں میں مبالغہ کر رہا ہوں؟ مخالفوں سے پوچھئے ۔ اگر وہ بھی مان لیں تب تو آپکو ماننے میں عُذر نہ ہوگا ۔ مَیں نے ایک مسیحی کے مخالف سے گفتگو کی ۔ اُس نے کہا کہ واقعی مسیحی خوب کام کر رہا ہے ۔ لیکن مشنوں اور مشنریوں کی مخالفت کا وطیرہ اس کا ٹھیک نہیں ۔ دوسرے لفظوں میں میں نے اس کی اس بات کا مطلب یہ سمجھا کہ وہ خوشامدی نہیں ۔ بس یہی نقص ہے ۔

ایک گورے نے کسی حبشی کے سیاہ رنگ پر اسکو حقیر سمجھکر اُسے ٹھٹھا کیا حبشی نے کہا کہ صاحب اگر تمہارے رنگ کا ایک داغ میرے بدن پر ہو تو میں کوڑھی سمجھا جاؤنگا ۔ خاندان اور قوم سے خارج ہو جاؤنگا ۔ لیکن اگر میرے رنگ کا ایک داغ تمہارے رُخ پر ہو تو وہ تمہارا حسن سمجھا جائیگا ۔ سو جس بات کو ہمارے مشنری صاحبان مسیحی کا عیب سمجھتے ہیں اُسی کو ہم اسکا حسن سمجھتے ہیں ۔ ہمارے بزرگ مشنری صاحبان اتنا نہیں خیال کرتے کہ مسیحی کو کسی سے ذاتی غرض نہیں ۔ وہ صرف خدا کے جلال کے واسطے بعض اُن نقصوں کو جو روحانیت اور انجیل کی ترقی کے مانع ہیں صفائی سے بیان کر دیتا ہے ۔ لاگ لپیٹ کچھ نہیں رکھتا ۔ کیونکہ وہ مسیحی ہے ۔ مسیحی کو ایسا ہی کوئی شمس والا ۔ صاحب ہمت ۔ بے ریا ۔ اور حق گو ہونا چاہئے ۔ وہ پالیسی پر نہیں چلتا ۔ جو ایک قسم کی مکاری ہے ۔ مگر خداوند کے نمونہ پر چلتا ہے جس کا فرمان اپنے جانی دشمنوں کو بھی یہ تھا کہ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس ۔ اگر کسی کے خلاف مسیحی نے کچھ لکھا تو کوئی گناہ نہیں کیا ۔ مجھ سے ایک مشنری صاحب نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ مسیحی سے مشنری ناراض رہتے ہیں ۔ مَیں نے عرض کی کہ وہ ہماری خرابیوں کو کھولکر بیان کر دیتا ہے ۔ اور اس کی برداشت ہمارے بزرگ نہیں کر سکتے ۔ انہوں نے فرمایا کہ واہ یہ تو عجیب بات ہے کہ ایک حق بات سے ہم ناراض ہوتے ہیں اگر واقعی وہ خرابی ہمارے درمیان ہے تو ہمیں مسیحی کا شکرگذار ہوکر اُس کی اصلاح کرنی چاہئے ۔ اگر مسیحی کی غلطی یا غلط فہمی ہے تو اس کی تردید کرنی چاہئے اس کے کیا معنی کہ اخبار ہی بند کر دینا ۔ پھاڑ دینا ۔ یا جلا دینا ۔ میں تو ایسے دوست کو بہت پسند کرتا ہوں جو میرے عیب مجھے بتا دے ۔ میں اس پرچہ کو ضرور خریدونگا ۔ ایڈیٹر مسیحی کو لکھ کر میرے نام جاری کرا دینا ۔

اس کے متعلق مَیں اپنے بزرگ مشنری صاحبان کی خدمت میں تھوڑی سی عرض کرنی چاہتا ہوں ۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ مسیحی آپ کا مخالف ہے ۔ وہ بھی اسی مالک کا خدمتگار ہے جس کے آپ ہیں ۔ ایک خدمت آپ کے سپرد ہے ایک مسیحی کے ۔ آپ اسکی خدمت کو ناچیز نہ سمجھیں ۔ وہ بھی اور ہم بھی سب کے سب آپ صاحبان کی جانفشانیوں ۔ خود انکاریوں کے جو انجیل کی خدمت کے واسطے آپ کرتے ہیں قدردان ہیں ۔ مگر یہ بھی آرزو رکھتے ہیں کہ

اِن خوبیوں میں سے قومی فخر اور خودی کی پُوجا تی رہے۔ تاکہ مسیح بڑھے اور ہم گھٹیں ۔
خیر یہ جملہ تو معترضہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ مشنری صاحبان کے پاس ایسے اور اِس سے ہزار درجہ اعلےٰ انگریزی اخبارات بیسیوں آتے ہیں اُن کو مسیحی کی ضرورت بھی نہیں۔ مگر اے مسیحی بھائیو۔ آپ کے پاس سوائے اتواری گرجائی وعظ کے روحانی زندگی میں ترقی کرنے کے کون سے ذریعے ہیں۔ جو آپ اسکی طرف سے ایسے بے فکر اور لاپرواہ ہو رہے ہیں۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ آپ مسیحی کے ایڈیٹر کو کیا تنخواہ دیتے ہیں اُسکے مینجر کو کیا درماہا ملتا ہے۔ گھر سے کھاکر آپ کی خدمت کرتا ہے۔ بے دام آپ کا غلام ہے۔ اُسکی محنتوں کا اگر کچھ پھل آپ اس کو نہیں دیتے تو کاغذ اور سیاہی کا خرچ تو اس کا پُورا کردیں۔ مشنری صاحبان نے تو اسکو چھوڑ دیا۔ کیونکہ ان کو اسکی ضرورت نہیں۔ کیا آپ کو بھی ضرورت نہیں؟
آپ میں سے [illegible] بعض شبانہ روز غیر اقوام کے درمیان رہتے ہیں۔ بعض اپنے دُنیوی کاروبار میں ایسے لگے رہتے ہیں کہ کبھی گرجا کا دروازہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ بعض کو مسیحیوں کی رفاقت نصیب نہیں ہوتی۔ کیا آپ کو ایک ایسے دوست کی ضرورت نہیں جو آپکا ساتھی ہو اور آپ کے روحانی گھاٹوں کو پورا کرے۔ آپکا سچا اور حقیقی خیر خواہ ہو کر مسیحی زندگی کے نقص آپ کو بتایا کرے۔ انگریزی خواں دیسی بھائیوں کو تو رہنے دیجئے۔ وہ ہمارے مشنری صاحبان سے بھی قدم آگے بڑھائے ہوئے ہیں۔ مگر کیا ہندوستانی اُردو خوان مسیحی کم ہیں جن کو اسکی ضرورت نہیں۔ پھر آپ کیوں نہیں اس طرف توجہ کرتے۔
خالص یہی اور صرف یہی کام ہم دیسیوں کا ہے۔ وہ بھی آپ کی بے توجہی سے ادھورا رہا جاتا ہے۔ لو ایک کام کرو۔ جس قدر مسیحی کے خریدار ہیں۔ اس سال اپنے ذمہ ایک نیا خریدار لیں۔ کہ کسی نہ کسی کو خریدار بنا کر قیمت پیشگی وصول کرکے مینجر مسیحی کو روانہ کریں۔ لو میں بھی اپنے ذمہ اس فرض کو لیتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس طرح ہم مسیحی کی بہت خدمت کر سکیں گے۔ اور مسیحی بھی اپنی خدمت کو لاچاری سے نہیں بلکہ خوشی سے پورا کریگا۔ بلکہ ہماری اُمیدوں اور خواہشوں سے بہت زیادہ کریگا۔ میری دُعا ہے کہ خدا اپنی کلیسیا کی بہتری کے واسطے اس پرچہ کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی بخشے۔
بھائیو! آپ اس وقت جبکہ مخالفت ہے تھوڑی توجہ فرماکر تھوڑی مدد کرکے ایک ایک خریدار پیدا کریں تو بہت ہے۔ ص

وقت پر قطرہ بہت ہے ابرِ خوش ہنگام کا۔ جل چکا جب کھیت مینہ برسا تو پھر کس کام کا

دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اسکا نام عمانوئیل ہوگا یسعیاہ ۷ : ۱۴۔ ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہمکو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اسکے کاندھے پر ہوگی اور وہ اس نام سے کہلاتا ہے عجیب۔ مشیر۔ خدائے قادر۔ ابدیت کا باپ۔ سلامتی کا شہزادہ۔ یسعیاہ ۹ : ۶

شرابی کو صبح وشام صرف شراب اور روٹی دی جاتی ہے۔ ڈبل روٹی قریب گھنٹہ تک شراب میں ڈبوئی رہتی ہے۔ اور شراب سے بھرپور پیالہ میں روٹی ڈال کر قیدی کو دی جاتی ہے۔ پہلے دن تو قیدی اسکو خوشی سے کھاتا ہے۔ دوسرے دن کچھ ناپسند کرتا ہے۔ ۸-۹ روز کے بعد ایسا متنفر ہو جاتا ہے کہ یہ عادت بالکل چھٹ جاتی ہے۔ افسوس بابو آئی سی سنگھا صاحب ہیڈ ماسٹر بیرنگ ہائی سکول بٹالہ کو ضعف اور علالت طبع کی وجہ سے کام سے دست بردار ہونا پڑا۔ اگر خدا کی مرضی ہوئی تو آپ اپنے باقی ایام بٹالہ ہی میں صرف کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایک نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ ملتان میں مشنری صاحبان اور ہندوستانی بھائیوں کے درمیان کشمکش ہو گئی مگر خیر رہی۔ سنا جاتا ہے کہ کلارک آباد میں لڑکوں کے یتیم خانہ کی حالت قابل اطمینان نہیں۔ بڑے بڑے لڑکوں نے نہ پڑھنا لکھنا سیکھا۔ نہ حرفت اور صنعت کی تعلیم پائی۔ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ تعجب نہیں کہ آخر انکو چرچ مشن کے سپرد کیا جائے۔ ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ پنجاب سی ایم ایس کے وسطی مشن کے قریب ایک گرجا سے کوئی شخص چندہ جمع کرنیکی طشتری اڑا لے گیا۔ مشنری صاحب انچارج نے بذریعہ منادی شہر میں یہ اعلان دیا کہ "جس شخص نے طشتری چرائی ہے لعنت ہے اس کی اوقات پر۔ نہ اسکو پیٹ بھر کھانا اور نہ پہننے کو کپڑا (نصیب ہو)"۔ ہندو مسلمانوں میں اس منادی کا خوب چرچا رہا۔ مگر تعجب ہے کہ کمبخت چور طشتری معہ اس پادریانہ لعنت کے ہضم کر گیا۔ ایک سرکاری ملازم تحریر فرماتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ سی ایم ایس کے بعض دیسی پادریوں کو جو کسی نہ کسی (معقول یا نامعقول) وجہ سے اپنے گھربار سے جدا رہتے ہیں ہر سہ ماہی پر اپنی بیوی بال بچوں سے ملاقات کے لئے ایک ہفتہ کی رخصت اور آمدورفت کا کرایہ ملتا ہے۔ مشن کی فیاضی کے قابل تعریف ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ دیسی کلیسیا میں کئی ایک بھائی جو غالباً اس قاعدہ سے واقف نہیں ہیں خوشی سے اس سنہلے موقعہ کا فائدہ اٹھائیں گے۔ بابو لچھمن سنگھ سوڈھی ولایت سے ڈاکٹری امتحان پاس کرکے واپس آگئے اور لاہور میں پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی ہے۔ سنا ہے کہ پادری فتح مسیح صاحب کلارک آباد میں بلا مشاہرہ کام کرینگے۔ تناقلی سی ایم ایس ڈسٹرکٹ کونسل کے متعلق ۵۰۵۱۸ مسیحی ہیں۔ پچھلے سال انہوں نے ۳۸۰۹۴ روپے چندہ دیا۔ ڈاکٹر ہال نے جو ان دنوں ہندوستان میں ہیروز لیکچرز کے متعلق تشریف آور ہیں ۲۵ نومبر کے دن کلکتہ میں ایک مرہٹہ میڈیکل سٹوڈنٹ کو بپتسمہ دیا۔ یہ جوان مجمع مسیحی نوجوانان (وائی ایم سی اے) کے ہوسٹل میں رہتا تھا اور اسکا بیان ہے کہ سکریٹریان سے تعلیم پانے کی نسبت مسیحی طالب علموں کی سنگت سے مجھے زیادہ فائدہ ہوا۔ وائی ایم سی اے کلکتہ کے جنرل سکرٹری مسٹر جے کیمبل یونائیٹڈ پریسبیٹرین چرچ آف امریکہ کے مشنری سکرٹری مقرر ہوئے۔ سٹوڈنٹ والنٹیئر موومنٹ کے سفری سکرٹری مسٹر گلبرٹ لاہور میں تعین ہوئے ہیں کہ وائی ایم سی اے کے متعلق بالخصوص طالب علموں میں کام کریں۔ آپ ییل یونیورسٹی امریکہ کے سند یافتہ ہیں

سکاٹ لینڈ کی نیشنل کونسل کی طرف سے مسٹر ٹرنر لاہور والی ایم سی اے کے سکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔ لاہور کے لالہ چندولال صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ہمارا ارادہ ہے کہ نہ صرف پنجاب ینگ کرسچن ایسوسی ایشن کے کام کو وسعت دیں بلکہ تمام ہندوستان کے لئے ایک ینگ کرسچن ایسوسی ایشن قایم کریں۔ پنجاب ایسوسی ایشن کی اغراض صرف مسیحی جوانوں کو اعلےٰ تعلیم کی تحصیل میں مدد دینا ہے۔ چاہئے کہ اول پولیٹکل اور سوشیل امور بھی اس کے اغراض میں شامل کئے جائیں اور جابجا مقامی یا ڈسٹرکٹ ایسوسی ایشنیں قایم کی جائیں۔ برطانیہ اعظم اور آئرلینڈ میں ۲۲۷ مختلف مذہبی فرقے ہیں۔ امریکین بورڈ آف مشنس نے گھاٹے کا بہت سا حصہ پورا کر لیا ہے اور اس سال بچت کی امید رکھتے ہیں۔ سڈنی کیتھیڈرل (آسٹریلیا) میں کارپنٹیریا کے بشپ کی تقدیس کی عبادت کے وقت ۱۲۷۵۰۰ روپیہ چندہ کی تھیلی میں ڈالا گیا۔ چرچ مشنری سوسائٹی اس وقت ۵۸۰ سٹیشنوں میں کام کر رہی ہے۔ یورپین اور کالونی ہائے کے مشنریوں کی تعداد ۹۱۹ ہے۔ ان میں سے ۴۱۲ آرڈین۔ ۴۳ لے مین اور باقی عورتیں ہیں۔ ۴۰ ڈاکٹر ہیں جنمیں سے ۴ عورتیں ہیں۔ تاجپوشی کی یادگار میں بیبل سوسائٹی نے کلام مقدس کی ایک جلد بادشاہ کی نذر کی ہے۔ تقطیع ۱۱×۸ انچ ہے۔ اس کی جلد پر قدیم مسیحیوں کے اصطلاحی نشان جو انہوں نے رومیوں کے ڈر سے اختیار کئے تھے کھنچے ہیں۔ مور کی تصویر بنی ہے جو نئے پر پانے کے باعث قیامت کا قدیمی نشان ہے۔ جہاز کی صورت پر ایک لیمپ (چراغ) کلیسیا کا نشان ہے۔ مقدس پطرس ہلم (جہاز کے اگلا حصہ) پر کھڑا ہے اور مقدس پولوس پیچھے۔ دو مچھلیاں منجی کا نشان ہیں۔ ایک کبوتر۔ ایک لنگر اور ایک جہاز لنگر ڈالے ہوئے اور ایک ہفت شاخی بتی وغیرہ وغیرہ۔ اچھے گڈریا کی بھی تصویر بنی ہے اور یونانی میں مسیح لکھا ہے۔ مرکز میں ایک صلیب ہے جس کے چاروں طرف انگور کے گچھے اور پتے ہیں نیز گیہوں کی بالیں یہ زندگی کی روٹی کا نشان ہیں۔ دہلی دربار کی یادگار میں امرتسر میونسپل کمیٹی نے چھ ہزار روپیہ خیراتی کاموں اور جلسوں کیلئے منظور کیا ہے جسمیں سے ایک سو روپیہ غریب مسیحیوں میں تقسیم ہوگا۔ کلکتہ کے اخبار انڈین وٹنس (۲۷ نومبر صفحہ ا کالم ۳) میں لکھا ہے: "اسوقت ہندوستان میں ایک بھی ایسا ہندوستانی مسیحی نہیں جو ہندوؤں کو مسیح کیطرف کھینچ لانے میں کامیاب ہوا اس سے ہماری یہ مراد ہے کہ ایسا مرد خدا جسکے انجیل سنانے پر لوگ اپنے گناہ کے قائل ہو جائیں اور دل کی تبدیلی پائیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ بہت سے مفید مناد نہیں ہیں جو اچھا کام کر رہے ہیں۔ لیکن ایک بھی ایسا شخص نہیں کہ جسنے روح القدس

رسید زر

۲۸ اکتوبر تا ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء

پادری رولینڈز	۱۹۰۱-۱۹۰۲	۴—۸—۰
ڈاکٹر وائٹ برجٹ	۱۹۰۲	۲—۰—۰
بشپ لاہور	؍؍	۲—۰—۰
ڈاکٹر عطارد	؍؍	۲—۰—۰
مسز کیمبل	؍؍	۲—۰—۰